شمشیر بے نیام

پہلا حصہ

تاریخی ناول ____ خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت

عنایت اللہ

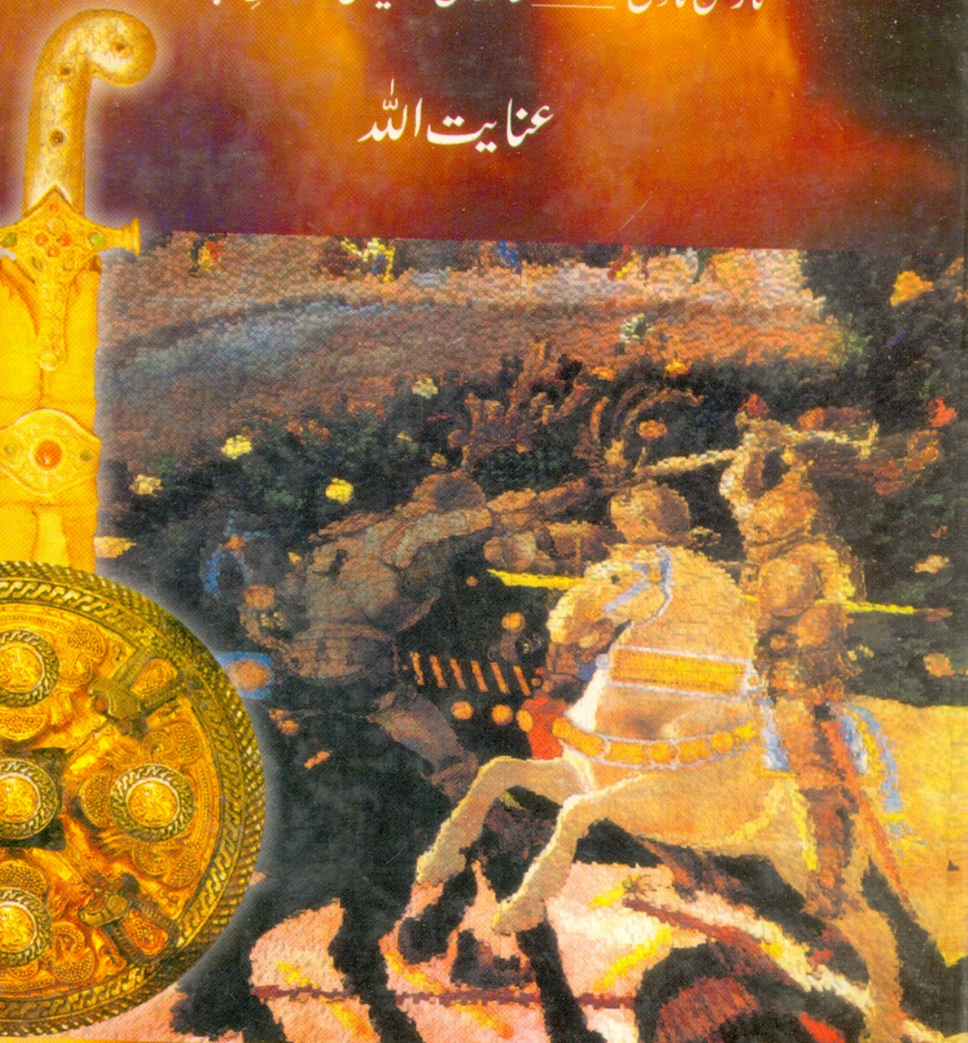

شمشیر بے نیام

حصہ اول

تاریخی ناول ـــــ خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت

عنایت اللہ

جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق جہانگیر بک ڈپو محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ اور کسی بھی قسم کی
اشاعت جہانگیر بک ڈپو کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی

رابطہ کے لئے۔

جہانگیر بک ڈپو، 257 ریواز گارڈن لاہور

آپ کے مشورے اور شکایات کے لئے۔

ای میل : jbdsales@wol.net.pk

اشاعت : جون 2002ء

سرورق : JBD آرٹ سیکشن، لاہور

قیمت : -/125 روپے

Research is the key to success
JBD PRESS
JAHANGIR BOOK DEPOT URDU BAZAR LAHORE
ESTD.1923

ناشر: عدیل نیاز، جہانگیر بک ڈپو، آفس: 257 ریواز گارڈن، لاہور۔ فون: 042-7213318
فیکس: 042-7213319 ای میل: jbdsales@wol.net.pk سیلز ڈپو: اردو بازار، لاہور
فون: 042-7220879 سیلز ڈپو: اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی فون: 051-5539609
سیلز ڈپو: نزد یونیفارم سینٹر جامع مسجد صدر، رسالہ روڈ، حیدر آباد فون: 0303-6217098

نیاز جہانگیر پرنٹرز، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور نے پرنٹ کی۔ فون: 042-7314319

سٹاکسٹ: مکتبہ داستان پرائیویٹ لمیٹڈ ۲۶ پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

وقاص اور سعد کے نام

پیش لفظ

"شمشیرِ بے نیام" کی پہلی جلد پیشِ خدمت ہے۔ دوسری جلد میں یہ ایمان افروز داستان مکمل ہوتی ہے۔ خالدؓ بن الولید اسلام کی وہ شمشیر تھے جو کفر کے خلاف ہمیشہ بے نیام رہی۔

خالدؓ بن الولید کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

خالدؓ اُن اوّلیں سپہ سالاروں میں سے تھے جنہوں نے نورِ اسلام کو مدینہ سے دُور دُور تک پہنچا دیا تھا۔

تاریخِ اسلام ہی نہیں، عالمی جنگوں کی تاریخ خالدؓ بن الولید کو چند ایک عظیم جرنیلوں میں شمار کرتی ہے۔ فنِ حرب و ضرب کے ماہرین اور مبصر آج بھی خالدؓ کی جنگی چالوں، میدانِ جنگ میں ان کی قیادت اور عسکری فہم و فراست کے حوالے دیتے ہیں۔

ہر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کم رہی ہے۔ کفار کی تعداد کہیں دگنی تھی کہیں سہ گنا اور یرموک کے میدان میں قیصرِ روم کی فوج اور اُس کے اتحادیوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دشمن کی فوج کا محاذ بارہ میل لمبا تھا اور اس میں کہیں بھی شگاف نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں نے دشمن کے محاذ کے پھیلاؤ کو دیکھ کر اپنا محاذ گیارہ میل پھیلا دیا تھا اور دستوں کے درمیان وسیع شگاف تھے۔

دشمن کے محاذ کی گہرائی بھی زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے کھڑے تھے جیسے چٹانوں کے پیچھے چٹانیں کھڑی ہوں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے محاذ کی گہرائی تھی ہی نہیں۔

تاریخ حیران ہے، جنگی مبصر حیران ہیں کہ مسلمانوں نے یرموک میں رومیوں کو شکست کس طرح دی تھی — اور رومیوں کی یہ شکست فیصلہ کن تھی۔ اس کے بعد بیت المقدس پکے ہوئے پھل کی طرح مسلمانوں کی جھولی میں آن گرا تھا۔

یہ جنگی چالوں کا کمال تھا۔ یرموک کی جنگ میں خالدؓ بن الولید نے جو چالیں کامیابی سے آزمائی تھیں وہ آج ترقی یافتہ ممالک کی فوجوں کی ٹریننگ میں شامل ہیں۔

خالدؓ نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا کہ دشمن کی تعداد زیادہ اور اُس کے ہتھیار برتر ہیں اور مسلمان بہت تھوڑے ہیں تو دشمن کے سامنے آنا خطرناک ہوگا۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ انہوں نے خلافت کے احکام کو نظرانداز کر کے دشمن پر حملہ کر دیا اور فتح پائی۔ یہ ایمان اور عزم کی پختگی کا کرشمہ تھا۔ یہ اسلام اور رسول اللہ کے عشق کا کمال تھا۔

خالدؓ کے کردار کی عظمت دیکھئے۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب نے انہیں پہلے سپہ سالاری سے معزول کیا تو خالدؓ بددل نہ ہوئے اور سپاہیوں کی طرح لڑتے رہے۔ یرموک کی جنگ کے بعد عمرؓ بن الخطاب نے خالدؓ کو ایک الزام میں مدینہ بلا لیا۔ خالدؓ سے بازپرس ہوئی۔ عرب کے اُس وقت کے رواج کے مطابق طریقہ ایسا اختیار کیا گیا جو ایک سپہ سالار کے لیے توہین آمیز تھا لیکن خالدؓ کا ردِ عمل ایسا تھا جو خلیفۃ المسلمین کو ناگوار نہ گزرا۔ انہوں نے سزا قبول کر لی۔

خالدؓ بن الولید کو معزولی پر بہت افسوس ہوا لیکن انہوں نے خلیفۃ المسلمین کا تختہ اُلٹنے کی کوشش نہ کی، اپنی الگ سیاسی پارٹی نہ بنائی نہ اپنا محاذ قائم کر لیا۔ اگر وہ ایسا اقدام کرتے تو پوری فوج اُن کے ساتھ تھی۔ وہ قوم کی

نگاہوں میں عزیز اور عظیم تھے۔ انہوں نے اُس وقت کی دو بہت بڑی جنگی طاقتوں کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا تھا—— ایک تھے ایرانی آتش پرست اور دوسرے رومی تھے—— خالدؓ نے انہیں پے بہ پے شکستیں دے کر عراق اور شام کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا تھا لیکن انہوں نے خلافت کے خلاف ایک لفظ نہ کہا۔ انہوں نے اپنی عظمت کو نظر انداز کر کے خلیفۃ المسلمین کی عظمت کا خیال رکھا۔

خالدؓ کیا تھے اور انہوں نے اسلام کو کیا دیا اور آج کے مسلمان کو اُنہوں نے کیا ورثہ دیا، یہ آپ اِس داستان —— شمشیرِ بے نیام —— کی دو جلدوں میں پڑھیں گے۔

اسلام کی تاریخ کے ساتھ بہت زیادتیاں ہُوئی ہیں مختلف مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے بعض واقعات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ایک ہی واقعہ کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک دھاندلی کی گئی ہے کہ بعض واقعات تعصب اور فرقہ بندی کے زیرِ اثر غلط رنگ میں پیش کئے گئے۔ تعصب سے یہ نہ سمجھئے کہ اس کا مظاہرہ غیر مسلم مؤرخوں نے کیا ہے۔ یہ تعصب اور دروغ مسلمان تاریخ نویسوں میں پایا جاتا ہے۔

ہر واقعہ کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے لیے ہم نے بہت سی کتابوں سے مدد لی اور چھان بین کی ہے اور تحقیق کر کے ہر واقعہ لکھا ہے۔ ایسے مقامات بھی آئے کہ ہمارے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ صحیح کیا اور مفروضہ کیا ہے۔ ہم نے جانچ پڑتال کر کے فیصلہ کیا کہ صحیح کیا ہو سکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم سے اختلاف کیا جائے گا لیکن یہ اختلاف چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم واقعات میں ہوگا۔

جس انداز سے ہم نے یہ داستانِ شجاعت لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ اُن تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں افسانوی بلکہ فلمی رنگ بھر دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم نے خالدؓ بن الولید اور ان کے تمام ہمعصر سالاروں کو عام انسانوں کے روپ میں پیش کیا ہے۔ انہیں آسمان سے اُترے ہُوئے سبز پوش نہیں بنایا نہ اُن سے ایسے معجزے کرائے ہیں کہ انہوں نے نعرہ لگایا اور دشمن دم دبا کر بھاگ گیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے۔ یہ داستان ہماری روایات کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تفریحی اور اخلاق سوز کہانیوں نے مسلمان کی اولاد کو پٹڑی سے اتار دیا ہے، یہ کتاب جو ہم "شمشیرِ بے نیام" کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے —— اور یہ ہماری روایت ہے۔ یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

وہ مسافر عرب کے صحرا میں اکیلا چلا جا رہا تھا۔۔

۸ ہجری کے زمانے میں عرب کا وہ علاقہ جہاں مکہ اور مدینہ واقع ہیں بڑا ہی خوفناک صحرا ہُوا کرتا تھا — جلتا اور انسانوں کو جُھلساتا ہُوا ریگزار — ایک تو صحرا کی اپنی صعوبتیں تھیں، دوسرا خطرہ رہزنوں کا تھا۔ مسافر قافلوں کی صورت میں سفر کیا کرتے تھے لیکن یہ مسافر اکیلا جا رہا تھا۔ وہ اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کی زِرہ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہُوئی تھی۔ اُس کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی اور اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔

اُس زمانے میں مردوں کے قد دراز، سینے چوڑے اور جسم گٹھے ہُوتے ہوتے تھے۔ یہ اکیلا مسافر بھی اُنہی مردوں میں سے تھا لیکن وہ جس انداز سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ شہسوار ہے اور وہ کوئی معمُولی آدمی نہیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا کہ رہزن اُسے لُوٹ لیں گے، اُس سے اتنی اچھی نسل کا گھوڑا چھین لیں گے اور اُسے پیدل سفر کرنا پڑے گا لیکن اُس کے چہرے پر جو تاثر تھا وہ قدرتی نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یادوں سے دل بہلا رہا تھا یا کچھ یادوں کو ذہن میں دفن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آگے ایک گھاٹی آگئی۔ گھوڑا چڑھتا چلا گیا۔ خاصی بلندی پر جا کر زمین ہموار ہوئی۔ سوار نے گھوڑا روک کر اسے گھمایا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر پیچھے دیکھا۔ اُسے مکہ نظر نہ آیا۔ مکہ افق کے نیچے چلا گیا تھا۔

"ابوسلیمان!" — اُسے جیسے آواز سنائی دی ہو — "اب پیچھے نہ دیکھو۔ مکہ کو ذہن سے اتار دو۔ تم مردِ میدان ہو۔ اپنے آپ کو دو حصّوں میں نہ کٹنے دو۔ اپنے فیصلے پر قائم رہو۔ تمہاری منزل مدینہ ہے۔"

اُس نے مکہ کی سمت سے نگاہیں ہٹالیں، گھوڑے کا رخ مدینے کی طرف کیا اور باگ کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ گھوڑا اپنے سوار کے اشارے سمجھتا تھا۔ جچی تُلی چال چل پڑا۔ سوار کی عمر ۴۳ برس تھی لیکن وہ اپنی عمر سے جوان لگتا تھا۔ سلیمان اُس کے بیٹے کا نام تھا۔ اُس کے باپ کا نام الولید تھا لیکن سوار نے خالد بن الولید کی بجائے ابوسلیمان کہلانا زیادہ پسند کیا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ تاریخ اُسے خالدؓ بن ولید کے نام سے یاد رکھے گی اور یہ نام اسلام کی عسکری روایات اور جذبے کا دوسرا نام بن جائے گا مگر ۴۳ برس کی عمر میں جب خالد مدینے کی طرف جا رہا تھا اُس وقت وہ مسلمان نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے علاوہ وہ مسلمانوں کے خلاف دو بڑی جنگیں — جنگِ احد اور جنگِ خندق — لڑ چکا تھا۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر ۶۱۰ء بروز سوموار پہلی وحی نازل ہُوئی اُس وقت خالد کی عمر ۲۴ سال تھی۔ اُس وقت تک وہ اپنے قبیلے بنو مخزوم کی عسکری قوّت کا قائد بن چکا تھا۔ بنو مخزوم کا شمار قریش کے چند ایک معزّز خاندانوں میں ہوتا تھا۔ قریش کے عسکری اُمور اسی خاندان کے سپرد تھے۔ قریش

خالد کے باپ الولید کے احکام اور فیصلے مانتے تھے۔ ۴۲ برس کی عمر میں یہ حیثیت خالد کو بھی حاصل ہوگئی تھی مگر اس حیثیت کو ٹھکرا کر خالد اُبو سلیمان مدینے کو جا رہا تھا۔

کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کی ذات سے کوئی قوت اُسے پیچھے کو گھسیٹ رہی ہو جب وہ اس قوت کے اثر کو محسوس کرتا تو اُس کی گردن پیچھے کو مڑ جاتی لیکن اُس کی اپنی ذات سے ایک آواز اٹھتی —"آگے دیکھ خالد! تُو ولید کا بیٹا تو ہے لیکن وہ مر گیا ہے۔ اب تو سلیمان کا باپ ہے۔ وہ زندہ ہے"

اُس کے ذہن میں دو نام اٹک گئے — محمدؐ (رسول اللہ) جو ایک نیا دین لائے تھے اور الولید جو خالد کا باپ اور محمدؐ اور آپؐ کے نئے دین کا بہت بڑا دشمن تھا — باپ یہ دشمنی ورثے کے طور پر خالد کے حوالے کر کے دنیا سے اُٹھ گیا تھا۔

خالد کے گھوڑے نے پانی کی مُشک پرا پنے آپ ہی رُخ بدل لیا تھا۔ خالد نے اُدھر دیکھا۔ اُسے گول دائرے میں کھجوروں کے درخت اور صحرا کے جھاڑی نما درخت نظر آئے۔ گھوڑا اُدھر ہی جا رہا تھا۔

نخلستان میں داخل ہو کر خالد گھوڑے سے کُود گیا۔ عمامہ اتار کر وہ پانی کے کنارے دوزانو ہو گیا۔ اُس نے پانی چُلّو بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالا اور دو چار چھینٹے منہ پر پھینکے۔ اُس کا گھوڑا پانی پی رہا تھا۔ خالد نے اُس چشمے سے پانی پیا جو صرف انسانوں کے استعمال کے لیے تھا۔ یہ چھوٹا سا ایک جنگل تھا۔ خالد نے گھوڑے کی زین اتاری اور زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھوٹی سی ایک دری کھول کر جھاڑی نما درختوں کے جھنڈ تلے بچھائی اور لیٹ گیا۔

✱

وہ تھک گیا تھا۔ تھوڑی سی دیر کے لیے سو جانا چاہتا تھا مگر اُس کے ذہن میں یادوں کا جو قافلہ چل پڑا تھا وہ اُسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ اُسے سات سال پہلے کا ایک دن یاد آیا جب اُس کے عزیزوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے میں خالد کا باپ الولید پیش پیش تھا۔

وہ ستمبر ۶۲۲ء کی ایک رات تھی۔ قریش نے رسولِ خداؐ کو سوتے میں قتل کرنے کے لیے ایسے آدمی چُنے تھے جو انسانوں کے رُوپ میں وحشی اور درندے تھے۔ خالد قریش کے سرکردہ خاندان کا جوان تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ستائیس سال تھی۔ وہ آنحضرتؐ کے قتل کی سازش میں شریک تھا لیکن وہ قتل کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ اُسے سات سال پہلے کی وہ رات گزرے ہُوئے کل کی طرح یاد تھی۔ وہ اس قتل پر خوش بھی تھا، ناخوش بھی۔ خوش اس لیے کہ اُس کے اپنے قبیلے کے ہی ایک آدمی نے اُس کے مذہب کو جو بُت پرستی تھی، باطل کہہ دیا اور اپنے آپ کو خُدا کا پیغمبر کہہ دیا تھا۔ ایسے دشمن کے قتل پر خوش ہونا فطری بات تھی۔

اور وہ ناخوش اس لیے تھا کہ وہ اپنے دشمن کو للکار کر آمنے سامنے کی لڑائی لڑنے کا قائل تھا۔ اُس نے سوتے ہُوئے دشمن کو قتل کرنے کی کبھی سوچی ہی نہیں تھی۔ بہرحال اُس نے اس سازش کی مخالفت نہیں کی لیکن قتل کی رات جب قاتل رسُولِ خداؐ کو مقررہ وقت پر قتل کرنے گئے تو آپؐ

کا مکان خالی تھا۔ وہاں گھر کا سامان بھی نہیں تھا۔ نہ آپؐ کا گھوڑا تھا نہ اونٹنی۔ قریش اس امید پر سوتے ہُوتے تھے کہ صبح انہیں خوشخبری مِلے گی کہ اُن کے مذہب کو جھٹلانے اور انہیں اپنے نئے مذہب کی طرف بلانے والا قتل ہو گیا ہے مگر صبح وہ ایک دوسرے کو مایُوسی کے عالم میں دیکھ رہے تھے، پھر وہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پُوچھنے لگے — "محمدؐ کہاں گیا؟"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قتل کے وقت سے بہت پہلے اپنے قتل کی سازش سے آگاہ ہو کر مکّہ سے یثرب (مدینہ) کو ہجرت کر گئے تھے۔ صبح تک آپ بہت دُور نکل گئے تھے۔

آج، سات برس بعد، خالد بھی مدینے کی طرف جا رہا تھا اور اس کے ذہن پر محمدؐ کا نام سوار تھا۔ اُس نے جنگِ اُحد میں اپنے دیوتا ہُبل اور دیوی عُزیٰ کے دشمن محمدؐ کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر آپؐ زخمی حالت میں وہاں سے نکل گئے تھے۔

خالد کے ذہن سے یادیں پھوٹتی چلی آ رہی تھیں۔ ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتے ہٹتے سولہ برس دُور جا رُکا۔ ۶۱۳ء کی ایک شام رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قریش کے چند ایک سرکردہ افراد کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد رسولِ کریمؐ نے اپنے مہمانوں سے کہا:

"اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے سامنے جو تحفہ پیش کرنے لگا ہُوں وہ عرب کا کوئی اور شخص پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اللہ نے مجھے منتخب کیا ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں ایک ایسے مذہب کی طرف بلاؤں جو تمہاری دنیا کے ساتھ تمہاری عاقبت بھی آسودہ اور مسرور کر دے گا۔"

اس طرح رسولِ اکرمؐ نے پہلی وحی کے نزول کے تین سال بعد اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ خالد اس محفل میں نہیں تھا۔ اُس کا باپ مدعو تھا۔ اُس نے خالد کو مذاق اڑانے کے انداز میں بتایا تھا کہ عبدالمطلب کے پوتے محمدؐ نے کہا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہُوا نبی ہے۔

"ہم جانتے ہیں عبدالمطلب قریش کا ایک سردار تھا" — الولید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا — "بیشک محمدؐ کا خاندان اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے لیکن نبوّت کا دعویٰ اس خاندان کا کوئی فرد کیوں کرے؟ اللہ کی قسم، اور قسم ہُبل اور عزیٰ کی، میرے خاندان کا رُتبہ کسی سے کم نہیں کیا نبوّت کا دعویٰ کر کے کوئی ہم سے اُونچا ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے اُسے کیا کہا ہے؟" — خالد نے پُوچھا۔

"پہلے تو ہم چپ ہو گئے پھر ہم سب ہنس پڑے" — الولید نے کہا — "لیکن محمدؐ کے چچازاد بھائی علیؓ بن ابو طالب نے محمدؐ کی نبوّت کو قبول کر لیا ہے۔"

خالد اپنے باپ کی طنزیہ ہنسی کو بھُولا نہیں تھا۔

خالد کو ۶۲۹ء کے ایک روز مکّہ اور مدینہ کے راستے میں ایک نخلستان میں لیٹے ہُوئے وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ رسولؐ اللہ جن کی نبوّت کو قریش کے سردار قبول نہیں کر رہے تھے، اس نبوّت کو لوگ قبول کرتے چلے جا رہے تھے۔ ان میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ بعض مفلس لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوصلے میں جان آ گئی اور آپؐ نے اسلام کی تبلیغ تیز کر دی۔ آپؐ بُت پرستی کے خلاف تھے۔ مسلمان اُن تین سو ساٹھ بُتوں کا مذاق اُڑاتے تھے

جو کعبہ کے اندر اور باہر رکھے ہوتے تھے۔

طلوعِ اسلام سے پہلے عرب ایک خُدا کو مانتے تھے اور پُوجتے ان بُتوں کو تھے۔ انہیں وہ دیویاں اور دیوتا کہتے اور انہیں اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ وہ ہر بات میں اللہ کی قسم کھاتے تھے۔

قریش نے دیکھا کہ محمدؐ کے جس دین کا انہوں نے مذاق اُڑایا تھا وہ مقبول ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے آپؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف محاذ بنالیا اور مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ خالد کو یاد آ رہا تھا کہ اُس نے اللہ کے رسولؐ کو گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے اور بتاتے دیکھا تھا کہ بُت انہیں نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔

رسولِ خُدا کی مخالفت کے قائد قریش کے چار سردار تھے۔ ایک تو خالد کا باپ الولید تھا۔ دوسرا نبیٔ کریمؐ کا اپنا چچا اُبولہب تھا، تیسرا ابوسفیان اور چوتھا ابوالحکم تھا جو خالد کا چچازاد بھائی تھا۔ مسلمانوں پر سب سے زیادہ ظلم و تشدد اسی شخص نے کیا تھا۔ وہ جہالت کی حد تک کینہ پرور اور مُسلم کُش تھا۔ اسی لیے مسلمان اُسے اُبوجہل کہنے لگے تھے۔ یہ نام اتنا عام ہُوا کہ لوگ جیسے اُس کا اصل نام بھول ہی گئے ہوں۔ تاریخ نے بھی اس پستہ قد، بھینگے اور لوہے کی طرح مضبُوط آدمی کو اُبوجہل کے نام سے ہی یاد رکھا ہے۔

٭

خالد کو یہ یادیں پریشان کرنے لگیں۔ شاید شرمسار بھی۔ قریش کے لوگوں نے رسولؐ خُدا کے گھر میں کئی بار غلاظت پھینکی تھی۔ جہاں کوئی مسلمان اسلام کی تبلیغ کر رہا ہوتا وہاں قریش کے آدمی جا پہنچتے اور ہلڑ مچاتے تھے۔ بداخلاق اور دھتکارے ہوئے آدمیوں کو رسُولِ خُدا کو پریشان کرتے رہنے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔

خالد کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ اُس کے باپ نے محمدّ الرسولؐ اللہ کے خلاف ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی تھی۔ وہ دو مرتبہ قریش کے تین چار سرداروں کو ساتھ لے کر رسولؐ خُدا کے چچا ابوطالب کے پاس یہ کہنے گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے (رسولِ خُدا) کو بُتوں کی توہین اور نبوّت کے دعوے سے روکے ورنہ وہ کسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔ ابوطالب نے اِن لوگوں کو دونوں مرتبہ ٹال دیا تھا۔

خالد کو اپنے باپ کی بہت بڑی قربانی یاد آئی۔ عمارہ خالد کا بھائی تھا۔ وہ خاص طور پر خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ ذہین تھا اور اُس میں بانکپن تھا۔ خالد کے باپ الولید نے اپنے اتنے خوبصورت بیٹے عمارہ کو قریش کے دوسرداروں کے حوالے کیا اور انہیں کہا کہ اسے محمدؐ کے چچا ابوطالب کے پاس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ میرا بیٹا رکھ لو اور اس کے بدلے محمدؐ ہمیں دے دو۔

خالد اپنے باپ کے اس فیصلے پر کانپ اُٹھا تھا اور جب اُس کا بھائی عمارہ دونوں سرداروں کے ساتھ چلا گیا تھا تو خالد تنہائی میں جا کر رویا تھا۔

"ابوطالب!" ــــ سرداروں نے عمارہ کو رسولؐ کریم کے چچا کے آگے کر کے کہا ــ "اسے تم جانتے ہو۔ یہ عمارہ بن الولید ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ بنو ہاشم نے جس کے تم سردار ہو، ابھی تک اس جیسا سجیلا اور عقلمند جوان پیدا نہیں کیا۔ یہ ہم ہمیشہ کے لیے تمہارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ اسے اپنا بیٹا بنا کر رکھو گے تو تمام عمر فرمانبردار رہے گا اور اگر اسے اپنا غلام بناؤ گے تو قسم ہے اللہ کی، تم پر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔"

"مگر تم اسے میرے حوالے کیوں کر رہے ہو؟" ــــ ابوطالب نے پوچھا ــ "کیا بنو مخزوم کی ماؤں نے اپنے بیٹوں کو نیلام کرنا شروع کر دیا ہے؟.... کہو، اس کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟"

"اس کے عوض ہمیں اپنا بھتیجا محمدؐ دے دو" ــ قریش کے ایک سردار نے کہا ــــ "تمہارا یہ بھتیجا تمہاری رسوائی کا باعث بن گیا ہے۔ اُس نے تمہارے آباؤ اجداد کے مذہب کو رد کر کے نیا مذہب بنا لیا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اُس نے قبیلے میں آدمی کو آدمی کا دشمن بنا دیا ہے۔"

"تم میرے بھتیجے کو لے جا کر کیا کرو گے؟"

"قتل" ــــ قریش کے دُوسرے سردار نے جواب دیا ــ "ہم محمدؐ کو قتل کریں گے۔ یہ بے انصافی نہیں ہو گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تمہارے بھتیجے کے بدلے تمہیں اپنا بیٹا دے رہے ہیں۔"

"یہ بہت بڑی بے انصافی ہو گی" ــــ ابُوطالب نے کہا ــ "تم میرے بھتیجے کو قتل کرو گے اور میں تمہارے بیٹے کو پالوں گا اور اس پر خرچ کروں گا اور اسے بہت اچھی زندگی دوں گا۔ تم میرے پاس کیسا انصاف لے کر آئے ہو؟.... میں تمہیں عزّت سے رخصت کرتا ہُوں۔"

خالد نے جب اپنے بھائی کو اپنے سرداروں کے ساتھ واپس آتے دیکھا اور سرداروں سے سنا کہ ابُوطالب نے یہ سودا قبول نہیں کیا تو خالد کو دِلی مسرّت ہوتی تھی۔

*

"محمدؐ کا تم نے کیا بگاڑ لیا تھا ابوسلیمان!" ــ خالد کی ذات سے ایک سوال اٹھا۔ اُس نے خیالوں ہی خیالوں میں سر ہلایا اور دل ہی دل میں کہا ــ "کچھ نہیں.... بیشک محمدؐ کا جسم طاقتور ہے لیکن رکانہ بن عبد یزید جیسے پہلوان کو اٹھا کر پٹخنے کے لیے صرف جسمانی طاقت کافی نہیں۔"

رکانہ بن عبد یزید رسول اکرمؐ کا چچا تھا جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ عرب کا مانا ہُوا پہلوان تھا۔ نامی گرامی پہلوان آئے جنہیں اُس نے ایک ہی داؤ میں پٹخ کر اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔ وہ وحشی انسان تھا۔ صرف لڑنا مارنا جانتا تھا۔ خالد کو وہ وقت یاد آنے لگا جب مسلمانوں کو دِق کرنے والے تین چار آدمیوں نے ایک دن رکانہ پہلوان کو خُوب کھلایا پلایا اور اُسے کہا تھا کہ تمہارا بھتیجا محمدؐ کسی کے ہاتھ نہیں آتا نہ اپنی تبلیغ سے باز آتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے اور لوگ اُس کی باتوں کے جادُو میں آتے چلے جا رہے ہیں، کیا تم اُسے سیدھا نہیں کر سکتے؟

"کیا تم میرے ہاتھوں اُس کی ہڈیاں تڑوانا چاہتے ہو؟" ــــ رکانہ نے اپنے چہرے پر مسرت بھنیلے کا تاثر پیدا کر کے تکبّر کے لہجے میں کہا تھا ــــ "لاؤ اُسے میرے مقابلے میں..... لیکن وہ میرا نام سن کر مکّے سے بھاگ جائے گا۔ نہیں، نہیں۔ میں اُس کے ساتھ لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔"

اس نے اُکسانے والے آدمیوں کی بات نہ مانی۔ وہ کسی پہلوان کو اپنے برابر سمجھتا ہی نہیں تھا۔ مسلمانوں کے دشمن خاموش ہو گئے لیکن سوچتے رہے کہ رسولِ خداؐ کو رکانہ کے ہاتھوں گرا کر آپؐ کا تماشہ بنایا جائے۔ مکّے کے یہودی خاص طور پر رسولِ اکرمؐ کے دشمن تھے لیکن وہ کھُل کر میدان میں نہیں آتے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اہلِ قریش آپس میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں انہیں پتہ چل گیا کہ قریش کے کچھ آدمیوں نے رکانہ پہلوان کو اُکسایا ہے کہ وہ رسُولُ اللہؐ کو کشتی کے لیے للکارے لیکن وہ نہیں مان رہا۔

ایک روز رکانہ رات کے وقت ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک بڑی حسین اور جوان لڑکی گزری۔ چاندنی رات میں لڑکی نے رکانہ کو پہچان لیا اور مسکرائی۔ رکانہ وحشی تھا۔ وہ رُک گیا اور لڑکی کا راستہ روک لیا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ عورت مرد کی طرف دیکھ کر مُسکراتی ہے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"— رکانہ پہلوان نے پوچھا —"کون ہو تم؟"

"اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت اس مرد کو چاہتی ہے"— جوان لڑکی نے جواب دیا —"میں سبت بنت ارمن ہُوں"

"او..... ارمن یہودی کی بیٹی!"— رکانہ نے کہا اور لڑکی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور اُسے اپنے قریب کر کے بولا —"کیا میرا جسم تجھے اتنا اچھا لگتا ہے اور کیا میری طاقت ....؟"

"تمھاری طاقت نے مجھے مایوس کر دیا ہے"— سبت نے پیچھے ہٹتے ہُوئے کہا — "تم اپنے بھتیجے محمدؐ سے ڈرتے ہو"

"کون کہتا ہے؟"— رکانہ نے گرج کر پوچھا۔

"سب کہتے ہیں"— سبت نے کہا —"پہلے محمُدؐ کو گراؤ۔ میں اپنا جسم تمہیں انعام میں دوں گی"

"اللہ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی قسم! تیری بات پوری کر کے تیرے سامنے آؤں گا"— رکانہ نے کہا —"لیکن تُو نے غلط سنا ہے کہ میں محمدؐ سے ڈرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے سے کمزور کے ساتھ لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن تیری بات پوری کروں گا"

*

مشہور مؤرخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے خود رکانہ پہلوان کو کُشتی کے لیے للکارا تھا لیکن دوسرے مؤرخ ابن الاثیر نے جو شہادت پیش کی ہے وہ صحیح ہے کہ رکانہ نے رسولِ خُداؐ کو کُشتی کے لیے للکارا اور اُس نے کہا تھا:

"میرے بھائی کے بیٹے! تم بڑے دل اور بڑی جرأت والے آدمی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہُوں کہ تم جھوٹ بولنے سے نفرت کرتے ہو لیکن مرد کی جرأت اور صداقت کا پتہ اکھاڑے میں چلتا ہے۔ آؤ۔ میرے مقابلے میں اکھاڑے میں اُترو۔ اگر مجھے گرا لو تو میں تمہیں اللہ کا بھیجا ہُوا نبی مان لوں گا۔ اللہ کی قسم! تمھارا مذہب قبول کر لوں گا"

"لیکن یہ ایک بھتیجے اور چچا کی کُشتی نہیں ہو گی"— رسولِ خُداؐ نے رکانہ کی للکار کے جواب میں کہا —"یہ ایک بُت پرست اور سچّے دین کے ایک پیغمبرؐ کی لڑائی ہو گی۔ تُو ہار گیا تو اپنا وعدہ نہ بھول جانا"

مکّہ میں یہ خبر صحرا کی آندھی کی طرح پھیل گئی کہ رکانہ پہلوان اور محمدؐ کی کشتی ہوگی اور جو ہار جائے گا وہ جیتنے والے کا مذہب قبول کرلے گا۔ قریش کا بچہ بچہ، مرد و زن اور یہودی ہجوم کرکے آ گئے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ وہ تلواروں اور برچھیوں سے مسلح ہو کر آئے کیونکہ اُنہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کشتی کو بہانہ بنا کر رسولِ خداؐ کو قتل کر دیں گے۔

عرب کا سب سے زیادہ طاقتور اور وحشی پہلوان رکانہ بن عبد یزید رسولِ کریمؐ کے مقابلے میں اُترا۔ اُس نے رسول اللہؐ پر طنزیہ نگاہ ڈالی اور آپؐ پر پھبتی کسی۔ آپؐ مکمل خاموشی اور اطمینان سے رکانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے کہ وہ بے خبری میں کوئی داؤ نہ کھیل جائے۔ رکانہ آپؐ کے اردگرد یوں گھوما جیسے شیر اپنے شکار کے اردگرد گھوم گیا ہو اور اب اسے کھا جاتے گا۔ ہجوم رسولِ اکرمؐ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ مسلمان خاموش تھے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھے ہوتے تھے۔

پھر نہ جانے کیا ہُوا؟ رسولِ اکرمؐ نے کیا داؤ کھیلا؟ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ آپؐ نے رکانہ کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ زخمی شیر کی طرح اٹھا اور غرا کر آپؐ پر حملہ آور ہُوا۔ آپؐ نے پھر وہی داؤ کھیلا اور اُسے پٹخ دیا۔ وہ اٹھا تو آپؐ نے اُسے تیسری بار پٹخا۔ بھاری بھرکم جسم تین بار پٹخا گیا تو کشتی جاری رکھنے کے قابل نہ رہا۔ رکانہ سر جھکا کر اکھاڑے سے نکل گیا۔

ہجوم پر سناٹا طاری ہوگیا۔ اب مسلمان ننگی تلواریں اور برچھیاں ہوا میں لہرا لہرا اور اُچھال اُچھال کر نعرے لگا رہے تھے۔

"چچا رکانہ!۔۔۔ رسول اللہؐ نے للکار کر کہا ۔۔۔" اپنا وعدہ پورا کر اور یہیں اعلان کر کہ آج سے تُو مسلمان ہے"

رکانہ نے قبولِ اسلام سے صاف انکار کر دیا۔

✱

"یہ طاقت جسمانی نہیں تھی"۔۔۔ خالد نے نخلستان میں لیٹے لیٹے اپنے آپ سے کہا ۔۔۔" رکانہ کو یوں تین بار پٹخنا تو دُور کی بات ہے، اُسے کوئی پچھاڑ بھی نہیں سکا تھا"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور خالد کے ذہن میں نکھر آیا۔ وہ آپؐ کو اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ محمدؐ کوئی اور تھے جنہیں وہ بچپن سے جانتا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے جو روپ اختیار کیا تھا اس میں خالد آپؐ کو نہیں پہچانتا تھا۔ نبوت کے دعوے کے بعد خالد کی آپؐ کے ساتھ بول چال بند ہوگئی تھی۔ وہ آپؐ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ رکانہ کی طرح پہلوان نہیں تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں لڑنے والا اور لڑنے والوں کی قیادت کرنے والا جنگجو تھا لیکن اُس وقت مسلمان فوج کی صُورت میں لڑنے کے قابل نہیں تھے۔

جب مسلمان فوج کی صُورت میں لڑنے کے قابل ہُوئے اور قریش کے ساتھ اُن کا پہلا معرکہ ہُوا اس وقت خالد کے لیے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ وہ اس معرکے میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا اُسے بہت افسوس تھا۔ یہ معرکہ بدر کا تھا جس میں تین سو تیرہ مجاہدینِ اسلام نے

ایک ہزار قریش کو شکست دی تھی۔ خالد دانت پیتا رہ گیا تھا لیکن اس روز جب وہ ایک نخلستان میں لیٹا ہُوا تھا، اُسے خیال آیا کہ تین سو تیرہ نے ایک ہزار کو کس طرح شکست دے دی تھی۔ اُس نے شکست کھا کر آنے والے قریش سے پوچھا تھا کہ مسلمانوں میں وہ کون سی خوبی تھی جس نے اُنہیں فتح یاب کیا تھا۔

خالد اُٹھ بیٹھا اور اُنگلی سے ریت پر بدر کے میدان کے خد و خال بنا کر قریش اور مسلمانوں کی پوزیشنیں اور معرکے کے دوران دونوں کی چالوں کی لکیریں بنانے لگا۔ باپ نے اُسے فنِ حرب و ضرب کا ماہر بنا دیا تھا۔ بچپن میں اُسے گھوڑ سواری سکھائی۔ لڑکپن میں اُسے اکھڑ اور منہ زور گھوڑوں کو قابو میں لانے کے قابل بنایا۔ نوجوانی میں وہ شہسوار بن چکا تھا۔ شتر سواری میں بھی وہ ماہر تھا۔ اُس کا باپ ہی اُس کا اُستاد تھا۔ اُس نے خالد کو صرف سپاہی نہیں بلکہ سالار بنایا تھا۔ خالد کو جنگ و جدل اتنی اچھی لگی کہ وہ لڑنے اور لڑانے کے طریقوں پر غور کرنے لگا اور جوانی میں فوج کی قیادت کے قابل ہو گیا تھا۔

اُسے بدر کی لڑائی میں شامل نہ ہو سکنے کا افسوس تھا اور وہ انتقام کے طریقے سوچتا رہتا تھا لیکن اب اُس کی سوچوں کا دھارا کسی اور طرف چل پڑا تھا۔ مکّہ سے روانگی سے کچھ دن پہلے سے وہ اس سوچ میں کھو گیا تھا کہ رسولِ اکرمؐ نے رکانہ پہلوان کو تین بار پٹخا تھا اور بدر میں آپؐ نے محض تین سو تیرہ مجاہدین سے ایک ہزار کو شکست دی۔ یہ کوئی اور ہی قوت تھی۔ لیکن بدر کے معرکے کے بعد اُس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔

مسلمان معرکۂ بدر میں قریش کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ قریش کے سرداروں کے لیے تو یہ صدمہ تھا ہی۔ اس کا بہت بُرا اثر خالد نے قبول کیا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب بدر کا معرکہ لڑا جا رہا تھا تو مکّہ میں کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی کہ معرکے کا انجام کیا ہُوا۔ مکّہ کے لوگ بدر کی سمت دیکھتے رہتے تھے کہ اُدھر سے کوئی سوار دوڑا آئے گا اور فتح کی خبر سنائے گا۔

آخر ایک روز ایک شتر سوار آتا نظر آیا۔ لوگ اُس کی طرف دوڑ پڑے۔ سوار نے عرب کے رواج کے مطابق اپنا کُرتہ پھاڑ دیا تھا اور وہ روتا آ رہا تھا۔ بُری خبر لانے والے قاصد ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ وہ جب لوگوں کے درمیان پہنچا تو اُس نے روتے ہوئے بتایا کہ اہلِ قریش کو بہت بُری شکست ہُوئی ہے۔ جن کے عزیز رشتہ دار لڑنے گئے تھے وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر اُن کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ زندہ ہیں، زخمی ہیں یا مارے گئے ہیں۔ شکست خوردہ قریش پیچھے آ رہے تھے۔

مارے جانے والوں میں سترہ افراد خالد کے قبیلے بنو مخزوم کے تھے اور ان سب کے ساتھ خالد کا خُون کا بڑا قریبی رشتہ تھا۔ ابُوجہل بھی مارا گیا تھا۔ خالد کا بھائی جس کا نام ولید تھا جنگی قیدی ہو گیا تھا۔

ابُوسفیان جو قریش کے سرداروں کا سردار تھا اور اُس کی بیوی ہند بھی موجود تھے۔

"کچھ میرے باپ اور میرے چچا کے متعلق بتا اے قاصد!" — ہند نے پوچھا۔

"تمہارا باپ عتبہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے" — قاصد نے کہا — "اور تمہارے چچا

شیبہ کو اکیلے حمزہؓ نے قتل کیا ہے اور تمہارا بیٹا حنظلہ علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"
ابُوسفیان کی بیوی ہُند نے پہلے تو علیؓ اور حمزہؓ کو بلند آواز سے گالیاں دیں پھر بولی — "اللہ کی قسم، میں اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لوں گی۔"
ابُوسفیان پر خاموشی طاری تھی۔
خالد کا خون کھول رہا تھا۔
قریش کے ستّر آدمی مارے گئے اور جو جنگی قیدی ہوتے اُن کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔

*

خالد اٹھا۔ دری جھاڑ کر لپیٹی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ کر سوار ہُوا اور مدینہ کی سمت چل پڑا۔ اُس نے ذہن کو یادوں سے خالی کر دینا چاہا لیکن اُس کا ذہن مدینہ پہنچ جاتا جہاں رسول اللہ تھے اور جو تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ آپؐ کا خیال آتے ہی اُس کا ذہن پیچھے چلا جاتا اور اُسے وہ منظر دکھاتا جن کے خالق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ اُس کے ذہن میں ہُند کے الفاظ یاد آتے جو اُس نے اپنے خاوند ابُوسفیان سے کہے تھے۔
"میں اپنے باپ اور چچا کو بھول سکتی ہوں" — ہُند نے کہا تھا — "کیا میں اپنے لختِ جگر حنظلہ کو بھی بھول جاؤں؟ ماں اپنے بیٹے کو کیسے بُھول سکتی ہے؟ اللہ کی قسم، میں محمدؐ کو اپنے بیٹے کا خون معاف نہیں کر دوں گی۔ یہ لڑائی محمدؐ نے کرائی ہے۔ میں حمزہؓ اور علیؓ کو نہیں بخشوں گی۔ وہ میرے باپ، میرے چچا اور میرے بیٹے کے قاتل ہیں۔"
"میرے خون کو صرف میرے بیٹے کا قتل گرما رہا ہے" — ابُوسفیان نے کہا تھا — "مجھ پر اپنے بیٹے کے خون کا انتقام فرض ہو گیا ہے۔ میں سب سے پہلے یہ کام کروں گا کہ محمدؐ کے خلاف زبردست فوج تیار کر کے اُسے آئندہ لڑنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"
مشہور مؤرخ اور وقائع نگار واقدی لکھتا ہے کہ اگلے ہی روز ابُوسفیان نے تمام سرداروں کو بلایا۔ ان میں زیادہ تعداد اُن سرداروں کی تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عزیز اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ سب انتقام کا ارادہ لے کر اکٹھے ہوتے۔
"کیا مجھے زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت ہے؟" — ابُوسفیان نے کہا — "میرا اپنا جوان بیٹا مارا گیا ہے۔ اگر میں انتقام نہیں لیتا تو مجھے جینے کا کوئی حق نہیں۔"
سب ایک ہی بار بولنے لگے۔ وہ اس پر متفق تھے کہ مسلمانوں سے بدر کی شکست کا انتقام لیا جاتے۔
"لیکن آپ میں سے اب کوئی بھی اپنے گھر میں نہ بیٹھا رہے" — خالد نے کہا — "بدر میں ہم صرف اس لیے ذلّت میں گرے کہ سردار گھروں میں بیٹھے رہے اور اُن لوگوں کو لڑنے کے لیے بھیج دیا جو قریش کی عظمت کو نہیں سمجھتے تھے۔"
"کیا میرے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا خیال نہ تھا؟" — خالد کے چچا زاد بھائی عکرمہ نے جو ابُوجہل کا بیٹا تھا، برہم ہوتے ہوتے کہا — "کیا صفوان بن امیّہ کے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا

خیال نہ تھا؟.... تم کہاں تھے الولید کے بیٹے؟"

"ہم یہاں ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوئے" ـــ ابُوسفیان نے کہا ـــ "خالد! تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے تھی جس سے کوئی اپنی بے عزّتی محسوس کرے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی عزت والا نہیں رہا" ـــ خالد نے کہا ـــ "ہم سب اُس وقت تک بے عزت رہیں گے جب تک ہم محمدؐ اور اُس کے چیلوں کو ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کر دیتے۔ مجھے اپنے گھوڑے کے سُموں کی قسم، میرے خون کی گرمی نے میری آنکھیں جلا دی ہیں۔ ان آنکھوں کو مسلمانوں کا خون ٹھنڈا کر سکتا ہے.... میں پھر کہوں گا کہ اب سردار آ گئے ہوں گے اور میں جانتا ہوں کہ میں میدانِ جنگ میں کہاں ہوں گا لیکن جنگ میں ہمارا جو سردار ہو گا، میں اُس کے حکم کا پابند رہوں گا اور اگر میں سمجھوں گا کہ سردار نے مجھے ایسا حکم دیا ہے جو ہمیں نقصان دے گا تو میں ایسا حکم نہیں مانوں گا۔"

سب نے متفقہ طور پر ابُوسفیان کو اپنا سردار مقرر کیا۔

اس سے کچھ روز پہلے اہلِ مکہ کا ایک قافلہ فلسطین سے مکہ واپس آیا تھا۔ یہ تجارتی قافلہ تھا۔ مکہ کے باشندوں، خصوصاً قریش کے ہر خاندان نے اس تجارت میں حصہ ڈالا تھا۔ اس قافلے میں کم و بیش ایک ہزار اُونٹ تھے اور جو مال گیا تھا اس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ قافلے کا سردار ابُوسفیان تھا جس نے پچاس ہزار پر پچاس ہزار دینار منافع کمایا تھا۔

قافلے کی واپسی کا راستہ مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا۔ مسلمانوں کو پتہ چل گیا۔ اُنہوں نے پورے قافلے کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر قافلے کو گھیرے میں لے لیا لیکن وہ زمین ایسی تھی کہ ابُوسفیان نے ایک ایک آدمی اور ایک ایک اونٹ کو زمین کے اونچے نیچے خدوخال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیرے سے نکال دیا تھا۔

✱

خالد کا گھوڑا خراماں خراماں مدینہ کی طرف چلا جا رہا تھا مگر خالد کا ذہن پیچھے کو سفر کر رہا تھا۔ اُسے اُس وقت کا جب قریش انتقام کی سکیم بنانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے، ایک ایک لفظ جو کسی نے کہا تھا، سنائی دے رہا تھا۔

"اگر تم نے اپنی سرداری مجھے دی ہے تو میرے ہر فیصلے کی پابندی تم پر لازم ہے" ـــ ابُوسفیان نے کہا ـــ "میرا پہلا فیصلہ یہ ہے کہ میں نے ابھی پچاس ہزار دینار منافع سب میں تقسیم نہیں کیا وہ میں تقسیم نہیں کروں گا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ میں استعمال ہو گا۔"

"مجھے اور میرے خاندان کو یہ فیصلہ منظور ہے" ـــ سب سے پہلے خالد نے کہا۔

پھر "منظور ہے.... ایسا ہی کرو.... منظور ہے" کی آوازیں اُٹھیں۔

"میرا دوسرا حکم یہ ہے" ـــ ابُوسفیان نے کہا ـــ "کہ جنگِ بدر میں ہمارے جو آدمی مارے گئے ہیں۔ ان کے لواحقین آہ و زاری کر رہے ہیں۔ میں نے مردوں کو دھاڑیں مارتے اور عورتوں کو بین کرتے سُنا ہے۔ اللہ کی قسم، جب آنسو بہ جاتے ہیں تو انتقام کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ آج سے بدر کے مقتولین پر کوئی نہیں روئے گا.... اور میرا تیسرا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر کی لڑائی میں ہمارے

جن آدمیوں کو قید کیا ہے، ان کی رہائی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ مسلمانوں نے قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے درجے مقرر کر دیئے ہیں اور ان کا فدیہ ایک ہزار سے چار ہزار درہم مقرر کیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو ایک درہم بھی نہیں دیں گے۔ یہ رقم ہمارے ہی خلاف استعمال ہوگی۔"

خالد کو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے اور مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جب وہ لمحے یاد آرہے تھے تو اُس کی مٹھیاں بند ہو گئیں۔ غصے کی لہر اُس کے سارے وجود میں پھر گئی۔ وہ وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے اندر غصہ بیدار ہو گیا۔ اُسے غصہ اس بات پر آیا تھا کہ اجلاس میں طے ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے پاس مکّہ کا کوئی آدمی اپنے قیدی کو چھڑانے مدینہ نہیں جائے گا لیکن ایک آدمی چوری چھپے مدینہ چلا گیا اور فدیہ ادا کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لایا۔ اس کے بعد قریش کا کوئی نہ کوئی آدمی چوری چھپے مدینہ چلا جاتا اور اپنے عزیز رشتہ دار کو رہا کرا لاتا۔ ابوسفیان نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

خالد کا اپنا ایک بھائی جس کا نام ولید تھا مسلمانوں کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اگر اُس وقت تک قریش اپنے بہت سے قیدی رہا نہ کرا لاتے ہوتے تو خالد اپنے بھائی کی رہائی کے لیے کبھی نہ جاتا۔ اُسے اپنے بھائیوں نے مجبور کیا تھا کہ ولید کی رہائی کے لیے جائے۔ خالد کو یاد آرہا تھا کہ وہ اپنے وقار کو ٹھیس پہنچانے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا لیکن اُسے ایک خیال آیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ رسولِ کریمؐ بھی اُسی کے قبیلے کے تھے اور آپؐ کے پیروکار یعنی جو مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی قریش اور اہلِ مکّہ سے تھے۔ وہ آسمان سے تو نہیں اُترے تھے۔ وہ اتنے جرّی اور دلیر تو نہیں تھے کہ تین سو تیرہ کی تعداد میں ایک ہزار کو شکست دے سکتے۔ اب اُن میں کیسی قوت آ گئی ہے کہ وہ ہمیں نیچا دکھا کر ہمارے آدمیوں کی قیمتیں مقرر کر رہے ہیں؟

"انہیں ایک نظر دیکھوں گا" — خالد نے سوچا تھا — "محمدؐ کو غور سے دیکھوں گا۔"

اور وہ اپنے بھائی ہشام کو ساتھ لے کر مدینہ چلا گیا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھ چار ہزار درہم باندھ لیے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ بنو مخزوم کے سردار الولید کے بیٹے کا فدیہ چار ہزار درہم سے کم نہیں ہوگا۔

ایسے ہی ہُوا۔ اُس نے مسلمانوں کے ہاں جا کر اپنے بھائی کا نام لیا تو ایک مسلمان نے، جو قیدیوں کی رہائی اور فدیہ کی وصولی پر مامور تھا، کہا کہ چار ہزار درہم ادا کر دو۔

"ہم فدیہ میں کچھ رعایت چاہتے ہیں" — خالد کے بھائی ہشام نے اُس مسلمان سے کہا — "تم لوگ آخر ہم میں سے ہو۔ کچھ پرانے رشتوں کا خیال کرو۔"

"اب ہم تم میں سے نہیں ہیں" — مسلمان نے کہا — "ہم اللہ کے رسولؐ کے حکم کے پابند ہیں۔"

"کیا ہم تمہارے رسُولؐ سے بات کر سکتے ہیں؟" — ہشام نے پُوچھا۔

"ہشام!" — خالد نے گرج کر کہا — "میں اپنے بھائی کو اپنے وقار پر قربان کر چکا تھا مگر تم مجھے ساتھ لے آئے۔ یہ جتنا مانگتے ہیں اتنا ہی دے دو۔ میں محمدؐ کے سامنے جا کر رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔"

اُس نے درہموں سے بھری ہوئی تھیلیاں مسلمان کے آگے پھینک کر کہا، گِن لو اور ہمارا بھائی ہمارے حوالے کرو۔

رقم گِنی جا چکی تو ولید کو خالد اور ہشام کے حوالے کر دیا گیا۔ تینوں بھائی اُسی وقت مکّہ کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں دونوں بھائیوں نے ولید سے پوچھا کہ ان کی شکست کا باعث کیا تھا۔ انہیں توقع تھی کہ ولید جو ایک جنگجو خاندان کا جوان تھا، انہیں جنگی فہم و فراست اور حرب و ضرب کے طور طریقوں کے مطابق مسلمانوں کی جنگی چالوں کی خوبیاں اور اپنی خامیاں بتائے گا مگر ولید کا انداز ایسا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ایسی تھی جیسے اُس پر کوئی پُراسرار اثر ہو۔

"ولید کچھ تو بتاؤ" — خالد نے اُس سے پُوچھا — "ہمیں اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ قریش کے تمام سردار اگلی جنگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ ہم اِردگرد کے قبائل کو بھی ساتھ ملا رہے ہیں اور وہ مکہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں"۔

"سارے عرب کو اکٹھا کر لو خالد!" — ولید نے کہا — "تم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکو گے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ محمدؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے یا اُن کا نیا عقیدہ سچّا یا کیا بات ہے کہ میں نے ان کا قیدی ہوتے ہوئے بھی انہیں ناپسند نہیں کیا"۔

"پھر تم اپنے قبیلے کے غدّار ہو" — ہشام نے کہا — "غدّار ہو یا تم پر ان کا جادو اثر کر گیا ہے۔ وہ یہودی پیشوا ٹھیک کہتا تھا کہ محمدؐ کے پاس کوئی نیا عقیدہ اور نیا مذہب نہیں۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی جادو آ گیا ہے"۔

"جادو ہی تھا ورنہ بدر میں قریش شکست کھانے والے نہیں تھے" — خالد نے کہا۔

ولید جیسے اُن کی باتیں سُن ہی نہیں رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر تبسّم تھا اور وہ مڑ مڑ کر مدینے کی طرف دیکھتا تھا۔ مدینے سے کچھ دُور ذی الحلیفہ نام کی ایک جگہ ہُوا کرتی تھی۔ تینوں بھائی وہاں پہنچے تو رات گہری ہو چکی تھی۔ رات گزارنے کے لیے وہ وہیں رُک گئے۔

صبح آنکھ کھلی تو ولید غائب تھا۔ اُس کا گھوڑا بھی وہاں نہیں تھا۔ خالد اور ہشام سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ ولید واپس مدینے چلا گیا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا تھا کہ اُس پر کوئی اثر تھا۔ یہ اثر مسلمانوں کا ہی ہو سکتا تھا۔ دونوں بھائی مکّہ آ گئے۔ چند دنوں بعد اُنہیں مدینہ سے ولید کا زبانی پیغام ملا کہ اُس نے محمدؐ کو خُدا کا سچا رسول تسلیم کر لیا ہے اور وہ آپؐ کی شخصیّت اور باتوں سے اتنا متاثر ہُوا ہے کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ولید بن الولید رسولِ اکرمؐ کے منظورِ نظر رہے اور اُنہوں نے مذہب میں بھی اور کفّار کے ساتھ معرکہ آرائی میں بھی نام پیدا کیا۔

*

خالد کو اُس وقت بہت غصہ آیا تھا۔ ایک تو اُس کا بھائی گیا، دوسرے چار ہزار درہم گئے۔ چونکہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان خونی دشمنی پیدا ہو چکی تھی اس لیے مسلمانوں نے یہ رقم واپس نہ کی۔ رقم واپس نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ولید نے رسولِ کریمؐ کو بتا دیا تھا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور اس کے لیے بے انداز درہم و دینار اکٹھے کیے جا چکے ہیں۔

خالد مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُسے اُفق سے ایک کوہان سی اُبھری ہوئی نظر آنے لگی۔ خالد جانتا تھا یہ کیا ہے۔ یہ اُحد کی پہاڑی تھی جو مدینہ سے چار میل شمال میں ہے۔ اس وقت خالد ریت کی بڑی لمبی اور کچھ اونچی ٹیکری پر چلا جا رہا تھا۔

"اُحد.... اُحد" — خالد کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی اور اُسے اپنی للکار سنائی دینے لگی —

"میں ابوسلیمان ہوں.... میں ابوسلیمان ہوں" — اس کے ساتھ ہی اسے ایک خونریز جنگ کا شوروغل اور سینکڑوں گھوڑوں کے ٹاپ اور تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ خالد یہ جنگ لڑنے کے لیے بیتاب تھا اور اُس نے یہ جنگ لڑی۔

خالد کا ذہن پیچھے ہی ہٹتا گیا۔

چار ہی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ مارچ ۶۲۵ء (شوال ۳ ہجری) کے مہینے میں قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے جو لشکر تیار کیا تھا وہ مکّہ میں اکٹھا ہو چکا تھا۔ اس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ اس میں سات سو افراد نے زرہ پہن رکھی تھی۔ گھوڑسوار دو سو کے لگ بھگ تھے اور رسد اور سامانِ جنگ تین ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ یہ لشکر کوچ کے لیے تیار تھا۔

خالد کو ایک روز پہلے کی بات کی طرح یاد تھا کہ اس لشکر کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہوا تھا۔ انتقام کی آگ بجھانے کا وقت آ گیا تھا۔ اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ ابوسفیان تھا اور خالد اِس لشکر کے ایک حصّے کا کمانڈر تھا۔ اُس کی بہن بھی اس لشکر کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ چودہ عورتیں اس لشکر کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھیں۔ ان میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی تھی۔ عمرو بن العاص کی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیویاں بھی شامل تھیں۔ باقی سب گانے بجانے والیاں تھیں۔ سب کی آوازیں سوز تھا اور ان کے ساز دف اور ڈھولک تھے۔ ان عورتوں کا جنگ میں یہ کام تھا کہ جوشیلے اور جذباتی گیت گا کر سپاہیوں کا حوصلہ بلند رکھیں اور اُن کی یاد تازہ کرتی رہیں جو جنگِ بدر میں مارے گئے تھے۔

خالد کو افریقہ کا ایک حبشی یاد آیا جس کا نام وحشی بن حرب تھا۔ وہ قریش کے ایک سردار جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ وہ دراز قد، سیاہ رُو اور طاقتور تھا۔ اُس نے برچھی مارنے کے فن میں شہرت حاصل کی تھی۔ اُس کے پاس افریقہ کی بنی ہوئی برچھی تھی۔ اُس کا افریقی نام کچھ اور تھا۔ اُسے عربی نام جبیر نے اُس کے جنگی کمالات دیکھ کر دیا تھا۔

"بن حرب!" — کوچ سے کچھ پہلے جبیر بن مطعم نے اُسے کہا — "مجھے اپنے چچا کے خون کا بدلہ لینا ہے۔ شاید مجھے موقع نہ مل سکے۔ میرے چچا کو بدر کی لڑائی میں محمّدؐ کے چچا حمزہؓ نے قتل کیا تھا۔ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

"حمزہؓ میری برچھی سے قتل ہو گا یا آقا!" — وحشی بن حرب نے کہا۔

یہ حبشی غلام اُس طرف جا نکلا جہاں وہ عورتیں اونٹوں پر سوار ہو چکی تھیں جو اِس لشکر کے ساتھ جا رہی تھیں۔

"ابودسمہ!" — کسی عورت نے پکارا۔

یہ وحشی بن حرب کا دوسرا نام تھا۔ وہ رُک گیا۔ دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند اُسے بلا رہی تھی۔ وہ اُس کے قریب چلا گیا۔

"ابُو دسمہ!"۔۔۔ ہند نے کہا۔ "حیران نہ ہو۔ تجھے میں نے بُلایا ہے۔ میرا سینہ انتقام کی آگ سے جل رہا ہے۔ میرا سینہ ٹھنڈا کر دے۔"

"حکم خاتون!"۔۔۔ غلام نے کہا۔ "اپنے سالار کی زوجہ کے حکم پر اپنی جان دے دوں گا۔"

"بدر میں میرے باپ کو حمزہؓ نے قتل کیا تھا"۔ ہند نے کہا۔ "تُو حمزہؓ کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ یہ دیکھ میں نے سونے کے جو زیورات پہن رکھے ہیں، اگر تُو حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو یہ سب زیورات تیرے ہوں گے۔"

وحشی بن حرب نے ہند کے زیورات پر نگاہ ڈالی تو وہ مُسکرایا اور زیرِ لب پُرعزم لہجے میں بولا۔ "حمزہؓ کو میں ہی قتل کروں گا۔"

خالد کو اپنے لشکر کا کُوچ یاد تھا۔ اسی راستے سے لشکر مدینہ کو گیا تھا۔ اُس نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اپنے لشکر کو دیکھا تھا۔ اُس کا سینہ فخر سے پھیل گیا تھا۔ اُسے مدینہ کے مسلمانوں پر رحم آ گیا تھا لیکن اس رحم نے بھی اُسے مسرت دی تھی۔ یہ خون کی دشمنی تھی۔ یہ اُس کے وقار کا مسئلہ تھا۔ مسلمانوں کو کُچل ڈالنا اُس کا عزم تھا۔

✱

جنگِ اُحد کے بہت دن بعد اُسے پتہ چلا تھا کہ جب مکّہ میں قریش لشکر جمع کر رہے تھے تو اس کی اطلاع رسولِ اکرمؐ کو مل گئی تھی اور جب یہ لشکر مدینہ کے راستے میں تھا تو رسولِ خداؐ کو اس کی رفتار، پڑاؤ اور مدینے سے فاصلے کی اطلاعیں مسلسل ملتی رہی تھیں۔ آپؐ کو لشکر کے مکّے سے کوچ کی اطلاع حضرت عباسؓ نے دی تھی۔

قریش کے اس لشکر نے مدینہ سے کچھ میل دُور کوہِ اُحد کے قریب ایک ایسی جگہ کیمپ کیا تھا جو ہری بھری تھی اور وہاں پانی بھی تھا۔ خالد کو معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں کے دو جاسوس اِس لشکر کی پُوری تعداد دیکھ آئے ہیں اور رسولِ کریمؐ کو بتا چکے ہیں۔

۲۱ مارچ ۶۲۵ء کے روز رسولِ کریمؐ نے اپنی فوج کو کُوچ کا حکم دیا اور شیخین نام کی ایک پہاڑی کے دامن میں جا خیمہ زن ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ ایک ہزار پیادہ مجاہدین تھے جن میں ایک سو نے سَر وں پر زرہ پہن رکھی تھی۔ مجاہدین کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک رسولِ کریمؐ کے پاس تھا۔

اس موقع پر مسلمانوں کے نفاق کا پہلا خطرناک مظاہرہ ہُوا جو غداری کے مترادف تھا۔ مدینے کے بعض ایسے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہیں رسولِ مقبولؐ نے منافقین کہا تھا۔ کسی کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ وہ سچا مسلمان ہے یا منافق، بہت مشکل تھا۔ جب مجاہدین مدینے سے شیخین کی پہاڑی کی طرف کُوچ کرنے لگے تو ایک بااثر آدمی جس کا نام عبداللہ بن اُبی تھا، رسول اللہؐ کے ساتھ اس بحث میں اُلجھ گیا کہ قریش کا لشکر تین گنا ہے اس لیے مدینے سے باہر جا کر لڑنا نقصان دہ ہو گا۔

آپؐ نے مجاہدین کے دوسرے سرداروں سے رائے لی تو اکثریت نے کہا کہ شہر سے باہر لڑنا زیادہ بہتر ہوگا۔ آپؐ عبداللہ بن اُبی کے ہی ہم خیال تھے لیکن آپؐ نے اکثریت کا فیصلہ قبول فرمایا اور کوچ کا حکم دے دیا۔ عبداللہ بن اُبی نے شہر سے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ اُس کے پیچھے ہٹنے کی دیر تھی کہ مجاہدینِ اسلام میں سے تین سو آدمی پیچھے ہٹ گئے۔ تب پتہ چلا کہ یہ سب منافقین تھے اور عبداللہ ان کا سردار ہے۔

اب تین ہزار کے مقابلے میں مجاہدین کی نفری صرف سات سو رہ گئی۔ رسولؐ اللہ دل برداشتہ نہ ہوئے اور سات سو کو ہی ساتھ لے کر کوہِ اُحد کے دامن میں شیخین کے مقام پر مجاہدین کو جنگی ترتیب میں کر دیا۔ خالد نے ایک بلند ٹیکری پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی یہ ترتیب دیکھی تھی اور اس نے اپنے سالار ابوسفیان کو بتا کر اپنے دستے کی جگہ طے کر لی۔

رسولِ اکرمؐ نے مجاہدین کو کم وبیش ایک ہزار گز لمبائی میں پھیلا دیا۔ پیچھے وادی تھی۔ مجاہدین کے ایک پہلو کے ساتھ پہاڑی تھی لیکن دوسرے پہلو پر کچھ نہیں تھا۔ اس پہلو کو مضبوط رکھنے کے لیے رسولِ کریمؐ نے پچاس تیر اندازوں کو قریب کی ایک ٹیکری پر بٹھا دیا۔ ان تیر اندازوں کے کماندار عبداللہ بن جبیر تھے۔

"اپنی ذمہ داری سمجھ لو عبداللہؓ!"—— رسولِ خداؐ نے اُسے ہدایات دیتے ہوئے فرمایا —— "اپنے عقب کو دیکھو۔ دشمن ہمارے عقب میں نقل وحرکت کر سکتا ہے جو ہمارے لیے خطرہ ہے۔ دشمن کے پاس گھوڑسوار زیادہ ہیں۔ وہ ہمارے پہلو پر گھوڑسواروں سے حملہ کر سکتا ہے۔ اپنے تیر اندازوں کو گھوڑ سواروں پر مرکوز رکھو۔ پیادوں کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔"

تقریباً تمام مستند مؤرخین جن میں ابنِ ہشام اور واقدی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو واضح الفاظ میں کہا تھا —— "ہمارا عقب صرف تمہاری بیداری اور مستعدی سے محفوظ رہے گا۔ تمہاری ذراسی کوتاہی بھی ہمیں بڑی ذلت آمیز شکست دے سکتی ہے.... یاد رکھو عبداللہؓ! اگر تم دشمن کو بھاگتے ہوئے اور ہمیں فتح یاب ہوتے ہوئے دیکھ لو تو بھی اس جگہ سے نہ ہلنا۔ اگر دیکھو کہ ہم پر دشمن کا دباؤ بڑھ گیا ہے اور تمہیں ہماری مدد کے لیے پہنچنا چاہیئے تو بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ پہاڑی کی یہ بلندی دشمن کے قبضے میں نہیں جانی چاہیئے۔ یہ بلندی تمہاری ہے۔ وہاں سے تم نیچے اُس تمام علاقے کے حکمران ہوگے جہاں تک تمہارے تیر اندازوں کے تیر پہنچیں گے۔"

خالد نے مسلمانوں کی ترتیب دیکھی اور ابوسفیان کو بتایا کہ مسلمان کھلے میدان کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ ابوسفیان کو اپنی کثیر نفری پر ناز تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لڑائی کھلے میدان یعنی لامحدود محاذ پر ہو تاکہ وہ اپنے پیادوں اور گھوڑوں کی افراط سے مجاہدینِ اسلام کو کچل ڈالے۔ خالد کو اپنے باپ نے جنگی چالوں کی تربیت بچپن سے دینی شروع کر دی تھی۔ دشمن پر بے خبری میں پہلو یا عقب سے جھپٹنا، دشمن کو چکمہ دے کر مارنا، اپنے دستوں کی تقسیم اور ان پر کنٹرول اس تربیت میں شامل تھا جو اسے باپ نے دی تھی۔ اس نے تجربہ کار سردار کی نگاہوں سے مجاہدین کی ترتیب دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ مسلمان فنِ حرب کے کمالات دکھا سکتے ہیں۔

ابوسفیان اپنی فوج کو مسلمانوں کے بالمقابل لے گیا۔ اُس نے گھوڑسواروں کو مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک پہلو پر خالد اور دوسرے پر عکرمہ تھا۔ دونوں کے ساتھ ایک سَو گھوڑسوار تھے۔ تمام گھوڑسواروں کا کمانڈر عمرو بن العاص تھا۔ پیادوں کے آگے ابوسفیان نے ایک سو تیرانداز رکھے۔ قریش کا پرچم طلحہ بن ابوطلحہ نے اُٹھا رکھا تھا۔ اُس زمانے کی جنگوں میں پرچم کو دل جیسی اہمیت حاصل تھی۔ پرچم کے گرنے سے فوج کا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور بھگدڑ مچ جاتی تھی۔

✱

قریش نے جنگ کی ابتدا اس طرح کی کہ اُن کی صفوں سے ایک شخص ابوعامر فاسق آگے ہوکر مجاہدین کے قریب چلا گیا۔ اُس کے پیچھے قریش کے غلاموں کی کچھ تعداد بھی تھی۔ ابوعامر مدینہ کا رہنے والا تھا۔ وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب رسولِ کریمؐ مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے تو ابوعامر نے قسم کھائی تھی کہ وہ آپؐ کو اور تمام مسلمانوں کو مدینہ سے نکال کر دم لے گا۔ اُس پر ایک بڑی ہی حسین یہودن کا اور یہودیوں کے مال و دولت کا طلسم طاری تھا۔ یہودیوں کی اسلام دشمن کارروائیاں زیرِ زمین ہوتی تھیں۔ بظاہر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور فرمانبرداری کا معاہدہ کررکھا تھا۔ ابوعامر انہی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا لیکن ان یہودیوں نے اُسے قریش کا دوست بنا رکھا تھا۔

اب مجاہدین قریش کے خلاف لڑنے کے لیے مدینہ سے نکلے تو ابوعامر قریش کے پاس چلا گیا۔ اُس کے قبیلہ اوس کے بہت سے آدمی رسولِ کریم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرچکے تھے اور وہ قریش کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ ابوعامر آگے چلا گیا اور مجاہدین سے بلند آواز میں مخاطب ہُوا۔ رسولِؐ کریم نے اُسے فاسق کا خطاب دیا تھا۔

"قبیلہ اوس کے غیرت مند بہادرو!"___ ابوعامر فاسق نے کہا ___"تم مجھے یقیناً پہچانتے ہو۔ میں کون ہوں۔ میری بات غور سے سُن لو اور . . . "

وہ اپنی للکار پوری نہ کرپایا تھا کہ مجاہدینِ اسلام کی صف سے قبیلہ اوس کے ایک مجاہد کی آواز گرجی ___"او فاسق، بدکار! ہم تیرے نام پر تھوک چکے ہیں۔"

خالد کو وہ وقت یاد آرہا تھا۔ مجاہدینِ اسلام کی صف سے ابوعامر اور اُس کے ساتھ گئے ہوئے غلاموں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ پتھر برسانے والے قبیلہ اوس کے مجاہدین تھے۔ ابوعامر اور غلام جو مجاہدین کے پتھروں کی زد میں تھے، ایک ایک دو دو پتھر کھا کر پیچھے بھاگ آئے۔

یہودی مدینہ میں بیٹھے لڑائی کی خبروں کا انتظار کررہے تھے۔ جس یہودن کے طلسم میں ابوعامر گرفتار تھا، وہ اپنی کامیابی کی خبر سُننے کے لیے بے تاب تھی۔ اُسے ابھی معلوم نہ تھا کہ اُس کے حُسن و جوانی کے طلسم کو مسلمانوں نے سنگسار کردیا ہے۔ (اس سلسلے کی آنے والی اقساط میں یہودیوں اور قریش کی عورتوں کی زیرِ زمین کارروائیوں کی تفصیلی کہانیاں سنائی جائیں گی)۔

ابوعامر فاسق کے اس واقعہ سے پہلے وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ گئی تھیں لشکر کے درمیان کھڑی ہوکر سریلی آوازوں میں ایسے گیت گا رہی تھیں جن میں بدر میں مارے جانے والے

قریش کا ذکر ایسے الفاظ اور ایسی طرز میں کیا گیا تھا کہ سننے والوں کا خون کھولتا اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان عورتوں میں سے ایک دو نے جوشیلی تقریر کی صورت میں بھی قریش کے خون کو گرمایا تھا۔

عورتوں کو پیچھے چلے جانے کا حکم ملا تو ابوسفیان کی بیوی ہند نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک گیت گانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز بلند تھی اور آواز میں سوز بھی تھا۔ تاریخ لکھنے والوں نے اس کے گیت کے پورے اشعار قلم بند نہیں کیے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ گیت فحش تھا جس میں مرد اور عورت کے در پردہ تعلقات کا ذکر تھا۔ اشعار جو تاریخ میں آئے ہیں وہ اس طرح ہیں۔ ان میں جس عبدالدار کا نام آتا ہے، یہ بنو عبدالدار ہے۔ بنوامیہ اسی کی ایک شاخ تھی۔ بنو عبدالدار قریش کا بہت اونچا خاندان تھا:

عبدالدار کے سپوتو!

ہمارے گھرانوں کے پاسبانو!

ہم رات کی بیٹیاں ہیں

ہم تکیوں کے درمیان حرکت کیا کرتے ہیں

اس حرکت میں لطف اور لذت ہوتی ہے

تم دشمن پر چڑھ دوڑے تو ہم تمہیں اپنے سینوں سے لگا لیں گی

تم بھاگ آئے تو ہم تمہارے قریب نہیں آئیں گی

❋

اس کے بعد ابو عامر فاسق پر مجاہدین اسلام کی طرف سے سنگباری ہوئی اور اس کے فوراً بعد قریش نے مجاہدین پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ مجاہدین نے اس کے جواب میں تیر برسائے۔ خالد اپنے پہلو والے مسلمانوں کے پہلو پر حملہ کرنے کے لیے اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ تیزی سے بڑھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ بلندی پر تیر انداز چھپے بیٹھے ہیں۔ اُس کے سوار بے دھڑک چلے آ رہے تھے۔ راستہ ذرا تنگ تھا۔ سواروں کو آگے پیچھے ہونا پڑا۔

خالد سوچ سمجھ کر اپنے سوار دستے کو اس پہلو پر لایا تھا۔ اپنے باپ کی تربیت کے مطابق اُسے بڑی خود اعتمادی سے توقع تھی کہ وہ ہلہ بول کر مسلمانوں کو اس پوزیشن میں لے آئے گا کہ وہ پسپا ہو جائیں گے اور اگر جم کر نہ لڑے تو قریش کے گھوڑوں تلے کچلے جائیں گے مگر مسلمانوں کے پہلو سے اُس کے سوار ابھی دور ہی تھے کہ اُوپر سے تیر اندازوں نے اُس کے اگلے سواروں کو نہ آگے جانے کے قابل چھوڑا نہ وہ پیچھے ہٹنے کے قابل رہے۔ ایک ایک سوار کئی کئی تیر کھا کر گرا اور جن گھوڑوں کو تیر لگے انہوں نے خالد کے سوار دستے کے لیے قیامت بپا کر دی۔ پیچھے والے سواروں نے گھوڑے موڑے اور پسپا ہو گئے۔

ادھر قریش کی عورتوں نے دف اور ڈھولک کی تھاپ پر وہی گیت گانا شروع کر دیا جو ہند نے اکیلے گایا تھا ___ "عبدالدار کے سپوتو! ہم رات کی بیٹیاں ہیں۔ ہم تم تکیوں کے درمیان ..."

مؤرّخ واقدی لکھتا ہے کہ عربی جنگجوؤں کے اُس وقت کے رواج کے مطابق ایک ایک جنگجو کے لڑنے کا مرحلہ آیا۔ سب سے پہلے قریش کے پرچم بردار طلحہ بن ابوطلحہ نے آگے جا کر مجاہدینِ اسلام کو للکارا کہ اُس کے مقابلے کے لیے کسی کو آگے بھیجو۔

"آ میرے دین کے دشمن!"۔۔۔ حضرت علیؓ نے تند ہوا کے جھونکے کی طرح آگے آکر کہا ۔۔۔ "میں آتا ہوں تیرے مقابلے کے لیے۔"

طلحہ اپنے قبیلے کا پرچم تھامے، تلوار لہراتے ہوئے، بپھرا ہُوا آیا مگر اُس کا وار ہوا کو چیرتا ہُوا گزر گیا۔ وہ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی تلوار نے اُسے ایسا گہرا زخم لگایا کہ پہلے اُس کا پرچم گرا پھر وہ خود گرا۔ قریش کا ایک آدمی دوڑا آیا اور پرچم اُٹھا کر پیچھے چلا گیا۔ علیؓ اُسے بھی گرا سکتے تھے مگر انفرادی مقابلوں میں یہ روا نہ تھا۔

طلحہ کو اُٹھا کر پیچھے لے آئے۔ اُس کے خاندان کا ایک اور آدمی آگے بڑھا۔

"میں انتقام لینے کا پابند ہوں" ۔۔۔ وہ للکار کر آگے گیا ۔۔۔ "علیؓ! آ، میری تلوار کی کاٹ دیکھ۔"

حضرت علیؓ خاموشی سے اُس کے مقابلے میں آ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک چکر کاٹا پھر اُن کی تلواریں اور ڈھالیں ٹکرائیں اور اس کے بعد سب نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور اُن کا مدِّمقابل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

پھر قریش کے متعدد آدمی باری باری للکارتے ہوئے آگے بڑھے اور مجاہدین کے مقابلے میں مرتے گئے۔

قریش کا سالارِ اعلیٰ ابوسفیان اپنے آدمیوں کو کٹتا دیکھ کر غصے سے باؤلا ہو گیا۔ جنگی دستور کے مطابق اُسے انفرادی مقابلے کے لیے نہیں اُترنا چاہئے تھا کیونکہ وہ سالار تھا۔ اُس کے مارے جانے سے اُس کی فوج میں ابتری پھیل سکتی تھی لیکن وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور للکارتا ہُوا آگے چلا گیا۔

اُس کی بیوی ہندہ نے اُسے جاتے دیکھا تو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آگے چلی گئی اور بڑی بلند آواز سے وہی گیت گانے لگی جس کے اشعار یہ بھی تھے کہ تم بھاگ آئے تو ہم تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیں گی۔

ابوسفیان گھوڑے پر سوار تھا لیکن اُس کے مقابلے کے لیے جو مسلمان آگے آیا وہ پیادہ تھا۔ تاریخ اُسے حنظلہ بن ابوعامر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ابوسفیان کے ہاتھ میں لمبی برچھی تھی۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ تلوار والا پیادہ برچھی والے گھوڑ سوار سے زندہ بچ جائے گا۔ ابوسفیان کا گھوڑا حنظلہ پر سرپٹ دوڑتا آیا۔ ابوسفیان نے برچھی تول کر پھینک کر ماری لیکن حنظلہ پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔

اس طرح تین مرتبہ ہُوا۔ تیسری مرتبہ ابوسفیان کا گھوڑا نکل گیا تو حنظلہ اُس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ گھوڑا رُک کر پیچھے کو مڑا تو حنظلہ اُس تک پہنچ چکا تھا۔ ابوسفیان اُسے دیکھ نہ سکا۔ حنظلہ نے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسا زوردار وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ ابوسفیان دوسری طرف گرا۔ حنظلہ اس پر حملہ کرنے کو آگے بڑھا تو ابوسفیان گرتے ہوئے گھوڑے کے ارد گرد دوڑ دوڑ کر اپنے آپ

کو بچانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے قریش کو مدد کے لیے بُلایا۔

قریش کا ایک پیادہ دوڑا آیا۔ مسلمان اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ آدمی ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اُس نے بے اصولی کا مظاہرہ کیا۔ پیچھے سے حنظلہ پر وار کر کے اُسے شہید کر دیا۔ ابوسفیان اپنی صفوں میں بھاگ گیا۔

آخری مقابلے کے لیے قریش کی طرف سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر آیا۔ مؤرخ واقدی نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی للکار پر اُس کے والد حضرت ابوبکرؓ جو اسلام قبول کر کے رسولِ اللہ کے ساتھ تھے تلوار نکال کر اپنے جوان بیٹے کے مقابلے کے لیے نکلے۔

"آگے آ مسلمان باپ کے کافر فرزند!" — حضرت ابوبکرؓ نے للکار کر کہا۔

رسولِ کریم نے دیکھا کہ باپ بیٹا مقابلے پر اُتر آئے ہیں تو آپ نے دوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کو روک لیا۔ — "تلوار نیام میں ڈال لیں ابوبکرؓ!" — رسولِ کریم نے فرمایا اور ابوبکرؓ کو پیچھے لے گئے۔

*

خالد کو جنگ کا شور و غل اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ وہ منظر اُس کی آنکھوں نے اپنی پلکوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔ انفرادی مقابلے ختم ہوتے ہی قریش نے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا۔ رسولِ اکرم نے اُحد کی پہاڑی کو اپنے عقب میں رکھا ہوا تھا اس لیے مجاہدینِ اسلام کو عقبی حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ آمنے سامنے کا معرکہ خونریز تھا۔ مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی تھی۔ اس کمی کو انہوں نے جذبے اور تیغ زنی کے کمالات سے پُورا کر دیا۔ اگر قریش کو نفری کی افراط حاصل نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ وہ نفری کے زور پر لڑ رہے تھے۔

خالد کی نظر رسولِ کریم پر تھی۔ آپؐ ایک پہلو پر تھے۔ یہی پہلو تھا جس پر خالد کو حملہ کرنا تھا۔ اب کے اُس نے اپنے سواروں کو یہ حکم دیا کہ وہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے تنگ راستے سے آگے نکل جائیں اور مسلمانوں کے پہلو پر ہلّہ بول دیں مگر عبداللہؓ بن جبیر کے پچاس تیر اندازوں نے سواروں کو اس طرح پسپا کر دیا کہ وہ چند گھوڑے اور زخموں سے کراہتے ہوئے کچھ سواروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔

معرکہ عروج پر تھا۔ صرف ایک آدمی تھا جو لڑ نہیں رہا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں برچھی اٹھائے یوں گھوم پھر رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ وحشی بن حرب تھا۔ وہ حمزہؓ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ حمزہؓ کو قتل کرنے کے اُس کے لیے دو انعام تھے۔ ایک یہ کہ اُس کا آقا اُسے آزاد کر دے گا اور دوسرا ابوسفیان کی بیوی ہند کے وہ زیورات جو اُس نے پہن رکھے تھے۔

اُسے حمزہؓ نظر آ گئے۔ وہ قریش کے ایک آدمی سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عرب میں رواج تھا کہ ختنہ عورتیں کیا کرتی تھیں۔ مؤرخ ابنِ ہشام کے مطابق اسلام سے پہلے عربوں میں ختنے کا رواج موجود تھا۔ حمزہؓ نے جس سباع کو للکارا تھا اُس کی ماں ختنے کیا کرتی تھی۔

"ختنے کرنے والی کے بیٹے!" — حمزہؓ نے اُسے للکارا — "ادھر آ اور مجھے آخری بار دیکھ لے۔"

سباع بن عبدالعزیٰ حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ غصّے سے اُس کا چہرہ لال تھا۔ وہ تلوار اور ڈھال کی لڑائی کا ماہر تھا۔ حمزہؓ بھی کچھ کم نہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور ایک دوسرے پر وار کرنے

لگے۔ دونوں کی ڈھالیں وار روک رہی تھیں۔ وہ پینترے بدل بدل کر وار کرتے تھے لیکن ڈھالیں تلواروں کے راستے میں آجاتی تھیں۔

اس وقت وحشی بن حرب جھکا ہوا، آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے زمین اور جھاڑیوں نے اوٹ دے رکھی تھی۔ حمزہؓ اپنے دشمن کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ سباع کے سوا انہیں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

وحشی اُن کے قریب پہنچ گیا۔ برچھی نشانے پر پھینکنے کا وہ ماہر تھا۔ وہ اتنا قریب ہوگیا جہاں سے اُس کی برچھی خطا نہیں جاسکتی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور برچھی کو ہاتھ میں تولا پھر اُسے پھینکنے کی پوزیشن میں لایا۔ حمزہؓ نے سباع پر یکے بعد دیگرے تیزی سے دو تین وار کیے۔ آخری وار ایسا پڑا کہ حمزہؓ کی تلوار سباع کے پیٹ میں اُتر گئی۔ حمزہؓ نے تلوار اُس کے پیٹ سے اس طرح نکالی کہ اس کا پیٹ اور زیادہ پھٹ گیا اور وہ حمزہؓ کے قدموں میں گر پڑا۔

حمزہؓ ابھی سنبھلے ہی تھے کہ وحشی نے اُن پر پُوری طاقت سے برچھی پھینکی۔ فاصلہ بہت کم تھا۔ برچھی حمزہؓ کے پیٹ میں اتنی زیادہ اُتر گئی کہ اُس کی اَنی حمزہؓ کی پیٹھ سے آگے نکل گئی۔ حمزہؓ گرے نہیں۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں وحشی دکھائی دیا۔ حمزہؓ برچھی اپنے جسم میں لیے ہوئے وحشی کی طرف بڑھے۔ وحشی جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ حمزہؓ چار پانچ قدم چل کر گر پڑے۔ وحشی اُن کے جسم کو ہلتا جُلتا دیکھتا رہا۔ جب جسم کی حرکت بند ہوگئی تو وحشی اُن تک آیا۔ وہ شہید ہو چکے تھے۔ وحشی نے اُن کے جسم سے برچھی نکال لی اور چلا گیا — اب وہ ہند اور اپنے آقا جُبیر بن مُطعم کو ڈھونڈنے لگا۔

*

خالد کو وہ معرکہ یاد آرہا تھا اور اُس کے دل پر بوجھ سا پڑتا جا رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا چلا جا رہا تھا۔ وہ نشیبی جگہ سے گزر رہا تھا اِس لیے اُحد کی پہاڑی کی چوٹی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ اُسے اپنے قبیلے کی عورتیں یاد آئیں جو قریش اور اُن کے اتحادی قبائل کو جوش دلا رہی تھیں۔ خالد کو یاد آیا کہ وہ معرکے کا نظارہ کرنے کے لیے ایک بلند جگہ چڑھ گیا تھا۔ اُسے مسلمان عورتیں نظر آئیں۔ مسلمان اپنے جن زخمیوں کو پیچھے لاتے تھے اُنہیں عورتیں سنبھال لیتی تھیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتیں اور اُنہیں پانی پلاتی تھیں۔ مسلمانوں کے ساتھ چودہ عورتیں تھیں جن میں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں۔

پھر یوں ہُوا کہ قلیل تعداد مجاہدین کثیر تعداد کفّار پر غالب آگئے۔ قریش کا پرچم بردار گرا تو کسی اور نے پرچم اٹھا لیا۔ وہ بھی گرا۔ پرچم کئی بار گرا۔ آخر میں ایک غلام نے پرچم اُٹھا کر اونچا کیا لیکن وہ بھی مارا گیا پھر مسلمانوں نے قریش کو پرچم اُٹھانے کی مہلت نہ دی۔ قریش کے جذبے جواب دے گئے۔

خالد نے ان کی پسپائی دیکھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ مسلمان اُن کا تعاقب کر رہے ہیں۔ قریش اپنے کیمپ میں بھی نہ ٹھہرے۔ اپنا مال اسباب چھوڑ کر افراتفری کے عالم میں بھاگ گئے۔ یہاں سے جنگ کے بعد کا مرحلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں نے فتح کی خوشی میں اور انتقامی جذبے کے تحت قریش کے کیمپ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ وہ فتح و نصرت کے نعرے لگا رہے تھے۔ قریش ایسے بوکھلا کر بھاگے کہ انہیں اپنی عورتوں کا بھی خیال نہ رہا۔ وہ پیدل بھاگی جا رہی تھیں لیکن مسلمانوں نے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

قریش کے گھوڑ سواروں کے ایک دستے کا کمانڈر عکرمہ اور دوسرے کا خالد تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملے کرنے تھے مگر جنگ کا پانسہ بُری طرح پلٹ گیا تھا۔ عکرمہ اور خالد نے پھر بھی اپنے اپنے سواروں کو وہیں رکھا جہاں انہیں تیاری کی حالت میں کھڑا کیا گیا تھا۔ خالد کو اس کیفیت میں بھی توقع تھی کہ وہ شکست کو فتح میں بدل دے گا لیکن جس راستے سے اُسے گزرنا تھا وہاں مسلمان تیرانداز تیار کھڑے تھے۔

اِن مسلمان تیراندازوں نے اپنی بلند پوزیشن سے دیکھا کہ قریش بھاگ گئے ہیں اور اُن کے ساتھی لُوٹ مار کر رہے ہیں تو وہ مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ اُن کے کمانڈر عبداللہؓ بن جبیرؓ نے اُنہیں کہا کہ اپنے رسولؐ کی حکم عدولی نہ کرو۔ آپؐ کا حکم ہے کہ آپؐ کی اجازت کے بغیر یہاں سے کوئی نہ ہٹے۔

"جنگ ختم ہو گئی ہے" — تیرانداز شور مچاتے ہوئے پہاڑی سے اُترنے لگے — "مالِ غنیمت، مالِ غنیمت .... فتح ہماری ہے۔"

عبداللہؓ بن جبیرؓ کے ساتھ صرف نو تیرانداز رہ گئے۔

خالد نے یہ منظر دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ تیراندازوں کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش کے کیمپ میں پہنچ گئے تو اُس نے اُس پہاڑی (عینین) پر حملہ کر دیا جہاں عبداللہؓ بن جبیر اور اُس کے نو تیرانداز رہ گئے تھے۔ خالد انہیں نظر انداز بھی کر سکتا تھا لیکن ان سے وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُس کے گھوڑ سوار پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ اوپر سے تیرانداز تیزی سے تیر برسا رہے تھے۔

عکرمہ نے خالد کو عینین پر حملہ کرتے دیکھا تو وہ بھی اپنے سوار دستے کو وہیں لے گیا اور اُس کے گھوڑے ہر طرف سے اوپر چڑھنے لگے۔ سواروں کے پاس بھی تیر کمانیں تھیں۔ وہ اوپر کو تیر چلا رہے تھے۔ لیکن اتنے گھوڑ سواروں کو روکنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ سوار اوپر چلے گئے۔ تیرانداز دست بدست لڑائی بھی لڑے اور سب زخمی ہو کر گرے۔ خالد نے زخمیوں کو پہاڑی سے نیچے پھینک دیا۔ عبداللہؓ بن جبیرؓ بھی شہید ہو گئے۔

وہاں سے خالد اور عکرمہ نے اپنے گھوڑ سواروں کو اُتارا اور اُس مقام پر آ گئے جہاں سے مسلمانوں نے لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ خالد کے حکم پر دونوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان لڑنے کی حالت میں نہیں تھے لیکن رسولِ کریمؐ نے مجاہدین کی کچھ تعداد کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ یہ مجاہدین گھوڑ سواروں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

قریش کے ساتھ جو عورتیں آئی تھیں وہ بھاگ گئی تھیں لیکن عمرہ نام کی ایک عورت وہیں کہیں چھپ گئی تھی۔ اُس نے جب قریش کے گھوڑ سواروں کو مسلمانوں پر حملہ کرتے دیکھا تو اُسے قریش کا پرچم زمین پر پڑا نظر آ گیا۔ اس عورت نے پرچم اُٹھا کر اُوپر کر دیا۔

ابوسفیان نے اپنے بھاگتے ہوئے پیادوں پر قابو پا لیا تھا۔ اُس نے ادھر دیکھا تو اُسے اپنا پرچم لہراتا نظر آیا۔ اُسی نے "ہُبل زندہ باد" اور "عزیٰ زندہ باد" کے نعرے لگانے اور پیادوں کو واپس لا کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔

خالد کو وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ وہ رسول ﷺ کریم کو ڈھونڈ رہا تھا — اور آج، چار برس بعد، وہ مدینہ جا رہا تھا اور اُس کے ذہن پر رسول ﷺ کریم کا غلبہ تھا۔

اُحد کی پہاڑی اُفق سے اُبھرتی آرہی تھی اور خالد کا گھوڑا خراماں خراماں چلا جا رہا تھا۔ خالد کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہوتی جا رہی تھی جیسے اُسے آگے جانے کی کوئی جلدی نہ ہو اور کبھی وہ لگام کو یوں جھٹکا دیتا جیسے اُسے بہت جلدی پہنچنا ہو لیکن جس منزل کو وہ جا رہا تھا وہ منزل ابھی اس پر پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ کبھی اُسے یوں لگتا جیسے ایک مقناطیسی قوت ہے جو اُسے آگے ہی آگے کو کھینچ رہی ہے اور کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کے اندر سے اُٹھتی ہوئی ایک قوت اُسے پیچھے دھکیل رہی ہے۔

"خالد!"— اُسے ایک آواز سنائی دی جو اُس کے اندر سے اُٹھی تھی لیکن اِسے حقیقی سمجھ کر اُس نے گھوڑے کی باگ کھینچی اور آگے پیچھے دیکھا۔ وہاں ریت کے سوا کچھ بھی نہ تھا لیکن آواز آ رہی تھی —"خالد! کیا یہ سچ ہے جو میں نے سُنا ہے؟"— خالد نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ساتھی عکرمہ کی آواز تھی۔ ایک ہی روز پہلے عکرمہ اُسے کہہ رہا تھا —"اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ محمدؐ ہمارے بہت سے رشتہ داروں کا قاتل ہے۔ اپنے قبیلے کو دیکھ جو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے محمدؐ کو قتل کرنے کی قسم کھاتے ہوئے ہے۔"

خالد نے لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور گھوڑا چل پڑا۔ اُس کا ذہن پھر چار برس پیچھے چلا گیا جب وہ اُحد کے معرکے میں رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ قریش کی اِس قسم کو پورا کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا کہ رسولؐ اللہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قتل کرنا ہے۔ اُسے یاد آرہا تھا کہ مسلمانوں کے تیر اندازوں نے جب عینین کی پہاڑی چھوڑ دی تھی تو اُس نے اِس پہاڑی پر حملہ کر کے عبداللہؓ بن جبیر اور اُن کے نو تیر اندازوں کو جو رسولؐ اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے وہاں رہ گئے تھے، ختم کیا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھاگے ہوئے قریش پھر واپس آ گئے تھے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا تھا۔

مسلمان یہ معرکہ ہار چکے تھے اور یہ اپنے رسولؐ کی حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔ خالد اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ فنِ حرب وضرب کے ماہر تھے۔ اُن کے لیے ایک ایک مسلمان کو قتل کر دینا اب مشکل نہیں رہا تھا۔ اب اللہ کے سوا مسلمانوں کی مدد کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خالد دیکھ رہا تھا کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ بڑا حصہ الگ تھا جو اپنے کمانڈر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کٹ گیا تھا۔ چند ایک تیر انداز رسولؐ اللہ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ صحابہ کرامؓ تھے جن کے دلوں میں مالِ غنیمت کا لالچ نہ تھا۔ ان کی تعداد تیس تھی۔ ان میں ابودجانہ، سعدبن ابی وقاص، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوبکر، حضرت ابوعبیدہ، طلحہ بن عبداللہ، مصعب بن عمیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اُن چودہ خواتین میں سے جو زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ آئی تھیں دو رسول اللہؐ کے ساتھ تھیں۔ ایک اُمِّ عمارہؓ تھیں اور دوسری اُمِّ ایمنؓ نام کی ایک حبشی خاتون تھیں۔ اُمِّ ایمنؓ آپؐ کے بچپن میں آپؐ کی دایہ رہ چکی تھیں۔ باقی بارہ خواتین ابھی تک زخمیوں کو اُٹھانے، پیچھے لانے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھیں۔

خالد رسولِ کریمؐ کو ڈھونڈ رہا تھا لیکن وہ میدانِ جنگ میں زیادہ گھوم پھر نہیں سکتا تھا کیونکہ اُس کی کمان میں گھوڑسواروں کا ایک جَیش تھا جسے اُس نے پوری طرح اپنے نظم و نسق میں رکھا ہُوا تھا۔ وہ اندھا دُھند حملے کا قائل نہیں تھا۔ اُس کا اصول تھا کہ دشمن کی ایسی رگ پر ضرب لگاؤ کہ دوسری ضرب سے پہلے وہ گھٹنے ٹیک دے۔

*

آج — چار برس بعد — جب کہ وہ تن تنہا صحرا میں جا رہا تھا اُس کے ذہن میں گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ اُسے تیر کمانوں کے زناٹے سُنائی دے رہے تھے۔ اُس کے ذہن میں مسلمانوں کے نعرے گونج رہے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ مسلمان یہ ظاہر کرنے کے لیے نعرے لگا رہے ہیں کہ انہیں موت کا کوئی ڈر نہیں۔ طنز اور نفرت سے اب بھی اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔

اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کرے گا، قیدی کم ہی بنائے گا۔ اُسے ابھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ رسولِ کریمؐ کہاں ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ ابُوسفیان جو بھاگتے ہُوئے قریش کو ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا، مسلمانوں کی فوج کے بڑے حصّے پر حملہ آور ہو چکا تھا اور مسلمان بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے اُسے اپنی زندگی کا آخری معرکہ سمجھ کر شجاعت اور بے خوفی کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ کثیر تعداد قریش پریشان ہو گئے۔

یہ صُورتِ حال دیکھ کر خالد آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے سواروں کو مسلمانوں پر ہلّہ بولنے کا حُکم دیا۔ اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی اور برچھی ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا تھا۔ اُس نے اِس برچھی سے مسلمانوں کو چُن چُن کر مارا۔ اُس کی برچھی جب کسی مسلمان کے جسم میں داخل ہوتی تو وہ چلّا کر کہتا — "میں ہُوں ابوسلیمان" — ہر برچھی کے وار کے ساتھ اُس کی للکار سنائی دیتی — "میں ہوں ابُوسلیمان"۔

آج چار برس بعد جب وہ مسلمانوں کے مرکز مدینہ کی طرف جا رہا تھا تو اُسے اپنی ہی للکار سنائی دے رہی تھی — "میں ہُوں ابوسلیمان" — اُسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی برچھی کتنے مسلمانوں کے جسموں میں اُتری تھی۔ وہ رسول اللہؐ کو بھول گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے پتہ چلا تھا کہ مسلمان اپنے نبیؐ کی کمان سے نکل چکے ہیں اور عکرمہ مسلمانوں کے نبیؐ کی طرف چلا گیا ہے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ رسولِ کریمؐ کی کمان ختم ہو چکی تھی اور معرکے کی صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ آپؐ مسلمانوں کو ازسرِ نو منظّم نہیں کر سکتے تھے لیکن آپؐ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے نکلنا بھی نہ چاہتے تھے حالانکہ صورتِ حال ایسی تھی کہ آپؐ کو نکل جانا چاہیئے تھا لیکن آپؐ کسی بہتر پوزیشن میں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ قریش آپؐ

کو ڈھونڈ رہے ہوں گے اور آپؐ کے گروہ پر بڑا شدید حملہ ہوگا۔ آپؐ ایک پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے آپؐ کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔

آپؐ تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ عکرمہ نے اپنے گھوڑسواروں سے آپؐ پر حملہ کر دیا قریش کے ایک پیادہ جیش کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ رسولِ کریمؐ پر عکرمہ نے حملہ کر دیا ہے تو قریش کا یہ پیادہ جیش بھی آپؐ کے گروہ پر ٹوٹ پڑا۔ آپؐ کے اور آپؐ کے کسی ایک بھی ساتھی کے بچ نکلنے کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ آپؐ کے تیس ساتھیوں نے اور اُن دو خواتین نے جو آپؐ کے ساتھ تھیں آپؐ کے گرد گوشت پوست کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

خالد کو یاد آ رہا تھا کہ رسول اللہؐ جسمانی طاقت کے لحاظ سے بھی مشہور تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ آپؐ نے عرب کے مانے ہُوئے پہلوان رکانہ کو تین بار اُٹھا اُٹھا کر پٹخا تھا۔ اب میدانِ جنگ میں اُن کی طاقت کے ایک اور مظاہرے کا وقت آ گیا۔ گوشت پوست کی وہ دیوار جو آپؐ کے فدائین نے آپؐ کے اِردگرد کھڑی کر دی تھی، اُسے آپؐ نے خود توڑا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی، ترکش میں تیر بھی تھے۔ اُس وقت خالد مسلمانوں کے بڑے حصّے میں اُلجھا ہُوا تھا۔ اُسے جب بعد میں بتایا گیا تھا کہ رسول اللہؐ اور اُن کے تیس ساتھی اور دو عورتیں قریش کے گھوڑسواروں اور پیادوں کے مقابلے میں جم گئے تھے تو خالد نے بڑی مشکل سے یقین کیا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر کہا تھا کہ یہ طاقت جسمانی نہیں ہوسکتی۔ یہ کوئی اور ہی طاقت ہے۔ اُس وقت سے ایک سوال اُسے پریشان کر رہا تھا — کیا عقیدہ طاقت بن سکتا ہے؟ وہ اپنے قبیلے میں کسی سے اِس سوال کا جواب نہیں لے سکتا تھا کیونکہ فوراً یہ الزام عائد ہوسکتا تھا کہ اِس پر بھی محمدؐ کا جادُو اثر کر گیا ہے۔

آج وہ یہی سوال اپنے ذہن میں لیے مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُحد کی پہاڑی افق سے اُوپر اُٹھ آئی تھی۔ چار برس پرانی یادیں اُسے پھر اس پہاڑی کے دامن میں لے گئیں جہاں اُسے اپنا ہی نام سنائی دے رہا تھا — "اُبوسلیمان! اُبوسلیمان!"

وہ اپنے تصوّروں میں دیکھنے لگا کہ اُن تیس آدمیوں اور دو عورتوں نے اتنے سارے گھوڑسواروں اور پیادوں کا مقابلہ کس طرح کیا ہوگا۔ رسولِ کریمؐ اپنے دستِ مبارک سے تیر برسا رہے تھے۔ آپؐ کے ساتھی بڑھ بڑھ کر آپؐ کو اپنے حلقے میں لے لیتے تھے۔ ایک مؤرخ مغازی کی تحریر کے مطابق آپؐ اپنے گرد حلقے کو بار بار توڑتے اور جدھر سے اُن پر دشمن بڑھتا، اُس پر تیر چلاتے تھے۔ آپؐ کی جسمانی طاقت عام انسان سے کہیں زیادہ تھی۔ آپؐ کمان کو اس قدر زور سے کھینچتے تھے کہ آپؐ کا چھوڑا ہُوا تیر جس جسم میں لگتا تھا، تیر کی نوک اُس جسم کے دوسری طرف نکل جاتی تھی۔ آپؐ نے اس قدر تیر چلائے کہ ایک تیر چلانے کے لیے آپؐ نے کمان کو کھینچا تو کمان ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے اپنی ترکش میں بچے ہُوئے تیر سعدؓ بن ابی وقاص کو دے دیئے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے نشانے کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ خود آپؐ سعدؓ کے نشانے کو تسلیم کرتے تھے۔

اُدھر مسلمان ابوسفیان اور خالد کے ہاتھوں کٹ رہے تھے اور خون کا آخری قطرہ بہ جانے تک مقابلہ کر رہے تھے، اِدھر آپؐ کے تیس فدائین اور دو خواتین کی بے جگری کا یہ عالم تھا جیسے اُن

کے جسم نہیں اُن کی روحیں لڑ رہی ہوں۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ ایک ایک مسلمان نے بیک وقت چار چار یا پانچ پانچ قریش کا مقابلہ کیا۔ اُن کا انداز ایسا دہشتناک تھا کہ قریش پیچھے ہٹ جاتے تھے یا اُن پر حملہ کرنے والا اکیلا مسلمان زخموں سے چُور ہو کر گر پڑتا تھا۔

*

قریش نے جب رسولِ اکرمؐ کے فدائین کی شجاعت کا یہ عالم دیکھا تو کچھ پیچھے ہٹ کر اُن پر تیروں کے ساتھ ساتھ پتھر بھی برسانے لگے۔ اِس کے ساتھ ہی قریش کے چند ایک گھوڑسوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آپؐ پر حملہ آور ہوئے لیکن آپؐ کے ساتھیوں کے تیر اُن کے جسموں میں اُتر کر اُنہیں واپس چلے جانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اِس صورتِ حال سے بچنے کے لیے قریش نے چاروں طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔

خالد کو عکرمہ نے بتایا تھا کہ ابُو دجانہؓ رسولِ اکرمؐ کے آگے جا کھڑے ہوئے۔ اُن کی پیٹھ دشمن کی طرف تھی۔ ابُو دجانہؓ بیک وقت دو کام کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے تیر سعدؓ بن ابی وقاص کو دیتے جا رہے تھے اور سعدؓ بڑی تیزی سے تیر چلا رہے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی ابُو دجانہؓ رسولِ اکرمؐ کو تیروں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیروں اور پتھروں کی بارش میں کوئی نہ دیکھ سکا کہ ابُو دجانہؓ کس حال میں ہیں۔ جب ابُو دجانہؓ گر پڑے تو اُس وقت دیکھا کہ اُن کی پیٹھ میں اتنے تیر اُتر گئے تھے کہ اُن کی پیٹھ خارپُشت کی پیٹھ لگتی تھی۔

رسولِ اکرمؐ کو بچانے کے لیے آپؐ کے کئی ساتھیوں نے جان دے دی لیکن عکرمہ اور اُس کے گھوڑسواروں اور پیادوں پر اتنی دہشت طاری ہو چکی تھی کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ قریش تھک بھی گئے تھے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا۔ ہر طرف خون ہی خون تھا لیکن زخمیوں کو اُٹھانے اور مرہم پٹی کرنے کا موقعہ نہ تھا۔ دشمن ایک اور ہلّہ بولنے کے لئے پیچھے ہٹا تھا۔

"مجھے قریش کے ایک اور آدمی کا انتظار ہے"۔۔۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کون ہے وہ یا رسولؐ اللہ!"۔۔۔ آپؐ کے ایک صحابیؓ نے پُوچھا۔ "کیا وہ ہماری مدد کو آ رہا ہے؟"

"نہیں"۔۔۔ آپؐ نے فرمایا۔ "وہ مجھے قتل کرنے آئے گا۔ اُسے اب تک آ جانا چاہئے تھا۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"اُبَیّ بن خلف"۔۔۔ آپؐ نے فرمایا۔

اُبَیّ بن خلف رسولِ اکرمؐ کے کٹر مخالفین میں سے تھا۔ وہ مدینے کا رہنے والا تھا۔ اُسے جب پتہ چلا کہ رسولؐ اللہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے تو ایک روز وہ آپؐ کے پاس آیا اور اُس نے آپؐ کا مذاق اُڑایا۔ آپؐ نے تحمّل اور بُردباری سے اُسے اِسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

"کیا تُم مُجھے اتنا کمزور سمجھتے ہو کہ میں تمہارے اِس بے بنیاد عقیدے کو قبول کر لوں گا"۔۔۔ اُبَیّ بن خلف نے گستاخانہ لہجے میں کہا تھا۔ "میری بات غور سے سُن لے محمدؐ! کسی روز میرا گھوڑا دیکھ لینا۔ اِسے میں اُس وقت کے لیے موٹا تازہ کر رہا ہوں جب تم قریش کو پھر کبھی جنگ کے لئے للکارو

گے۔ اب بدر کے خواب دیکھنے چھوڑ دو۔ میں اسی گھوڑے پر سوار ہوں گا اور تم مجھے میدانِ جنگ میں اپنے سامنے دیکھو گے اور میں اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ہاتھوں قتل کروں گا۔"

"اُبی!"—— رسولِ خدا نے مسکرا کر کہا تھا— "زندگی اور موت اُس اللہ کے اختیار میں ہے جس نے مجھے نبوّت عطا فرمائی ہے اور مجھے گمراہ لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کا فرض سونپا ہے۔ ایسی بات منہ سے نہ نکالو جسے میرے اللہ کے سوا کوئی بھی پورا نہ کر سکے۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم مجھے قتل کرنے آؤ اور تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔"

اُبی بن خلف رسول اللہ کی اِس بات پر طنزیہ ہنسی ہنس پڑا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔

*

اب اُحد کے معرکے میں رسولِ خدا کو اُبی بن خلف یاد آ گیا۔ جوں ہی آپؐ نے اُس کا نام لیا تو دُور سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا۔ سب نے اُدھر دیکھا۔

"میرے عزیز ساتھیو!"—— رسولِ اکرم نے اپنے ساتھیوں سے کہا— "مجھے کچھ ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ سوار جو ہماری طرف بڑھتا آ رہا ہے اُبی ہی ہو گا۔ اگر وہ اُبی ہی ہُوا تو اُسے روکنا نہیں۔ اُسے میرے سامنے اور میرے قریب آنے دینا۔"

مؤرّخین واقدی، مغازی اور ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ وہ سوار اُبی بن خلف ہی تھا۔ اُس نے للکار کر کہا "سنبھل جا محمدؐ! اُبی آ گیا ہے۔ یہ دیکھ میں اُسی گھوڑے پر سوار ہوں جو تمہیں دکھایا تھا۔"

"یا رسول اللہ!"—— رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے تین چار نے آگے ہو کر کہا۔ "ہمیں اجازت دیں کہ اسے آپؐ کے قریب آنے تک ختم کر دیں۔"

"نہیں"—— رسولِ اکرم نے کہا— "اِسے آنے دو۔ میرے قریب آنے دو..... اِسے راستہ دے دو۔"

رسولِ کریم کے سر پر زنجیروں والی خود تھی۔ اس کی زنجیریں آپؐ کے چہرے کے آگے اور دائیں بائیں لٹک رہی تھیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں برچھی تھی اور تلوار نیام میں تھی۔ اُبی کا گھوڑا قریب آ گیا تھا۔

"آگے آ جا اُبی!"—— رسولِ خدا نے للکار کر کہا۔ "میرے سوا تیرے ساتھ کوئی نہیں لڑے گا۔"

اُبی بن خلف نے اپنا گھوڑا قریب آ کر روکا اور طنزیہ قہقہہ لگایا۔ اُسے شاید پورا الیقین تھا کہ وہ آپؐ کو قتل کر دے گا۔ اُس کی تلوار ابھی نیام میں تھی۔ آپؐ اُس کے قریب چلے گئے۔ وہ بڑے طاقت ور گھوڑے پر تھا اور آپؐ زمین پر۔ اُس نے ابھی تلوار نکالی ہی تھی کہ آپؐ نے آگے بڑھ کر اور اُچھل کر اُس پر برچھی کا وار کیا۔ وہ وار بچانے کے لئے ایک طرف کو جھک گیا لیکن وار خالی نہ گیا۔ آپؐ کی برچھی کی انّی اُس کے دائیں کندھے پر ہنسلی کی ہڈی سے نیچے لگی۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اُس کی پسلی ٹوٹ گئی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسولِ خدا کا وار اتنا کاری نہ تھا کہ اُبی جیسا قوی ہیکل آدمی اُٹھ نہ سکتا۔ رسولِ خدا اُس پر دوسرا وار کرنے کو دوڑے۔ وہ گھوڑے کے دوسری طرف گِرا تھا۔ اُس پر شاید دہشت طاری ہوگئی تھی یا آپؐ کا وار اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ اُٹھا اور اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہ چِلّاتا جا رہا تھا ”محمدؐ نے مجھے قتل کر دیا ہے..... اے اہلِ قریش، محمدؐ نے مجھے قتل کر ڈالا ہے۔“

قریش کے کچھ آدمیوں نے اُس کے زخم دیکھے تو اُسے تسلّی دی کہ اُسے کسی نے قتل نہیں کیا۔ زخم بالکل معمولی ہیں، لیکن اُس پر نہ جانے کیسی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ اُس کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے — ”میں زندہ نہیں رہوں گا، محمدؐ نے کہا تھا کہ میں اُس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا۔“

مؤرخ ابنِ ہشام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اُبی نے یہ الفاظ بھی کہے تھے — ”اگر محمدؐ مجھ پر صرف تھوک دیتا تو بھی میں زندہ نہ رہ سکتا۔“ جب اُحد کا معرکہ ختم ہو گیا تو اُبی قریش کے ساتھ مکّہ کو روانہ ہُوا۔ راستے میں اُنہوں نے پڑاؤ کیا تو اُبی مر گیا۔

*

خالد کو آج چار برس بعد وہ وقت کل کی بات کی طرح یاد آ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ مسلمانوں کو اہلِ قریش کُچل کر رکھ دیں گے لیکن مسلمان جس طرح جانیں قربان کر رہے تھے، اُس نے خالد کو پریشان کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے مسلمان پیادوں سے قریش کے گھوڑے بھی خوفزدہ ہیں۔ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اِس خونریز معرکے میں اُبوسفیان کو تلاش کرتا اُس تک پہنچا۔

”کیا ہم مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے قابل نہیں رہے؟“ — خالد نے اُبوسفیان سے کہا — ”کیا قریش کی ماؤں کے دُودھ ناقص تھے کہ یہ اِن مُٹھی بھر مسلمانوں سے خوفزدہ ہوئے جا رہے ہیں؟“

”دیکھو خالد!“ — اُبوسفیان نے کہا۔ ”جب تک محمدؐ اُن کے ساتھ ساتھ ہے اور وہ زندہ وسلامت ہے، یہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک شکست نہیں کھائیں گے۔“

”تو یہ فرض مجھے کیوں نہیں سونپ دیتے؟“ — خالد نے کہا۔

”نہیں“ — اُبوسفیان نے کہا۔ ”تم اپنے سواروں کے پاس جاؤ۔ تمہاری قیادت کے بغیر وہ بکھر جائیں گے۔ محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے میں پیادے بھیج رہا ہوں۔“

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو افسوس ہو رہا تھا کہ اُبوسفیان نے اُس کے ایک عزم کو کُچل ڈالا تھا۔ رسولِ خدا کے قتل کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ رسولِ خدا کو قتل کر کے اپنے سب سے بڑے دیوتاؤں ہُبل اور عُزّیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے سالار کا حکم ماننا ضروری سمجھا اور اپنے سوار دستے کی طرف چلا گیا۔ اُسے اتنا اطمینان ضرور تھا کہ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ اب چند ایک ساتھی ہی رہ گئے ہوں گے اور آپؐ کو قتل کرنا اب کوئی مشکل نہیں ہوگا اور اس کے بعد مسلمان اُٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ خالد کو میدانِ جنگ کی کیفیت بڑی اچھی طرح یاد تھی۔ اُس نے ذرا بلندی سے دیکھا تھا کہ اُحد کے دامن میں دُور دُور تک زمین خون سے لال ہو گئی تھی۔ کہیں گھوڑے تڑپ رہے تھے اور کہیں خون میں نہائے ہوئے انسان کراہ رہے تھے۔ زخمیوں کو اُٹھانے کا ابھی کسی کو ہوش نہ تھا۔

پھر اُس نے دیکھا۔ پیادہ قریش رسولِ کریمؐ کے قریب پہنچ گئے تھے اور اُنہوں نے آپؐ کے ساتھیوں

کا حلقہ بھی توڑ لیا تھا۔ قریش کے تین آدمی — عتبہ بن ابی وقاص، عبداللہ بن شہاب اور ابن قمئہ۔ رسولِ کریم پر پتھر برسانے لگے۔ عجیب صورت یہ تھی کہ عتبہ کا سگا بھائی سعدؓ بن ابی وقاص رسولِ اکرم کی حفاظت میں لڑ رہا تھا۔ رسولِ اکرم کے ساتھیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی یا وہ لڑتے لڑتے بکھر گئے تھے۔

عتبہ نے آپؐ پر جو پتھر برسائے ان سے آپؐ کے نیچے والے دو دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ عبداللہ کے پتھر سے آپؐ کی پیشانی پر خاصا گہرا زخم آیا۔ ابنِ قمئہ نے قریب آ کر اتنی زور سے پتھر مارا کہ آپؐ کے خود کی زنجیر کی دو کڑیاں ٹوٹ کر رُخسار میں اُتر گئیں۔ ان سے رُخسار کی ہڈی بھی بُری طرح مجروح ہوئی۔ آپؐ نے برچھی سے دشمنوں پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دشمن قریب نہیں آتے تھے۔ آپؐ کا خون اتنا نکل گیا تھا کہ آپؐ گر پڑے۔ اُس وقت آپؐ کے ایک صحابی طلحہؓ نے جو قریش کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے، دیکھ لیا اور دوڑتے ہوئے آپؐ تک پہنچے۔ اُن کی للکار پر اُن کے دوسرے ساتھی بھی آ گئے۔ آپؐ کو پتھروں سے گرانے والے قریش آپؐ پر تلواروں سے حملہ کرنے ہی والے تھے کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے سگے بھائی عتبہ پر حملہ کر دیا۔ عتبہ اپنے بھائی کا غیض و غضب دیکھ کر بھاگ اُٹھا۔

طلحہؓ نے رسولِ خداؐ کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ آپؐ پوری طرح ہوش میں تھے۔ اِس دوران آپؐ کے ساتھیوں نے اِن آدمیوں کو بھگا دیا تھا جنہوں نے رسولِ کریمؐ پر حملہ کیا تھا۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ سعدؓ کہتے تھے — "میں اپنے بھائی کو قتل کر کے اُس کے جسم کے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہوں جس نے میری موجودگی میں میرے نبیؐ پر حملہ کیا ہے" — وہ اکیلے ہی قریش کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُنہیں بڑی مشکل سے روکا گیا۔ اگر رسولِ خداؐ اُنہیں رُکنے کا حکم نہ دیتے تو وہ کبھی نہ رُکتے۔

*

قریش غالباً بہت ہی تھک گئے تھے۔ وہ معرکے سے مُنہ موڑ گئے۔ تب رسولِ اکرمؐ کے ساتھیوں نے آپؐ کے زخموں کی طرف توجہ دی جو خواتین آپؐ کے ساتھ تھیں، اُنہوں نے آپؐ کو پانی پلایا۔ کپڑوں سے زخم صاف کیے۔ اس وقت یہ دیکھا گیا کہ خود کی زنجیروں کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں آپؐ کے رُخسار کی ہڈی میں اُتری ہوئی ہیں۔ ایک صحابی ابُوعبیدہؓ جو عرب کے ایک مشہور جرّاح کے فرزند تھے، آگے بڑھے اور آپؐ کے رُخساروں سے کڑیاں نکالنے لگے لیکن ہاتھوں سے کڑیاں نہ نکلیں۔ آخر ابُوعبیدہؓ نے دانتوں کی مدد سے ایک کڑی نکال لی۔ جب دوسری کڑی نکالی تو کڑی تو نکل آئی لیکن ابُوعبیدہؓ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے ابُوعبیدہؓ کو الاثرم کہنا شروع کر دیا جس کا مطلب ہے وہ آدمی جس کے سامنے والے دانت نہ ہوں۔ پھر وہ اِسی نام سے مشہور ہو گئے۔

اُمّ ایمنؓ جو رسولِ اکرمؐ کے بچپن میں آپؐ کی دایہ رہ چکی تھیں، آپؐ پر جُھکی ہوئی تھیں۔ اُس وقت تک آپؐ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ اچانک ایک تیر اُمّ ایمنؓ کی پیٹھ میں اُتر گیا اور اس کے ساتھ ہی دُور سے ایک قہقہہ سنائی دیا۔ سب نے اُدھر دیکھا تو قریش کا ایک آدمی حبان بن العرقہ دُور کھڑا ہنس رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ تیر اُسی نے چلایا تھا۔ وہ ہنستا ہُوا پیچھے کو مُڑا۔ رسولِ خداؐ نے ایک تیر سعدؓ بن

وقاص کو دے کر کہا کہ یہ شخص یہاں سے تیر لے کر ہی واپس جائے۔ سعدؓ نے جو تمام قبائل میں تیر اندازی میں خصوصی شہرت رکھتے تھے، کمان میں تیر ڈال کر حبان پر چلایا۔ تیر حبان کی گردن میں اُتر گیا۔ سعدؓ کے تمام ساتھیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ حبان نے ڈگمگاتے ہوئے چند قدم اٹھائے اور وہ گر پڑا۔

آج خالد جب مدینہ کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اُفق سے اوپر ہی اوپر اٹھتی آ رہی تھی، اُسے اپنے کچھ ساتھی یاد آنے لگے۔ عقیدوں کے اختلاف نے بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیا تھا لیکن خالد کو یہ خیال بھی آیا کہ بعض لوگ اپنے عقیدے کو اس لیے سچا سمجھتے ہیں کہ وہ اُس کے پیروکار ہوتے ہیں۔ حق اور باطل کے فرق کو سمجھنے کے لیے بڑی مضبوط شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک سوال اُسے پھر پریشان کرنے لگا ــــ ''میں مدینہ کیوں جا رہا ہوں؟.... اپنا عقیدہ مدینے والوں پر ٹھونسنے کے لیے یا اُن کا عقیدہ اپنے اوپر مسلّط کرنے کے لیے؟'' ــــ اُسے ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو ایک ہی رونے پرانی تھی۔ ــ ''کیا یہ سچ ہے کہ تم مدینہ جا رہے ہو؟ کیا تمہاری رگوں میں ولید کا خون سفید ہو گیا ہے؟''

صحرا میں جاتے ہوئے اَن آوازوں نے کچھ دُور تک اُس کا تعاقب کیا۔ پھر وہ اپنے اُن دوستوں کی یاد میں کھو گیا جن کے خلاف وہ لڑا اور جن کا خون اُس کے سامنے بہہ گیا تھا۔ ان میں ایک مصعبؓ بن عمیر بھی تھے۔

قریش جو معرکے سے منہ موڑ گئے تھے کچھ دُور ہی پہنچے تھے کہ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوسفیان کو جا پکڑا۔ اُس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم لوگ جنگ کو ادھورا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ مسلمانوں کا دم خم ختم ہو چکا ہے۔ ابوسفیان بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ معرکہ فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچے۔ قریش کے چند سوار وہیں سے پلٹ آئے۔ خالد دیکھ چکا تھا کہ رسولِ کریمؐ کہاں ہیں۔ یہاں پھر ابوسفیان نے خالد کو کسی اور طرف بھیج دیا اور کچھ آدمیوں کو نبیؐ کریم پر حملے کا حکم دیا۔ اب رسولِ کریمؐ کے ساتھ کچھ اور مسلمان آن ملے تھے۔

*

اب پھر ابن قمئہ لڑتے ہوئے مسلمانوں کا حلقہ توڑ کر رسولِ اکرمؐ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس وقت رسولِ اکرمؐ کے پاس مصعبؓ بن عمیر کھڑے تھے اور اُمِّ عمارہؓ اپنے قریب پڑے ہوئے دو تین زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اُنہوں نے جب قریش کو ایک بار پھر حملے کے لیے آتے دیکھا تو زخمیوں سے ہٹ کر اُنہوں نے ایک زخمی کی تلوار اُٹھالی اور قریش کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ قریش کا سب سے پہلا سوار جو اُن کے قریب آیا، اُس تک وہ نہیں پہنچ سکتی تھیں اس لیے اُنہوں نے تلوار سے اُس کے گھوڑے پر ایسا وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ سوار گھوڑے کے دوسری طرف گرا۔ اُمِّ عمارہؓ نے گھوڑے کے اوپر سے کُود کر قریش کے اُس آدمی پر وار کیا اور اُسے زخمی کر دیا۔ وہ اُٹھا اور بھاگ گیا۔

مصعبؓ بن عمیر کی قدوقامت اور شکل و صورت میں رسولِ کریمؐ کے ساتھ نمایاں مشابہت تھی۔ ابن قمئہ مصعبؓ کو رسولِ خداؐ سمجھ کر اُن پر حملہ آور ہوا۔ مصعبؓ تیار تھے۔ اُنہوں نے ابن قمئہ کا مقابلہ کیا۔ کچھ دیر دونوں میں تیغ زنی ہوئی لیکن ابن قمئہ کا ایک وار مصعبؓ پر ایسا بھرپور پڑا کہ وہ گرے اور شہید ہو گئے۔ اُمِّ عمارہؓ

نے مصعبؓ کو گرتے دیکھا۔ غیض و غضب سے ابن قمئہ پر تلوار کا وار کیا لیکن ابن قمئہ نے زرہ پہن رکھی تھی اور وار کرنے والی ایک عورت تھی اس لیے ابن قمئہ کو کوئی زخم نہ آیا۔ ابن قمئہ نے اُمّ عمارہؓ کے کندھے پر بھرپور وار کیا جس سے وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑیں۔

اُس وقت رسولِؐ کریم جو قریب ہی تھے، ابن قمئہ کی طرف بڑھے لیکن ابن قمئہ نے پنیترا بدل کر آپ پر ایسا وار کیا جو آپ کے خود پر پڑا۔ تلوار خود سے پھسل کر آپ کے کندھے پر لگی۔ آپؐ کے بالکل پیچھے ایک گڑھا تھا۔ آپ زخم کھا کر پیچھے ہٹے اور گڑھے میں گر پڑے۔ ابن قمئہ نے پیچھے ہٹ کر گلا پھاڑ کر کہا ـــــ "میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے"ـــــ وہ یہی نعرے لگاتا میدانِ جنگ میں گھوم گیا۔ اُس کی آواز قریش نے بھی سنی اور مسلمانوں نے بھی۔

قریش کو تو خوش ہونا ہی تھا، مسلمانوں پر اس کا بڑا تباہ کُن اثر ہُوا۔ وہ حوصلہ ہار بیٹھے اور اُحد کی پہاڑی کی طرف بھاگنے لگے۔

"اپنے نبی کے شیدائیو!" بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو ایک للکار سنائی دی ـــــ "اگر نبیؐ نہ رہے تو لعنت ہے ہم پر کہ ہم بھی زندہ رہیں۔ تم کیسے شیدائی ہو کہ نبیؐ کریم کی شہادت کے ساتھ ہی تم موت سے ڈر کر بھاگ رہے ہو۔"

مسلمان رُک گئے۔ اس للکار نے انہیں آگ بگولہ کر دیا۔ وہ پیادہ تھے لیکن اُنھوں نے قریش کے گھوڑ سواروں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ خالد اور عکرمہ کے گھوڑ سواروں پر ہُوا تھا۔

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ اُس کے ہاتھوں کتنے ہی مسلمانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ ان میں ایک رفاعہؓ بن وقش بھی تھے۔ خالد کے دل میں درد کی ایک ٹیس سی اُٹھی۔ اُسے کچھ ایسا احساس ہونے لگا جیسے وہ بے مقصد خون بہاتا رہا ہے لیکن اُس وقت وہ مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔

اب مسلمانوں کا دَم خم ٹوٹ چکا تھا۔ پیادے گھوڑ سواروں کا مقابلہ کب تک کرتے۔ وہ مجبور ہو کر پہاڑی کی طرف پسپا ہونے لگے۔ رسولِؐ اکرم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک تنگ سی وادی کی طرف جا رہے تھے۔ جس طرح مسلمانوں نے مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور جنگ کا پانسہ اپنے خلاف پلٹ دیا تھا اُسی طرح اب قریش کے آدمی مسلمانوں کی لاشوں پر اور تڑپتے ہوئے زخمیوں پر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کچھ قریش رسولِؐ کریم کے تعاقب میں چلے گئے لیکن آپ کے ساتھیوں نے ان پر ایسی بے جگری سے ہلّہ بولا کہ ان میں سے زیادہ تر قریش کو جان سے مار ڈالا اور جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ رسولِؐ اکرم ایک بلند جگہ پہنچ گئے۔ آپؐ نے وہاں سے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ آپ کے تیس صحابہؓ میں سے سولہ شہید ہو چکے تھے جو چودہ زندہ تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے۔ آپؐ نے بلندی سے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ آپ کو کوئی مسلمان نظر نہیں آ رہا تھا۔ مسلمان یہ سمجھ کر کہ رسولِؐ اکرم شہید ہو چکے ہیں، سخت مایوسی کے عالم میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ کچھ واپس مدینہ چلے گئے۔ کچھ قریش کے انتقام کے ڈر سے پہاڑی کے اندر جا چھپے۔

یہاں رسولِؐ خدا کو اپنے زخموں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ملی۔ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ جو آپ کو ہر طرف تلاش کر کر کے تھک چکی تھی، آپؐ کے پاس آ پہنچی۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا۔ حضرت علیؓ وہاں سے

کسی چیز میں پانی لائے اور آپؐ کو پلایا۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے زخم دھونے لگیں۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھیں۔

*

خالد کو آج یاد آرہا تھا کہ رسولِ کریمؐ کی شہادت کی خبر نے اُسے روحانی سا اطمینان دیا تھا لیکن ایک للکار نے اُسے چونکا دیا۔ وادی میں اس للکار کی گونج بڑی دُور تک سنائی دے رہی تھی۔ کوئی بڑی ہی بلند آواز میں کہہ رہا تھا ــــ "مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ اور سلامت ہیں"ــــ اِس للکار پر خالد کو ہنسی بھی آئی تھی اور افسوس بھی ہُوا تھا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ کوئی مسلمان پاگل ہوگیا ہے۔

ہُوا یوں تھا کہ جس طرح مسلمان اِکّا دُکّا اِدھر اُدھر بکھر گئے یا چھُپ گئے تھے، اسی طرح کعبؓ بن مالک نام کا ایک مسلمان اِدھر اُدھر گھومتا پہاڑی کے اُس مقام کی طرف چلا گیا جہاں رسولِ اکرمؐ ستا رہے تھے۔ اُس نے نبیؐ کریم کو دیکھا تو اُس نے جذبات کی شدّت سے نعرہ لگایا "ہمارے نبیؐ زندہ ہیں"۔ تمام مسلمان جو اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے اس آواز پر دوڑتے آئے۔ حضرت عمرؓ بھی اس آواز پر رسولِ خداؐ تک پہنچے تھے۔

اس سے پہلے ابوسفیان میدانِ جنگ میں پڑی ہوئی ہر ایک لاش کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ رسولِ کریمؐ کا جسدِ مبارک تلاش کر رہا تھا۔ اب اُسے قریش کا جو بھی آدمی ملتا اُس سے پوچھتا، تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟ اسی تلاش میں خالد اُس کے سامنے آگیا۔

"خالد!"ــــ ابوسفیان نے پوچھا ــــ "تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟"

"نہیں"ــــ خالد نے جواب دیا اور ابوسفیان کی طرف ذرا سا جھُک کر پوچھا ــــ "کیا تمہیں یقین ہے کہ محمدؐ قتل ہوچکا ہے؟"

"ہاں"ــــ ابوسُفیان نے جواب دیا ــــ "وہ ہم سے بچ کر کہاں جاسکتا تھا؟.... کیا تمہیں شک ہے؟"

"ہاں ابوسفیان!"ــــ خالد نے جواب دیا ــــ "میں اُس وقت تک شک میں رہتا ہوں جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ محمدؐ اتنی آسانی سے قتل ہوجانے والا شخص نہیں"۔

"معلوم ہوتا ہے تم پر محمدؐ کا طلسم طاری ہے"ــــ ابوسفیان نے تکبّر کے لہجے میں کہا ــــ "کیا محمدؐ ہم میں سے نہیں تھا۔ کیا تم اُسے نہیں جانتے تھے۔ جو شخص اتنی قتل و غارت کا ذمہ دار ہے، ایک روز اُسے بھی قتل ہونا ہے۔ محمدؐ قتل ہوچکا ہے۔ جاؤ اور دیکھو۔ اُس کی لاش کو پہچانو۔ ہم اُس کا سر کاٹ کر مکّہ لے جائیں گے"۔

عین اُس وقت پہاڑی میں سے کعبؓ بن مالک کی للکار گرجی ــــ "مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ سلامت ہیں"ــــ پھر یہ آواز رعد کی کڑک کی طرح گرجتی، کڑکتی وادی اور میدان میں گھومتی پھرتی رہی۔

"سُن لیا ابوسفیان!"ــ خالد نے کہا ــــ "اب میں تمہیں بتاتا ہوں محمدؐ کہاں ہے۔ میں اُس پر حملہ کرنے جا رہا ہوں لیکن میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتا کہ میں محمدؐ کو قتل کر آؤں گا"۔

کچھ دیر پہلے خالد نے رسولِ کریمؐ اور اُن کے ساتھیوں کو پہاڑی کے اندر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ بہت دُور تھا۔ خالد ہار ماننے والا اور اپنے ارادے کو ادھورا چھوڑنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے چند ایک سواروں کو ساتھ لیا اور پہاڑی کے اُس مقام کی طرف بڑھنے لگا جدھر اُس نے رسولِ کریمؐ کو جاتے

دیکھا تھا۔

مشہور مؤرخ ابنِ ہشام کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے جب خالد کو اپنے سواروں کے ساتھ اس گھاٹی پر چڑھتے دیکھا جہاں آپؐ تھے تو آپؐ کے منہ سے بے ساختہ دعا نکلی — "خدائے ذوالجلال! انہیں اس وقت وہیں کہیں روک لے۔"

خالد اپنے سواروں کے ساتھ گھاٹی چڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ایک درّہ سا تھا جو تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کو ایک قطار میں ہونا پڑا۔ رسولِ کریمؐ زخموں سے چُور پڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب خالد اور اُس کے سواروں کو اوپر آتے دیکھا تو وہ تلوار نکال کر کچھ نیچے اُترے۔

"ولید کے بیٹے!" — حضرت عمرؓ نے للکارا — "اگر لڑائی لڑنا جانتے ہو تو اُس درّے کی تنگی کو دیکھ لو۔ اس چڑھائی کو دیکھ لو۔ کیا تم اپنے سواروں کے ساتھ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جاؤ گے؟"

خالد لڑنے کے فن کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ جگہ گھوڑوں کو گھما پھرا کر لڑانے کے لیے موزوں نہیں بلکہ خطرناک ہے۔ خالد نے خاموشی سے اپنا گھوڑا گھمایا اور اپنے سواروں کے ساتھ وہاں سے نیچے اُتر آیا۔

*

جنگِ اُحد ختم ہو چکی تھی۔ قریش اس لحاظ سے برتری کا دعویٰ کر سکتے تھے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچایا تھا لیکن یہ جنگ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی تھی۔

"لیکن یہ ہماری شکست تھی" — خالد کو جیسے اپنی آواز سنائی دے رہی تھی — "مسلمانوں کی نفری سات سو تھی اور ہم تین ہزار تھے۔ ہمارے پاس دو سو گھوڑے تھے۔ ہماری فتح تب ہوتی جب ہم محمدؐ کو قتل کر دیتے۔"

خالد نے اپنے آپ میں جھنجھناہٹ سی محسوس کی۔ اُس پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ اُس کے دانت بجنے لگے اُسے جنگ کا آخری منظر یاد آنے لگا تھا۔ اُس نے اس بھیانک یاد کو ذہن سے نکالنے کے لیے سر کو جھٹکا دیا لیکن مکھیوں کی طرح یہ یاد اُس کے اردگرد بھنبھناتی رہی۔ اُسے اپنے آپ میں شرم سی محسوس ہونے لگی۔ جنگجو یوں نہیں کیا کرتے۔

خالد جب حضرت عمرؓ کی للکار پر واپس آ رہا تھا تو اُس بلندی سے اُس کی نظر میدانِ جنگ پر پڑی۔ وہاں لاشیں بکھری ہوئی تھیں، شاید اُن میں بے ہوش زخمی بھی ہوں گے۔ لاشوں اور زخمیوں کو اُٹھانے کے لیے نہ ابھی مسلمان آگے بڑھے تھے نہ اہلِ قریش۔ خالد کو ابوسفیان کی بیوی ہند نظر آئی۔ وہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اُس کے اشارے پر قریش کی وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ آئی تھیں، اُس کے پیچھے پیچھے دوڑی آئیں۔ ہند ہر اک لاش کو دیکھتی تھی۔ وہ اونچے قد کی اور فربہی مائل جسم کی پہلوان قسم کی عورت تھی۔ وہ ہر ایک لاش کو دیکھتی تھی۔ کوئی لاش اُوندھے منہ پڑی نظر آتی تو وہ پاؤں کی ٹھوکر سے اُس لاش کو سیدھا کر کے دیکھتی تھی۔ اُس نے اپنے ساتھ کی عورتوں سے کہا کہ وہ حمزہؓ کی لاش تلاش کریں۔

اُسے حمزہؓ کی لاش مل گئی۔ ہند بھُوکے درندے کی طرح لاش کو چیرنے پھاڑنے لگی۔ اُس نے لاش کے کچھ اعضاء کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اُس نے دوسری عورتوں کو دیکھا جو اُس کے قریب کھڑی تھیں۔

"کھڑی دیکھ کیا رہی ہو؟" — ہند نے ان عورتوں سے یوں کہا جیسے وہ پاگل ہو چکی ہو — "یہ دیکھو،

میں نے اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے قاتل کی لاش کا کیا حال کر دیا ہے۔ جاؤ، مسلمانوں کی ہر ایک لاش کا یہی حال کر دو اور سب کے کان اور ناک کاٹ کر لے آؤ۔"

جب وہ عورتیں مسلمانوں کی لاشوں کو چیرنے پھاڑنے کے لیے وہاں سے ہٹ گئیں تو ہند نے خنجر سے حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے اُس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں لاش کا کلیجہ تھا جو ہند نے خنجر سے کاٹ لیا۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ حمزہؓ کے کلیجے کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اُس نے اپنے منہ میں ڈال لیا اور درندوں کی طرح اسے چبانے لگی لیکن تھوڑی دیر بعد اُس نے کلیجے کے اس ٹکڑے کو اُگل دیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ اس ٹکڑے کو نگلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ ٹکڑا اُس کے حلق سے نیچے نہیں جا رہا تھا۔

خالد کو دُور ابوسفیان کھڑا نظر آیا۔ ہند کی اس وحشیانہ حرکت نے خالد کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ وہ جنگجو تھا۔ وہ صرف آمنے سامنے آکر لڑنے والا آدمی تھا۔ اپنے دشمن کی لاشوں کے ساتھ یہ سلوک نہ صرف یہ کہ اُسے پسند نہ آیا بلکہ اُس نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوسفیان کے پاس جا گھوڑا روکا۔

"ابوسفیان!" خالد نے غصے اور حقارت کے مِلے جُلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم اپنی بیوی اور ان عورتوں کی اس وحشیانہ حرکت کو پسند کر رہے ہو؟"

ابوسفیان نے خالد کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں بے بسی کی جھلک تھی اور صاف پتہ چلتا تھا کہ اُسے لاشوں کے ساتھ اپنی بیوی کا یہ سلوک پسند نہیں۔

"خاموش کیوں ہو ابوسفیان!"

"تم ہند کو جانتے ہو خالد!" ابوسفیان نے دبی سی زبان میں کہا۔ "یہ عورت اس وقت پاگلوں سے بدتر ہے۔ اگر میں یا تم اسے روکنے کے لیے آگے بڑھے تو یہ خنجر سے ہمارے پیٹ بھی چاک کر دے گی۔"

خالد ہند کو جانتا تھا۔ وہ ابوسفیان کی بے بسی کو سمجھ گیا۔ ابوسفیان نے سر جھکایا، گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا اور منہ پھیر کر دوسری طرف چل پڑا۔ خالد بھی اس منظر کو برداشت نہ کر سکا۔

جب ہند حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ چبا کر اُگل چکی تو اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کے پیچھے جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں افریقہ کی بنی ہوئی وہی برچھی تھی جس سے اُس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو بن حرب!" ہند نے تحکمانہ انداز میں اُسے کہا۔ "جاؤ اور مسلمانوں کی لاشوں کے ٹکڑے کر دو۔"

وحشی بن حرب بولتا بہت کم تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ بات اشاروں میں ہی کر لی جائے۔ اُس نے ہند کا حکم ماننے کی بجائے اپنا ہاتھ ہند کے آگے پھیلا دیا اور اُس کی نظریں ہند کے گلے میں لٹکتے ہوئے سونے کے ہار پر جم گئیں۔ ہند کو اپنا وعدہ یاد آگیا۔ اُس نے وحشی سے کہا تھا کہ تم میرے باپ، چچا اور بیٹے کے قاتل کو قتل کر دو تو میں نے جتنے زیورات پہن رکھے ہیں وہ تمہارے ہوں گے۔ اب وحشی اپنا انعام لینے آیا تھا۔ ہند نے اپنے تمام زیورات اُتار کر وحشی بن حرب کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ وحشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور وہ وہاں سے چل پڑا۔ ہند پر اُس وقت فتح اور انتقام کا بھوت سوار تھا۔

"ٹھہر جاؤ بن حرب!" ____ ہند نے جوشیلی آواز میں اس حبشی کو بلایا۔ وہ جب اُس کے پاس آیا تو ہند نے کہا ____ "میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دو تو تمہیں اپنے زیورات دوں گی لیکن تم اس سے زیادہ انعام کے حقدار ہو" ____ ہند نے قریش کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا ____ "تم جانتے ہو ان عورتوں میں کنیزیں کون کون ہیں۔ دیکھو، وہ جوان بھی ہیں خوبصورت بھی۔ تمہیں جو کنیز اچھی لگتی ہے، اُسے لے جاؤ۔"

وحشی بن حرب نے اپنی عادت کے مطابق خاموشی سے چند لمحے ہند کے چہرے پر نظریں گاڑیں لیکن اُس کی نظریں کنیزوں کی طرف نہ گئیں۔ اُس نے انکار میں سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد میدانِ جنگ کی ہولناکی میں سے ہند کی بلند اور مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ مؤرخ ابن ہشام کے مطابق اُس نے ترنم سے جو نغمہ گایا اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

ہم نے بدر کے معرکے کا حساب برابر کر لیا ہے۔
ایک خونریز معرکے کے بدلے ہم نے ایک خونریز معرکہ لڑ لیا ہے۔
عتبہ کا غم میری برداشت سے باہر تھا۔
عتبہ میرا باپ تھا۔
مجھے چچا کا بھی غم تھا، اپنے بیٹے کا بھی غم تھا۔
اب میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔
میں نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔
وحشی نے میرے دل کے درد کا مداوا کر دیا ہے۔
میں عمر بھر وحشی کی احسان مند رہوں گی۔
اُس وقت تک جب تک میری ہڈیاں قبر کی مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہو جاتیں۔

*

ابو سفیان اس بھیانک منظر کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ وہ پہلے ہی منہ پھیر کر جا چکا تھا۔ اُس نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا کہ اُسے یقین نہیں آ رہا کہ رسولؐ اکرم زندہ ہیں۔

"خالد نے دُور سے کسی اور کو دیکھ کر سمجھ لیا ہو گا کہ وہ محمدؐ ہے" ____ کسی نے ابو سفیان سے کہا۔

ابو سفیان یہ کہہ کر کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتا ہے، اُس تنگ سے درّے کی طرف چلا گیا جہاں سے خالد اپنے سواروں کو واپس لایا تھا۔ وہ ایسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے اُسے مسلمان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"محمدؐ کے پیروکارو!" ____ ابو سفیان نے بلند آواز سے کہا ____ "کیا تم میں محمدؐ زندہ ہے؟"

رسولِ کریمؐ نے آواز سُنی تو اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہیں۔ ابو سفیان اپنا سوال اور زیادہ بلند آواز سے دُہرایا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب نہ ملا۔

"کیا ابو بکرؓ تم میں زندہ موجود ہے" ____ ابو سفیان نے بلند آواز سے پوچھا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب بار بار پوچھنے کے باوجود بھی مسلمان خاموش رہے۔

"کیا عمرؓ زندہ ہے؟"۔۔۔ ابوسفیان نے پوچھا۔
اب کے بھی مسلمانوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔
ابوسفیان نے گھوڑے کو گھمایا۔ اُس نے نیچے دیکھا۔ قریش کے بہت سے آدمی رسولِ اکرمؐ کے متعلق صحیح خبر سننے کو بے تاب کھڑے تھے۔
"اے اہلِ قریش!"۔۔۔ ابوسفیان نے چلّا کر اعلان کیا ۔۔۔ "محمدؐ مرچکا ہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی زندہ نہیں۔ اب مسلمان تمہارے سائے سے بھی ڈریں گے۔ خوشیاں مناؤ۔ ناچو"
اہلِ قریش ناچنے اور ہلڑ مچانے لگے لیکن گرجتی ہوئی ایک آواز نے اُنہیں خاموش کردیا۔
"اے خدا کے دشمن!"۔۔۔ درّے کی بلندی سے حضرت عمرؓ کی آواز گونجی ۔۔۔ "اتنا جھوٹ نہ بول۔ وہ تینوں زندہ ہیں جن کے نام لے لے کے تو انہیں مُردہ کہہ رہا ہے۔ اپنے قبیلے کو دھوکا مت دے۔ تجھے تیرے گناہوں کی سزا دینے کے لیے ہم سب زندہ ہیں۔"
ابوسُفیان نے طنزیہ قہقہہ لگایا اور بلند آواز سے بولا ۔۔۔ "ابن الخطّاب! تیرا خدا تجھے ہم سے محفوظ رکھے۔ کیا تُو اب بھی ہمیں سزا دینے کی بات کرتا ہے؟ کیا تُو یقین سے کہتا ہے کہ محمدؐ زندہ ہے؟"
"اللہ کی قسم! ہمارے نبیؐ زندہ ہیں"۔۔۔ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی آواز جواب میں گرجی ۔۔۔ "اللہ کے رسولؐ تمہارا ایک ایک لفظ سُن رہے ہیں۔"
عربوں میں یہ رواج تھا کہ ایک معرکہ ختم ہونے کے بعد دونوں فریقوں کے سردار یا سالار ایک دوسرے پر طعنوں اور پھبتیوں کے تیر برسایا کرتے تھے۔ ابوسفیان اسی دستور کے مطابق دُور کھڑا حضرت عمرؓ سے ہمکلام تھا۔
"تم ہُبل اور عُزیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔
حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرمؐ کی طرف دیکھا۔ آپؐ اونچا بول نہیں سکتے تھے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ ابوسفیان کو کیا جواب دیں۔
"او باطل کے پجاری!"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "اللہ کی عظمت کو پہچان جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقت والا ہے۔"
"ہمارے پاس ہُبل جیسا دیوتا اور عُزیٰ جیسی دیوی ہے"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا ۔۔۔ "کیا تمہارے پاس کوئی ایسا دیوتا اور دیوی ہے؟"
"ہمارے پاس اللہ ہے"۔۔۔ رسولِ کریمؐ نے حضرت عمرؓ کی زبان سے کہلوایا جو حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "تمہارا خدا کوئی نہیں۔"
"جنگ کا فیصلہ ہوچکا ہے"۔۔۔ ابوسُفیان نے کہا ۔۔۔ "تم نے بدر میں فتح پائی تھی۔ ہم نے اس پہاڑی کے دامن میں تم سے انتقام لے لیا ہے۔ اگلے سال ہم تمہیں بدر کے میدان میں ہی مقابلے کے لیے للکاریں گے۔"
"انشاء اللہ!"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے رسولِ کریمؐ کے الفاظ بلند آواز سے دُہرائے ۔۔۔ "اب تمہارے ساتھ ہماری ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہوگی۔"
ابوسفیان نے گھوڑا موڑا۔ گھوڑا دو قدم ہی چلا ہوگا کہ اُس نے گھوڑے کو روک لیا۔
"اے عمرؓ، ابوبکرؓ اور محمدؐ!"۔۔۔ ابوسفیان نے اب کے ذرا ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ۔۔۔ "تم جب م

سے اپنی لاشیں اٹھاؤ گے تو تمہیں کچھ ایسی لاشیں بھی ملیں گے جن کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں گے اور اُنہیں چیرا پھاڑا گیا ہو گا۔ خدا کی قسم! میں نے کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور میں نے تمہاری لاشوں کے ساتھ یہ سلوک بالکل پسند نہیں کیا۔ اگر اس کا الزام مجھ پر عائد کرو گے تو میں اسے اپنی توہین سمجھوں گا"۔ ابوسفیان نے گھوڑا موڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

*

چلتے چلتے خالد کے گھوڑے نے اپنے آپ ہی رُخ بدل لیا۔ خالد نے گھوڑے کو نہ روکا۔ وہ سمجھ گیا کہ گھوڑے نے پانی کی بُو پالی ہے۔ کچھ دُور جا کر گھوڑا نیچے اُترنے لگا۔ خالد کو یہ مقام یاد آگیا۔ جنگِ اُحد کے بعد واپسی پر قریش نے کچھ دیر یہاں قیام کیا تھا۔ نیچے پانی کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ گھوڑا بڑی تیزی سے گھاٹی اُتر گیا اور پانی پر جا رُکا۔ خالد گھوڑے سے کُود کر نیچے اُترا اور دو زانو ہو کر چُلّو بھر بھر کر اپنے چہرے پر پانی پھینکنے لگا۔ ذرا سستانے کے لیے بھُر بھُری سی ایک چٹان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب اُحد کے معرکے کے بعد اہلِ قریش واپس آئے تھے۔ اُنہوں نے مدینے سے کچھ دُور آکر قیام کیا تھا۔ اس قیام کے دوران قریش کے سردار اس بحث میں اُلجھ گئے تھے کہ واپس مکّہ پہنچا جائے یا مسلمانوں پر ایک اور حملہ کیا جائے۔

صفوان بن اُمیّہ نے کہا تھا ۔۔۔ "ہم شکست کھا کر نہیں آئے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کی حالت بہت بُری ہے تو اپنی حالت دیکھو۔ ہماری حالت بھی اچھی نہیں۔ اب مسلمانوں کے ساتھ اتنی جلدی لڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے قسمت ہمارا ساتھ نہ دے"۔

جب یہ بحث جاری تھی تو قریش کے کچھ آدمی دو مسافروں کو پکڑ کر سرداروں کے سامنے لے آئے۔ اُنہیں بتایا گیا کہ یہ دونوں آدمی جو اپنے آپ کو مسافر کہتے ہیں، ہمارے خیموں کے اِرد گرد گھوم پھر رہے تھے اور ہمارے چار پانچ آدمیوں سے انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ ان دونوں نے ابوسفیان اور دوسرے سرداروں کے سامنے بھی یہی بیان دیئے کہ وہ مسافر ہیں اور کسی جگہ کا نام لے کر کہا کہ وہ اُدھر جا رہے ہیں۔ ابوسفیان کے حکم سے اُن کے پھٹے پُرانے کپڑے جو اُنہوں نے پہن رکھے تھے، اُتروائے گئے تو اندر سے خنجر اور تلواریں برآمد ہوئیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ ہتھیار چھپا کر کیوں رکھے ہیں۔ خالد کی نظر بہت تیز تھی۔ اُسے شک ہُوا کہ یہ مسلمانوں کے جاسوس ہیں۔ ان دونوں کو قریش کی فوج کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور پوچھا گیا کہ انہیں کوئی پہچانتا ہے؟

دو تین آوازیں آئیں کہ ہم انہیں پہچانتے ہیں۔ یہ یثرب (مدینہ) کے رہنے والے ہیں۔

"اس ایک کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں" ۔۔۔ قریش کے ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا ۔۔۔ "اسے میں نے اپنے خلاف لڑتے ہوئے دیکھا تھا"۔

"تم اپنی زبان سے کہہ دو کہ تم محمدؐ کے جاسوس ہو" ۔۔۔ ابوسفیان نے ان دونوں سے کہا ۔۔۔ "اور جاؤ۔ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں"۔

دونوں میں سے ایک نے اعتراف کر لیا۔

"جاؤ" ۔۔۔ ابوسفیان نے کہا ۔۔۔ "ہم نے تمہیں معاف کیا"۔

دونوں جو واقعی مسلمانوں کے بھیجے ہوئے جاسوس تھے اور قریش کے عزائم معلوم کرنے آئے تھے، ہنسی

خوشی اپنے اونٹوں کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کے اشارے پر کئی ایک تیراندازوں نے کمانوں میں تیر ڈالے اور پیچھے سے ان دونوں مسلمانوں پر چلا دیئے۔ دونوں کئی کئی تیر اپنے جسموں میں لے کر گرے۔ پھر اُٹھ نہ سکے۔

"کیا تم اس کا مطلب سمجھتے ہو؟" ابوسفیان نے اپنے قریب کھڑے سرداروں سے کہا — "جاسوس بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہارے نہیں، وہ ابھی یا کچھ ہی عرصے بعد ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فوراً مکّہ کو کوچ کرو۔ اور اگلی جنگ کی تیاری کرو۔"

اگلے روز رسولؐ اکرم کو کسی نے آکر بتایا کہ اہلِ قریش نے جہاں پڑاؤ کیا تھا وہاں اپنے دونوں جاسوسوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور اہلِ قریش مکّہ کو روانہ ہو گئے ہیں۔

خالد نے یہ پہلی بڑی جنگ لڑی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکا۔ آج چار برس بعد وہ اس سوچ میں غرق تھا کہ مسلمانوں کی یہ طاقت عام انسانوں کی طاقت نہیں۔ کوئی راز ہے جسے وہ ابھی تک نہیں پاسکا۔ اُسے اہلِ قریش کی کچھ خامیاں یاد آنے لگیں۔ کچھ باتیں اور کچھ اعمال اُسے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اُسے یہودیوں کی دو بڑی خوبصورت عورتیں بھی یاد آئیں جو اہلِ قریش کے سرداروں میں گھل مل گئی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی اپنے نسوانی حُسن کے جادو سے اہلِ قریش پر چھا جانے کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طریقہ اُسے پسند نہ تھا لیکن ان میں سے ایک عورت ایک روز خالد سے ملی تو خالد نے محسوس کیا کہ یہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے، اس میں عقل و دانش ہے۔ اس عورت کے حسن و جوانی کا اپنا ایک اثر تھا لیکن طلسم جو اُس کی زبان میں تھا، اُس کا اثر خالد نے بھی محسوس کیا تھا — کچھ دیر تک یہ عورت خالد کے خیالوں پر چھائی رہی۔ اُس کا گھوڑا ہنہنایا تو خالد جیسے خوابِ بیداری سے بیدار ہو گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہُوا اور پھر مدینے کے راستے پر ہو لیا۔

ولید کا بیٹا خالد شہزادہ تھا۔ عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا لیکن فنِ حرب و ضرب کا جنون ایسا کہ عیش و عشرت کو اس جنون پر حاوی نہیں ہونے دیتا تھا۔ مدینے کی طرف جاتے ہُوتے اُسے وہ حسین و جمیل یہودن یاد آئی جس کا نام یوحاوہ تھا۔ اُس نے اس یہودن کو ذہن سے نکال دیا لیکن یوحاوہ رنگ برنگی تتلی بن کر اُس کے ذہن میں اُڑتی رہی۔ خالد اُسے ذہن سے نکال نہ سکا۔

خالد کے ذہن میں اُڑتی ہُوتی اس تتلی کے رنگ پھیکے پڑنے لگے پھر تمام رنگ مِل کر سرخ ہو گئے — خون جیسے سُرخ — یہ ایک بھیانک یاد تھی۔ خالد نے اُسے ذہن سے اُگل دینے کی بہت کوشش کی لیکن تتلی جو زہریلی بھڑ بن گئی تھی اُس کے ذہن سے نہ نکلی۔

یہ معرکۂ اُحد کے تین چار ماہ بعد کا ایک واقعہ تھا۔ یہ ایک سازش تھی جس میں وہ شریک نہ تھا لیکن وہ قبیلۂ قریش کا بڑا ہی اہم فرد تھا۔ مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک نہ ہونے کے باوجود وہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس میں شریک نہ تھا۔

معرکۂ اُحد میں زخمی ہونے والے بعض اہلِ قریش کے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہُوتے تھے کہ ایک روز خالد کو خبر ملی کہ مدینے سے چھ مسلمان تبلیغِ اسلام کے لیے رجیع کی طرف جا رہے تھے کہ عفان سے تھوڑی دور ایک غیر مسلم قبیلے نے انہیں روک لیا اور ان میں سے دو کو مکّہ لایا گیا ہے اور

انہیں نیلام کیا جا رہا ہے۔

خالد دوڑتا ہُوا وہاں گیا۔ وہ دو مسلمان خُبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ تھے۔ خالد دونوں کو جانتا پہچانتا تھا۔ وہ اُسی کے قبیلے کے افراد ہُوا کرتے تھے اُنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں حُبِّ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ رسولِ خدا پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ رسولِ خدا انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ خالد نے دیکھا کہ انہیں ایک چبوترے پر کھڑا کر دیا گیا تھا اور اِرد گرد اہلِ قریش کا ہجوم تھا۔ ایک غیر مسلم قبیلے کے چار افراد ان کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھ رسّیوں سے بندھے ہُوتے تھے۔

"یہ دونوں مسلمان ہیں"— ایک آدمی چبوترے پر کھڑا اعلان کر رہا تھا —"یہ دونوں اُحد میں تمہارے خلاف لڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں تمہارے عزیز اور خون کے رشتہ دار مارے گئے تھے۔ ہے کوئی جو انتقام کی آگ بجھانا چاہتا ہے؟... انہیں خریدو، انہیں اپنے ہاتھوں قتل کرو اور خون کے بدلے خون بہاؤ.... یہ آدمی سب سے اُونچی بولی دینے والے کو ملیں گے.... بولو۔"

"دو گھوڑے"— ایک آواز آئی۔

"بولو.... بڑھ کر بولو۔"

"دو گھوڑے ایک اونٹ"— ایک اور آواز آئی۔

"گھوڑوں اونٹوں کو چھوڑو۔ سونے میں بولی دو.... سونا لاؤ.... دشمن کے خُون سے انتقام کی پیاس بجھاؤ۔"

وہ لوگ جن کے قریبی رشتہ دار اُحد کی لڑائی میں مارے گئے تھے، بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ خُبیبؓ اور زیدؓ چُپ چاپ کھڑے تھے۔ اُن کے چہروں پر خوف نہ تھا، گھبراہٹ نہیں تھی، ہلکی سی بے چینی بھی نہیں تھی۔ خالد ہجوم کو چیرتا ہُوا آگے چلا گیا۔

"او قریش کے سردار کے جنگجو بیٹے!"— خُبیبؓ نے خالد کو دیکھ کر بڑی بلند آواز سے کہا — "تیرا قبیلہ ہم دونوں کا خُون بہا کر اُس مقدس آواز کو خاموش نہیں کر سکتا جو غارِ حرا سے اُٹھی ہے۔ لا اپنے قبیلے کا کوئی نامور لڑاکا اور میرے ہاتھ کُھلوا دے، پھر دیکھ کون کس کے خُون سے پیاس بُجھاتا ہے۔"

"میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانے والو!"— زیدؓ نے گرجدار آواز میں کہا —"تم نے شکست کا انتقام ہمارے بھائیوں کی لاشوں سے لیا ہے۔ تمہاری عورتوں نے اُحد کے میدان میں ہماری لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ کر ان کے ہار اپنے گلوں میں لٹکائے ہیں۔"

آج — چار برس بعد — مدینے کی طرف جاتے ہُوئے خالد کو خُبیبؓ اور زیدؓ کی للکار اور طعنے صاف سنائی دے رہے تھے۔ وہ زیدؓ کے طعنے کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔ آج، چار برس بعد اُسے یہ طعنہ یاد آیا تو بھی اُس کے جسم نے جھرجھری لی۔ اُسے اُحد کے میدان کا وہ منظر یاد آ گیا جب سفیان کی بیوی ہند نے حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ نکال کر اپنے منہ میں ڈال لیا اور چبا کر اُگل دیا تھا۔ اسی ت نے اپنے ساتھ کی عورتوں سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ ان عورتوں نے اُس کے آگے کانوں اور ناکوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ ہند نے ان کانوں اور ناکوں کا ہار اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح میدان میں ایک گیت گاتی اور ناچتی

بھری تھی۔ اس منظر کو اُس کے خاوند اُبوسفیان نے پسند نہیں کیا تھا۔ خالد نے تو نفرت سے مُنہ پھیر لیا تھا۔

○

تین چار ماہ بعد دو مسلمان جن کے ہاتھ رسّیوں سے بندھے ہوئے تھے اُسے طعنے دے رہے تھے۔ وہ او چھے طریقے سے انتقام لینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ وہاں سے کھسک آیا اور اہلِ قریش کے ہجوم میں گم ہو گیا۔ اُسے اُس قبیلے کا ایک آدمی مِل گیا جو ان دو مسلمانوں کو پکڑ لایا تھا۔ (کسی بھی تاریخ میں اس قبیلے کا نام نہیں مِلتا۔ مورخوں نے ابنِ ہشام کے حوالے سے اسے ایک جنگجو قبیلہ لکھا ہے جو قریش کا اتحادی تھا)۔

خالد نے اس جنگجو قبیلے کے اس آدمی سے پُوچھا کہ اِن دو مسلمانوں کو کس طرح پکڑا گیا ہے۔

"خُدا کی قسم!"__ اس آدمی نے کہا__ "کہو تو ہم ان مسلمانوں کے رسُولؐ کو پکڑ لائیں اور نیلامی کے چبُوترے پر کھڑا کر دیں"۔

"تم جو کام نہیں کر سکتے اُس کی قسم نہ کھاؤ"__ خالد نے کہا__ "مجھے بتاؤ کہ ان دو کو کہاں سے پکڑا گیا ہے"۔

"یہ چھ تھے"__ اس شخص نے جواب دیا__ "ہم نے اُحد میں مارے جانے والوں کا انتقام لیا ہے۔ آئندہ بھی ایسے ہی انتقام لیتے رہیں گے۔ ہمارے قبیلے کے کچھ آدمی مدینہ محمدؐ کے پاس گئے اور کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا پورا قبیلہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر چکا ہے لیکن پُورا قبیلہ مدینے نہیں آ سکتا۔ ہمارے اِن آدمیوں نے محمدؐ سے کہا کہ ان کے ساتھ چند ایک مسلمانوں کو اُن کے قبیلے میں بھیجا جاتے جو پورے قبیلے کو مسلمان کریں اور پھر قبیلے کو مذہبی تعلیم دینے کے لیے کچھ عرصہ وہیں رہیں....

"ہمارے یہ آدمی جب واپس آتے تو ان کے ساتھ چھ مسلمان تھے۔ اِدھر ہمارے سردار شارجہ بن مغیث نے ایک سَو آدمیوں کو رجیع کے مقام پر بھیج دیا۔ جب یہ چھ مسلمان رجیع پہنچے تو ہمارے ایک سَو آدمیوں نے انہیں گھیر لیا.... تم سن کر حیران ہو گے کہ یہ چھ مسلمان تلواریں نکال کر ایک سَو آدمیوں کے مقابلے پر آ گئے۔ ہم نے تین کو مار ڈالا اور تین کو پکڑ لیا۔ ان کے ہاتھ رسّیوں سے باندھ دیئے۔ شارجہ بن مغیث نے حکم دیا تھا کہ مدینے سے کچھ مسلمان تمہارے دھوکے میں آ کر تمہارے ساتھ آ گئے تو ان میں سے دو تین کو مکّہ لے جانا اور انتقام لینے والوں کے ہاتھ فروخت کر دینا....

"ہم تین کو ادھر لا رہے تھے۔ راستے میں ان میں سے ایک نے رسّیوں میں سے ہاتھ نکال لیے مگر وہ بھاگا نہیں۔ وہ اِتنا پھرتیلا تھا کہ اُس نے ہمارے ایک آدمی کی نیام سے تلوار نکال لی کیونکہ اُسے ہم نے نہتّہ کر رکھا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے ہمارے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ اکیلا آدمی اتنے سارے آدمیوں کا مقابلہ کب تک کرتا۔ وہ مارا گیا اور ہم نے اُس کا جسم کا قیمہ

کر دیا۔ یہ دورہ گئے۔ ہم نے ان کے ہاتھ اور زیادہ مضبوطی سے باندھ دیتے اور یہاں لے آئے۔"

"اور تم خوش ہو"۔۔۔ خالد نے اُسے طنزیہ کہا۔۔۔ "محمدؐ کیا کہے گا؟ ..... اہلِ قریش اور ان کے دوست قبیلے اتنے بُزدل ہو گئے ہیں کہ اب دھوکے دینے اور چھ آدمیوں کو ایک سَو سے مروانے پر اُتر آتے ہیں۔ کیا تم نے مجھے یہ بات سناتے شرم محسوس نہیں کی؟ کیا ان ایک سَو آدمیوں نے اپنی ماؤں کو شرمسار نہیں کیا جن کا اُنھوں نے دُودھ پیا ہے؟"

"تم نے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا تھا ولید کے بیٹے؟"۔۔۔ اس آدمی نے کہا ۔۔۔ "کیا تم محمدؐ کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ بدر میں ایک ہزار قریش تھے، تیرہ سے مار کھا آتے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں محمدؐ کے پیروکار کتنی تعداد میں تھے؟ ..... سات سو سے کم ہوں گے زیادہ نہیں تھے۔ قریش کتنے تھے؟ ..... ہزاروں ..... سُن خالد بن ولید! محمدؐ کے ہاتھ میں جادُو ہے۔ جہاں جادو چلتا ہے وہاں تلوار نہیں چل سکتی۔"

"پھر تمھاری تلوار کس طرح چلی ہے؟"۔۔۔ خالد نے پوچھا۔۔۔ "اگر محمدؐ کے ہاتھ میں جادُو ہے تو وہ تمھارے سردار شارجہ بن مغیث کے دھوکے میں کس طرح آ گیا؟ اُس کے چار آدمیوں کو کس طرح مار ڈالا؟ ان دو کو محمدؐ کا جادو آزاد کیوں نہیں کرا لیتا؟ ..... تم جس چیز کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے اُسے جادو کہہ دیتے ہو۔"

"ہم نے جادو کو جادو سے کاٹا ہے"۔۔۔ شارجہ بن مغیث کے قبیلے کے اس آدمی نے کہا۔ "ہمارے پاس یہودی جادوگر آتے تھے۔ ان کے ساتھ تین جادوگرنیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام یوحاوہ ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک گھنی جھاڑی میں سے ایک برچھی زمین پر سرکتی باہر آئی۔ یہ برچھی جھاڑی میں واپس چلی گئی اور سانپ بن کر باہر آئی۔ یہ سانپ واپس جھاڑی میں چلا گیا۔"

○

مدینے کی طرف جاتے ہُوتے اُسے یہ واقعہ یاد آ رہا تھا۔ وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن زہریلی بھڑوں کی طرح یہ یاد اُس کے اُوپر بھنبھناتی رہی۔ اُسے یوحاوہ یاد آتی۔ وہ جادوگرنی تھی یا نہیں، اُس کے حُسن میں، جسم کی ساخت، مُسکراہٹ اور بولنے کے انداز میں جادو تھا۔ اُس نے شارجہ بن مغیث کے اس آدمی کے مُنہ سے یوحاوہ کا نام سنا تو وہ چونکا۔ معرکۂ اُحد کے بعد جب اہلِ قریش کی فوج مکّہ واپس آئی تھی تو مکّہ کے یہودی ایسے انداز سے اُبوسفیان، خالد اور عکرمہ کے پاس آتے تھے جیسے اُحد میں یہودیوں کو شکست ہُوئی ہو۔ یہودیوں کے سرداروں نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہُوئی اور لڑائی ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی ہے تو یہ قریش کی شکست ہے۔ یہ یہودیوں کی ناکامی ہے ..... یہودیوں نے اہلِ قریش کے ساتھ اس طرح ہمدردی کا اظہار کیا تھا جیسے وہ اہلِ قریش کی ناکامی پر غم سے مرے جا رہے ہوں۔

انھی دنوں خالد نے پہلی بار یوحاوہ کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی ٹہلائی کے لیے آبادی سے باہر نکل گیا تھا۔ جب وہ واپس آ رہا تھا تو راستے میں اُسے یوحاوہ مل گئی۔ یوحاوہ کی مُسکراہٹ نے

اُسے روک لیا۔

"میں تسلیم نہیں کر سکتی کہ ولید کا بیٹا جنگ سے ناکام لوٹ آیا ہے"۔۔۔ یوحاوہ نے کہا اور خالد کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی اور بولی۔ "مجھے اس گھوڑے سے پیار ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے گیا تھا"

خالد یوں گھوڑے سے اُتر آیا جیسے یوحاوہ کے جادو نے اُسے گھوڑے سے زمین پر کھڑا کر دیا ہو۔

"اِس سے بڑی ناکامی اور کیا ہو گی کہ تم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکے"۔۔۔ یوحاوہ نے کہا۔۔۔ "تمہاری شکست ہماری شکست ہے۔ اب ہم تمہارا ساتھ دیں گے لیکن تمہارے ساتھ ہوتے ہوتے بھی تم ہمیں اپنے ساتھ نہیں دیکھ سکو گے"۔

خالد نے یوں محسوس کیا جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ تلواروں، برچھیوں اور تیروں کی بوچھاڑوں کا مقابلہ کرنے والا خالد یوحاوہ کی مسکراہٹ کا مقابلہ نہ کر سکا۔

"اگر یہودی ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے تو ہمارے کس کام آسکیں گے؟"۔۔۔ خالد نے پوچھا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تیر ہی انسان کے جسم سے پار ہو جاتا ہے؟"۔۔۔ یوحاوہ نے کہا۔۔۔ "عورت کا تبسم تم جیسے دلیر اور جری مردوں کے ہاتھوں سے تلوار گرا سکتا ہے"۔

خالد اُس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن کچھ پوچھ نہ سکا۔ یوحاوہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پھولوں کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر تبسم آگیا۔ یوحاوہ آگے چل پڑی۔ خالد اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنے وجود کے اندر لطیف سے جھٹکے محسوس کیے۔ اس کے گھوڑے نے کھُر مارا تو خالد اپنے آپ میں آگیا۔ وہ بڑی تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور چل پڑا۔ کچھ دور آکر اُس نے پیچھے دیکھا۔ یوحاوہ رُک کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ یوحاوہ نے اپنا ہاتھ ذرا اُوپر کر کے ہلایا۔

○

اب جب کہ دو مسلمانوں کو نیلام کیا جا رہا تھا اور خالد کو ایک آدمی نے بتایا تھا کہ ان مسلمانوں کو کس طرح دھوکے میں لایا گیا ہے اور اُس آدمی نے یوحاوہ کا بھی نام لیا تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ معلوم کرے گا کہ یوحاوہ نے یہ جادو کس طرح چلایا تھا۔ اسے اپنے قبیلے کا ایک سرکردہ آدمی مل گیا۔ اُس سے اُسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان اہلِ قریش کے ہاتھ کس طرح آئے ہیں۔ تین چار سرکردہ یہودی یوحاوہ اور دو تین اور یہودیوں کو ساتھ لے کر شارجہ بن مغیث کے پاس چلے گئے۔ یہ قبیلہ تھا تو جنگجو لیکن اُس پر مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح طاری ہو گیا تھا جیسے لوگ جادوگروں سے ڈرتے تھے۔ اس قبیلے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسولِ کریمؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ یہودیوں نے اپنی زمین دوز کارروائیوں کے لیے اِس قبیلے کو اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ جنگجو قبیلہ تھا۔

یہودی بڑی دانش مند قوم تھی۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے جادو کا وہم اگر پھیل گیا تو دوسرے قبیلے بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ یہ یہودی اس قبیلے کے سردار شارجہ بن مغیث کے پاس گئے اور اُس کا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ مسلمان جادوگر ہیں، اُسے بہت کچھ کہا لیکن شارجہ

بن مغیث نے تسلیم نہ کیا۔ رات کو یہودیوں کے کہنے پر شارجہ نے ان مہمانوں کی ضیافت کا انتظام باہر کھلے آسمان تلے کیا۔ ان یہودیوں نے اپنے ہاتھوں اپنے میزبانوں کو شراب پلائی۔ شارجہ بن مغیث اور اس کے قبیلے کے چند ایک سرکردہ افراد کو جو شراب پلائی گئی، اس میں یہودیوں نے کوئی سفوف سا ملا دیا، پھر یہودیوں نے اپنے جادو کے کچھ شعبدے دکھائے۔

یوحاوہ نے اپنے حسن کا جادو چلایا۔ اس کا ذریعہ ایک رقص بھی تھا جس میں یہ یہودنیں نیم برہنہ تھیں۔ ناچتے ناچتے اُن کے جسموں پر جو ادھورے سے لباس تھے وہ بھی سرک کر زمین پر جا پڑے تھے۔ یہودی اپنے سازندے ساتھ لے گئے تھے۔

اگلے روز جب شارجہ بن مغیث کی آنکھ کھلی تو اُسے محسوس ہُوا جیسے وہ بڑے ہی حسین خواب سے جاگا ہو۔ اُس کے خیالات بدلے ہوتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے قبیلے کے دوسرے سرداروں کے ساتھ یہودیوں کے پاس بیٹھا تھا۔ یہودنیں بھی وہاں موجود تھیں۔ یوحاوہ کو دیکھ کر وہ بے قابو ہو گیا۔ اُس نے لپک کر یوحاوہ کا بازو پکڑا اور اُسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ضروری نہیں کہ دشمن کو میدانِ جنگ میں للکار کر اُسے شکست دی جائے"۔۔۔ ایک یہودی نے کہا۔ "ہم مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے بھی ختم کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔"

خالد کو بتایا گیا کہ ان چھ مسلمانوں کو مدینے سے دھوکے سے لانے کا یہ طریقہ یہودیوں نے بتایا تھا اور شارجہ بن مغیث نے جو آدمی رسولِ کریمؐ کے پاس بھیجے تھے، ان میں ایک یہُودی بھی تھا۔ خالد مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا لیکن اُسے یہ غیر جنگی طریقے اچھے نہیں لگتے تھے۔

خالد اپنے گھر گیا اور اپنی ایک خادمہ سے کہا کہ وہ یوحاوہ یہودن کو بلا لائے۔ یوحاوہ اتنی جلدی اُس کے پاس آئی جیسے وہ اُس کے بلاوے کے انتظار میں قریب ہی کہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم نے مسلمانوں کو کامیابی سے دھوکہ دیا ہے"۔۔۔ خالد نے یوحاوہ سے کہا۔۔۔ "اور مغیث کے قبیلے کے لوگ تمہیں جادوگرنی کہنے لگے ہیں لیکن مجھے یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔"

"میری بات غور سے سنو خالد!"۔۔۔ یوحاوہ اُس کے قریب جا بیٹھی اور اُس کی ران پر ہاتھ رکھ کر بولی۔۔۔ "تم اپنے قبیلے کے نامور جنگجو ہو لیکن تم میں عقل کی کمی ہے۔ دشمن کو مارنا ہے۔ تلوار سے مارو، تیر سے مار دو یا اُسے تیکھی نظروں سے ہلاک کر دو۔ تیر اور تلوار چلائے بغیر دشمن کو کوئی مجھ جیسی عورت ہی مار سکتی ہے۔"

خالد یوحاوہ کے جسم کی تپش محسوس کر رہا تھا۔ یوحاوہ اُس کے اتنی قریب بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک بار یوحاوہ نے چہرہ خالد کی طرف موڑا تو اُس کے روئی جیسے ملائم گال خالد کے گال سے جا لگے۔ خالد نے اپنے جسم میں بڑی پُرلطف حرارت کی لہر دوڑتی محسوس کی لیکن کسی خیال سے وہ ذرا پرے سرک گیا۔

آج چار برس بعد، وہ جب صحرا میں تنہا جا رہا تھا، وہ اپنے گال پر یوحاوہ کے رُخسار کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ اس حد تک تو وہ خوش تھا کہ یہودی اُن کے ساتھ تھے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں کی دوستی میں جہاں مسلمانوں کی دشمنی ہے وہاں اُن کے اپنے مفادات بھی ہیں۔ البتہ اُس نے یہ تسلیم کر

لیا تھا کہ یہ حاوہ اگر جادوگرنی نہیں تو اس کے سراپا میں جادو کا کوئی اثر ضرور ہے۔

○

خالد کا گھوڑا مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں پھر خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ آ گئے۔ لوگ ان کی بولیاں بڑھ چڑھ کر دے رہے تھے آخر سودا ہو گیا اور قریش کے دو آدمیوں نے انہیں بہت سے سونے کے عوض خرید لیا۔ یہ دونوں آدمی ان دونوں صحابیوںؓ کو ابوسفیان کے پاس لے گئے۔

"ہم نے اپنے عقیدے سے ہٹ کر محمدؐ کے پاس چلے جانے والے ان دو آدمیوں کو اس لیے خریدا ہے کہ اُن اہلِ قریش کے خون کا انتقام لیں جو اُحد کے میدان میں مارے گئے تھے" — انہیں خریدنے والوں نے کہا —"ہم انہیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ آپ قریش کے سردار اور سالار ہیں"۔

"ہاں!— ابوسفیان نے کہا —"مکّہ کی زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔ اِن دو مسلمانوں کا خون اپنی زمین کو پلا دو... لیکن مجھے یاد آ گیا ہے کہ یہ مہینہ جو گزر رہا ہے ہمارے دیوتاؤں عزیٰ اور ہُبل کا مقدس مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ختم ہو لینے دو۔ اگلے دن انہیں کھلے میدان میں لے جا کر لکڑی کے کھمبوں کے ساتھ باندھ دینا اور مجھے بلا لینا"۔

خالد نے جب ابوسفیان کا یہ حکم سُنا تو وہ اُس کے پاس گیا۔

"مجھے آپ کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا"— خالد نے ابوسفیان سے کہا —"ہم دگنی اور تگنی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنی زمین کو مسلمانوں کا خون نہیں پلا سکے تو ہمیں حق حاصل نہیں کہ دو مسلمانوں کو دھوکے سے یہاں لا کر اُن کا خون بہایا جائے..... ابوسفیان! کیا آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے والی تین چار عورتیں تھیں؟ کیا آپ اپنے دشمن سے یہ کہلوانا چاہتے ہیں کہ اہلِ قریش اب عورتوں کی آڑ میں بیٹھ گئے ہیں؟"

"خالد!— ابوسفیان نے بارعب لہجے میں کہا —"خبیبؓ اور زیدؓ کو میں بھی اتنا ہی اپنے قریب سمجھا کرتا تھا جتنا تم انہیں اپنے قریب سمجھتے تھے۔ تم اب بھی انہیں اپنے قریب سمجھ رہے ہو اور یہ بھول رہے ہو کہ اب یہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر تم انہیں آزاد کرانا چاہتے ہو تو لاؤ، اُس سے دگنا سونا لے آؤ اور ان دونوں کو لے جاؤ"۔

"نہیں"— پردے کے پیچھے سے ایک گرجدار نسوانی آواز آئی۔ یہ ابوسفیان کی بیوی ہند کی آواز تھی۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا —"حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر بھی میرے سینے میں انتقام کی آگ سرد نہیں ہوئی۔ اگر ساری دنیا کا سونا میرے آگے لا رکھو گے تو بھی میں ان دو مسلمانوں کو آزاد نہیں کروں گی"۔

"ابوسفیان!— خالد نے کہا —"اگر میری بیوی میری بات کے درمیان یوں بولتی تو میں اُس کی زبان کھینچ لیتا"۔

"تم اپنی بیوی کی زبان کھینچ سکتے ہو؟"— ہند کی آواز آئی —"تمھارا باپ نہیں مارا گیا۔ تمھارا کوئی بیٹا

نہیں مارا گیا اور تمہارا چچا بھی نہیں مارا گیا۔ تمہارا ایک بھائی قید ہوا تھا اور تم مسلمانوں کے پاس جا کر منہ مانگا فدیہ دے کر اپنے بھائی کو چھڑا لاتے تھے۔ آگ جو میرے سینے میں جل رہی ہے تم اس کی تپش سے ناآشنا ہو۔"

خالد نے ابوسفیان کی طرف دیکھا۔ ابوسفیان کے چہرے پر جہاں مردانہ جاہ و جلال اور ایک جنگجو سردار کا تاثر تھا وہاں ایک خاوند کی بے بسی کی جھلک بھی تھی۔

"ہاں خالد!"— ابوسفیان نے کہا —"جس کے دل پر چوٹ پڑتی ہے اُس کے خیالات تم سے بہت مختلف ہوتے ہیں کسی کو اپنا دشمن کہنا کچھ اور بات ہے لیکن اپنے دشمن کو اپنے کسی عزیز کا خون بخش دینا بڑی ہی ناممکن بات ہے۔ تم کس کس کو قائل کرو گے کہ وہ ان دو مسلمانوں کی جان بخشی کر دے تم جاؤ خالد! ان دو مسلمانوں کو اپنے قبیلے کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"

خالد خاموشی سے واپس چلا گیا۔

○

پھر خالد کو وہ بھیانک منظر یاد آیا جب باہر میدان میں لکڑی کے دو کھمبوں کے ساتھ خبیبؓ اور زیدؓ بندھے کھڑے تھے۔ تماشائیوں کا چیختا چلّاتا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ اُدھر سے ابوسفیان اور ہند گھوڑوں پر سوار ہجوم میں داخل ہوتے ہجوم کے نعرے اور انتقامی طعنے پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے۔ اگر اس ہجوم میں کوئی خاموش تھا تو صرف خالد تھا۔

ابوسفیان گھوڑے پر سوار دونوں قیدیوں کے قریب گیا۔ دونوں نے اُسے کہا کہ وہ زندگی کی آخری نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے انہیں اجازت دے دی۔

خالد اب مدینے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے جب وہ منظر یاد آیا کہ دونوں قیدیوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور وہ قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ خالد پر اُس وقت جو اثر ہوا تھا وہ اب چار برس بعد اُس کی ذات سے اُبھر آیا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے خالد کا سر جھک گیا۔

خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ ہجوم کی چیخ و پکار سے لاتعلق، اپنی موت سے بے پروا خدا کے حضور رکوع و سجود میں محو تھے۔ اُنہوں نے نہایت اطمینان سے نماز پڑھی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے۔ کوئی نہیں بتا سکتا، تاریخ بھی خاموش ہے کہ اُنہوں نے خدا سے کیا دعا مانگی۔ اُنہوں نے خدا سے یہ نہیں کہا ہو گا کہ دشمن انہیں آزاد کر دے۔

وہ اُٹھے اور خود ہی لکڑی کے کھمبوں کے ساتھ پیٹھیں لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"اے بدقسمت انسانو!"— ابوسفیان نے بڑی بلند آواز سے خبیبؓ اور زیدؓ سے کہا —"تمہاری قسمت اور تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ اپنی زبانوں سے کہہ دو کہ ہم اسلام کو ترک کرتے ہیں اور اب ہم اہلِ قریش میں سے ہیں اور ۳۶۰ بُتوں کو برحق مانتے ہیں.... یہ اعلان کر دو اور اپنی زندگیاں مجھ سے واپس لو۔ اگر نہیں تو موت کو گلے لگاؤ۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہاری موت سہل نہیں ہو گی۔"

"اے باطل کے پجاری ابوسفیان!"— زیدؓ کی آواز گرجی —"ہم لعنت بھیجتے ہیں پتھر کے اُن بُتوں پر جو اپنے اُوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتے۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں عزیٰ اور ہبل پر جو

تمہیں اگلے جہان دوزخ کی آگ میں پھینکیں گے۔ ہم پجاری ہیں اُس ایک اللہ کے جو رحمان اور رحیم ہے اور ہم عاشق ہیں محمدؐ کے جو اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

"میرا راستہ وہی ہے جو زیدؓ نے تمہیں دکھا دیا ہے"— خبیبؓ نے بلند آواز سے کہا— "اے اہلِ مکّہ! سچا وہی ہے جس کے نام پر ہم قربان ہو رہے ہیں۔ ہمیں نئی زندگی ملے گی جو اس زندگی سے بہت زیادہ حسین اور مقدّس ہوگی۔"

"باندھ دو انہیں ان کھمبوں کے ساتھ"— ابوسفیان نے حکم دیا— "یہ موت کا ذائقہ چکھنے کے مشتاق ہیں۔"

دونوں کے ہاتھ پیچھے کر کے کھمبوں کے ساتھ جکڑ دیئے گئے۔ ابوسفیان نے گھوڑا موڑا اور ہجوم کی طرف آیا۔

"عزیٰ اور ہبل کی قسم!"— ابوسفیان نے بلند آواز میں ہجوم سے کہا— "میں نے اپنے قبیلے میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جو اپنے سردار پر اس محبت اور ایثار سے جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح محمدؐ کے پیروکار اُس کے نام پر فدا ہوتے ہیں۔"

ہُندا اپنے گھوڑے پر سوار کچھ دُور کھڑی تھی۔ اُس کے قریب اُس کے چند ایک غلام کھڑے تھے۔ ایک غلام نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جوش کا یہ مظاہرہ کیا کہ برچھی تان کر دونوں قیدیوں کی طرف کسی کے حکم کے بغیر بڑی تیز دوڑا اور کھمبے سے بندھے زیدؓ کے سینے پر برچھی کا اتنا زور دار وار کیا کہ برچھی کی اَنی زیدؓ کی پیٹھ سے باہر نکل گئی۔ زیدؓ بن الدثنہ فوراً شہید ہو گئے۔

اس غلام نے سینہ تان کر ہجوم کی طرف خراج تحسین کی توقع پر دیکھا لیکن ہجوم کچھ اور ہی قسم کا شور بلند کرنے لگا تھا۔ تماشائی کہتے تھے کہ یہ کوئی تماشہ نہیں ہُوا۔ یہ مسلمان اتنی سہل موت کے قابل نہیں ہمیں کوئی تماشہ دکھاؤ۔

"قتل کر دو اس غلام کو جس نے ایک مسلمان پر اتنا رحم کیا ہے کہ اسے اتنی جلدی مار ڈالا ہے"— ہُند نے دبنگ آواز میں کہا۔

کئی آدمی تلواریں اور برچھیاں لہراتے اس غلام کی طرف دوڑے لیکن بہت سے آدمی دوڑ کر ان آدمیوں اور غلام کے درمیان آ گئے۔

"خبردار! پیچھے کھڑے رہو"— ایک آدمی نے جو گھوڑے پر سوار تھا للکار کر کہا— "عربی خون اتنا بُزدل نہیں کہ دو آدمیوں کو باندھ کر مارنے کے لیے قریش کا پورا قبیلہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ خُدا کی قسم! ابوسفیان کی جگہ میں ہوتا تو ان دونوں آدمیوں کو آزاد کر دیتا۔ یہ ہمارا خون ہے اور یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم ان سے میدانِ جنگ میں لڑیں گے۔"

"یہ ٹھیک کہتا ہے"— ہجوم میں سے کئی آوازیں سنائی دیں— "دشمن کو باندھ کر مارنا عرب کی روایات کے خلاف ہے۔"

تماشائیوں کے ہجوم میں سے بے شمار آوازیں ایسی سنائی دے رہی تھیں جو کہتی تھیں کہ ہم تماشہ دیکھیں گے۔ ہم دشمن کو اس طرح ماریں گے کہ وہ مر مر کے جئیں۔

تھوڑی دیر بعد تماشائیوں کا ہجوم دو حصّوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ خبیبؓ کے قتل کے خلاف تھا۔

اسے وہ عرب کی روایتی بہادری کے منافی سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ خبیبؓ کو تڑپا تڑپا کر مارنے کے نعرے لگا رہا تھا۔ خالد نے جب اہلِ مکّہ کو اور دُور دُور سے آئے ہُوئے تماشائیوں کو اس طرح ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگاتے دیکھا تو وہ دوڑتا ہُوا ابوسفیان تک گیا۔

"دیکھ لیا ابوسفیان!"— خالد نے کہا— "دیکھ لیں یہاں میرے کتنے حامی ہیں۔ ایک کو مار دیا ہے دوسرے کو چھوڑ دو، ورنہ اہلِ قریش آپس میں ٹکرا جائیں گے۔"

ہند نے خالد کو ابوسفیان کے پاس کھڑے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ خالد بھی خبیبؓ کی رہائی کا حامی ہے۔ ہند نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُن دونوں کے پاس جا پہنچی۔

"خالد!"— ہند نے سخت بھری ہُوئی آواز میں کہا— "میں جانتی ہوں تم کیا چاہتے ہو۔ کیا تم ابوسفیان کو اپنا سردار نہیں مانتے؟ اگر نہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے جو سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"خالد!"— ابوسفیان نے کہا— "اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا حکم اور میرے ارادے صحیح نہیں تو بھی مجھے ان پر عمل کرنے دو۔ اگر میں نے اپنا حکم واپس لے لیا تو یہ میری کمزوری ہو گی۔ پھر لوگ میرے ہر حکم پر یہ توقع رکھیں گے کہ میں اپنا حکم واپس لے لوں۔"

خالد کو آج مدینے کے راستے میں یاد آرہا تھا اور اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ابوسفیان کا حکم مان لیا تھا۔ خالد کی خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی نظم و نسق اور اپنے سردار کی اطاعت تھی۔ اُس نے اپنے سینے پر پتھر رکھ کر صرف اس لیے ابوسفیان کا حکم مان لیا تھا کہ اہلِ قریش میں حکم عدولی کی روایت قائم نہ ہو۔

"اے اہلِ مکّہ!"— ابوسفیان نے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تماشائیوں سے بلند آواز میں کہا— "اگر آج یہاں دو مسلمانوں کے قتل پر ہم یوں بٹ گئے تو ہم میدانِ جنگ میں بھی کسی نہ کسی مسئلے پر پھٹ جائیں گے اور فتح تمہارے دشمن کی ہو گی۔ اگر اپنے سردار کی اطاعت سے یوں انحراف کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہو گا۔"

ہجوم کا شور و غوغا کم ہو گیا لیکن خالد نے دیکھا کہ اہلِ مکّہ کے کئی ایک سردار چہروں پر نفرت کے آثار لیے واپس گھروں کو جا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر بہت سے لوگ بھی جو تماشہ دیکھنے آئے تھے واپس چلے گئے۔ خالد وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا لیکن وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ دونوں گروہ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اُس کے اپنے قبیلے کے زیادہ تر لوگ تماشائیوں میں موجود تھے۔ وہ کم از کم اپنے قبیلے کو اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا۔

○

ہند نے تماشے کا پُورا انتظام کر رکھا تھا۔ اُس کے اشارے پر چالیس کمسن لڑکے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں دوڑتے اور چیختے چلاتے ہوئے تماشائیوں میں سے نکلے اور خبیبؓ کے ارد گرد ناچنے اور چیخنے چلانے لگے۔ دو چار لڑکے برچھیاں تانے ہُوئے خبیبؓ تک جاتے اور برچھیاں تول کر خبیبؓ پر وار کرتے لیکن خبیبؓ کو کوئی گزند پہنچائے بغیر ہاتھ روک لیتے۔ خبیبؓ بدکتے اور نعرہ لگاتے— "میرا خدا سچّا ہے اور محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔"

چند اور لڑکے اس طرح برچھیاں تان کر اُن پر ّلہ بولتے جیسے خبیبؓ کے جسم کو چھلنی کر دیں گے لیکن وار کر کے وار روک لیتے۔ خبیبؓ کے بدکنے پر تماشائیوں کا ہجوم داد و تحسین کے نعرے اور قہقہے لگاتا۔

لڑکوں کا یہ کھیل کچھ دیر جاری رہا۔ اس کے بعد لڑکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ برچھی کا وار بڑی زور سے کرتے لیکن خبیبؓ کے جسم پر اتنا سا وار لگتا کہ برچھیوں کی انیاں کھال میں ذرا سی اُتر کر پیچھے آ جاتیں۔ بہت دیر تک یہی کھیل چلتا رہا۔ تماشائی داد و تحسین کے نعرے اور خبیبؓ اللہ اکبر اور محمدؐ رسول اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے۔ خبیبؓ کے کپڑے خون سے لال ہو چکے تھے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ ہاتھ میں برچھی لیے ان لڑکوں کے پاس جا پہنچا اور انہیں ہدایات جاری کرنے لگا۔ لڑکے اب اپنی برچھیاں خبیبؓ کے جسم میں چبھو رہے تھے۔ وہ نون دائرے میں گھومتے اور ناچتے تھے۔ خبیبؓ کے جسم کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ رہا جہاں برچھی نہ چُبھی ہو اور وہاں سے خون نہ ٹپک رہا ہو۔ اُنؓ کے چہرے پر بھی برچھیاں ماری گئیں۔ جب بہت دیر گزر گئی اور لڑکے ناچ ناچ کر اور برچھیاں چبھو چبھو کر تھک گئے تو عکرمہ نے لڑکوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ خبیبؓ خون میں نہائے ہوئے تھے اور ابھی زندہ تھے۔ ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے نعروں میں کمی نہیں آئی تھی۔ عکرمہ اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا اور برچھی تان کر خبیبؓ کے سینے میں اتنی زور سے ماری کہ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے برچھی خبیبؓ کے جسم سے پار ہو گئی۔ خبیبؓ شہید ہو گئے۔

"ان کی لاشیں یہیں بندھی رہنے دو"۔۔۔ ہند کی گرجدار آواز سنائی دی ۔۔۔"اب کئی دن ان کی لاشوں کے گلنے سڑنے کا تماشہ دیکھتے رہو"۔

○

یہ واقعہ جولائی ۶۲۵ء کا تھا جو خالد کو یاد آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں درد کی ٹیس محسوس کی۔ خبیبؓ اور زیدؓ کے قتل نے قریش کے سرداروں میں اختلاف کا بیج بو دیا تھا۔ جس طرح ان دو مسلمانوں نے آخری وقت نماز پڑھی اور اسلام سے نکل آنے پر موت کو ترجیح دی تھی۔ اس نے قریش کے کئی سرداروں پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ خود خالد نے اگر اسلام کی نہیں تو خبیبؓ اور زیدؓ کی دل ہی دل میں بہت تعریف کی تھی۔ ابوسفیان اور اُس کی بیوی ہند کے خلاف اُس کے دل میں ناپسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔

"یہ جنگجوؤں کا شیوہ نہیں تھا"۔۔۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا۔۔۔"یہ جنگجوؤں کو زیب نہیں دیتا تھا"۔

ایک روز وہ اُن سرداروں کی محفل میں بیٹھا تھا جو رسولِ خداؐ کے ان دو صحابہ کرامؓ کے قتل کے خلاف تھے۔

"کیا تم سب جانتے ہو کہ مارے جانے والے یہی دو نہیں بلکہ چھ مسلمان تھے؟"۔۔۔ خالد نے پوچھا۔

"ہاں"۔۔۔ ایک نے جواب دیا۔۔۔"یہ شارجہ بن مغیث کا کام تھا۔ وہ ان چھ مسلمانوں کو دھوکے سے پھندے میں لایا تھا"۔

"اور اس کے پیچھے مکّہ کے یہودیوں کا دماغ کام کر رہا تھا"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔"اور اس میں یوحادہ یہودن نے دو تین اور یہودی لڑکیاں ساتھ لے جا کر اپنے اور اُن کے حُسن کا جادو چلایا تھا"۔

"یوحاوہ جادوگرنی ہے" — ایک سردار نے کہا — "وہ بھائی کو بھائی کے ہاتھوں ذبح کرا سکتی ہے"
"کیا یہ خطرہ نہیں کہ یہودی ہمیں بھی ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے؟" — کسی اور سردار نے کہا۔
"نہیں" — ایک بوڑھا سردار بولا — "وہ محمدؐ کے اتنے ہی دشمن ہیں جتنے ہم ہیں۔ یہودیوں کا مفاد اس میں ہے کہ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اتنی پکی اور اتنی شدید کر دیں کہ ہم مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں۔"

"ہمیں یہودیوں پر شک میں نہیں پڑنا چاہئے" — ایک سردار نے کہا — "بلکہ ضرورت یہ ہے کہ ہم یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف زمین کے نیچے استعمال کریں۔"

"لیکن ایسے نہیں جیسے شارجہ نے کیا ہے" — خالد نے کہا — "اور ایسے بھی نہیں جیسے ابوسفیان اور اُس کی بیوی نے کیا ہے۔"

"کیا تم سب جانتے ہو کہ یوحاوہ مکہ کے چند ایک یہودیوں کے ساتھ مدینہ چلی گئی ہے؟" — بوڑھے سردار نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا — "وہ مدینہ اور ارد گرد کے یہودیوں اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھاریں گے۔ اسلام کے فروغ سے وہ خود خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اگر محمدؐ کا عقیدہ پھیلتا چلا گیا اور میدانِ جنگ میں محمدؐ کے پیروکاروں کا جذبہ یہی رہا جو ہم دیکھ چکے ہیں تو خدا تے یہودہ کا سورج غروب ہو جائے گا۔"

"لیکن یہودی لڑنے والی قوم نہیں" — خالد نے کہا — "وہ میدانِ جنگ میں ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔"

"مسلمانوں کے لیے وہ میدانِ جنگ میں زیادہ مہلک ثابت ہوں گے" — ایک اور سردار نے کہا — "وہ اپنی یوحاوہ جیسی دلکش لڑکیوں کے ذریعے مسلمان سرداروں اور سالاروں کو میدانِ جنگ میں اُترنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔"

یوحاوہ خالد کے دل و دماغ پر غالب آتی جا رہی تھی اور چار برس پرانی باتیں اُسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اوپر اٹھتی آ رہی تھی، پھر یہ پہاڑی اُس کی نظروں سے اوجھل ہونے لگی۔ اُس کا گھوڑا گھاٹی اُتر رہا تھا۔ یہ کوئی ایک میل لمبا اور ڈیڑھ دو فرلانگ چوڑا نشیب تھا جس میں کہیں کہیں مخروطی ٹیلے کھڑے تھے۔ یہ ریتلی مٹی کے تھے۔ خالد کو دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے چونک کر اُدھر دیکھا اور اُس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر چلا گیا — وہ چار یا پانچ غزال تھے جو اُس کے نیچے دوڑتے جا رہے تھے۔ کچھ دور جا کر ایک غزال نے دوسرے غزال کے پہلو میں ٹکر ماری پھر دونوں غزال آمنے سامنے آ گئے اور اُن کے سر ٹکرانے لگے۔ دوسرے غزال انہیں دیکھنے رک گئے۔

○

اتنے خوبصورت جانور آپس میں لڑتے اچھے نہیں لگتے۔ خالد انہیں دیکھتا رہا۔ ایک تماشائی غزال نے خالد کے گھوڑے کو دیکھ لیا۔ اُس نے گردن تانی اور کُھر زمین پر مارا۔ لڑنے والے غزال جہاں تھے وہاں ساکت و جامد ہو گئے اور پھر تمام غزال ایک طرف بھاگ اُٹھے اور خالد کی نظروں سے

اوجھل ہو گئے۔

قریش کے سردار دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کی آپس میں دشمنی پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن پیار محبت اور اتحاد والی پہلی سی بات بھی نہیں رہی تھی۔ خالد کو آج یاد آرہا تھا کہ سب ابوسفیان کی سرداری اور سالاری کو تسلیم کرتے تھے لیکن کھچاؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ جب اتحاد کی ضرورت تھی، اُس وقت اہلِ قریش نفاق کے راستے پر چل پڑے تھے۔ خالد کو یہ صورتِ حال سخت ناگوار گزرتی تھی۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپس کا نفاق دشمن کو تقویت دیا کرتا ہے؟" — خالد نے ایک روز ابوسفیان سے کہا تھا۔ "کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس نفاق کو اتفاق میں کس طرح بدلا جا سکتا ہے؟"

"بہت سوچا ہے خالد!" — ابوسفیان نے اُکتائے ہوئے سے لہجے میں کہا تھا —

"بہت سوچا ہے۔ سب مجھے پہلے کی طرح ملتے ہیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض کے دل صاف نہیں.... کیا تم کوئی صورت پیدا کر سکتے ہو کہ دلوں سے میل نکل جائے؟"

"ہاں، میں نے ایک صورت سوچ رکھی ہے" — خالد نے کہا تھا — "میں یہی تجویز آپ کے سامنے لا رہا تھا جن سرداروں کے دلوں میں میل پیدا ہو گئی ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم اب نام کے جنگجو رہ گئے ہیں اور ہم نے مسلمانوں کا ڈر اپنے دلوں میں بٹھا لیا ہے۔ شارجہ نے چھ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اوران میں سے دو کو آپ کے ہاتھوں مروا کر ہماری شکل و صورت ہی بدل ڈالی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم مدینہ پر حملہ کریں یا مسلمانوں کو کہیں للکاریں اور ثابت کر دیں کہ ہم جنگجو ہیں اور ہم مسلمانوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔"

"ہمارے پاس جواز موجود ہے" — ابوسفیان نے اُچھل کر کہا تھا — "میں نے اُحد کی لڑائی کے آخر میں محمدؐ کو للکار کر کہا تھا کہ تم نے بدر میں ہمیں شکست دی تھی۔ ہم نے اُحد کی پہاڑی کے دامن میں انتقام لے لیا ہے۔ میں نے محمدؐ سے یہ بھی کہا تھا کہ قریش کے سینوں میں انتقام کی آگ جلتی رہے گی۔ ہم اگلے سال تمہیں بدر کے میدان میں للکاریں گے۔"

"ہاں، مجھے یاد ہے" — خالد نے کہا — "اُدھر سے عمرؓ کی آواز آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ہمارے اللہ نے چاہا تو ہماری اگلی ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہو گی۔"

"آواز تو عمرؓ کی تھی، الفاظ محمدؐ کے تھے" — ابوسفیان نے کہا — "محمدؐ بہت زخمی تھا۔ وہ اونچی آواز میں بول نہیں سکتا تھا.... میں محمدؐ کو پیغام بھیجتا ہوں کہ فلاں دن بدر کے میدان میں آجاؤ اور اپنے انجام کو پہنچو۔"

دونوں نے ایک دن مقرر کر لیا اور فیصلہ کیا کہ کسی یہودی کو مدینے بھیجا جائے۔

دوسرے ہی دن ابوسفیان نے قریش کے تمام سرداروں کو اپنے ہاں بلایا اور بڑے جوش و خروش سے اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کو بدر کے میدان میں للکار رہا ہے۔ قریش یہی خبر سننے کے منتظر تھے۔ انہیں اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لینا تھا۔ ان کے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی بارود کی طرح بھری ہوئی تھی جو ایک چنگاری کی منتظر تھی۔ وہ کہتے تھے کہ محمدؐ نے باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔

ابوسفیان کے اس اعلان نے سب کے دل صاف کر دیئے اور وہ جنگی تیاریوں کی باتیں کرنے لگے۔ ایک دانشمند یہودی کو پیغام دیا گیا کہ وہ مدینے جا کر نبی کریمؐ کو دے کر جواب لے آئے۔

○

خالد کو یاد آرہا تھا کہ وہ اُس روز کس قدر مطمئن اور مسرور تھا۔ قریش کے سرداروں کے دلوں میں جو تکدّر پیدا ہو گیا تھا، وہ صاف ہو گیا تھا۔ خالد ڈر جانے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے یہ تہیّہ کر لیا تھا کہ وہ رسولِ خدا کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

یہودی ایلچی جواب لے کر آ گیا۔ رسول کریمؐ نے ابُوسفیان کی للکار کو قبول کر لیا تھا۔ لڑائی کا جو دن مقرر ہُوا وہ مارچ ۶۲۶ء کا ایک دن تھا لیکن ہُوا یوں کہ سردیوں کے موسم میں جتنی بارش ہُوا کرتی تھی اُس سے بہت کم ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ موسم تقریباً خشک گزر گیا اور مارچ کے مہینے میں گرمی اتنی زیادہ ہو گئی جتنی اس کے دو تین ماہ بعد ہُوا کرتی تھی۔ ابُوسفیان نے اِس موسم کو لڑائی کے لیے موزوں نہ سمجھا۔

اس یاد نے خالد کو شرمسار سا کر دیا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ابُوسفیان موسم کی گرمی کا بہانہ بنا رہا تھا۔ مشہور مؤرخ ابنِ سعد لکھتا ہے کہ ابُوسفیان نے قریش کے سرداروں کو بُلا کر کہا کہ وہ کُوچ سے پہلے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہودیوں کی خدمات حاصل کیں اور انہیں خاصی اُجرت دے کر تاجروں کے بھیس میں مدینے بھیج دیا۔ اُنہیں ابُوسفیان نے یہ کام سونپا تھا کہ مدینے میں وہ یہ افواہ پھیلائیں کہ قریش اتنی زیادہ تعداد میں بدر کے میدان میں آ رہے ہیں جو مسلمانوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

اِس مؤرخ کے مطابق، مدینے میں اس افواہ کو سچ مانا گیا اور مسلمانوں کے چہروں پر اس کے اثرات بھی دیکھے گئے۔ جب رسول کریمؐ تک یہ افواہ پہنچی اور یہ اطلاع بھی کہ بعض مسلمانوں پر خوف و ہراس کے اثرات دیکھے گئے ہیں تو رسول کریمؐ نے باہر آ کر لوگوں کو جمع کیا اور اعلان کیا:

"کیا اللہ کے نام لیوا صرف یہ سُن کر ڈر گئے ہیں کہ قریش کی تعداد زیادہ ہو گی؟ کیا اللہ سے ڈرنے والے آج بُتوں کے پجاریوں سے ڈر گئے ہیں؟ اگر تم قریش سے اس قدر ڈر گئے ہو کہ اُن کی للکار پر تم مُنہ موڑ گئے ہو تو مجھے قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس نے مجھے رسالت کی ذمہ داری سونپی ہے، میں بدر کے میدان میں اکیلا جاؤں گا۔"

رسولِ خدا کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن رسالتِ مآب کے شیدائیوں نے نعروں سے آسمان کو ہلا ڈالا۔ یہ سراغ نہ مل سکا کہ افواہ کس نے اُڑائی تھی لیکن رسول اللہ کی پُکار پر قریش کی پھیلائی ہوئی افواہ کے اثرات زائل ہو گئے اور مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دن تھوڑے رہ گئے تھے۔ کُوچ کے وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ ان میں صرف پچاس گھوڑ سوار تھے۔

جن یہودیوں کو افواہ پھیلانے کے لیے مدینہ بھیجا گیا تھا، اُنہوں نے واپس آ کر بتایا کہ افواہ نے پہلے پُورا کام کیا تھا لیکن ایک روز محمدؐ نے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے چند الفاظ ہی کہے تو تمام مسلمان بدر کو کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ اُن کی تعداد مدینے میں ہماری موجودگی تک ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی

تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ تعداد اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوگی۔
آج مدینے کو جاتے ہوئے اس واقعہ کی یاد نے خالد کو اس لیے شرمسار کر دیا تھا کہ وہ اُس وقت محسوس کرنے لگا تھا کہ ابُوسفیان کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے جانے سے ہچکچا رہا ہے۔
خالد کو جب مسلمانوں کی تعداد کا پتہ چلا تو وہ بھڑکا بپھرا ہُوا ابُوسفیان کے پاس گیا۔
"ابُوسفیان!"۔ خالد نے اُسے کہا ۔"سردار کی اطاعت ہمارا فرض ہے۔ میں اہلِ قریش میں سردار کی حکم عدولی کی روایت قائم نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے قریش کی عظمت کا بھی خیال ہے۔ آپ اپنے رویے کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلۂ قریش کی عظمت کا احساس مجھ میں اتنا زیادہ ہو جائے کہ میں آپ کے حکم اور رویے کی طرف توجہ ہی نہ دوں۔"
"کیا تم نے سُنا نہیں تھا کہ میں نے یہودیوں کو مدینے کیوں بھیجا تھا؟"—— ابُوسفیان نے پُوچھا ۔"میں مسلمانوں کو ڈرانا چاہتا تھا..."
"ابُوسفیان!"—— خالد نے اُس کی بات پُوری ہونے سے پہلے کہا۔"لڑنے والے ڈرا نہیں کرتے۔ کیا آپ نے مسلمانوں کو قلیل تعداد میں لڑتے نہیں دیکھا؟ کیا آپ نے خبیبؓ اور زیدؓ کو اہلِ قریش کی برچھیوں کے سامنے کھڑے ہو کر نعرے لگاتے نہیں سُنا تھا؟... میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اپنی سرداری کا احترام کریں اور بدر کو کُوچ کی تیاری کریں۔"

○

دوسرے ہی دن مکّہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان مدینہ سے بدر کو کُوچ کر گئے ہیں۔ اب ابُوسفیان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کُوچ کا حکم دے۔ قریش کی جو تعداد بدر کو کوچ کے لیے تیار ہوئی، وہ دو ہزار تھی اور ایک سَو گھوڑسوار اس کے علاوہ تھے۔ قیادت ابُوسفیان کی تھی اور اس کے ماتحت خالد، عکرمہ اور صفوان نائب سالار تھے۔ حسبِ معمول ابُوسفیان کی بیوی ہِندؔ اُس کی چند ایک کنیزیں اور گانے بجانے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔
مسلمان رسولؐ اکرم کی قیادت میں ۴ اپریل ۶۲۶ء بمطابق یکم ذی القعدہ ۴ھ کے روز بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔
قریش ابھی عسفان کے مقام تک پہنچے تھے۔ انہوں نے وہیں رات بھر کے لیے پڑاؤ کیا۔ علی الصبح اُن کی روانگی تھی لیکن صبح طلوع ہوتے ہی ابُوسفیان نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دینے کی بجائے اکٹھا کیا اور لشکر سے یوں مخاطب ہُوا:
"قریش کے بہادرو! مسلمان تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔ اب اُن کے ساتھ ہماری جنگ فیصلہ کُن ہوگی۔ اِن مُٹھی بھر مسلمانوں کا ہم نام ونشان مٹا دیں گے۔ نہ محمدؐ اس دُنیا میں رہے گا نہ کوئی اُس کا نام لینے والا لیکن ہم ایسے حالات میں لڑنے جا رہے ہیں جو ہمارے خلاف جا سکتے ہیں اور ہماری شکست کا باعث بن سکتے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم اپنے ساتھ پُورا اناج نہیں لا سکے۔ مزید اناج ملنے کی اُمید بھی نہیں کیونکہ خشک سالی نے قحط کی صورت پیدا کر دی ہے۔ پھر اس گرمی کو دیکھو۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے بہادروں کو بُھوکا اور پیاسا مَروا دوں۔ میں فیصلہ کُن جنگ کے لیے

موزوں حالات کا انتظار کروں گا۔ہم آگے نہیں جائیں گے۔مکہ کو کُوچ کرو۔"

خالد کو یاد آرہا تھا کہ قریش کے لشکر نے دو طرح کے نعرے بلند کیے۔ایک اُن کے نعرے تھے جو انہی حالات میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔دوسرے نعرے ابُوسفیان کے فیصلے کی تائید میں تھے لیکن حکم سب کو ماننا تھا۔خالد، عکرمہ اور صفوان نے ابُوسفیان کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا لیکن ابُوسفیان پر اُن کے احتجاج کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ان تینوں نائب سالاروں نے یہ جائزہ بھی لیا کہ کتنے آدمی اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔یہ جائزہ اُن کے خلاف ثابت ہُوا لشکر کی اکثریت ابُوسفیان کے حکم پر مکّہ کی طرف کُوچ کر گئی۔خالد اور اُس کے دونوں ساتھیوں کو مجبوراً لشکر کے پیچھے پیچھے آنا پڑا۔

خالد کو وہ لمحے یاد آرہے تھے جب وہ اہلِ قریش کے لشکر کے پیچھے پیچھے عکرمہ اور صفوان کے ساتھ مکّہ کو چلا جا رہا تھا۔اُس کا سَر جُھکا ہُوا تھا۔یہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے جیسے ایک دوسرے سے شرمسار ہوں۔خالد کو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ لڑائی میں اُس کی ایک ٹانگ کٹ جاتی، بازو کٹ جاتے، اُس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو جاتیں تو اُسے یہ دُکھ نہ ہوتا جو بغیر لڑے واپس جانے سے ہو رہا تھا۔اُس وقت وہ اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کی ذات مر چکی ہو اور گھوڑے پر اُس کی لاش مکّہ کو واپس جا رہی ہو۔نبیؐ کریم کا قتل اُس کا عزم اور عہد تھا جو وہ پُورا کیے بغیر واپس آ رہا تھا۔یہ عزم بچھو بن کر اُسے ڈس رہا تھا۔

اُسے بہت کچھ یاد آرہا تھا۔یادوں کا ایک ریلا تھا جو ختم نہیں ہو رہا تھا۔اُسے یہودیوں کے تینوں قبیلے۔بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع ۔ یاد آئے۔انہوں نے جب دیکھا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے منہ موڑ گئے ہیں تو وہ سرگرم ہو گئے۔یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف زمین دوز کارروائیاں شروع کیں، مکّہ گئے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا مگر قریش کا سردار ابُوسفیان ٹس سے مَس نہ ہُوا۔خالد کو معلوم نہ ہو سکا کہ ابُوسفیان کے دل میں کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے لڑنے سے کیوں گھبراتا ہے۔

اُسی سال کے موسمِ سرما کے اوائل میں خیبر کے چند ایک سرکردہ یہودی مکّہ گئے۔ان کا سردار حیّی بن اخطب تھا۔یہ شخص یہودیوں کے قبیلے بنونضیر کا سردار بھی تھا۔یہودیوں کے پاس زروجواہرات کے خزانے تھے۔یہ چند ایک یہودی ابُوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے لیے بیش قیمت تحفے لے کر گئے۔ان کے ساتھ حسین و جمیل لڑکیوں کا طائفہ بھی تھا۔

مکّہ میں یہ یہودی ابُوسفیان سے ملے۔اُسے تحفے پیش کیے اور رات کو اپنے طائفہ کا رقص بھی دکھایا۔اس کے بعد حیّی بن اخطب نے ابُوسفیان سے خالد، عکرمہ اور صفوان کی موجودگی میں کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ختم نہ کیا اور اُن کے بڑھتے ہوئے قدم نہ روکے تو وہ یمامہ تک پہنچ جائیں گے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو قریش کے لیے وہ تجارتی راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا جو بحرین اور عراق کی طرف جاتا ہے۔قریش کے لیے یہ راستہ شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔

"اگر آپ ہمارا ساتھ دیں" ——حیّی بن اخطب نے کہا—"تو ہم مسلمانوں کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کر دیں گے۔"

"ہم مسلمانوں سے دُگنے تھے تو بھی اُنہیں شکست نہ دے سکے" —ابُوسفیان نے کہا—"اُن

سے تین گنا تعداد میں اُن سے لڑے تو بھی اُنہیں شکست نہ دے سکے۔ اگر چند اور قبیلے ہمارے ساتھ مل جائیں تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں۔"

"ہم نے یہ انتظام پہلے ہی کر دیا ہے" — حیی بن اخطب نے کہا — "قبیلہ غطفان اور بنو اسد آپ کے ساتھ ہوں گے۔ چند اور قبیلے ہماری کوششوں سے آپ کے ساتھ آجائیں گے۔"

خالد کو کیا کچھ یاد نہ آرہا تھا۔ تین چار سال پہلے کے واقعات اُسے ایک روز پہلے کی طرح یاد تھے۔ اُسے ابُوسفیان کا گھبرایا گھبرایا چہرہ اچھی طرح یاد تھا۔ خالد جانتا تھا کہ یہودی اہلِ قریش کو مسلمانوں کے خلاف صرف اس لیے بھڑکا رہے ہیں کہ یہودیوں کا اپنا مذہب اسلام کے مقابلے میں خطرے میں آگیا تھا لیکن اُنھوں نے ابُوسفیان کو ایسی تصویر دکھائی تھی جس میں اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں تباہی نظر آرہی تھی۔ دوسری طرف خالد، عکرمہ اور صفوان بن اُمیّہ نے ابُوسفیان کو سر اُٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ یہ تسلیم کریں کہ آپ بزدل ہیں۔"

"اگر مسلمان موسم کی خرابی اور قحط میں لڑنے کے لیے آ گئے تھے تو ہم بھی لڑ سکتے تھے۔"

"آپ نے جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دیا ہے۔"

"ابُوسفیان بزدل ہے.... ابُوسفیان نے پورے قبیلے کو بزدل بنا دیا ہے.... اب محمدؐ کے چیلے ہمارے سر پر کودیں گے۔"

اور ایسی بہت سی طنز اور غصّے سے بھری ہوئی آوازیں مکّہ کے گلی کوچوں میں گشت کرتی رہتی تھیں۔ ان آوازوں کے پیچھے یہودیوں کا دماغ بھی کام کر رہا تھا لیکن اہلِ قریش کی غیرت اور ان کا جذبۂ انتقام انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ ابوسفیان اس حال تک پہنچ گیا کہ اُس نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

خالد کو وہ دن یاد آیا جب اُسے ابوسفیان نے اپنے گھر بلایا تھا۔ خالد کے دل میں ابوسفیان کا وہ احترام نہیں رہ گیا تھا جو کبھی ہوا کرتا تھا۔ وہ بادلِ نخواستہ صرف اس لیے چلا گیا کہ ابوسفیان اس کے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ ابوسفیان کے گھر گیا تو وہاں عکرمہ اور صفوان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"خالد!" — ابوسفیان نے کہا — "میں نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

خالد کو ایسے محسوس ہوا جیسے اُس نے غلط سنا ہو۔ اُس نے عکرمہ اور صفوان کی طرف دیکھا۔ اُن دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ہاں خالد!" — ابوسفیان نے کہا — "جس قدر جلدی ہو سکے لوگوں کو مدینے پر حملے کے لیے تیار کر لو۔"

○

یہودیوں نے جن قبائل کو قریش کا ساتھ دینے کے لیے تیار کیا تھا، اُن سب کی طرف پیغام بھیج دیئے گئے۔ یہ فروری ٦٢٧ء کے آغاز کے دن تھے۔ مختلف قبائل کے لڑاکا دستے مکّہ میں جمع ہونے لگے۔ ان قبائل میں سب سے زیادہ فوج غطفان کی تھی۔ اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ عُیینہ اس کا سالار تھا۔ سات سو آدمی بنو سلیم نے بھیجے۔ بنو اسد نے بھی خاصی فوج بھیجی جس کا سالار طلیحہ بن خویلد

تھا (اس کی تعداد تاریخ میں نہیں ملتی)۔ قریش کی اپنی فوج کی تعداد ۴ ہزار پیادہ، ۳ سو گھوڑ سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ اس پورے لشکر کی تعداد جو مدینہ پر فوج کشی کے لیے جا رہی تھی، کل دس ہزار تھی۔ اس کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ تھی۔ ابوسفیان نے اس متحدہ فوج کو جمعیۃ القبائل کہا تھا۔

ان میں سے کچھ قبائل مکّہ میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے اطلاع دی تھی کہ جب لشکر مکّہ سے روانہ ہوگا تو وہ اپنی اپنی بستی سے کوچ کر جائیں گے اور راستے میں لشکر سے مل جائیں گے۔ خالد کو آج وہ وقت یاد آ رہا تھا جب اُس نے مکّہ سے کوچ کیا تھا۔ لشکر کا تیسرا حصہ اُس کی کمان میں تھا۔ اُس نے ایک ٹیکری پر گھوڑا چڑھا کر وہاں سے اس تمام لشکر کو دیکھا تھا۔ اُسے لشکر کے دونوں سرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ دف اور نفریاں اور شہنائیاں اور لشکر کی مترنّم آواز جو ایک ہی آواز لگتی تھی خالد کے خون کو گرما رہی تھی۔ اُس نے گردن تان کر اپنے آپ سے کہا تھا کہ مسلمان پِس کے رہ جائیں گے اور اسلام کے ذرّے عرب کی ریت میں مل کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے ــــ یہ اُس کا عزم تھا۔

یہ لشکر ۲۴ فروری ۶۲۷ء بمطابق یکم شوال ہجری مدینے کے قریب پہنچ گیا۔ قریش نے اپنا پڑاؤ اُس جگہ ڈالا جہاں اُحد کی لڑائی کے لیے خیمہ زن ہوئے تھے۔ وہاں دو ندیاں آ کر ملتی تھیں۔ دوسرے تمام قبائل اُحد کی پہاڑی کے مشرق کی طرف خیمہ زن ہوئے۔

○

قریش نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مدینہ کے لوگوں کو قریش کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی ہے یا نہیں، دو جاسوس تاجروں کے بھیس میں مدینہ بھیجے۔ ابوسفیان اور اس کے تمام نائب سالاروں کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مدینے والوں پر بے خبری میں حملہ کیا جائے لیکن دوسرے ہی دن قریش کا ایک جاسوس جو یہودی تھا مدینہ سے آیا۔ اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ مسلمانوں کو حملہ آور لشکر کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔

"مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا"۔ اس یہودی جاسوس نے بتایا ــــ "سارے شہر پر خوف طاری ہو گیا تھا لیکن محمدؐ اور اس کے قریبی حلقے کے آدمیوں کی للکار پر مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ گلی کوچوں میں ایسے اعلان ہونے لگے جن سے تمام شہر کا جذبہ اور حوصلہ عود کر آیا اور مسلمان لڑائی کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہونے لگے۔ میرے خیال میں اُن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی"۔

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اُنہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ پر حملے کے لیے جو لشکر آیا ہے اُس کی تعداد دس ہزار ہے جس میں سینکڑوں گھوڑ سوار اور شتر سوار بھی ہیں۔ اُس وقت تک عرب کی سرزمین نے کسی لڑائی میں اتنا لشکر نہیں دیکھا تھا۔

تعداد کو دیکھا جاتا اور فنِ حرب و ضرب کے پیمانے سے دونوں اطراف کی فوجوں کو ناپا تولا جاتا تو مسلمانوں کو لڑے بغیر ہتھیار ڈال دینے چاہئیں تھے یا وہ رات کی تاریکی میں مدینہ سے نکل جاتے اور کسی اور بستی کو اپنا ٹھکانہ بناتے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تین ہزار مسلمان دس ہزار کے لشکر کا مقابلہ ذرا سی دیر کے لیے بھی کر سکیں گے۔ دس ہزار لشکر نہایت آسانی سے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا لیکن یہ حق اور باطل کی ٹکر تھی۔ یہ اللہ کے آگے سجدے کرنے والوں اور

بُت پرستوں کا تصادم تھا۔ خدا کو حق کا ساتھ دینا تھا۔ خدا کو اپنے اُس عظیم پیغام کی لاج رکھنی تھی جو اس کی ذات باری نے غارِ حرا میں عرب کے سپوتؐ کو دیا تھا اور اُسے رسالت عطا کی تھی۔

"خدا اُن کا ساتھ دیتا ہے جن کے دلوں میں حق اور صدق ہوتا ہے"۔۔۔ یہ نبی کریمؐ کی للکار تھی جو مدینے کے گلی کوچوں میں سنائی دے رہی تھی۔۔۔ "لیکن اسے اللہ کی عبادت کرنے والو! خدا تمہارا ساتھ اسی صورت میں دے گا جب تم دلوں سے خوف و ہراس نکال کر ایک دوسرے کا ساتھ دو گے اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا عزم کرو گے۔ جو ہمارے اللہ کو نہیں مانتا اور جو ہمارے دین کو نہیں مانتا وہ ہمارا دشمن ہے اور اُس کا قتل ہم پر فرض ہے۔ یاد رکھو، قتل کرنے کے لیے قتل ہونا بھی پڑتا ہے۔ ایمان سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں جو تمہیں دشمن سے بچا سکے۔ تمہیں دفاع مدینے کا نہیں اپنے عقیدے کا کرنا ہے۔ اگر اس عزم سے آگے بڑھو گے تو دس ہزار پر غالب آجاؤ گے۔ خدا سوئے ہوئے یا خوفزدہ انسان کو معجزے نہیں دکھایا کرتا۔ اپنے عقیدے اور اپنی بستی کے دفاع کا معجزہ تمہیں خود دکھانا ہے۔"

نبی کریمؐ نے مدینے والوں کا حوصلہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ وہ اس سے بڑے لشکر کے مقابلے کے لیے بھی تیار ہو گئے لیکن رسولِ خداؐ اس سوچ میں ڈوب گئے تھے کہ اتنے بڑے لشکر سے مدینے کو بچانا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ آپؐ کو یہ تو پورا یقین تھا کہ خدا حق پرستوں کے ساتھ ہے لیکن حق پرستوں کو خود بھی کچھ کر کے دکھانا تھا۔ بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

○

خدا نے اپنے نام لیواؤں کی مدد کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ ایک انسان تھا جس نے عمر کے آخری حصے میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس انسان کا نام سلمان فارسیؓ تھا۔ سلمان فارسیؓ آتش پرستوں کے مذہبی پیشوا تھے لیکن وہ شب و روز حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ وہ آگ کو پوجتے تو تھے لیکن آگ کی تپش اور چمک میں انہیں وہ راز نظر نہیں آتا تھا جسے وہ پا لینے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ عقل و دانش میں اُن کی ٹکر کا کوئی نہیں تھا۔ آتش پرست انہیں بھی اسی طرح پُوجتے تھے جس طرح آگ کو۔

جب سلمان فارسیؓ کی عمر بڑھاپے کی دہلیز پھلانگ کر خاصی آگے نکل گئی تو اُن کے کانوں میں عرب کی سرزمین کی ایک انوکھی آواز پڑی۔۔۔ "خدا ایک ہے۔ محمدؐ اس کا رسول ہے"۔۔۔ یہ آواز سلمان فارسیؓ کے کان میں گھر بیٹھے نہیں پڑی تھی۔ اُن کی عمر علم کی تلاش میں سفر کرتے گذر رہی تھی۔ وہ تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شام میں آئے تھے جہاں قریش کے تاجروں کے قافلے اور کچھ مسلمان تاجر بھی جایا کرتے تھے۔ قریش کے تاجروں نے سلمان فارسیؓ کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں بتایا کہ اُن کے قبیلے کے ایک آدمی کا دماغ چل گیا ہے اور اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

ایک دو مسلمانوں نے عقیدت مندی سے سلمان فارسیؓ کو نبی کریمؐ کا عقیدہ اور آپؐ کی تعلیمات سنائیں۔ سلمان فارسیؓ یہ سب سُن کر چونک پڑے۔ انہوں نے ان مسلمانوں سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔

نہیں جو معلوم تھا وہ انہوں نے بتایا لیکن سلمان فارسیؓ تشنگی محسوس کر رہے تھے۔ وہ اتنا متاثر ضرور ہو گئے تھے کہ انہوں نے نبی کریمؐ تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ عرصے بعد سلمانؓ فارسی رسولِ خداؐ کے مقدس سائے میں جا بیٹھے ـــــ انہیں وہ راز مل گیا جس کی تلاش میں وہ مارے مارے عمر گذار رہے تھے۔ انہوں نے رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ اُس وقت تک سلمان فارسیؓ بڑھاپے کے آخری حصے میں پہنچ چکے تھے۔

اپنے ملک میں سلمان فارسیؓ صرف مذہبی پیشوا ہی نہ تھے، وہ جنگی علوم کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ اُس دور کے مذہبی پیشوا بھی جنگ و جدل اور سپاہ گری کے ماہر ہوتے تھے۔ علم و ادب کے عالم بھی سپاہی ہوتے تھے لیکن سلمان فارسیؓ کو خدا نے جنگ و جدل کے امور میں غیر معمولی ذہانت دی تھی۔ اپنے ملک میں جب کوئی لڑائی ہوتی تھی یا دُشمن حملہ آور ہوتا تھا تو سلمان فارسیؓ کو بادشاہ طلب کر کے صورتِ حال اُن کے آگے رکھتا اور مشورے لیتا تھا۔ نامور سالار بھی اُن کے شاگرد تھے۔

وہ سلمان فارسیؓ اُس وقت مدینے میں رسول اکرمؐ کے صحابۂ کرامؓ میں شامل تھے رسول اکرمؐ نے یہ صورتِ حال جو قریش نے آپ کے لیے پیدا کر دی تھی سلمانؓ فارسی کے آگے رکھی۔

"خندق کھود دو جو سارے شہر کو گھیرے میں لے لے" ـــــ سلمان فارسیؓ نے کہا۔

رسول کریمؐ اور وہاں بیٹھے ہوئے تمام صحابۂ کرامؓ اور سالار ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے کہ سلمان فارسیؓ نے کیا کہہ دیا ہے۔ عرب خندق سے واقف نہیں تھے۔ فارس میں جنگوں میں خندق کا رواج تھا۔ سب کو حیران دیکھ کر سلمان فارسیؓ نے بتایا کہ خندق کیا ہوتی ہے اور اس سے دفاعی کام کس طرح لیا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے جو خود تاریخ کے نامور سالار تھے خندق کی ضرورت اور افادیت کو سمجھ لیا لیکن آپؐ کے دیگر سالار شش و پنج میں پڑ گئے۔ ان کے لیے اتنے بڑے شہر کے ارد گرد اتنی چوڑی اور اتنی بڑی خندق کھودنا قابلِ فہم نہیں تھا لیکن انہیں رسولِ خداؐ کا حکم ماننا تھا۔ خندق کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کا حساب کر لیا گیا۔ رسولِ خداؐ نے خندق کھودنے والوں کی تعداد کا حساب کیا۔ آپؐ نے کھدائی کا کام اِس تعداد پر تقسیم کیا تو ایک سُو دس آدمیوں کے حصے میں چالیس ہاتھ کھدائی آئی۔ رسولِ خداؐ نے دیکھا کہ لوگ خندق کو ابھی تک نہیں سمجھے اور وہ کھدائی سے ہچکچا رہے ہیں تو آپؐ نے کدال اٹھائی اور کھدائی شروع کر دی۔

یہ دیکھتے ہی مسلمان کدالیں اور بیلچے لے کر نعرے لگاتے ہوئے زمین کا سینہ چیرنے لگے۔ اُدھر سے اُس وقت کے ایک شاعر حسان بن ثابتؓ آ گئے۔ حسانؓ مشہور نعت گو تھے جنہیں رسول اکرمؐ اکثر اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اس موقعے پر جب مسلمان خندق کھود رہے تھے، حسانؓ نے ایسے اشعار ترنم سے سنانے شروع کر دیئے کہ خندق کھودنے والوں پر وجد اور جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ خندق کی لمبائی چند گز نہیں تھی اسے میلوں دُور تک جانا تھا۔ شیخین کی پہاڑی سے لے کر جبل بنی عبید تک یہ خندق کھودنی تھی۔ زمین نرم بھی تھی اور سنگلاخ بھی تھی اور یہ نہایت تیزی سے مکمل کرنی تھی، کیونکہ دُشمن سر پر آن بیٹھا تھا۔

قریش کا لشکر اس عجیب وغریب طریقۂ دفاع سے بے خبر اُحد کی پہاڑی کے دوسری طرف خیمہ زن تھا۔

"اِس کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا"۔۔۔ چلتے چلتے خالد کو اپنی آواز سُنائی دینے لگی ۔۔۔ "اہلِ قریش تو ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اُن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی"۔

گھوڑا اپنی مرضی کی چال چلا جا رہا تھا۔ مدینہ ابھی دُور تھا۔ خالد کو جھینپ سی محسوس ہوئی۔ اُس کے قبیلہ قریش نے اُسے شرمسار کر دیا تھا۔ اُسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ یہودیوں کے اُکسانے پر اُس کے قبیلے کے سردار اور سالار اُبوسفیان نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ خوش تھا کہ حملے کا فیصلہ تو ہُوا۔ اتنا بڑا لشکر جو سرزمین عرب پر پہلی بار کسی جنگ میں دیکھا گیا تھا، یہودیوں نے ہی جمع کیا تھا لیکن خالد اِس پر بھی مطمئن تھا کہ کسی نے ہی یہ کام کیا ہو، لشکر تو جمع ہو گیا تھا۔

وہ اُس روز بہت خوش تھا کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر ہی مسلمان مدینہ سے بھاگ جائیں گے۔ اگر مقابلے پر جم بھی گئے تو گھڑی دو گھڑی میں اُن کا صفایا ہو جائے گا۔ وہ اُس وقت تو بہت ہی خوش تھا جب اُحد کی پہاڑی کی دوسری طرف یہ سارا لشکر خیمہ زن تھا۔ جس صبح حملہ کرنا تھا اُس رات اُس پر ایسی ہیجانی کیفیت طاری تھی کہ وہ اچھی طرح سو بھی نہ سکا۔ اُسے ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

دوسری صبح جب قریش اور دوسرے اتحادی قبائل کا لشکر جس کی تعداد دس ہزار تھی، خیمہ گاہ سے نکل کر مدینہ پر حملے کے لیے شہر کے قریب پہنچا تو اچانک رُک گیا۔ شہر کے سامنے بڑی گہری خندق کھُدی ہوئی تھی۔ اُبوسفیان جو لشکر کے قلب میں تھا، لشکر کو رُکا ہُوا دیکھ کر گھوڑا اسرپٹ دوڑاتا آگے گیا۔

"قریش کے جنگجو رُک کیوں گئے ہیں"؟۔۔۔ اُبوسفیان چلّاتا جا رہا تھا۔۔۔ "طوفان کی طرح بڑھو اور محمدؐ کے مسلمانوں کو کُچل ڈالو.... شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دو"۔

اُبوسفیان کا گھوڑا جب آگے گیا تو اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور اُس کا گھوڑا اُسی طرح رُک گیا جس طرح اُس کے لشکر کے تمام سوار رُکے کھڑے تھے۔ اُس کے سامنے خندق تھی۔ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی۔

"خدا کی قسم! یہ ایک نئی چیز ہے جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں"۔۔۔ اُبوسفیان نے غُصیلی آواز میں کہا۔ "عرب کے جنگجو کھُلے میدان میں لڑا کرتے ہیں..... خالد بن ولید کو بلاؤ.... عکرمہ اور صفوان کو بھی بلاؤ"۔

اُبوسفیان خندق کے کنارے کنارے گھوڑا دوڑاتا لے گیا۔ اُسے کہیں بھی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ جہاں سے اُس کا لشکر خندق عبور کر سکتا۔ یہ خندق شیخین کی پہاڑی سے لے کر جبلِ

بنی عبیہ کے اُوپر سے پیچھے تک چلی گئی تھی۔ مدینہ کے مشرق میں شیخین اور واقم کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ مدینے کا قدرتی دفاع تھا۔

٧

ابُوسفیان دُور تک چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ خندق کے پار مسلمان اس انداز سے گھوم پھر رہے ہیں جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ اُس نے گھوڑا پیچھے موڑا اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ تین گھوڑے اُس کی طرف سرپٹ دوڑے آرہے تھے جو اُس کے قریب آکر رُک گئے۔ وہ خالد، عکرمہ اور صفوان کے گھوڑے تھے۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مسلمان کتنے بُزدل ہیں؟" ـــ ابُوسفیان نے اُن تینوں سے کہا۔ "کیا تم کبھی اپنے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر کے یار کاوٹ کھود کر اپنے دشمن سے لڑے ہو؟"

خالد پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اُسے یاد آرہا تھا کہ وہ اس خیال سے چُپ نہیں ہو گیا تھا کہ ابُوسفیان نے مسلمانوں کو بزدل جو کہا تھا وہ ٹھیک کہا تھا بلکہ خاموش رہ کر وہ اس سوچ میں کھو گیا تھا کہ یہ خندق بُزدلی کی نہیں، دانشمندی کی علامت تھی۔ جس کسی نے شہر کے دفاع کے لیے یہ طریقہ سوچا تھا وہ کوئی معمولی عقل والا انسان نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی اُس نے محسوس کیا تھا کہ مسلمان لڑنے میں اپنے جسم کی طاقت پر ہی بھروسہ نہیں کرتے، وہ عقل سے بھی کام لیتے ہیں۔ خالد کا دماغ ایسی ہی جنگی چالیں سوچتا رہتا تھا۔ مسلمانوں نے بدر کے میدان میں نہایت تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے قریش کو بہت بُری شکست دی تھی۔ خالد نے اکیلے بیٹھ کر اُس لڑائی کا جائزہ لیا تھا۔ مسلمانوں کی اس فتح میں اُسے مسلمانوں کی عسکری دانشمندی نظر آئی تھی۔

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کی شکست یقینی تھی لیکن وہ جنگ فتح اور شکست کے فیصلے کے بغیر ختم ہو گئی تھی۔ اس میں بھی مسلمانوں کی عقل نے کام کیا تھا۔

"کوئی اور بات بھی تھی خالد!" ـــ اُسے خیال آیا۔ "کوئی اور بات بھی تھی۔"

"کچھ بھی تھا" ـــ خالد نے اپنے آپ کو جواب دیا ـــ "جو کچھ بھی تھا، میں یہ نہیں مانوں گا کہ یہ محمدؐ کے جادو کا اثر تھا یا اُس کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ ہماری عقل جس عمل اور جس مظاہرے کو سمجھ نہیں سکتی اُسے ہم جادو کہہ دیتے ہیں۔ اہلِ قریش میں ایسا کوئی دانشمند نہیں جو مسلمانوں جیسے جذبے سے اہلِ قریش کو سرشار کر دے اور ایسی جنگی چالیں سوچے جو مسلمانوں کو ایک ہی بار کچل ڈالیں۔"

"خدا کی قسم! ہم اس لیے واپس نہیں چلے جائیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے راستے میں خندق کھود رکھی ہے" ـــ ابُوسفیان خالد، عکرمہ اور صفوان سے کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے اُن سے پُوچھا ـــ "کیا خندق عبور کرنے کا کوئی طریقہ تم سوچ سکتے ہو؟"

خالد کوئی طریقہ سوچنے لگا لیکن اُسے خیال آیا کہ اگر اُن کے لشکر نے خندق عبور کر بھی لی تو مسلمانوں کو شکست دینا آسان نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔ جن انسانوں نے تھوڑے سے

سے وقت میں زمین اور چٹانوں کا سینہ چیر ڈالا ہے اُن انسانوں کو بڑے سے بڑا لشکر بھی ذرا مشکل سے ہی شکست دے سکے گا۔

"کیا سوچ رہے ہو ولید کے بیٹے!"___ ابُوسفیان نے خالد کو گہری سوچ میں کھوئے ہوئے دیکھ کر کہا۔" ہمارے پاس سوچنے کا بھی وقت نہیں۔ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ہم بوکھلا گئے ہیں"۔

"ہمیں تمام تر خندق دیکھ لینا چاہئے"___ عکرمہ نے کہا۔

"کہیں نہ کہیں کوئی ایسی جگہ ہو گی جہاں سے ہم خندق عبور کر سکیں گے"___ صفوان نے کہا۔

"محاصرہ"___ خالد نے خود اعتمادی سے کہا۔" مسلمان خندق کھود کر اندر بیٹھ گئے ہیں۔ ہم محاصرہ کر کے باہر بیٹھے رہیں گے۔ وہ بھوک سے تنگ آکر ایک نہ ایک دن خود ہی خندق کے اس طرف آجائیں گے جدھر ہم ہیں"۔

"ہاں"___ ابُوسفیان نے کہا۔" مجھے یہی ایک طریقہ نظر آتا ہے جو مسلمانوں کو باہر آکر لڑنے پر مجبور کر دے گا"۔

ابُوسفیان اپنے ان تینوں نائب سالاروں کے ساتھ خندق کے ساتھ ساتھ تمام تر خندق کو دیکھنے کے لیے جبلِ بنی عبید کی طرف چل پڑا۔ مسلع کی پہاڑی مدینہ اور جبل بنی عبید کے درمیان تھی۔ مسلمان اس کے سامنے مورچہ بند تھے۔ ابُوسفیان نے مسلمانوں کی تعداد دیکھی تو اُس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو ایک گھوڑا جو بڑا تیز دوڑا آرہا تھا، اُس کے پہلو میں آن رُکا۔ سوار کو ابُوسفیان بڑی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ ایک یہودی تھا جو تاجروں کے بہروپ میں مدینہ کے اندر گیا تھا۔ وہ مدینہ سے شیخین کے سلسلۂ کوہ میں سے ہوتا ہُوا قریش کے لشکر میں پہنچا تھا۔

۲

"اندر سے کوئی ایسی خبر لائے ہو جو ہمارے کام آسکے؟"___ ابُوسفیان نے پُوچھا اور کہا___" ہمارے ساتھ ساتھ چلو اور اتنا اونچا بولتے چلو کہ میرے یہ تینوں نائب بھی سُن سکیں"۔

"مسلمانوں نے شہر کے دفاع اور آبادی کے تحفظ کے جو انتظامات کر رکھے ہیں وہ اس طرح ہیں"___ یہودی نے کہا۔" یہ تو تم کو معلوم ہے کہ مدینہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی بستیوں کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے شہر کی عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو پیچھے کی طرف والے قلعوں میں بھیج دیا ہے۔ خندق پر نظر رکھنے کے لیے مسلمانوں نے گشتی پہرے کا جو انتظام کیا ہے اس میں دو اڑھائی سَو افراد شامل ہیں۔ یہ افراد تلواروں کے علاوہ پھینکنے والی برچھیوں اور تیر کمانوں سے مسلح ہیں۔ اُنہوں نے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں جن میں وہ سارا دن اور پُوری رات گشت کرتے ہیں۔ جہاں کہیں سے بھی تم خندق عبور کرنے کی کوشش کرو گے وہاں مسلمانوں کی خاصی زیادہ تعداد پہنچ جائے گی اور اس قدر زیادہ تیر اور برچھیاں برسائے گی کہ تم لوگ پیچھے کو بھاگ آنے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راتوں کو مسلمانوں کے جَیش خندق سے باہر آکر تم پر شب خون مار کر واپس چلے جائیں"۔

"عبداللہ بن اُبی کیا کر رہا ہے؟"___ ابُوسفیان نے پُوچھا۔

"اے قریش کے سردار!"___ یہودی جاسوس نے کہا۔" اتنی عمر گزار کر بھی تم انسانوں کو سمجھنے کے

قابل نہیں ہو سکے۔ عبداللہ بن اُبی منافق ہے۔ مسلمان اُسے جماعتِ منافقین کا سردار کہتے ہیں اور ہم اُسے یہودیت کا غدار سمجھتے ہیں۔ اُس نے مسلمان ہو کر ہم سے غداری کی تھی۔ مسلمانوں میں جا کر اُس نے تمہارے حق میں اُنہیں دھوکے دیئے۔ اگر اُحد کی جنگ میں تم جیت جاتے تو وہ تمہارے ساتھ ہوتا مگر مسلمانوں کا پلّہ بھاری دیکھ کر اُس نے تم سے بھی اور یہودیوں سے بھی نظریں پھیر لی ہیں۔ تمہیں ایسے آدمی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جو کسی مذہب کا پیروکار اور وفادار نہ ہو۔"

" اور حُیَیّ بن اخطب کہاں ہے؟" — ابوسفیان نے پوچھا۔

" وہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوگا" — یہودی جاسوس نے جواب دیا " مدینہ میں ابھی میرے ساتھی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا سکے، پہنچائیں گے۔"

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اُس یاد سے خفت سی محسوس ہو رہی تھی کہ مکّہ سے مدینہ کو کُوچ کے وقت جب اُس نے اپنے ساتھ دس ہزار کا لشکر دیکھا تھا تو اُس کی گردن اونچی ہو گئی اور سینہ پھیل گیا تھا لیکن مدینہ کے سامنے آ کر دس ہزار کا لشکر ریت کے ٹیلوں کی طرح بے جان نظر آنے لگا تھا۔ اُسے محاصرے کا منظر یاد آنے لگا۔ لشکر کا جو حصّہ اُس کی زیرِ کمان تھا، اُسے اُس نے بڑے اچھے طریقے سے محاصرے کی ترتیب میں کر دیا تھا۔

یہ محاصرہ بائیس روز تک رہا۔ پہلے دس دنوں میں ہی شہر کے اندر مسلمان خوراک کی کمی محسوس کرنے لگے لیکن اس سے قریش کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ خوراک اور رسد بہت کم لائے تھے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُنہیں مسلمان اپنے محاصرے میں لمبے عرصے کے لیے بٹھا لیں گے۔ خوراک کی قلت کی شہر والے محسوس کر رہے تھے، اُس سے کچھ زیادہ کمی قریش کے لشکر میں اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔ سپاہیوں میں نمایاں طور پر بے چینی نظر آنے لگی۔

مؤرخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ اس کیفیت میں کہ شہر میں خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اور لوگوں کو روزانہ نصف خوراک دی جا رہی تھی، منافقین اور یہودی تخریب کار در پردہ حرکت میں آ گئے۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ آواز کہاں سے اُٹھی ہے لیکن یہ آواز سارے شہر میں پھیل گئی " محمدؐ ہمیں کیسی بُری موت مروانے کا بندوبست کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ بہت جلد قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے قدموں میں پڑے ہوں گے۔ دوسری طرف ہم نے اُس کی نبوّت کا یہ اثر بھی نہ دیکھا کہ آسمان سے ہمارے لیے خوراک اُترے۔"

لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن وہ گوشت پوست کے انسان تھے۔ وہ پیٹ کی آوازوں سے متاثر ہونے لگے۔ آخر ایک آواز نے اُنہیں پیٹ کے بھوت سے آزادی دلا دی۔

" کیا تم خدا سے یہ کہو گے کہ ہم نے اپنے پیٹ کو خدا سے زیادہ مقدّس جانا تھا" — یہ ایک رعد کی کڑک کی طرح آواز تھی جو مدینہ کے گلی کوچوں میں سُنائی دینے لگی — " آج خدا کو وہ لوگ عزیز ہوں گے جو اُس کے رسولؐ کے ساتھ بھوکے اور پیاسے جانیں دے دیں گے۔ ۔ ۔ خدا کی قسم، اِس سے بڑی بزدلی اور بے غیرتی مدینے والوں کے لیے اور کیا ہو گی کہ ہم اہلِ مکّہ کے قدموں میں جا گریں اور

کہیں کہ ہم تمہارے غلام ہیں، ہمیں کچھ کھانے کو دو۔"

رسول اکرمؐ شہر کے دفاع میں اس قدر سرگرم تھے کہ آپؐ کے لیے دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ آپؐ اللہ کے محبوب نبیؐ تھے۔ آپؐ چاہتے تو معجزے بھی رونما ہو سکتے تھے لیکن آپؐ کو احساس تھا کہ ہر آدمی پیغمبر اور رسول نہیں نہ کوئی انسان آپؐ کے بعد نبوت اور رسالت کا درجہ حاصل کر سکے گا، اس لیے آپؐ ان انسانوں کے لیے یہ مثال قائم کر رہے تھے کہ انسان اپنی اُن لازوال جسمانی اور نفسیاتی قوتوں کو جو خداوند تعالےٰ نے اُسے عطا کی ہیں، استقلال اور ثابت قدمی سے استعمال کرے تو وہ معجزہ نما کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ محاصرے کے دوران آپؐ کی سرگرمیاں اور آپؐ کی حالت ایک سالار کے علاوہ ایک سپاہی کی بھی تھی۔ آپؐ کو اس کیفیت اور اس سرگرمی میں دیکھ کر مسلمان بھوک اور پیاس کو بھول گئے اور اُن میں ایسا جوش پیدا ہو گیا کہ اُن میں بعض خندق کے قریب چلے جاتے اور قریش کو بزدلی کے طعنے دیتے۔

٧

وہ ۷ر مارچ ۶۲۷ء کا دن تھا جب ابوسفیان نے پریشان ہو کر کہا کہ حُیی بن اخطب کو بلاؤ۔ اُس کی پریشانی کا باعث یہ تھا کہ دس دنوں میں ہی اُس کے لشکر کی خوراک کا ذخیرہ بہت کم رہ گیا تھا۔ سپاہیوں نے قرب و جوار کی بستیوں میں لوٹ مار کر کے کچھ خوراک حاصل کر لی تھی لیکن اُس ریگزار میں لوگوں کے گھروں میں بھی خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ ہوتا تھا۔ قریش کے لشکر میں بددلی پھیلنے لگی۔ اپنے لشکر کے جذبے کو یوں ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر اُس نے یہودیوں کے ایک قبیلے کے سردار حُیی بن اخطب کو بلایا جو قریش کی زمین دوز مدد کے لیے لشکر کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔ وہ تو اس انتظار میں تھا کہ اہلِ قریش اُسے بلائیں اور اُس سے مدد مانگیں۔

مدینہ سے کچھ ہی دُور یہودیوں کے ایک قبیلے بنو قریظہ کی بستی تھی۔ اس قبیلے کا سردار کعب بن اسد اس بستی میں رہتا تھا۔ رات جب وہ گہری نیند سویا ہُوا تھا، دروازے کی بڑی زور کی دستک سے اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے اپنے غلام کو آواز دے کر کہا — "دیکھو، باہر کون ہے؟"

"حُیی بن اخطب آیا ہے" — غلام نے کہا۔

"رات کے اس وقت وہ اپنے ہی کسی مطلب سے آیا ہو گا" — کعب بنی اسد نے غُصیلی آواز میں کہا — "اُسے کہو کہ میں اس وقت تمہارا کوئی مطلب پُورا نہیں کر سکتا۔ دن کے وقت آنا۔"

بنو قریظہ یہودیوں کا وہ قبیلہ تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس معاہدے میں یہودیوں کے دوسرے دو قبیلے — بنو قینقاع اور بنو نضیر — بھی شامل تھے لیکن ان دونوں قبیلوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی اور مسلمانوں نے انہیں وہ سزا دی تھی کہ وہ لوگ شام کی طرف بھاگ گئے تھے۔ صرف بنو قریظہ تھا جس نے معاہدے کو برقرار رکھا اور اس کا احترام کیا۔ مسلمان جنگِ خندق میں اس قبیلے کی طرف سے ذرا سا بھی خطرہ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ حُیی بن اخطب بھی یہودی تھا۔ وہ کعب بن اسد کو اپنا ہم مذہب بھائی سمجھ کر اُس کے پاس گیا تھا۔ وہ کعب بن اسد کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانا چاہتا تھا اس لیے وہ غلام کے کہنے پر

بھی وہاں سے نہ ہٹا۔ کعب بن اسد نے پریشان ہو کر اُسے اندر بُلا لیا۔
"میں جانتا ہوں تم اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہو" — کعب بن اسد نے حُیّی سے کہا — "اگر تم ابُوسفیان کے کہنے پر آئے ہو تو اُسے کہہ دو کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر مسلمان پوری دیانتداری سے قائم ہیں۔ وہ ہمیں اپنا حلیف سمجھتے ہیں اور انہوں نے ہمیں پورے حقوق دے رکھے ہیں۔"
"کعب بن اسد! ہوش میں آ" — حُیّی بن اخطب نے کہا — "بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لے۔ مسلمانوں کی شکست مجھے صاف نظر آرہی ہے۔ خدائے یہودہ کی قسم، دس ہزار کا لشکر مسلمانوں کو کچل ڈالے گا۔ پھر یہ مسلمان تم پر ٹوٹ پڑیں گے کہ یہودیوں نے انہیں شکست دلائی ہے۔"
"تم چاہتے کیا ہو حُیّی؟" — کعب بن اسد نے پُوچھا۔
"قریش کے لشکر کا ایک حصّہ پہاڑیوں کے پیچھے سے تمہارے پاس پہنچ جائے گا" — حُیّی نے کہا — "تمہاری موجودگی میں یہ سپاہی مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہیں کر سکتے۔ تم اپنے قبیلے سمیت قریش سے مل جاؤ اور مسلمانوں پر اس طرح حملہ کرو کہ تمہیں جم کر نہ لڑنا پڑے بلکہ ضرب لگا کر پیچھے ہٹ آؤ۔ اس سے قریش کو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں کی توجّہ خندق سے ہٹ جائے گی اور قریش کا لشکر خندق کو عبور کرلے گا۔"
"اگر میں تمہاری بات مان لوں اور ہمارا حملہ وہ کام نہ کر سکے جو تم چاہتے ہو تو جانتے ہو مسلمان ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟" — کعب بن اسد نے کہا — "تم مسلمانوں کے قہر و غضب سے واقف ہو۔ کیا بنو قینقاع اور بنو نضیر کا کوئی ایک بھی یہودی تمہیں یہاں نظر آتا ہے؟"
"ابُوسفیان نے سب کچھ سوچ کر تمہیں معاہدے کی دعوت دی ہے" — حُیّی بن اخطب نے کہا — "اگر مسلمانوں کا قہر و غضب تم پر گرنے لگا تو قریش کے لشکر کا ایک حصّہ تمہارے قبیلے کی حفاظت کے لیے نشیبی اور لاوا کی پہاڑیوں میں موجود رہے گا۔ وہ شب خون مارنے والے تجربہ کار سپاہیوں کا لشکر ہوگا جو مسلمانوں کو تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی مہلت نہیں دیں گے۔"
"تم مجھے اتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہو جو میرے پُورے قبیلے کو تباہ کر دے گا" — کعب بن اسد نے کہا۔
"تمہارا قبیلہ تباہ ہو یا نہ ہو، اہلِ قریش اتنی قیمت دیں گے جو تم نے کبھی سوچی بھی نہ ہوگی" — حُیّی نے کہا — "یا اپنے تعاون کی قیمت خود بتا دو.... جو کہو گے، جس شکل میں مانگو گے تمہیں قیمت مل جائے گی، اور تمہارے قبیلے کو پُورا تحفظ ملے گا۔ مسلمان اگلے چند دنوں میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ تم اُس کا ساتھ دو جو زندہ رہے گا اور جس کے ہاتھ میں طاقت ہوگی۔"
کعب بن اسد آخر یہودی تھا۔ اُس نے زر و جواہرات کے لالچ میں آکر حُیّی بن اخطب کی بات مان لی۔
"قریش کا کوئی سپاہی ہماری بستی کے قریب نہ آئے" — کعب بن اسد نے کہا — "مسلمانوں پر میرا قبیلہ شبخون مارتا رہے گا۔ یہ کام رات کی تاریکی میں کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ شبخون مارنے والے بنو قریظہ کے آدمی ہیں.... اور حُیّی!" — کعب نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا — "تم دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں اکیلا پڑا ہوں۔ میری راتیں تنہائی میں گزر رہی ہیں۔"
"آج کی رات تنہا گزارو" — حُیّی نے کہا — "کل تم تنہا نہیں ہو گے۔"
"مجھے دس دنوں کی مہلت ملنی چاہئے" — کعب نے کہا — "مجھے اپنے قبیلے کو تیار کرنا ہے۔"

قریش اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ ہوگیا۔

۷

سعد بن عتیق معمولی سی قسم کا ایک جوان تھا جس کی مدینے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ خنجر اور تلواریں تیز کرنے کا کام کرتا تھا۔ اُس میں خوبی یہ تھی کہ خدا نے اُسے آواز پُرسوز اور سُریلی دی تھی اور وہ شہسوار تھا۔ راتوں کو کسی محفل میں اُس کی آواز سنائی دیتی تھی تو لوگ باہر آ کر اُس کا گانا سنا کرتے تھے۔ کبھی رات کو وہ شہر سے باہر چلا جاتا اور اپنی ترنگ میں گایا کرتا تھا۔ اُس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

ایک رات وہ پُرسوز لَے میں شہر سے دُور کہیں گا رہا تھا کہ ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی اُس کے سامنے یوں آن کھڑی ہوئی جیسے کوئی جن یا چڑیل انسان کے حسین روپ میں آگئی ہو۔ سعد گھبرا کر خاموش ہوگیا۔

"اس آواز سے مجھے محروم نہ کر جو مجھے گھر سے نکال لائی ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "مجھے دیکھ کے تو خاموش ہوگیا ہے تو میں دُور چلی جاتی ہوں۔ اپنے نغمے کا خون نہ کر۔۔۔ تیری آواز میں ایسا سوز ہے جیسے تُو کسی کے فراق میں نغمہ سرا ہے"۔

"کون ہے تُو؟"۔۔۔ سعد نے کہا۔۔۔ "اگر تُو جنات میں سے ہے تو بتا دے"۔

لڑکی کی جل ترنگ جیسی ہنسی سنائی دی۔ صحرا کی شفاف چاندنی میں اُس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"میں بنو قریظہ کے ایک یہودی کی بیٹی ہوں"۔

"اور میں مسلمان ہوں"۔

"مذہب کو درمیان میں نہ لا"۔۔۔ یہودن نے کہا۔۔۔ "نغموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ میں تیرے لیے نہیں تیرے نغمے اور تیری آواز کے لیے آئی ہوں"۔

سعد اس یہودن کے حُسن میں کھو گیا اور یہودن اُس کی آواز سے مدہوش ہوگئی اور آواز کے طلسم نے انہیں اُس رشتے میں جکڑ لیا جسے موت بھی نہیں توڑ سکتی۔ اس کے بعد بھی وہ ملے۔ وہ ایک دوسرے کے قیدی ہوگئے۔ ایک روز یہودن نے اُسے کہا کہ سعد قبول کرے تو وہ اُس کے پاس آجائے گی اور اسلام قبول کرلے گی۔

دو تین روز ہی گذرے تھے کہ مدینہ محاصرے میں آگیا۔ سعد بن عتیق کا کام بڑھ گیا۔ اُس کے پاس تلواریں، خنجر اور برچھیوں کی انیاں تیز کروانے والوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ راتوں کو بھی کام کرتا تھا۔

ایک روز یہ یہودن اپنے باپ کی تلوار اٹھائے اُس کے پاس آئی۔

"تلوار تیز کرانے کے بہانے آئی ہوں"۔۔۔ یہودن نے کہا۔۔۔ "آج ہی رات یہاں سے نکلو ورنہ ہم کبھی نہ مل سکیں گے"۔

"کیا ہوگیا ہے؟"

"پرسوں شام میرے باپ نے مجھے کہا کہ قبیلے کے سردار کعب بن اسد کو میری ضرورت ہے"۔۔۔ یہودن نے بتایا۔۔۔ "باپ نے حُیَیّ بن اخطب کا نام بھی لیا تھا۔ میں کعب کے گھر چلی گئی۔ وہاں حُیَیّ کے علاوہ دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے آخری دن آگئے ہیں"۔

کعب بن اسد، حُیَیّ بن اخطب اور قریش کے درمیان اس لڑکی کی موجودگی میں معاہدہ ہُوا اور مسلمانوں پر عقب سے حملوں کا منصوبہ طے ہُوا۔ اس یہودن کو رات بھر کعب کے پاس گذارنی پڑی۔ صبح وہ اپنے گھر آگئی۔

اُسے مسلمانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُس کی دلچسپیاں سعد کے ساتھ تھیں۔ اُس کے کانوں میں یہ بات بھی پڑی تھی کہ کعب اُسے بیوی یا داشتہ کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لے گا۔

سعد بن عتیق اس یہودن کی محبت کو تو بھول ہی گیا۔ اُس نے یہودن کو گھر بھیج دیا اور ایک بزرگ مسلمان کو بتایا کہ کعب بن اسد نے حُیی کے کہنے پر قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ اس بزرگ نے یہ اطلاع اوپر پہنچا دی اور رسولِ اکرمؐ کو بتایا گیا کہ بنو قریظہ نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ آپؐ نے کعب بن اسد کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے یہ یقین کرلینا ضروری سمجھا کہ بنو قریظہ نے واقعی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔

اللہ اپنے نام لیوا بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد ایک ایسا واقعہ ہوگیا جس سے تصدیق ہوگئی کہ بنو قریظہ اور قریش کے درمیان بڑا خطرناک معاہدہ ہُوا ہے۔

واقعہ یوں ہُوا۔ عورتوں اور بچّوں کو شہر کے اُن مکانوں اور چھوٹے چھوٹے قلعوں میں منتقل کردیا گیا تھا جو خندق سے دُور تھے۔ ایسے ایک قلعے میں رسولِ اکرم صلعم کی پھوپھی صفیہؓ چند ایک عورتوں اور بہت سے بچّوں کے ساتھ مقیم تھیں۔ ایک روز صفیہؓ قلعے کی فصیل پر گھوم پھر رہی تھیں۔ انہوں نے نیچے دیکھا۔ ایک آدمی دیوار کے ساتھ ساتھ مشکوک سی چال چلتا جا رہا تھا۔ وہ کہیں رُکتا، دیوار کو دیکھتا اور آگے چل پڑتا۔ صفیہؓ اُسے چُھپ کر دیکھنے لگیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ آدمی قلعے کے اندر آنے کا کوئی راستہ یا ذریعہ دیکھ رہا ہے۔

صفیہؓ کو اس وجہ سے بھی اس آدمی پر شک ہُوا کہ شہر کے تمام آدمی خندق کے قریب مورچہ بند تھے یا جنگ کے کسی اور کام میں مصروف تھے۔ اگر یہ کوئی اپنا آدمی ہوتا اور کسی کام سے آیا ہوتا تو دروازے پر دستک دیتا۔

قلعے میں عورتوں اور بچّوں کے ساتھ صرف ایک مرد تھا۔ یہ تھے عرب کے مشہور شاعر حسّان بن ثابت۔ صفیہؓ نے حسّان سے کہا کہ نیچے ایک آدمی مشکوک انداز سے دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔

"مجھے شک ہے وہ یہودی ہے"۔ صفیہؓ نے حسّان سے کہا ۔۔۔ "تم جانتے ہو حسّان! بنو قریظہ نے دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ یہ شخص مجھے یہودیوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے۔ بنو قریظہ ہم پر عقب سے حملہ کریں گے تاکہ ہمارے مردوں کی توجّہ خندق سے ہٹ جائے اور وہ پیچھے آجائیں۔ یہودیوں کے پاس ہمارے مردوں کو مورچوں سے نکال کر پیچھے لانے کا یہ طریقہ کارآمد ہوگا کہ وہ اِن قلعوں پر حملے شروع کردیں جن میں عورتیں اور بچّے ہیں .... نیچے جاؤ حسّان! اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ اس شخص کو للکارو۔ اگر وہ واقعی یہودی ہو تو اُسے قتل کردو خیال رکھنا کہ اُس کے ہاتھ میں برچھی ہے اور اس کے چُغّے کے اندر تلوار بھی ہوگی"۔

"اے عظیم خاتون!" ۔۔۔ حسّان شاعر نے کہا ۔۔۔ "کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں شاعر ہوں جو صرف جوش دلا سکتا ہے، جوش میں آ نہیں سکتا۔ شاعر سے توقع نہ رکھو کہ وہ اُس آدمی کے مقابلے میں جائے گا جو اتنی دلیری سے قلعے تک آگیا ہے"۔

مؤرخ ابن ہشام اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ عرب کے عظیم شاعر کا یہ جواب سُن کر رسولِ اکرمؐ کی پھوپھی صفیہؓ نے اُسے قہر کی نظروں سے دیکھا اور ایسے طیش میں آئیں کہ خود اس مشکوک آدمی کو پکڑنے

یا مارنے کے لیے چل پڑیں لیکن یہ نہ دیکھا کہ ایک مسلح مرد کے مقابلے میں جاتے ہوئے اُن کے ہاتھ میں کون سا ہتھیار ہے۔ وہ جلدی میں جو ہتھیار لے کر گئیں وہ برچھی نہیں تھی، تلوار نہیں تھی، وہ ایک ڈنڈہ تھا۔ صفیہؓ دوڑتی باہر نکلیں اور اُس مشکوک آدمی کے پیچھے جا رُکیں جو دیوار کے ساتھ ایک اور جگہ کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے تو؟" ___ صفیہؓ نے اُسے للکارا۔

مشکوک آدمی نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اگر وہ کسی غلط نیت سے نہ آیا ہوتا تو اُس کا انداز کچھ اور ہوتا مگر اُس نے برچھی تان لی۔ صفیہؓ نے اُس کا چہرہ دیکھا تو کوئی شک نہ رہا۔ وہ یہودی تھا اور وہ بنو قریظہ کا ہی ہو سکتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک عورت اور وہ بھی ایک ڈنڈے سے مسلح اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

"تجھ پر خدا کی لعنت!" ___ صفیہؓ نے للکار کر کہا ___ "کیا تو بنو قریظہ کا مخبر نہیں ہے؟"

"محمدؐ کی پھوپھی! یہاں سے چلی جا!" ___ یہودی نے کہا ___ "کیا تو میرے ہاتھوں مرنے آئی ہے؟ .... ہاں، میں بنو قریظہ کا آدمی ہوں۔"

"پھر تو یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔"

یہودی نے قہقہہ لگایا اور بڑھ کر برچھی ماری۔ جس تیزی سے برچھی آئی تھی، اُس سے زیادہ تیزی سے صفیہؓ ایک طرف ہو گئیں۔ یہودی کا وار خالی گیا تو وہ سنبھل نہ سکا۔ وہ آگے کو جھکا اور اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک نہ سکا۔ صفیہؓ نے پوری طاقت سے اُس کے سر پر ڈنڈہ مارا۔ ایک عورت کے بازو میں خدا کا قہر آ گیا تھا۔ یہودی رُک کر سیدھا ہُوا لیکن اُس کا سر ڈولنے لگا۔ صفیہؓ نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اُس کے سر پر پہلے سے زیادہ زور سے ڈنڈہ مارا۔

اب یہودی کھڑا نہ رہ سکا۔ اُس کے ہاتھ سے برچھی گری، پھر اُس کے گھٹنے زمین سے لگے۔ صفیہؓ نے اُس کے سر پر جس سے خون بہہ بہہ کر اُس کے کپڑوں کو لال کر رہا تھا، ایک اور ڈنڈہ مارا۔ وہ جب بے ہوش ہو کر لڑھک گیا تو صفیہؓ اُس کے سر پر ہی ڈنڈے مارتی چلی گئیں جیسے زہریلے ناگ کا سر کچل رہی ہوں ___ صفیہؓ نے اُس وقت ہاتھ روکا جب یہودی کی کھوپڑی کچلی گئی اور اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ صفیہؓ قلعے میں چلی گئیں۔

"حسان!" ___ صفیہؓ نے اپنے شاعر حسان سے کہا ___ "میں وہ کام کر آئی ہوں جو تمہیں کرنا تھا۔ اب جاؤ اور اُس یہودی کے ہتھیار اٹھا لاؤ اور اُس کے کپڑوں کے اندر جو کچھ ہے وہ بھی لے آؤ۔ میں عورت ہوں۔ کسی مرد کے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالنا ایک عورت کے لیے مناسب نہیں..... چاہو تو یہ مالِ غنیمت تم لے سکتے ہو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"اللہ آپ کی عصمت و عفت کی حفاظت کرے۔" ___ حسان نے شاعروں کی مسکراہٹ سے کہا ___ "مالِ غنیمت کی ضرورت مجھے بھی نہیں۔" ___ اور حسان وہاں سے کھسک گیا۔ وہ شاید کہنا یہ چاہتا تھا کہ اُس میں اتنی ہمت نہیں کہ کچلی ہوئی کھوپڑی والی لاش کو ہاتھ لگائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ خبر رسولِ کریمؐ تک پہنچی تو آپؐ کو پریشانی ہوئی۔ شہر میں خوراک کی کیفیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہر فرد کو اُس کی اصل ضرورت کی صرف ایک چوتھائی خوراک ملتی تھی۔ رسولِ کریمؐ نے خدائے ذوالجلال سے مدد مانگی اور کوئی حکمتِ عملی سوچنے لگے۔

اِدھر خندق کا محاذ سرگرم تھا۔ خالد کو اپنی اُس وقت کی بے چینی اور بے تابی اچھی طرح یاد تھی۔ وہ خندق کے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑاتا اور کہیں سے خندق عبور کرنے کے طریقے سوچتا تھا۔ وہ مردِ میدان تھا، لڑے بغیر واپس جانے کو اپنی توہین سمجھتا تھا مگر وہاں لڑائی اس نوعیت کی ہو رہی تھی کہ قریش کے تیر انداز خاصی تعداد میں خندق کے اُس مقام پر قریب آتے جہاں مسلمان مورچہ بند تھے۔ یہ سلع کی پہاڑی تھی۔ تیر انداز مسلمانوں پر تیر برساتے۔ مسلمان جوابی تیر اندازی کرتے۔ کبھی قریش کا کوئی تیر انداز جیش کسی اور جگہ گشتی سنتریوں پر تیر چلاتا مگر مسلمانوں کا جیش فوراً پہنچ جاتا۔ رات کو مسلمان خندق پر سنتریوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے تھے اور قریش خندق سے دُور پیچھے خیمہ گاہ میں چلے جاتے تھے۔

رسولِ کریمؐ کو جہاں مدینہ میں خوراک کی قلت کا جو قحط کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی، احساس تھا وہاں آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ قریش کا لشکر بھی نیم فاقہ کشی پر آگیا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کی شرائط ماننے پر اور معاہدوں اور سمجھوتوں پر مجبور کر دیتی ہے۔

کسی بھی تاریخ میں اُس شخص کا نام نہیں لکھا جسے رسولِ کریمؐ نے خفیہ طریقے سے قریش کے اتحادی غطفان کے سالار عینیہ کے پاس اس مقصد کے لیے بھیجا کہ اُسے قریش کی دوستی ترک کرنے پر آمادہ کرے۔ اُسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائے۔ رسولِ کریمؐ کا مقصد صرف یہ تھا کہ غطفان اور عینیہ رضامند ہو جائیں اور اپنے قبیلے کو واپس لے جائیں تو قریش کا لشکر دو ہزار نفری کی فوج سے محروم ہو جائے گا۔ یہ توقع بھی کی جا سکتی تھی کہ دوسرے قبیلے بھی غطفان کی تقلید میں قریش کے لشکر سے نکل جائیں گے۔

"کیا محمدؐ ہمیں زبانی معاہدے کی دعوت دے رہا ہے؟" — سالار عینیہ نے رسول اللہؐ کے ایلچی سے کہا — "ہم نے یہاں تک آنے کا جو خرچ برداشت کیا ہے وہ کون دے گا؟"

"ہم دیں گے" — رسولِ خدا کے ایلچی نے کہا — "نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے قبیلے کو واپس لے جاؤ تو اس سال مدینہ میں کھجور کی جتنی پیداوار ہو گی اس کا تیسرا حصّہ تم لے جانا۔ خود مدینہ آجانا۔ پوری پیداوار دیکھ لینا اور اپنا حصہ اپنے ہاتھوں الگ کر کے لے جانا۔"

سالار عینیہ میدانِ جنگ میں لڑنے اور لڑانے والوں کی قیادت کرنے والا جنگجو تھا، لیکن غیر جنگی مسائل اور امور کو بہت کم سمجھتا تھا۔ مؤرخ ابنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہؐ نے اُسے "مستعد احمق" کا خطاب دیا تھا۔ وہ بڑے طاقتور جسم والا اور جسمانی لحاظ سے پھرتیلا اور مستعد رہنے والا آدمی تھا۔ اُس نے اپنے سردار غطفان سے بات کی۔

"خدا کی قسم، محمدؐ نے ہمیں کمزور سمجھ کر یہ پیغام بھیجا ہے" — غطفان نے کہا — "اُس کے ایلچی سے پوچھو کہ مدینہ کے اندر لوگوں کو بھوک کا سامنا نہیں؟ ہم انہیں بھوک سے نڈھال کر کے ماریں گے۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارا اپنا لشکر بھوک سے نڈھال ہو رہا ہے؟" — سالار عینیہ نے کہا — "مدینہ والے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے گھر سے بہت دُور آگئے ہیں۔ کیا لشکر میں تم بے اطمینانی نہیں دیکھ رہے؟ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہماری کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اب اتنی دُور نہیں جاتے

جتنی دُور اُس وقت جاتے تھے جب تیر اندازوں کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا؛ ان کے بازوؤں میں کمانیں کھینچنے کی طاقت نہیں رہی۔"

"کیا اس کا فیصلہ تم کرو گے کہ ہمیں محمدؐ کو کیا جواب دینا چاہیئے؟"۔ غطفان نے پوچھا ـ "یا میں فیصلہ کروں گا جو قبیلے کا سردار ہوں؟"

"خدا کی قسم، میدانِ جنگ میں جو فیصلہ میں کر سکتا ہوں وہ تم نہیں کر سکتے"۔ سالار عینیہ نے کہا۔ "اور میدانِ جنگ سے باہر جو فیصلہ تم کر سکتے ہو وہ فیصلہ میری عقل نہیں کر سکتی۔ میری عقل تلوار کے ساتھ چلتی ہے مگر یہاں میری فوج کی تلواریں اور برچھیاں اور ہمارے تیر مایوس ہو گئے ہیں۔ ہم خندق کے پار نہیں جا سکتے۔ ہمیں محمدؐ کی بات مان لینی چاہیئے۔"

اور انہوں نے رسولِ کریم کی بات مان لی۔ ایلچی امید افزا جواب لے کر آ گیا۔ اُسے قریش کا کوئی آدمی نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ غطفان کی فوج محاصرے کے کسی اور مقام پر تھی۔

۷

اللہ کے رسولؐ کے خلاف کون بول سکتا تھا؟ ـ مگر آپؐ نے اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق اپنے سرکردہ ساتھیوں کو بلایا اور انہیں موقع دیا کہ کسی کو آپؐ کے فیصلے سے اختلاف ہے تو وہ بولے۔ آپؐ ایک شخص کا فیصلہ پوری قوم پر ٹھونسنے کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ نے سب کو بتایا کہ آپؐ نے غطفان کو کیا پیش کش کی ہے۔

"نہیں" ـ آپؐ کے فیصلے کے خلاف دو تین آوازیں اٹھیں ـ "ہماری تلواریں جن کے خون کی پیاسی ہیں، خدا کی قسم، ہم انہیں اپنی زمین کی پیداوار کا ایک دانہ بھی نہیں دیں گے۔ جنگ تو ہوئی نہیں۔ ہم لڑے بغیر کیوں ظاہر کریں کہ ہم لڑ نہیں سکتے؟"

اس کی تائید میں کچھ آوازیں اٹھیں۔ ایسی دلیلیں دی گئیں جنہیں رسول اللہؐ نے اس لیے قبول فرما لیا کہ یہ اکثریت کی آواز تھی۔ آپؐ نے اپنے ایلچی کو دوبارہ غطفان اور عینیہ کے پاس نہ بھیجا لیکن آپؐ نے سب پر واضح کر دیا کہ تدبّر اور حکمتِ عملی کے بغیر محاصرہ نہیں توڑا جا سکے گا۔

خدا حق پرستوں کے ساتھ تھا۔ رسولِ کریم نے اپنے اللہ سے مدد مانگی جو ایک انسان کے رُوپ میں آپؐ کے سامنے آ گئی۔ یہ تھے نعیمؓ بن مسعود۔ ان کا تعلق غطفان کے قبیلے کے ساتھ تھا۔ نعیمؓ سرکردہ شخصیّت تھے۔ خدا نے انہیں غیر معمولی دماغ عطا کیا تھا۔ تین اہم قبیلوں ـ قریش، غطفان اور بنو قریظہ ـ پر ان کا اثر و رسوخ تھا۔ ایک روز نعیمؓ جو قبیلہ غطفان میں تھے مدینہ میں رسولِ خدا کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"خدا کی قسم، تُو قبیلۂ غیر کا ہے" ـ رسول اللہؐ نے فرمایا ـ "تُو ہم میں سے نہیں۔ تُو یہاں کیسے آ گیا ہے؟"

"میں آپ میں سے ہوں" ـ نعیمؓ نے کہا ـ "مدینہ میں گواہ موجود ہیں۔ میں نے درپردہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے قبیلے کے ساتھ اسی مقصد کے لیے آیا تھا کہ آپؐ کے حضور حاضر ہو جاؤں گا مگر موقع نہ ملا۔ پتہ چلا کہ آپؐ نے میرے قبیلے کے سردار اور سالار کو قریش سے دوستی ترک کر کے

واپس چلے جانے کا پیغام بھیجا تھا اور آپؐ نے اس کا معاوضہ بھی بتا دیا تھا لیکن آپ نے بات کو مزید آگے نہ بڑھایا۔

"اللہ کی تجھ پر رحمت ہو"۔۔۔ رسولِ خداؐ نے پوچھا۔ "کیا تُو بات کو آگے بڑھانے آیا ہے؟"

"نہیں میرے اللہ کے سچے نبیؐ!"۔۔۔ نعیمؓ نے جواب دیا۔ "مجھے آپؐ ہی کے قدموں میں آنا تھا۔ اہلِ مدینہ پر مشکل کا وقت آن پڑا ہے۔ میں اپنی جان لے کے حاضر ہُوا ہوں۔ یہ حضورؐ کے اور اسلام کے شیدائیوں کے جس کام آسکتی ہے، حضورؐ کے قدموں میں پیش کرتا ہُوں.... اپنے لشکر میں سے چھپ چھپ کر نکلا ہُوں۔ خندق میں اُتر تو گیا لیکن سنتریوں کی موجودگی میں اوپر آنا خودکشی کے برابر تھا۔ اُوپر چڑھنا ویسے بھی محال تھا۔ بڑی مشکل پیش آئی۔ خُدا سے آپ کے نام پر التجا کی۔ گڑگڑا کر دُعا مانگی۔ اللہ نے کرم کیا، سنتری آگے چلے گئے اور میں خندق پر چڑھ آیا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو نعیمؓ کے متعلق بتایا گیا کہ یہ کس حیثیت کی شخصیت ہے۔ رسولِ کریمؐ نے اُن کے ساتھ دو چار باتیں کیں تو آپ کو اندازہ ہو گیا کہ نعیمؓ اونچی سطح اور عقل کے انسان ہیں۔ آپؐ نے نعیمؓ کو بتایا کہ محاصرے نے جو حالات پیدا کر دیئے ہیں ان سے نکلنے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ قریش کے لشکر میں جو مختلف قبائل شامل ہیں انہیں قریش سے بدظن کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تین قبائل کے ساتھ خفیہ معاہدے کر لیے جائیں۔

"یا رسول اللہؐ!"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "اگر میں یہ کام اپنے طریقے سے کر دوں تو کیا حضورؐ مجھ پر اعتماد کریں گے؟"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو نعیمؓ!"۔۔۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ "میں تجھے اور تیرے نیک ارادوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہُوں۔"

"میں واپس اپنے قبیلے میں چلا جاؤں گا"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں مدینہ میں آیا تھا۔ یہاں سے میں کعب بن اسد کے پاس جا رہا ہُوں.... میرے اللہ کے رسولؐ! میری کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔"

مدینہ میں رات کو پہرے بڑے سخت تھے۔ پیچھے کی طرف خندق نہیں تھی۔ اُدھر پہاڑیوں نے قدرتی دفاع مہیّا کر رکھا تھا۔ اُدھر پہرہ داروں اور گشتی سنتریوں کی تعداد زیادہ رکھی گئی تھی اور شہر کے کسی آدمی کا بھی اُدھر جانا بڑا مشکل تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے نعیمؓ کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیج دیا تھا تاکہ کوئی سنتری انہیں روک نہ لے۔ یہ آدمی نعیمؓ کو مدینہ سے باہر تک چھوڑ کر واپس آگیا۔ رات کا پہلا پہر تھا جب نعیمؓ بنو قریظہ کی بستی میں کعب بن اسد کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ غلام نے کھولا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو نا کعب؟" ——— نعیمؓ نے پوچھا۔

"نعیمؓ بن مسعود کو کون نہیں جانتا" ——— کعب نے کہا ——— "غطفان کے قبیلے کو تجھ جیسے سردار پر بہت فخر ہوگا.... کہو نعیمؓ! رات کے اس وقت میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟.... میں نے دس دنوں کی مہلت مانگی تھی۔ ابھی تو چھ سات دن گزرے ہیں۔ میں نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے آدمی تیار کر لیے ہیں.... کیا تم یہی معلوم کرنے آئے ہو؟"

"میں اسی سلسلے میں آیا ہوں" ——— نعیمؓ نے کہا ——— "تم بیوقوف ہو کعب! تم نے قریش کے ساتھ کس بھروسے پر معاہدہ کر لیا ہے؟.... مجھ سے نہ پوچھنا کہ میرے دل میں تمہاری ہمدردی کیوں پیدا ہوئی ہے۔ میں مسلمانوں کا بھی ہمدرد نہیں کیونکہ میں مسلمان نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے دل میں انسانیت کی ہمدردی ہے۔ میرے دل میں ہمدردی ہے تمہاری ان خوبصورت اور جوان بیٹیوں، بیویوں اور بہنوں کی جو مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ تم نے قریش سے بڑا خطرناک معاہدہ کر لیا ہے لیکن اس کی ضمانت نہیں لی کہ اہلِ قریش تمہیں مسلمانوں سے بچا لیں گے۔ ہم نے بھی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن کچھ ضمانت بھی لی ہے۔"

"کیا قریش جنگ ہار جائیں گے؟" ——— کعب بن اسد نے پوچھا۔

"وہ جنگ ہار چکے ہیں" ——— نعیمؓ نے کہا ——— "کیا یہ خندق انہیں شہر پر حملہ کرنے دے گی؟.... قریش کے لشکر کو بھوک نے بے حال کرنا شروع کر دیا ہے۔ میرا قبیلہ بھوک سے پریشان ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل تم میرے قبیلے کو بدنام کرو کہ غطفان تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ تم مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں اپنا دشمن بنا لو گے اور قریش اور ہم محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں گے۔ اپنے دونوں قبیلوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر، کا انجام جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تھا وہ تمہیں یاد ہوگا۔"

کعب بن اسد پر خاموشی طاری ہوگئی۔

"میں جانتا ہوں تم نے قریش سے کتنی اُجرت لی ہے" ——— نعیمؓ نے کہا ——— "لیکن یہ خزانہ جو تم اُن سے لے رہے ہو اور یہ خوبصورت لڑکیاں جو حیّی بن اخطب نے تمہارے پاس بھیجی ہیں، یہ

سب مسلمانوں کی ملکیت ہو جائے گی اور تمھارا سر تمھارے تن سے جُدا ہو گا۔"

"تو کیا میں قریش سے معاہدہ توڑ دوں؟" ۔ کعب نے پوچھا۔

"معاہدہ نہ توڑو" ۔ نعیمؓ نے کہا ۔ "انہیں ابھی ناراض نہ کرو لیکن اپنی حفاظت کی اُن سے ضمانت لو۔ عرب کے رواج کے مطابق انہیں کہو کہ ان کے اونچے خاندانوں کے کچھ آدمی تمہیں یرغمال کے طور پر دے دیں۔ اگر اُنہوں نے اپنے چند ایک معزز اور سرکردہ آدمی دے دیئے تو یہ ثبوت ہو گا کہ وہ معاہدے میں مخلص ہیں۔"

"ہاں نعیمؓ!" ۔ کعب بن اسد نے کہا ۔ "میں اُن سے یرغمال میں آدمی مانگوں گا۔"

★

نعیمؓ بن مسعود رات کے وقت پہاڑیوں میں چلے جا رہے تھے۔ اُن کی منزل قریش کی خیمہ گاہ تھی جو کئی میل دُور تھی۔ سیدھا راستہ چھوٹا تھا لیکن راستے میں خندق تھی۔ وہ بڑی دور کا چکر کاٹ کر جا رہے تھے۔ وہ گذشتہ رات سے مسلسل چل رہے تھے مگر چھپ چھپ کر چلنے اور عام سفر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ نعیمؓ جب ابُوسفیان کے پاس پہنچے تو ایک اور رات شروع ہو چکی تھی۔ اُس وقت اُن کی ہڈیاں بھی دکھ رہی تھیں اور اُن کی زبان سوکھ گئی تھی۔ ایک ہی بار بے شمار پانی پی کر وہ بولنے کے قابل ہوئے۔ ابُوسفیان نعیمؓ کی دانشمندی اور تدبّر سے متاثر تھا۔

"تمھاری حالت بتا رہی ہے کہ تم اپنے لشکر سے نہیں آئے" ۔ ابُوسفیان نے نعیمؓ سے پوچھا ۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟"

"بہت دُور سے" ۔ نعیمؓ بن مسعود نے جواب دیا ۔ "جاسُوسی کی ایک مہم سے آ رہا ہوں۔ تم لوگ بنو قریظہ کے ساتھ معاہدہ کر آئے ہو۔ کیا تم بھول گئے تھے کہ یہُودیوں کو ہمارے ساتھ جو دلچسپی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ اسلام کو ہمارے ہاتھوں یہیں پر ختم کرا دینا چاہتے ہیں؟ .... میں بنو قریظہ کے دو دوستوں سے مل آیا ہوں اور مجھے مدینے کا بھی ایک پرانا دوست مل گیا تھا مجھے پتہ چلا ہے کہ کعب بن اسد نے محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ کعب نے مسلمانوں کو خوش کرنے کا ایک نیا طریقہ سوچا ہے۔ تم نے اُسے کہا کہ وہ مدینہ میں مسلمانوں پر حملے کرے۔ وہ اب تم سے قریش کے سرکردہ خاندانوں کے چند افراد یرغمال میں ضمانت کے طور پر رکھنے کے لیے مانگے گا مگر انہیں وہ مسلمانوں کے حوالے کر دے گا اور مسلمان ان افراد کو قتل کر دیں گے، پھر یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں گے اور دونوں ہم پر حملہ کریں گے .... میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کہ یہودیوں کو یرغمال میں اپنا ایک بھی آدمی نہ دینا۔"

"خُدا کی قسم نعیمؓ!" ۔ ابُوسفیان نے کہا ۔ "اگر تمھاری یہ بات سچ نکلی تو میں بنو قریظہ کی بستیاں اُجاڑ دوں گا۔ کعب بن اسد کی لاش کو میں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھسیٹتا ہُوا مکّہ لے جاؤں گا۔ اُس نے کیا سوچ کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے؟"

"اُس کی سوچ پر آپ نے شراب اور حسین لڑکیوں کا طلسم طاری کر دیا ہے" ۔ نعیمؓ بن مسعود نے کہا ۔ "کیا شراب اور عورت کسی کے دل میں خلوص اور دیانتداری رہنے دیتی ہے؟"

"اُسے شراب اور عورت کس نے دی ہے؟" ــــ ابوسفیان نے کہا ــ "کیا بدبخت کعب اتنی سی بات نہیں سمجھ سکا کہ میں نے اُس کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے، اس میں اُس کی قوم اور اُس کے مذہب کا تحفّظ ہے؟ اگر محمدؐ کا مذہب اسی طرح پھیلتا چلا گیا تو یہودیت ختم ہو جائے گی۔"

"تم یہودیوں کو ابھی تک نہیں سمجھ سکے" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "وہ اپنے دشمن پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ اُس کے دشمن ہیں.... حُیّی بن اخطب بھی یہودی ہے۔ اُس نے تمہاری طرف سے کعب کو شراب کا نصف مٹکا اور دو نہایت حسین لڑکیاں دی ہیں۔ میں جب کعب سے مِلا، وہ شراب میں بدمست تھا اور دونوں لڑکیاں نیم برہنہ حالت میں اُس کے پاس تھیں۔ اُس نے بدمستی کے عالم میں مجھے کہا کہ وہ اہلِ قریش کو انگلیوں پر نچا رہا ہے۔"

"نعیمؓ!" ــــ ابوسفیان نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا ــــ "میں مدینہ سے محاصرہ اُٹھا کر بنو قریظہ کی نسل ختم کر دوں گا۔ اُس کی یہ جرأت کہ قبیلۂ قریش کے سرکردہ چند افراد کو ضمانت کے طور پر یرغمال بنا کر رکھنا چاہتا ہے؟"

"تمہیں اتنا نہیں بھڑکنا چاہیئے ابُوسفیان!" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "ٹھنڈے دل سے سوچو اور فیصلہ کر لو کہ کعب کو تم ایک بھی آدمی یرغمال میں نہیں دو گے۔"

"میں فیصلہ کر چکا ہُوں" ــــ ابُوسفیان نے کہا ــــ "کیا تم اہلِ مدینہ کی کوئی خبر دے سکتے ہو؟ وہ کس حال میں ہیں؟ وہ کب تک بھوک برداشت کریں گے؟"

نعیمؓ بن مسعود کو ابُوسفیان کے پاؤں اکھاڑنے کا موقع مِل گیا۔

"میں حیران ہوں ابُوسفیان!" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "کہ اہلِ مدینہ خوش اور مطمئن ہیں۔ وہاں بُھوک کے کوئی آثار نہیں۔ خوراک کی کمی ضرور ہے لیکن اہلِ مدینہ کا جوش اور جذبہ ایسا ہے جیسے انہیں خُوراک کی ضرورت ہی نہیں۔"

"اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ ہمارے محاصرے کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہُوا" ــــ ابوسفیان نے کہا۔

"بالکل نہیں" ــــ نعیمؓ بن مسعود نے کہا ــــ "اُن پر محاصرے کا یہ اثر ہے کہ وہ جوش و خروش سے پھٹے جا رہے ہیں۔"

"ہمارے یہودی جاسوس ہمیں بتا رہے ہیں کہ مدینہ میں خوراک تقریباً ختم ہو چکی ہے" ــــ ابُوسفیان نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔

"وہ جھوٹ بولتے ہیں" ــــ نعیمؓ نے اُسے اور زیادہ پریشان کرنے کے لیے کہا ــــ "میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ یہودیوں پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ بتا کر کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں، وہ تمہیں اُکسا رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر کہیں سے خندق عبور کر لو اور مدینہ پر حملہ کر دو۔ وہ اہلِ قریش اور میرے قبیلے غطفان کو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کرانا چاہتے ہیں۔"

"میں اُن کی نیّت معلوم کر لیتا ہوں" ــــ ابُوسفیان نے کہا اور اپنے غلام کو آواز دی۔

"عکرمہ اور خالد کو بلا لاؤ" ــــ ابُوسفیان نے غلام سے کہا۔

نعیمؓ بن مسعود یہ کہہ کر چلے گئے ــــ "میں اپنے سردار غطفان کو خبردار کرنے جا رہا ہُوں۔"

★

خالد اور عکرمہ آ ئے تو ابُوسفیان نے انہیں بتایا کہ نعیمؓ اُسے کعب بن اسد کے متعلق کیا بتا گئے ہیں۔

"غیروں کے سہارے لے کر لڑائیاں نہیں لڑی جا سکتیں ابُوسفیان!"___ خالد نے کہا ___ "آپ نے یہ تو سوچا ہی نہیں کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ وہ زمین کے نیچے سے مسلمانوں پر وار کر سکتے ہیں لیکن وہ ہیں تو مسلمانوں کے رحم وکرم پر۔ اگر آپ لڑنے آئے ہیں تو جنگجوؤں کی طرح لڑیں۔"

"کیا یہ صحیح نہیں ہوگا کہ تم دونوں میں سے کوئی کعب بن اسد کے پاس جائے؟"___ ابُوسفیان نے پوچھا ___ "ہو سکتا ہے اُس نے نعیمؓ سے کہا ہو کہ وہ ہم سے یرغمال مانگے گا لیکن تم جاؤ تو وہ ایسی شرط پیش نہ کرے؟.... کیا تمہیں نظر نہیں آرہا ہے کہ تمام کا تمام لشکر نیم فاقہ کشی کی حالت میں ہے؟ کیا یہ لشکر خندق عبور کر سکتا ہے؟.... یہی ایک صورت ہے کہ کعب مدینے کے اندر مسلمانوں پر شب خوُن مارنے کا انتظام کرے۔"

"میں جاؤں گا"___ عکرمہ نے کہا ___ "میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہُوں کہ کعب بن اسد نے یرغمال کی شرط پیش کی تو میں آپ سے پوچھے بغیر معاہدہ منسوخ کر آؤں گا۔"

"کیا میں بھی عکرمہ کے ساتھ چلا جاؤں؟"___ خالد نے ابُوسفیان سے پوچھا ___ "اس کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔"

"نہیں"___ ابُوسفیان نے کہا ___ "اگر خطرہ ہے تو میں دو سالار ضائع نہیں کر سکتا۔ عکرمہ اپنی حفاظت کے لیے جتنے لشکری ساتھ لے جانا چاہتا ہے لے جائے۔"

عکرمہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چار لشکری تھے۔ اُسے بڑی دُور کا چکر کاٹ کر بنو قریظہ تک پہنچنا تھا۔ وہ جمعہ کی رات اور تاریخ ۱۴ مارچ ۶۲۷ء تھی جب عکرمہ خندق سے دُور دُور چلتا شیخین کے سلسلۂ کوہ میں داخل ہُوا اور کعب بن اسد کے گھر پہنچا۔ کعب کو معلوم تھا کہ عکرمہ کیوں آیا ہے۔

"آؤ عکرمہ!"___ کعب بن اسد نے کہا ___ "میں جانتا ہُوں تم کیوں آئے ہو۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔"

کعب بن اسد نے اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام آیا تو اُس نے غلام سے شراب اور پیالے لانے کو کہا۔

"پہلے میری بات سن لو کعب!"___ عکرمہ نے دوٹوک لہجے میں کہا ___ "میں شراب پینے نہیں آیا۔ مجھے بہت جلدی واپس جانا ہے۔ ہم محاصرے کو اور زیادہ طول نہیں دے سکتے۔ ہم کل مدینے پر حملہ کر رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہُوا ہے اُس کے مطابق تم مدینے میں اُن جگہوں پر جو ہم نے تمہیں بتائی ہیں، کل سے حملے شروع کر دو۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ تم نے ظاہری طور پر ہمارے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن درپردہ تم نے وہ معاہدہ قائم رکھا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ تم نے کیا ہے۔"

اتنے میں ایک نہایت حسین لڑکی شراب کی صراحی اور پیالے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ عکرمہ کو دیکھ کر مسکرائی۔ عکرمہ نے اسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

"کعب!" — عکرمہ نے کہا — "تم نے اپنا مذہب اور اپنی زبان ان چیزوں کے عوض بیچ ڈالی ہے جنہوں نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا۔"

کعب بن اسد نے لڑکی کو اشارہ کیا تو وہ چلی گئی۔

"میرے عزیز عکرمہ!" — کعب نے کہا — "میں تمہارے چہرے پر رعونت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ تم مجھے اپنا غلام سمجھ کر حکم دینے آئے ہو۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ بنو قریظہ کے تحفظ اور سلامتی کے لیے کیا تھا، اور میں نے جو معاہدہ تمہارے ساتھ کیا ہے، وہ تمہاری فتح اور مسلمانوں کی شکست کی خاطر کیا ہے۔ مسلمانوں کو ختم کرنا میرے مذہب کا حکم ہے تمہارے ساتھ معاہدے نبھانا اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔ اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے میں تمہیں استعمال کروں گا۔ حیی بن اخطب سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اہلِ قریش اور اہلِ غطفان مجھے بنو قریظہ کی سلامتی کی ضمانت دیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ناکام ہو جاؤ اور مسلمان ہم سے ظالمانہ انتقام لیں۔"

نعیمؓ بن مسعود نے جو چنگاری ان لوگوں کے درمیان پھینک دی تھی وہ عکرمہ کے سینے میں سلگ اٹھی۔ نعیمؓ نے عکرمہ کے ذہن میں ابوسفیان کی معرفت پہلے ہی ڈال دیا تھا کہ کعب افراد کی صورت میں ضمانت مانگے گا۔ کعب کی زبان سے ضمانت کا لفظ سنتے ہی عکرمہ بھڑک اٹھا۔

"کیا تمہیں ہم پر اعتبار نہیں؟" — عکرمہ نے غصیلی آواز میں کہا — "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم شاید بھول گئے ہیں کہ محمدؐ ہمارا اور تمہارا مشترکہ دشمن ہے؟"

"میں یہ نہیں کہتا جو تم کہہ رہے ہو" — کعب بن اسد نے کہا — "لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے مشترکہ دشمن کو جتنا میں جانتا ہوں اتنا تم نہیں جانتے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو عقل خدا نے محمدؐ کو دی ہے وہ ہم میں سے کسی کو نہیں دی.... میں اس کی ضمانت چاہتا ہوں۔"

"کہو، تمہیں کیسی ضمانت چاہیے؟" — عکرمہ نے پوچھا۔

"قبیلۂ قریش اور غطفان کے چند ایک سرکردہ افراد ہمارے پاس بھیج دو" — کعب بن اسد نے کہا — "میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا عکرمہ! یہ ہمارا تمہارا دستور ہے۔ اس رواج اور شرط سے تم واقف ہو۔ میں نے ضمانت کے طور پر یرغمال میں لینے والے آدمیوں کی تعداد نہیں بتائی۔ یہ تعداد تم خود مقرر کر لو۔ تم جانتے ہو کہ معاہدے کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہارے ان سرکردہ افراد کو ہم قتل کر دیں گے۔"

"انہیں تم قتل نہیں کرو گے" — عکرمہ نے بھڑکی ہوئی آواز میں کہا — "تم انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دو گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو عکرمہ؟" — کعب بن اسد نے حیرت اور پریشانی کے لہجے میں پوچھا — "کیا تم مجھے اتنا رذیل سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یہ دھوکہ دوں گا کہ تمہارے قبیلوں کے سرداروں کو مسلمانوں کے

ہاتھوں قتل کرواؤں گا؟ مجھ پر اعتبار کرو۔"

"یہودی پر اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سانپ پر اعتبار کر لیا ہو" — عکرمہ نے غصے کے عالم میں کہا — "اگر تم اپنے آپ کو اتنا ہی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو تو کل مدینہ میں اُن چھوٹے قلعوں پر حملے شروع کردو جہاں مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو رکھا ہُوا ہے۔"

"کل؟" — کعب نے کہا — "کل ہفتے کا دن ہے۔ ہفتے کا دن یہودیوں کا ایک مقدس دن ہوتا ہے جسے ہم 'سبت' کہتے ہیں۔ اُس روز عبادت کے سوا ہم اور کوئی کام نہیں کرتے۔ کوئی یہودی سبت کے دن کوئی کام یا کاروبار کرے یا کسی پر حملہ کرے تو خدائے یہودہ اُسے انسان سے خنزیر یا بندر کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔"

عکرمہ دیکھ چکا تھا کہ کعب بن اسد کی نیت ٹھیک نہیں۔ وہ شراب پیتا چلا جا رہا تھا۔ عکرمہ نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُس نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ وہ فیصلہ کر کے ہی واپس آئے گا۔

"تم کل حملہ کردو یا ایک دن بعد کرو، ہم تمہاری نیت کو عملی صورت میں دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ تمہیں یرغمال میں اپنے آدمی دیئے جائیں یا نہ دیئے جائیں" — عکرمہ نے کہا — "اِس سے پہلے ہم تمہیں ایک آدمی بھی نہیں دیں گے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ یرغمال کے بغیر ہم کچھ نہیں کریں گے" — کعب بن اسد نے کہا — "جُوں ہی تمہارے آدمی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے ہم تمہاری منشا کے مطابق مدینہ کے اندر کھلبلی مچا دیں گے۔ تم دیکھنا ہم محمدؐ کی پیٹھ میں کس طرح چھُرا گھونپتے ہیں۔"

عکرمہ اٹھ کھڑا ہُوا اور غصے میں بولا — "تم بدطینت ہو۔ تمہاری نیت صاف ہوتی تو تم کہتے کہ مجھے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں، آؤ مل کر مسلمانوں کو مدینہ کے اندر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔"

"مجھے اگر حکم ہی ماننا ہے تو میں محمدؐ کا حکم کیوں نہ مان لوں" — کعب بن اسد نے عکرمہ کا غصہ دیکھتے ہُوئے کہا — "ہم مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں جو تحفظ ان سے مل سکتا ہے وہ تم نہیں دے سکو گے۔"

مؤرخ ابنِ ہشام اور ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ نعیمؓ بن مسعود کا چھوڑا ہُوا تیر نشانے پر لگا۔ عکرمہ غصے کے عالم میں کعب بن اسد کے گھر سے نکل آیا۔ یہودیوں اور اہلِ قریش کا معاہدہ جو اگر برقرار رہتا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جاتی، کعب کے گھر کے اندر ہی ٹوٹ گیا۔

★

جب عکرمہ کعب بن اسد سے ملنے جا رہا تھا، اُس وقت نعیمؓ بن مسعود اپنے قبیلے کے سردار غطفان کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے۔ اُس کے ساتھ بھی اُنہوں نے کعب بن اسد کے متعلق وہی باتیں کیں جن باتوں سے وہ ابوسفیان کو بھڑکا چکے تھے۔ ابوسفیان نے غصے میں آ کر عکرمہ کو بلا لیا تھا، غطفان نے اپنے سالار عیینہ کو بُلا لیا۔

"کیا تم نے سُنا ہے کہ کعب بن اسد ہمیں کیا دھوکہ دے رہا ہے؟" — غطفان نے عیینہ سے کہا — "وہ ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے سرکردہ افراد مانگتا ہے۔ کیا یہ ہماری توہین نہیں؟

"سردارِ غطفان!" ـــ سالار عیینہ نے کہا ـــ "میں پہلے تمہیں کہہ چکا ہوں کہ میرے ساتھ میدانِ جنگ کی بات کرو۔ میں آمنے سامنے کی لڑائی لڑنا جانتا ہوں۔ مجھے اُس شخص سے نفرت ہو گی جو پیٹھ کے پیچھے آکر وار کرتا ہے اور مجھے اُس شخص سے بھی نفرت ہو گی جس کی پیٹھ پر وار ہوتا ہے .... اور پھر تم یہودیوں پر اعتبار کرتے ہو؟ اگر کعب بن اسد کہے گا کہ مجھے اپنے قبیلے کا سردار غطفان یرغمال میں دے دو تو کیا میں تمہیں اُس کے حوالے کر دوں گا؟"

"میں اُس شخص کا سر اُڑا دوں گا جو ایسا مطالبہ کرے گا" ـــ نعیمؓ بن مسعود نے کہا ـــ "میں ان یہودیوں کو اپنے قبیلے کی ایک بھیڑ یا بکری بھی نہ دوں گا.... خدا کی قسم! کعب نے ہماری توہین کی ہے۔"

"ابوسفیان کیا کہتا ہے؟" ـــ غطفان نے نعیمؓ سے پوچھا۔

"یہ بات سُن کر ابوسفیان غصّے سے کانپنے لگا تھا" ـــ نعیمؓ نے کہا ـــ "ابوسفیان کہتا ہے کہ وہ کعب بن اسد سے اس توہین کا انتقام لے گا۔"

"اور اُسے انتقام لینا چاہیئے" ـــ سالار عیینہ نے کہا ـــ "بنو قریظہ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان اس طرح پس جائیں گے کہ اُن کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔"

★

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے وہ وقت یاد آرہا تھا جب عکرمہ بنو قریظہ کی بستی سے واپس آیا تھا۔ خالد دوڑتا ہوا اُس تک پہنچا تھا۔ اُدھر سے ابوسفیان گھوڑا دوڑاتا گیا۔ عکرمہ کے چہرے پر غصّے اور تھکن کے گہرے آثار تھے۔

"کیا خبر لائے ہو؟" ـــ ابوسفیان نے اُس سے پوچھا۔

"خدا کی قسم ابوسفیان! میں نے کعب سے زیادہ بدطینت انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا" ـــ عکرمہ نے گھوڑے سے کود کر اُترتے ہوئے جواب دیا ـــ "نعیمؓ نے ٹھیک کہا تھا۔"

"کیا اُس نے ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے آدمی مانگے ہیں؟" ـــ خالد نے پوچھا تھا۔

"ہاں خالد!" ـــ عکرمہ نے کہا تھا ـــ "اُس نے مجھے شراب پیش کی اور میرے ساتھ اس طرح بولا جیسے ہم اُس کے مقروض ہوں.... اُس نے کہا کہ پہلے یرغمال میں اپنے آدمی دو پھر میں مدینہ کے اندر شب خون مار دوں گا۔"

"کیا تم نے اُسے کہا نہیں کہ اہلِ قریش کے سامنے بنو قریظہ کی حیثیت اونٹ کے مقابلے میں ایک چوہے کی ہے؟" ـــ خالد نے کہا تھا ـــ "کیا تم نے اُس کا سر اُس کے کندھوں سے اُتار نہیں دیا؟"

"میں نے اپنا ہاتھ بڑی مشکل سے روکا تھا" ـــ عکرمہ نے کہا تھا ـــ "اُس کے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہُوا تھا وہ میں توڑ آیا ہوں۔"

"تم نے اچھا کیا" ـــ ابوسفیان نے دبی دبی آواز میں کہا تھا ـــ "تم نے اچھا کیا" ـــ اور وہ پرے چلا گیا تھا۔

یہ کوئی بہت پرانا واقعہ نہیں تھا۔ ڈیڑھ دو سال پہلے کی ہی بات تھی۔ آج جب خالد مدینہ کی

طرف جارہا تھا تو یہ جانا پہچانا راستہ اُسے اجنبی سا لگ رہا تھا کبھی اُسے ایسے محسوس ہونے لگتا جیسے وہ خود اپنے لیے اجنبی ہو گیا ہو۔ اُسے ابوسفیان کا افسردہ چہرہ نظر آنے لگا۔ خالد نے محسوس کر لیا تھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملے سے منہ موڑ رہا ہے۔ خالد اور عکرمہ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو خالد؟"___ عکرمہ نے پوچھا تھا۔

"کیا تم میری تائید نہیں کرو گے کہ میں اس شخص ابوسفیان کی موجودگی کو صرف اس لیے برداشت کر رہا ہوں کہ یہ میرے قبیلے کا سردار ہے؟"___ خالد نے عکرمہ کو جواب دیا تھا ___"اہلِ قریش کو ابوسفیان سے بڑھ کر بزدل سردار کوئی نہیں ملے گا.... تم پوچھتے ہو میں کیا سوچ رہا ہوں.... میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ میں نے خندق کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا ہے۔ ایک جگہ خندق تنگ ہے اور زیادہ گہری بھی نہیں۔ ہم وہاں سے خندق کے پار جا سکتے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں آج ہی، ابھی اس جگہ سے چند سوار خندق کے پار لے جانا چاہتا ہوں۔ ابوسفیان کسی غیبی مدد اور سہارے کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو کرتا رہے۔"

"میں تمہارا ساتھ کیوں نہ دوں گا خالد؟"___ عکرمہ نے کہا تھا ___"کیا میں مسلمانوں کے اُن قہقہوں کو برداشت کر سکوں گا جو اُس وقت بلند ہوں گے جب ہم یہاں سے لڑے بغیر واپس جائیں گے؟.... چلو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

★

وہ جگہ ذباب کی پہاڑی کے مغرب اور سلع کی پہاڑی کے مشرق میں تھی جہاں خندق کی چوڑائی اتنی تھی کہ گھوڑا اسے پھلانگ سکتا تھا۔ ضرورت شہسوار کی تھی۔ پیادے خندق میں اُتر کر اُوپر چڑھ سکتے تھے۔ اسی جگہ کے قریب تقریباً سامنے مسلمانوں کی خیمہ گاہ تھی۔

خالد نے عکرمہ کو یہ جگہ دُور سے دکھائی۔

"پہلے میرے سوار خندق پھلانگیں گے"___ عکرمہ نے کہا ___"لیکن ابھی ہم تمام کا تمام سوار دستہ نہیں گزاریں گے۔ پار جا کر مسلمانوں کو ایک ایک سوار کے مقابلے کے لیے للکاریں گے۔ وہ اس رواج کی خلاف ورزی نہیں کریں گے.... میرے ساتھ آؤ خالد! میں اپنے منتخب سوار آگے لاؤں گا۔ تم ابھی خندق کے پار نہ جانا۔ اگر ہم دونوں مارے گئے تو اہلِ قریش کو سوائے ذلّت کے کچھ نہیں ملے گا۔ ابوسفیان کا دل محاصرہ اٹھا چکا ہے۔ وہ لڑنے کے جذبے کو سرد کر چکا ہے۔"

وہ مقام جہاں خندق گھوڑے کی لمبی چھلانگ سے پھلانگی جا سکتی تھی، ایسی اوٹ میں تھا جسے گشتی سنتری قریب آ کر ہی دیکھ سکتے تھے۔ عکرمہ نے سات سوار منتخب کر لیے تھے۔ ان میں ایک قوی ہیکل بلکہ دیو قامت شخص عمرو بن عبدُود بھی تھا جس کی دھاک اُس کی جسامت کی بدولت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عکرمہ ان سات سواروں کو مقررہ مقام سے کچھ دور تک اس انداز سے لے گیا جیسے گھوڑوں کو ٹہلائی کے لیے لے جا رہے ہوں۔ مسلمانوں کے سنتریوں کو ان پر شک نہ ہوا۔

"سب سے پہلے میں خندق پھلانگوں گا"___ عکرمہ نے چلتے چلتے اپنے سات سواروں سے کہا۔

"کیا یہ ٹھیک نہیں ہو گا کہ سب سے پہلے میرا گھوڑا خندق کو پھلانگے؟"___ عمرو بن عبدُود نے کہا۔

"نہیں عمرو!۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔ "پہلے میں جاؤں گا۔ اگر میرا گھوڑا خندق میں گر پڑا تو تم خندق پھلانگنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہارا سالار اپنی جان کی قربانی دے گا۔"

یہ کہہ کر عکرمہ نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے کا رُخ خندق کی طرف ہُوا تو عکرمہ نے ایڑ لگا دی۔ عربی نسل کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ عکرمہ نے لگام اور ڈھیلی کر دی اور گھوڑے کو پھر ایڑ لگائی۔ گھوڑے کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ خندق کے کنارے پر جا کر عکرمہ گھوڑے کی پیٹھ سے اُٹھا اور آگے کو جھک گیا۔ گھوڑا ہوا میں بلند ہو گیا۔ خالد کچھ دُور کھڑا دیکھ رہا تھا قبیلہ قریش کے بہت سے لشکری دیکھ رہے تھے۔ زمین و آسمان دیکھ رہے تھے۔۔۔ تاریخ دیکھ رہی تھی!

گھوڑے کے اگلے پاؤں خندق کے دوسرے کنارے سے کچھ آگے اور پچھلے پاؤں عین کنارے پر پڑے۔ گھوڑا رفتار کے زور پر آگے چلا گیا۔ اُس کی اگلی ٹانگیں دوہری ہو گئیں۔ اس کا منہ زمین سے لگا۔ عکرمہ گرتے گرتے بچا۔ گھوڑا بھی سنبھل گیا اور عکرمہ بھی۔ اُسے اپنے پیچھے للکار سنائی دی۔

"آگے نکل جاؤ عکرمہ!"

عکرمہ نے پیچھے دیکھا۔ عمرو بن عبدود کا گھوڑا ہوا میں اُڑا آ رہا تھا۔ عمرو رکابوں پر کھڑا آگے کو جھکا ہُوا تھا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ اتنے وزنی سوار کے نیچے گھوڑا خندق پھلانگ جائے گا لیکن گھوڑا اسی جگہ جا پڑا جہاں عکرمہ کا گھوڑا گرا تھا۔ عمرو کے گھوڑے کی ٹانگیں ایسی دوہری ہوتیں کہ منہ کے بل گرا اور ایک پہلو پر لڑھک گیا۔ عمرو گھوڑے کی پیٹھ سے لڑھک کر قلابازیاں کھاتا گیا۔ ایک لمحے میں گھوڑا اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُدھر عمرو اٹھا اور پلک جھپکتے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اُس کے پیچھے عکرمہ کے دو سوار اکٹھے چلے آ رہے تھے۔ خندق کے کنارے پر آ کر دونوں سواروں نے اپنے گھوڑوں کی پیٹھیں خالی کر دی تھیں اور ان کی گردنوں پر جھکے ہُوئے تھے۔ دونوں گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

اہلِ قریش کے لشکر نے داد و تحسین کے نعرے لگائے۔ اس شور سے مسلمان پہرہ دار دوڑے آئے۔ اتنے میں عکرمہ کے دو اور گھوڑے اپنے سواروں کو اٹھائے خندق کے کنارے سے ہوا میں اُٹھے۔ اُن کے پیچھے سات میں سے باقی سواروں نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ تمام گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

"ٹھہر جاؤ"۔۔۔ عکرمہ نے مسلمان سنتریوں کو بلند آواز میں کہا۔۔۔ "کوئی اور گھوڑا خندق کے اِس طرف نہیں آئے گا۔ محمدؐ کو بلاؤ۔ تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہے اُسے لاؤ۔ وہ میرے ایک آدمی کا مقابلہ کر کے گرا لے تو ہم سب کو قتل کر دینا۔۔۔۔ خدا کی قسم، ہم تمہارا خون اس ریت پر چھڑک کر واپس چلے جائیں گے۔"

★

مسلمانوں کی اجتماع گاہ میں کھلبلی بپا ہو چکی تھی۔ ایک شور تھا۔۔۔ "قریش اور غطفان نے خندق عبور کر لی ہے۔۔۔ مسلمانو! تمہارے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔۔۔۔ ہوشیار۔۔۔۔ خبردار۔۔۔۔ دشمن آ گیا ہے۔"

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے مسلمانوں کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ آپؐ نے دیکھ لیا تھا کہ اہلِ قریش خندق کے پار کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کا مذاق بھی اڑا رہے تھے پھبتیاں بھی کس رہے تھے۔ رسولِ کریمؐ اُس جگہ پہنچے جہاں عکرمہ اور اُس کے سوار کھڑے للکار رہے تھے رسولِ کریمؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپؐ نے صورتِ حال کا جائزہ لیا تو سمجھ گئے کہ عکرمہ انفرادی مقابلے کے لیے آیا ہے۔ آپؐ کو اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر عمرو بن عبدُود نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔

"قسم ہے ہبل اور عزیٰ کی!—— عمرو نے للکار کر کہا —"تم میں مجھے کوئی ایک بھی نظر نہیں آرہا جو میرے مقابلے میں اُتر سکے۔"

مؤرخ عینی شاہدوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خاموشی گواہی دے رہی تھی کہ اُن پر عمرو کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ عمرو کی جسامت اور طاقت کے ایسے ایسے قصے مشہور تھے جیسے وہ مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہو۔ دیکھا شاید کسی نے کبھی نہیں تھا لیکن سب کہتے تھے کہ عمرو گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے اور وہ پانچ سو گھوڑ سواروں کو اکیلا شکست دے سکتا ہے۔ اُس کے متعلق ہر کوئی تسلیم کرتا تھا کہ اُسے نہ کوئی گرا سکا ہے نہ کوئی گرا سکے گا۔

ابُوسفیان خندق کے پار کھڑا دیکھ رہا تھا۔ خالد اور صفوان بھی دیکھ رہے تھے۔ غطفان، عیینہ اور اُن کا تمام لشکر دیکھ رہا تھا —— اور نعیمؓ بن مسعود بھی غیر مسلموں کے لشکر میں دم بخود کھڑے تھے۔

"میں جانتا ہوں تم میں سے کوئی بھی آگے نہیں آئے گا"—— عمرو بن عبدُود کی للکار ایک بار پھر گرجی۔ خندق کے پار قریش کا قہقہہ بلند ہُوا اور کئی پھبتیاں سنائی دیں۔

حضرت علیؓ نے رسولِ خُدا کی طرف دیکھا۔ آپؐ نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور حضرت علیؓ کے سر پر باندھ دیا، پھر اپنی تلوار حضرت علیؓ کو دی۔ مؤرخ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی سرگوشی سنائی دی —"علیؓ کا مددگار تو ہی ہے میرے اللہ!"

مؤرخین نے اس تلوار کے متعلق جو رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو دی تھی لکھا ہے کہ یہ قریش کے ایک مشہور جنگجو منبّہ بن حجاج کی تھی۔ وہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ فاتح مجاہدین نے یہ تلوار حضورؐ کو پیش کی تھی آپؐ نے اس کے بعد یہی تلوار اپنے پاس رکھی۔ اب آپؐ نے وہی تلوار حضرت علیؓ کو دے کر عرب کے ایک دیو قامت کے مقابلے میں اتارا۔ یہ تلوار تاریخ اسلام میں ذوالفقار کے نام سے مشہور ہُوئی۔

حضرت علیؓ عمرو بن عبدُود کے سامنے جا کھڑے ہُوئے۔

"ابوطالب کے بیٹے!—— عمرو جو گھوڑے پر سوار تھا، حضرت علیؓ سے مخاطب ہُوا —"کیا تم بھول گئے ہو کہ تمہارا باپ میرا کتنا گہرا دوست تھا؟ کیا یہ میرے لیے بہت بُرا فعل نہیں ہو گا کہ میں اپنے عزیز دوست کے بیٹے کو قتل کر دوں؟"

"اے میرے باپ کے دوست!—— حضرت علیؓ نے للکار کر جواب دیا —"ہماری دوستی ختم ہو چکی ہے۔ خُدا کی قسم، میں تمہیں صرف ایک بار کہوں گا کہ اللہ کو برحق اور محمدؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لو اور ہم میں شامل ہو جاؤ۔"

"تم نے ایک بار کہہ لیا ہے"—— عمرو نے کہا —"میں دوسری بار یہ بات نہیں سنوں گا... میں

یہ بھی کہوں گا کہ میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں عمرو!" — حضرت علیؓ نے کہا — "اُتر گھوڑے سے اور آ میرے مقابلے میں اور بچالے اپنے آپ کو اس تلوار سے جو مجھے اللہ کے رسولؐ نے عطا کی ہے۔"

★

عمرو کے متعلق مورخ لکھتے ہیں کہ وہ وحشی تھا۔ جب غصے میں آتا تھا تو اُس کا چہرہ غضبناک ہو کر درندوں جیسا ہو جاتا تھا۔ وہ گھوڑے سے کود کر اترا اور تلوار سونت کر حضرت علیؓ پر پہلا وار اتنی تیزی سے کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھے کہ اُس کی تلوار نے حضرت علیؓ کو کاٹ دیا ہے لیکن حضرت علیؓ یہ بھرپور وار بچا گئے۔ اس کے بعد عمرو نے یکے بعد دیگرے حضرت علیؓ پر متعدد وار کیے۔ حضرت علیؓ نے ہر وار غیر متوقع پینترا بدل کر بچایا۔ عمرو نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ جس جسامت اور طاقت پر اُسے اتنا گھمنڈ ہے وہ ہر جگہ کام نہیں آسکتی۔ تیغ زنی کے معرکے میں جس تیزی اور پھرتی کا مظاہرہ حضرت علیؓ کر رہے تھے وہ عمرو نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کا جسم بھاری بھرکم تھا۔ اگر وہ گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا بھی سکتا تھا تو بھی اس میں گھوڑے جیسی رفتار نہیں تھی۔ اُس کی طاقت گھوڑے سے زیادہ بھی ہو سکتی تھی۔ حضرت علیؓ نے اُس پر ایک بھی وار نہ کیا جسے عمرو نے خوفزدگی سمجھا ہو گا۔ وہ وار پہ وار کرتا رہا اور حضرت علیؓ کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہوتے رہے۔

خندق کے پار اہلِ قریش کا لشکر جو قہقہے لگا رہا تھا، یکلخت خاموش ہو گیا کیونکہ اُن کا دیوقامت عمرو وار کرتے کرتے رُک گیا تھا اور خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ وہ غالباً حیران تھا کہ یہ نوجوان جو قدبُت میں اُس کے جسم کا بیسواں حصہ بھی نہیں، اُس سے مرعوب کیوں نہیں ہوا۔ دراصل عمرو تھک گیا تھا۔

حضرت علیؓ نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی کہ وہ اپنی طاقت اتنے سارے وار کرتے کرتے صرف کر چکا ہے اور حیران و پریشان کھڑا ہے تو حضرت علیؓ نے یہ حیران کُن مظاہرہ کیا کہ تلوار پھینک کر بجلی کی سی تیزی سے عمرو پر جھپٹے اور اُچھل کر اُس کی گردن اپنے ہاتھوں میں دبوچ لی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے عمرو کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگ ایسے پھنسائی کہ وہ پیٹھ کے بل گرا۔

اُس نے اپنی گردن چھڑانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن اُس کی گردن حضرت علیؓ کی آہنی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔ حضرت علیؓ نے اُس کی گردن سے ایک ہاتھ ہٹا کر کمر بند سے خنجر نکالا اور اُس کی نوک عمرو کی شہ رگ پر رکھ دی۔

"اب بھی میرے اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آ تو میں تیری جان بخشی کر دوں گا" — حضرت علیؓ نے کہا۔

عمرو بن عبدوُد نے جب دیکھا کہ اُس کی وہ طاقت جس سے اہلِ عرب لرزتے تھے، بیکار ہو گئی ہے تو اُس نے یہ اوچھی حرکت کی کہ حضرت علیؓ کے مُنہ پر تھوک دیا۔

دیکھنے والے ایک بار پھر حیران رہ گئے کیونکہ حضرت علیؓ خنجر سے اُس کی شہ رگ کاٹ دینے کی بجائے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اُنہوں نے خنجر کمر بند میں اُڑس لیا اور ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ عمرو اب اس طرح اٹھا جیسے اُس کے جسم کی طاقت ختم ہو چکی ہو۔ صرف اُسے ہی نہیں ہر کسی

کو توقع تھی کہ حضرت علیؓ اُسے زندہ نہیں اٹھنے دیں گے لیکن حضرت علیؓ بڑے آرام سے پیچھے ہٹے۔
"عمرو!" — حضرت علیؓ نے کہا۔ "میں نے اللہ کے نام پر تیرے ساتھ زندگی اور موت کا مقابلہ کیا تھا لیکن تو نے میرے مُنہ پر تھوک کر میرے دل میں ذاتی دشمنی پیدا کر دی ہے میں تجھے ذاتی دشمنی کی بنا پر قتل نہیں کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خدا کو میرا یہ انتقام اچھا نہ لگے.... جا یہاں سے اپنی جان لے کر واپس چلا جا۔"

عمرو بن عبدود شکست تسلیم کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ میدان میں یہ اُس کی پہلی ہار تھی جسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے اپنی ہار کو جیت میں بدلنے کے لیے یہ اوچھی حرکت کی کہ تلوار نکال کر حضرت علیؓ پر جھپٹ پڑا۔ حضرت علیؓ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن ان کی کامیابی کے لیے رسولؐ خدا نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ عین وقت پر جب عمرو کی تلوار اور حضرت علیؓ کی گردن میں دو چار لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا حضرت علیؓ نے اپنی ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کا وار اس قدر زوردار تھا کہ اُس کی تلوار نے حضرت علیؓ کی ڈھال کو کاٹ دیا۔ ڈھال حضرت علیؓ کے کان کے قریب سر پر لگی جس سے خون پھوٹنے لگا۔

عمرو ڈھال میں سے تلوار کھینچ ہی رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی وہ تلوار جو اُنہیں رسول کریمؐ نے دی تھی، اتنی تیزی سے حرکت میں آئی کہ عمرو کی گردن کٹ گئی۔ گردن پوری نہ کٹی لیکن شہ رگ کٹ چکی تھی۔ عمرو کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اُس پر دوسرا وار نہ کیا۔ اُنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہی وار کافی ہے۔ عمرو کی ٹانگیں دوہری ہوئیں۔ اُس کے گھٹنے زمین پر لگے اور وہ لڑھک گیا۔ عرب کی مٹی اُس کا خون چوسنے لگی۔

خندق کے پار دشمن کے لشکر پر ایسا سکوت طاری ہو گیا جیسے پورے کا پورا لشکر کھڑے کھڑے مر گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے نعرے گرج رہے تھے۔

عربوں کی رسم کے مطابق اس مقابلے کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک جیش نے عکرمہ اور اُس کے باقی سواروں پر حملہ کر دیا۔ قریش کے ان سواروں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ خیریت سے پسپا ہونے کے لیے لڑے۔ اس معرکے میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا۔ عکرمہ نے اپنا گھوڑا خندق کی طرف موڑ کر بھاگ نکلنے کے لیے ایڑ لگا دی۔ خندق پھلانگنے سے پہلے عکرمہ نے اپنی برچھی پھینک دی۔ ان میں سے ایک سوار جس کا نام خالد بن عبداللہ تھا، خندق کو پھلانگ نہ سکا۔ اُس کا گھوڑا خندق کے اگلے کنارے سے ٹکرایا اور خندق میں جا پڑا۔ وہ اُٹھ کر کنارے پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن مسلمانوں نے اُس پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔

رسولِ کریمؐ نے حکم دیا کہ خندق کے اس مقام پر مستقل پہرے کا انتظام کر دیا جائے کیونکہ وہاں سے خندق پھلانگی جا سکتی تھی۔

دوسرے دن خالد اپنے گھوڑ سوار دستے میں سے چند ایک جانباز سوار منتخب کر کے خندق عبور کرنے کو چل پڑا۔

"خالد! رک جاؤ"— ابوسفیان نے اسے کہا— "کیا تم نے کل عکرمہ کے سواروں کا انجام نہیں دیکھا؟ اب مسلمانوں نے وہاں پہرے کا اور زیادہ مضبوط انتظام کر دیا ہوگا۔"

"کیا یہ بہتر نہیں کہ لڑے بغیر واپس جانے کی بجائے تم میری لاش میرے گھوڑے پر رکھ کر مکہ لے جاؤ"— خالد نے کہا— "اگر ہم ایک دوسرے کے انجام سے ڈرنے لگے تو وہ دن بہت جلد طلوع ہوگا جب ہم مسلمانوں کے غلام ہوں گے۔"

"میں تمہیں نہیں روکوں گا میرے دوست!"— عکرمہ نے خالد سے کہا— "لیکن میری ایک بات سن لو۔ اگر تم میری شکست کا انتقام لینے جا رہے ہو تو رک جاؤ۔ اگر تمہیں قریش کی عظمت عزیز ہے تو ضرور جاؤ۔"

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو وہ لمحے یاد آ رہے تھے۔ اسے نہ اس وقت یہ خیال آیا تھا نہ آج کہ وہ یہ جانتے ہوتے بھی کہ خندق عبور کر کے بھی مارا جائے گا، نہ عبور کر سکا تو بھی مارا جائے گا، کیوں خندق کی طرف چل پڑا تھا۔

وہ ۱۶ مارچ ۶۲۷ء کے دن کا تیسرا پہر تھا۔ خالد چند ایک منتخب سواروں کے ساتھ خندق کی طرف بڑھا۔ اس نے خندق پھلانگنے کے لیے کچھ فاصلے سے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر اس مقام کے پہرے پر جو مسلمان کہیں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ خالد نے لگام کو پوری طاقت سے کھینچا اور اس کا گھوڑا خندق کے عین کنارے پر جا رکا۔ خالد نے گھوڑے کو پیچھے موڑا اور اپنے تیراندازوں کو بلایا۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کے تیرانداز مسلمانوں پر تیر پھینکتے چلے جائیں گے جس سے مسلمان سر نہیں اٹھا سکیں گے اور وہ خندق پھلانگ لے گا لیکن مسلمانوں نے تیراندازی میں اضافہ کر دیا۔ مسلمان تیروں کی بوچھاڑوں میں تیر چلا رہے تھے۔ خالد کو پسپا ہونا پڑا۔

خالد اس انداز سے اپنے سواروں کو وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف چل پڑا جیسے اس نے خندق پر ایک اور حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔ مؤرخین جن میں ابن ہشام اور ابنِ سعد قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ خالد کی ایک چال تھی۔ اس نے چلتے چلتے اپنے سوار جیش میں مزید سوار شامل کر لیے۔ اس نے سوچا یہ تھا کہ اسے پسپا ہوتے دیکھ کر مسلمان پہرے دار اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ اس نے اُدھر دیکھا۔ وہاں اسے کوئی پہرہ دار نظر نہ آیا۔ اس نے اپنے دستے کو خندق کے کم چوڑائی والے مقام کی طرف موڑ کر سرپٹ

دوڑا دیا۔

خالد کی یہ چال صرف اس حد تک کامیاب رہی کہ اُس کے تین چار گھوڑ سوار خندق پھلانگ گئے۔ ان میں خالد سب سے آگے تھا۔ مسلمان پہرہ داروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ قریش کے جو سوار ابھی خندق کے پار تھے، اُن پر مسلمانوں نے اتنے تیر برسائے کہ انہیں پسپا ہونا پڑا۔ خالد اور اُس کے سواروں کے لیے مسلمانوں کے گھیرے سے نکلنا بہت مشکل ہوگیا۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا جو خالد نے گھوڑا دوڑا دوڑا کر اور پینترے بدل بدل کر لڑا۔ اُس کے سوار بھی تجربہ کار اور پھرتیلے تھے۔ اُن میں سے ایک مارا گیا۔ خالد اب دفاعی معرکہ لڑ رہا تھا۔ اُس نے کئی مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں سے ایک شہید ہوگیا۔ آخر اُسے نکلنے کا موقع مل گیا اور اُس کا گھوڑا خندق کو پھلانگ آیا۔ اُس کے جو سوار زندہ رہ گئے تھے وہ بھی خندق پھلانگ آئے۔

اس کے بعد قریش میں سے کسی نے بھی خندق کے پار جانے کی جرأت نہ کی۔ عکرمہ اور خالد کی ناکامی کے بعد قریش اور اُن کے دیگر اتحادی قبائل کے لشکر میں مایوسی جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھی اور بڑھ گئی۔ خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ ابُوسفیان جو اپنے اور دیگر تمام قبائل کے لشکر کا سالارِ اعلیٰ تھا، پہلے ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھا تھا۔ خالد، عکرمہ اور صفوان نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اُن کا لشکر زندہ و بیدار ہے، یہ کارروائی جاری رکھی کہ وقتاً فوقتاً خندق کے قریب جا کر مسلمانوں کی خیمہ گاہ پر تیر برساتے رہے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے تیر اندازوں کو خندق کے قریب پھیلا دیا جو اہلِ قریش کے تیر اندازوں پر جوابی تیر اندازی کرتے رہے۔ تیروں کے تبادلے کا یہ سلسلہ صرف ایک دن صبح سے شام تک چلا۔

اہلِ قریش اور غطفان اور دیگر قبائل جس محمدؐ کو شکست دینے آئے تھے، وہ محمدؐ کسی ملک کے بادشاہ نہیں تھے۔ وہ خدا کے رسولؐ تھے۔ خدا نے انہیں ایک عظیم پیغام دے کر رسالت عطا کی تھی۔ آپؐ نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا اپنے رسولؐ کو کیسے مایوس کرتا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کی عورتیں اور بچے دن رات اپنی کامیابی اور نجات کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ یہ دعائیں رائیگاں کیسے جاتیں

۱۸ مارچ ۶۲۷ء بروز منگل مدینہ کی فضا خاموش ہوگئی۔ سردی خاصی تھی۔ ہوا بند ہوگئی۔ موسم خوشگوار ہوگیا لیکن یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔ اچانک آندھی آگئی جو اس قدر تیز و تند تھی کہ خیمے اُڑنے لگے۔ جھکڑ بڑے ہی سرد تھے۔ آندھی کی تندی اور اس کی چیخوں سے گھوڑے اور اونٹ بھی گھبرا گئے اور رسیاں تڑوانے لگے۔

مسلمانوں کی اجتماع گاہ سلع کی پہاڑی کی اوٹ میں تھی اس لیے آندھی انہیں اتنا پریشان نہیں کر رہی تھی جتنا مکّہ کے لشکر کو۔ قریش کھلے میدان میں تھے۔ آندھی اُن کا سامان اُڑا رہی تھی۔ خیمے اُڑ گئے یا لپیٹ دیے گئے تھے۔ لشکر کے سردار اور سپاہی اپنے اوپر ہر وہ کپڑا ڈال کر بیٹھ گئے تھے جو اُن کے پاس تھا۔ اُن کے لیے یہ آندھی خدا کا قہر بن گئی تھی۔ اس کی چیخوں میں قہر اور غضب تھا۔

ابُوسفیان برداشت نہ کرسکا۔ وہ اٹھا۔ اُسے اپنا گھوڑا نظر نہ آیا۔ قریب ہی ایک اونٹ بیٹھا تھا۔ ابُوسفیان اونٹ پر چڑھ بیٹھا اور اسے اٹھایا۔ مورخ ابنِ ہشام کی تحریر کے مطابق ابُوسفیان بلند آواز سے چلّانے لگا۔

"اے اہلِ قریش.... اے اہلِ غطفان! کعب بن اسد نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ آندھی ہمارا بہت نقصان کر چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا بہت خطرناک ہے۔ مکّہ کو کوچ کرو.... میں جا رہا ہوں میں جا رہا ہوں"
اُس نے اونٹ کو مکّہ کی طرف دوڑا دیا۔

خالد کو آج وہ منظر یاد آ رہا تھا۔ تمام لشکر جسے مکّہ سے مدینہ کی طرف کوچ کرتے دیکھ کر اُس کا سینہ فخر سے پھیل گیا اور سر اونچا ہو گیا تھا، ابُوسفیان کے پیچھے پیچھے ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح جا رہا تھا۔
خالد اور عمرو بن العاص نے اپنے طور پر سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے مسلمان عقب سے حملہ کر دیں چنانچہ اُنہوں نے اپنے سوار دستوں کو اپنے قابو میں رکھ کر لشکر کے عقب میں رکھا تھا۔ ابُوسفیان نے ایسے حفاظتی انتظام کی سوچی ہی نہیں تھی۔

اس پسپا ہوتے لشکر میں وہ آدمی نہیں تھے جو مارے گئے تھے ـــــ اور اس لشکر میں نعیمؓ بن مسعود بھی نہیں تھے۔ قریش کا لشکر چلا تو نعیمؓ آندھی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خندق میں اُتر گئے اور رسولِ کریم کے پاس پہنچ گئے تھے۔

آج خالد مدینہ کی طرف اُسی راستے پر جا رہا تھا جس راستے سے اُس کا لشکر ناکام واپس گیا تھا۔ اُسے شیخین کی پہاڑی نظر آنے لگی تھی۔

آندھی نے تاریخِ اسلام کا رُخ موڑ دیا۔
آندھی نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ خدا حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔
رسُولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دشمنوں کی پسپائی تنکوں کی مانند تھی جو آندھی میں اُڑے جاتے ہیں اور اُنہیں ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔

خالد کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمان تعاقب کریں گے لیکن مسلمانوں نے تعاقب کی سوچی ہی نہیں تھی۔ اس آندھی میں تعاقب اور لڑائی مسلمانوں کے خلاف بھی جا سکتی تھی۔ جس دشمن کو خدا نے بھگا دیا تھا اُس کے پیچھے جانا دانش مندی نہیں تھی۔ البتہ رسولُ اللہ کے حکم سے چند ایک آدمیوں کو بلندیوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ وہ دشمن پر نظر رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن کہیں دُور جا کر رُک جائے اور منظم ہو کر واپس آ جائے۔

آندھی اتنی مٹی اور ریت اُڑا رہی تھی کہ تھوڑی دُور تک بھی کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہت دیر بعد تین چار مسلمان گھوڑ سوار اُس جگہ سے خندق پھلانگ گئے جہاں سے عکرمہ اور خالد کے گھوڑوں نے خندق پھلانگی تھی۔ وہ دُور تک چلے گئے۔ اُنہیں اڑتی ہُوئی گرد اور ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ رُک گئے لیکن واپس نہ آئے۔

شام سے کچھ دیر پہلے آندھی کا زور ٹوٹ گیا اور جھکّڑ ختم گئے۔ فضا صاف ہو گئی اور نظر دُور تک کام کرنے لگی۔ دُور اُفق پر زمین سے گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ وہ اہلِ قریش اور اُن کے اتحادی قبائل کی پسپائی کی گرد تھی جو ڈوبتے سُورج کی آخری کرنوں میں بڑی صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ گرد مکّہ کو جا رہی تھی۔ تعاقب میں جانے والے مسلمان سوار اُس وقت واپس آئے جب رات بہت گہری ہو چکی تھی۔

"خدا کی قسم!" — اُنہوں نے واپس آکر بتایا — "وہ جو ہمارے عقیدے کو توڑنے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے آئے تھے، وہ مدینہ سے اتنی دہشت لے کر گئے ہیں کہ رُک نہیں رہے کہیں پڑاؤ نہیں کر رہے۔ کیا راتوں کو مسافر پڑاؤ نہیں کیا کرتے ؟ کیا لشکر راتوں کو بھی چلتے رہتے ہیں؟.... وہی چلتے رہتے ہیں جو منزل تک بہت جلدی پہنچنا چاہتے ہوں"۔

احادیث اور مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب یقین ہو گیا کہ دشمن گھبراہٹ کے عالم میں بھاگا ہے اور ایسا امکان ختم ہو چکا ہے کہ وہ منظّم ہو کر واپس آجائے، تب آپؐ نے کمر سے تلوار کھولی، خنجر اتار کر رکھ دیا اور اللہ کا شکر ادا کر کے غسل کیا۔

اس رات کی کوکھ سے جس صبح نے جنم لیا وہ مدینہ والوں کے لیے فتح و نصرت اور مسرّت و شادمانی کی صبح تھی۔ ہر طرف اللہ اکبر اور خوشیوں کے نعرے تھے سب سے زیادہ خوشی عورتیں اور بچّے منا رہے تھے جنہیں چھوٹے چھوٹے قلعوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ خوشی سے چیختے چلّاتے باہر نکلے۔ مدینے کی گلیوں میں مسلمان بہت مسرور بھر رہے تھے۔

فتح کے اس جشن میں بنو قریظہ کے یہودی بھی شامل تھے۔ رسولِ کریمؐ نے اُنہیں امن و امان میں رہنے کے عوض کچھ مراعات دے رکھی تھیں۔ ظاہری طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دوست کہتے اور دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ اہلِ قریش کی پسپائی پر وہ مسلمانوں کی طرح خوشیاں منا رہے تھے لیکن اُن کا سردار کعب بن اسد اپنے قلعہ نما مکان میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس اپنے قبیلے کے تین سرکردہ یہودی بیٹھے تھے اور اُس وقت کی غیر معمولی طور پر حسین یہودن یوحاوہ بھی وہاں موجود تھی۔ وہ گذشتہ شام اہلِ قریش کی پسپائی کی خبر سُن کر آئی تھی۔

"کیا یہ اچھا نہیں ہُوا کہ ہم نے مسلمانوں پر حملے نہیں کیے؟" — کعب بن اسد نے کہا — "مجھے نعیمؓ بن مسعود نے اچھا مشورہ دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش سے معاہدے کی ضمانت کے طور پر چند آدمی یرغمال کے لیے مانگو۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ قریش اس سے دُگنا لشکر لے آئیں تو بھی خندق عبور نہیں کر سکتے ہیں نے نعیمؓ کا مشورہ اس لیے قبول کر لیا تھا کہ وہ اہلِ قریش میں سے ہے"۔

"وہ اہلِ قریش میں سے نہیں"۔ — ایک یہودی نے کہا — "وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے"۔

"خدائے یہودہ کی قسم، تمھاری بات سچ نہیں ہو سکتی" — کعب بن اسد نے کہا — "وہ اہلِ قریش کے ساتھ آیا تھا"۔

"مگر اُن کے ساتھ گیا نہیں" — اُسی یہودی نے کہا — "میں نے کل شام اُسے مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ اُس وقت تک اہلِ قریش کا لشکر مدینہ سے بہت دُور جا چکا تھا"۔

"پھر تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے؟" — کعب نے کہا — "میں ایسی بات کو کیوں سچ مانوں جو تم نے کسی سے پوچھی نہیں؟"

"میں نے اپنے ایک مسلمان دوست سے پوچھا تھا" — یہودی نے کہا — "میں نے نعیمؓ کو دیکھ کر کہا تھا، کیا مسلمان اہلِ قریش کے جنگی قیدیوں کو اب کھُلا رکھتے ہیں؟.... میرے دوست نے

جواب دیا تھا کہ نعیمؓ کبھی کا اسلام قبول کر چکا ہے۔ اُسے مدینہ میں آنے کا موقع اب ملا ہے۔"

"پھر اُس نے ہمیں مسلمانوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہم سے بچایا ہے" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "اُس نے جو کچھ بھی کیا ہے، ہمارے لیے اچھا ثابت ہُوا ہے۔ اگر ہم قریش کی بات مان لیتے تو ..."

"تو مسلمان ہمارے دشمن ہو جاتے" ــــ ایک اور یہودی نے کہا ــــ "تم یہی کہنا چاہتے ہو نا، کعب! مسلمان پھر بھی ہمارے دشمن ہیں۔ ہمیں محمدؐ کے نئے مذہب کو یہیں پر ختم کرنا ہے ورنہ محمدؐ ہمیں ختم کرا دے گا۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ مذہب جسے یہ لوگ اسلام کہتے ہیں، کتنی تیزی سے مقبول ہوتا جا رہا ہے؟" ــــ تیسرے یہودی نے جو معمّر تھا، کہا ــــ "ہمیں اس کے آگے بند باندھنا ہے۔ اسے روکنا ہے۔"

"لیکن کیسے؟" ــــ کعب بن اسد نے پوچھا۔

"قتل!" ــــ معمّر یہودی نے کہا ــــ "محمدؐ کا قتل!"

"ایسی جرأت کون کرے گا؟" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "تم کہو گے کہ وہ ایک یہودی ہو گا۔ اگر وہ محمدؐ کے قتل میں ناکام ہو گیا تو بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لو۔ مسلمانوں نے انہیں جس طرح قتل کیا ہے اور ان میں سے زندہ بچ رہنے والے جس طرح دور دراز کے ملکوں کو بھاگ گئے ہیں وہ نہ بھُولو۔"

"خدائے یہودہ کی قسم!" ــــ معمّر یہودی نے کہا ــــ "میری عقل تم سے زیادہ کام نہیں کرتی تو تم سے کم بھی نہیں۔ تم نے جو آج سوچا ہے وہ میں اور لیث بن موشان بہت پہلے سوچ چکے ہیں۔ کوئی یہودی محمدؐ کو قتل کرنے نہیں جائے گا۔"

"پھر وہ کون ہو گا؟"

"وہ قبیلۂ قریش کا ایک آدمی ہے" ــــ بُوڑھے یہودی نے جواب دیا ــــ "لیث بن موشان نے اُسے تیار کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام کر دیا جائے۔"

"اگر تم لوگ بھول نہیں گئے کہ میں بنو قریظہ کا سردار ہُوں تو میں اُس کام کی اجازت کیسے دے سکتا ہُوں جو مجھے معلوم ہی نہ ہو کہ کیسے کیا جائے گا" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "اور مجھے کون بتائے گا کہ اُس آدمی کو اتنے خطرناک کام کے لیے کیسے تیار کیا گیا ہے؟ کیا اُسے ابُوسفیان نے تیار کیا ہے؟ خالد بن ولید نے تیار کیا ہے؟"

"سنو کعب!" ــــ بوڑھے یہُودی نے کہا اور یہودی حسینہ یوحاوہ کی طرف دیکھا۔

"میں یہ بات لیث بن موشان کی موجودگی میں سناؤں تو کیا اچھا نہ ہو گا؟" ــــ یوحاوہ نے کہا ــــ "اُس بات میں اس بزرگ کا عمل دخل زیادہ ہے۔"

"ہم اُس بُوڑھے جادوگر کو کہاں سے بلائیں؟" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں۔"

"وہ یہیں ہے"۔۔۔ بوڑھے یہودی نے کہا۔۔۔ "ہم اُسے ساتھ لائے ہیں اور ہم اُسے بھی ساتھ لائے ہیں جو محمدؐ کو قتل کرے گا۔ اب ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم سب کو امید تھی کہ قریش، غطفان اور ان کے دوست قبائل اسلام کا نام و نشان مٹا دیں گے مگر ہر میدان میں اُنہوں نے شکست کھائی۔ ہم نے اُنہیں مدینہ پر حملے کے لیے اُکسایا تھا۔ وہ یہاں سے بھی بھاگ نکلے.... خدائے یہودہ کی قسم، کعب! تم نے مسلمانوں پر عقب سے حملے نہ کر کے بہت بُرا کیا ہے۔"

"میں اس کی وجہ بتا چکا ہُوں"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔

"وجہ صحیح تھی یا غلط!"۔۔۔ معمّر یہودی نے کہا۔۔۔ "وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اب ہم قریش کی فتح کا انتظار نہیں کر سکتے"۔۔۔ اُس نے یوحاوہ سے کہا۔۔۔ "لیث بن موشان کو بلاؤ.... دُوسرے کو ابھی باہر رکھو۔"

یوحاوہ کمرے سے نکل گئی۔ واپس آئی تو اُس کے ساتھ لیث بن موشان تھا۔ وہ ایک بوڑھا یہودی تھا جس کی عمر ستّر اور اسّی برس کے درمیان تھی۔ اُس کے سر اور داڑھی کے بال دودھ کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ داڑھی بہت لمبی تھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اُس نے اونٹ کے رنگ کی قبا پہن رکھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں لمبا عصا تھا جو اُوپر سے سانپ کے پھن کی طرح تراشا ہُوا تھا۔

لیث بن موشان کو یہودیوں میں جادوگر کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ شعبدہ بازی اور کالے علم میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ وہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُس کے متعلق بہت سی روایات مشہور تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ مُردے کو تھوڑی سی دیر کے لیے زندہ کر سکتا ہے اور وہ کسی بھی مرد یا عورت کو اپنے تابع کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ یہودی اُسے اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ وہ جہاندیدہ اور عالم فاضل تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہُوا تو سب اُس کی تعظیم کو اُٹھے۔ وہ جب بیٹھ گیا تو سب بیٹھے۔

"خاندانِ موشان کی عظمت سے کون واقف نہیں"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "خدائے یہودہ کی قسم، ہم میں سے کوئی بھی آپ کو یہاں بلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یوحاوہ شاید آپ کو لے آئی ہے۔"

"میں پیغمبر نہیں کعب بن اسد!"۔۔۔ لیث بن موشان نے کہا۔۔۔ "میں یہ خوبصورت الفاظ سننے کا عادی نہیں اور تعظیم و احترام کا وقت بھی نہیں۔ کوئی نہ بلاتا تو بھی مجھے آنا تھا۔ تم لوگ اپنے فرض کی ادائیگی میں بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ تم سے یہ لڑکی اچھی ہے جس نے وہ کام کر دیا ہے جو تمہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"معزز موشان!"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "ہم نے ابھی اس انتہائی اقدام کی سوچی نہیں تھی۔ اگر ہم محمدؐ کے قتل جیسا خوفناک ارادہ کرتے بھی تو یوحاوہ کو استعمال نہ کرتے۔ ہم اتنی خوبصورت اور ایسی جوان لڑکی کو استعمال نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"۔۔۔ لیث بن موشان نے کہا۔۔۔ "کیا تم فراموش کر بیٹھے ہو کہ ساری دنیا پر خدائے یہودہ کی حاکمیت ہوگی؟.... داؤد کے ستارے کی قسم، بنی نوع انسان پر بنی اسرائیل کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ہم سب کو قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں انسان کی فطری کمزوریوں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مرد کیا چاہتا ہے؟.... اعلیٰ نسل کے بیس گھوڑے اور بیس غلام یوحاوہ

کے ساتھ کھڑے کر دو۔ کسی سے بھی کہو کہ اُسے جو پسند ہے وہ لے جائے۔ داؤد کے ستارے کی قسم، وہ آدمی بیس گھوڑے اور بیس غلام چھوڑ دے گا اور یوحاوہ کو لے جائے گا۔"

اس محفل پر خاموشی طاری رہی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری بات نہیں سمجھ سکے" — لیث بن موشان نے کہا — "تمہارے دماغوں میں اپنی بیٹیوں کی عصمت سمائی ہوئی ہے ... میری بات غور سے سنو عصمت کا شرم و حیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ہتھیار ہے جو ہمیں اپنے دشمنوں کو بیکار کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ بدی کیا ہے ؟ نیکی کیا ہے ؟ ... میں جانتا ہوں تم مجھے کیا جواب دو گے۔ یہ جواب صحیح ہو گا لیکن جب تم دنیا کے کونے کونے تک یہودیت کو پہنچانے کی بات کرو گے تو بدی اور نیکی کے معنی بدل جائیں گے۔ محمدؐ برائی اور بدی کو ختم کر رہا ہے۔ ہمیں برائی اور بدی پیدا کرنی ہے مگر ہم خود برے اور بدکار نہیں ہوں گے۔ اگر تم روئے زمین پر پھیلی ہوئی نسلِ انسانی کو اپنی غلامی کے جہنم میں ڈالنا چاہتے ہو تو غیر یہودیوں کو جنت دکھاؤ۔ انہیں جنت کی حوریں دکھاؤ۔ انہیں میٹھی شراب پلاؤ —— یہ لوگ بدمست حیوان ہیں۔ ان میں اور زیادہ حیوانیت پیدا کرو۔ یہ مت سوچو کہ اچھا کیا اور برا کیا ہے۔ یہ دیکھو کہ یہودیت کی حاکمیت کے لیے کیا اچھا ہے، خواہ وہ برا ہی ہو" — اس نے یوحاوہ کی طرف دیکھا اور بولا — "انہیں بتاؤ یوحاوہ، انہیں سمجھاؤ۔"

یوحاوہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور اس نے ایک کہانی سنا دی۔

یہ کہانی چند ماہ پہلے مکّہ سے شروع ہوئی تھی۔ یوحاوہ نے شرم و حجاب کے بغیر سب کو سنایا کہ وہ قریش کے تین نامور سالاروں — خالد، عکرمہ اور صفوان — کو اپنے حسن و جوانی کے طلسم میں الگ الگ گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں آپس میں ٹکرانے کی سوچی تھی لیکن ان میں کوئی بھی اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ اُس نے یہ بھی سوچا تھا کہ وہ تینوں کے دلوں میں اپنے سردار ابو سفیان کی نفرت پیدا کر دے گی۔

"... لیکن خالد پتھر ثابت ہوا" — یوحاوہ نے کہا — "اُس نے مجھے دھتکارا نہیں لیکن وہ دلچسپی بھی ظاہر نہ کی جس کی مجھے توقع تھی۔ میرا خیال ہے عکرمہ اور صفوان پر خالد کا ہی اثر ہے۔ یہ تینوں جنگ و جدل کے دلدادہ ہیں۔ اس کے سوا کچھ سوچتے ہی نہیں۔"

یوحاوہ مایوس نہ ہوئی۔ اُس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ خالد سے اس نے توجہ جلدی ہٹالی کیونکہ اُس کے دماغ میں یہی ایک سودا سمایا ہوا تھا کہ مسلمانوں کو میدان میں شکست دینی ہے اور رسولِ اکرمؐ کو میدانِ جنگ میں یا جنگی قیدی بنا کر قتل کرنا ہے۔

ایک روز یوحاوہ مکّہ سے چار میل دور ایک گاؤں میں گئی اور دن کے پچھلے پہر وہاں سے واپس چلی۔ اُس کے ساتھ دو لڑکیاں اور تین آدمی تھے۔ وہ سب یہودی تھے اور دو گھوڑوں والی گاڑی پر سوار تھے۔ ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ وہ صحرائی آندھی آگئی جو ریت کے ٹیلوں کو اڑا لے جاتی ہے۔ ایک تو اُس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ تنومند آدمی بھی پاؤں جما کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اگر جسم کا کوئی حصہ ننگا رہ جائے تو ریت اتنی زور سے ٹکراتی ہے کہ کھال اُترتی محسوس ہوتی ہے۔ اونٹ گھوڑے بے قابو

ہو کر بھاگ اٹھتے ہیں۔

اچانک ریت کی ایک دیوار جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی بڑی تیزی سے آئی اور ان یہودیوں کی گھوڑا گاڑی کو اس دیوار نے نگل لیا فضا لال ہو گئی۔ ریت کے تھپیڑے اتنی زور سے پڑنے لگے جیسے بحری طوفان میں موجیں اٹھ اٹھ کر کشتی میں پڑتی اور کشتی کو جھنجھوڑتی ہیں۔ ٹیلے جڑوں سے اکھڑنے لگے۔ صحرائی آندھی میں رک کر کھڑے ہو جانا بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ ریت اس طرح جسم سے ٹکرا کر وہیں اکٹھی ہونے لگتی ہے جیسے کوئی بیلچے سے ریت پھینک رہا ہو۔ کچھ دیر بعد وہاں ریت کی اونچی ڈھیری بن جاتی ہے اور اس میں ایک انسان دفن ہوتا ہے مگر وہ زندہ رہ نہیں سکتا۔

"آندھی ہمارے پہلو کی طرف سے آئی تھی"۔۔۔ یوحاوہ نے بتایا۔۔۔ "گھوڑے ریت سے لدے ہوئے جھکڑ برداشت نہ کر سکے اور بے لگام ہو گئے۔ انہوں نے اپنا رُخ آندھی کے رُخ کے مطابق کر لیا اور سرپٹ دوڑ پڑے۔ آگے چھوٹے بڑے گڑھے آ گئے۔ گھوڑا گاڑی بڑی زور سے اچھلتی، ڈولتی اور بے لگام گھوڑوں کے رحم و کرم پر اُڑی جا رہی تھی۔ گاڑی کے اندر اس قدر ریت آ رہی تھی کہ اپنا آپ بھی نظر نہیں آتا تھا....

"ایک جگہ گاڑی کے ایک طرف کے پہیئے گڑھے میں چلے گئے یا دوسری طرف کے پہیئے اونچی جگہ چڑھ گئے۔ گاڑی ایک طرف سے اتنی اوپر اٹھ گئی کہ اس کا پہلو کے بل گرنا یقینی تھا لیکن گاڑی نہ گری۔ اس سے اتنا سخت جھٹکا لگا کہ میں جو اُس طرف بیٹھی تھی، لڑھک کر باہر جا پڑی۔ گاڑی آگے نکل گئی۔ میں قلابازیاں کھاتی گئی۔ سنبھل کر اٹھی اور اپنے ساتھیوں کو پکارا مگر آندھی کے زناٹوں اور اس کی چیخوں میں اپنی آواز مجھے بھی مشکل سے سنائی دے رہی تھی۔ میرے ساتھ گاڑی میں جو بیٹھے تھے، انہوں نے شاید مجھے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھا تھا تو ان میں سے کسی نے اتنی ہمت نہ کی کہ میرے پیچھے کود آتا تا کہ میں تنہا نہ رہتی....

"میں اتنی خوفزدہ کبھی نہیں ہوئی تھی اور میں ایسی خوفناک آندھی میں بھی کبھی نہیں پھنسی تھی۔ آندھی میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میرے پیچھے کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ گھوڑے صحیح راستے سے ہٹ کر نہ جانے گاڑی کو کس طرف لے آئے تھے۔ میں چہرے پر کپڑا ڈالے آندھی کے رُخ میں جا رہی تھی۔ پاؤں جمتے نہیں تھے۔"

یوحاوہ کو آندھی دھکیلتی لے جا رہی تھی۔ اچانک آندھی کی چیخیں بہت ہی بلند اور ڈراؤنی ہو گئیں۔ یوحاوہ پہلے تیجے گئی۔ وہ گھاٹی تھی جو وہ آندھی کے زور پر اُتر گئی، پھر وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ یہ ریتلی مٹی کی دیوار تھی۔ یوحاوہ اس پر ہاتھ رکھ رکھ کر آگے چلتی گئی۔ یہ نشیبی جگہ تھی جس میں مٹی کے ٹیلے اور ٹنڈ منڈ سے صحرائی درخت بھی تھے۔ یہاں آندھی کی چیخیں ایسی ہو گئی تھیں جیسے بہت سی عورتیں چیخ چلّا رہی ہوں۔ بعض چیخیں آندھی کی لگتی ہی نہیں تھیں۔ یہ انسانوں کی بھی نہیں لگتی تھیں۔ یہ چڑیلوں یا درندوں کی معلوم ہوتی تھیں۔

یہ یہودی حسینہ جو اپنے آپ کو نڈر اور دلیر سمجھتی تھی، خوف سے رو پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ آندھی

نظم جائے گی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کسی کے ہاتھ چڑھ گئی تو وہ اُسے اُس کے گھر نہیں اپنے گھر لے جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی اُسے خراب کر کے قتل کر جائے۔ رات آ رہی تھی۔ بھیڑیوں کا خطرہ الگ تھا۔ کوئی اور خطرہ نہ ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ وہ مکّہ کے راستے سے بھٹک آئی ہے۔ صحرا میں راستے کی تلاش ناممکن ہوتی ہے۔ بھٹکے ہوئے مسافر کا انجام موت ہوتا ہے۔ وہ تھکن سے نہیں پیاس سے مرتا ہے۔

اُسے اُونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ اُس کی دہشت زدگی بڑھ گئی لیکن اسے آندھی کی آواز سمجھ کر اُس نے دل کو تسلی دے لی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ مٹی کی دیوار پر ہاتھ رکھ رکھ کر جا رہی تھی۔ یہ دیوار بہت بڑا ٹیلہ تھا جو آگے جا کر گھوم گیا۔ اونٹ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی اب یہ آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ اتنی قریب سے کہ یوحاوہ رُک کر پیچھے ہٹ آئی۔ اب اُسے شک نہ رہا۔ یہ اونٹ کی ہی آواز تھی۔

اونٹ اکیلا نہیں ہو سکتا تھا۔ دو تین آدمیوں کا وہاں ہونا ضروری تھا۔ یہ آدمی اُس کے ہمدرد تو نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ گناہ اور بدی کا دَور تھا۔ یوحاوہ نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کس طرف؟ کہاں؟ وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ آندھی ٹیلوں اور خشک درختوں کے درمیان سے گزر کر ہیبت ناک چیخیں پیدا کر رہی تھی۔ یوحاوہ کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ اُسے اپنے اُن آدمیوں پر غصہ آنے لگا جن کے ساتھ وہ گھوڑا گاڑی میں جا رہی تھی۔ انہیں اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ وہ گاڑی سے گر گئی ہے۔

٭

کوئی طاقت تھی جو اُسے دھکیل کر ایک طرف لے گئی۔ وہاں سے دیوار کی طرح سیدھا کھڑا ٹیلہ اندر کو چلا گیا تھا۔ یہ بڑی اچھی اوٹ تھی۔ وہ آندھی کے تھپیڑوں سے محفوظ ہو گئی۔ وہاں تین چار گز دور تک وہ دیکھ بھی سکتی تھی۔ اُسے اونٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ وہ اور اندر گئی تو ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا لیکن اُس نے اندر جانے کی جرأت نہ کی۔ وہ رُک گئی۔

"اندر آ جاؤ"۔۔۔ اُسے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔۔۔"باہر کیوں کھڑے ہو بھائی! اندر آ جاؤ"۔

یوحاوہ کی بے اختیار چیخ نکل گئی اور وہ پیچھے کو دوڑی۔ جوں ہی وہ اس اوٹ سے باہر نکلی، آندھی نے اُس پر اس طرح ریت پھینکی جیسے کسی نے بیلچے سے پھینکی ہو۔ یوحاوہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ ایک آدمی جو پیچھے سے آیا تھا، اُس کے سامنے آن کھڑا ہُوا۔

"اوہ.... تم عورت ہو"۔۔۔ اُس آدمی نے پوچھا۔۔۔"اکیلی ہو؟ تم اکیلی نہیں ہو سکتیں"۔

"میرے ساتھ چار آدمی ہیں"۔۔۔ یوحاوہ نے اپنا چہرہ اوڑھنی میں چھپا کر کہا۔۔۔"اُن کے پاس گھوڑے ہیں۔ اُن کے پاس تلواریں اور برچھیاں ہیں"۔

"کہاں ہیں وہ؟"۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔"تم اُن سے الگ ہو کر ادھر کیوں آ گئی تھیں؟..... انہیں اِدھر لے آؤ۔ بڑا اچھا غار ہے۔ ہم سب آسانی سے اس میں بیٹھ سکیں گے"۔

یوحاوہ وہاں سے نہ ہلی۔ اُس آدمی نے اُسے تین بار کہا کہ وہ اُن آدمیوں کو ساتھ لے آئے لیکن یوحاوہ کی زبان بند ہو گئی تھی۔ اُس آدمی نے جھپٹا مار کر یوحاوہ کی اوڑھنی کھینچ لی۔

"تم اُس یہودی کی بیٹی نہیں ہو؟"—اُس آدمی نے پوچھا اور یوحاوہ کے باپ کا نام لے کر بولا—"تم اکیلی ہو؟"

"ہاں میں اکیلی ہوں"—یوحاوہ نے روتی ہوئی آواز میں کہا—"مجھ پر رحم کرو۔"

یوحاوہ نے اُسے بتادیا کہ یہاں کس طرح پہنچی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ"—اُس آدمی نے کہا اور یوحاوہ کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ لے چلا۔

"ذرا رُکو"—یوحاوہ نے کہا—"تم کتنے آدمی ہو؟ ....کیا تم مجھ پر رحم نہیں کرو گے؟.... تم قبیلۂ قریش کے آدمی ہو شاید!"

"میں اکیلا ہوں"—آدمی نے کہا—"اور میرا قبیلہ قریش ہی ہے۔ میں تم پر رحم ہی کر رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں مکّہ میں اکثر دیکھا ہے"—یوحاوہ نے کہا—"تمہارے نام سے میں واقف نہیں۔"

"میں جریر بن مسیّب ہوں.... میرے ساتھ آؤ۔"

"پھر تم مجھے گھر تک پہنچادو گے؟"—یوحاوہ نے پوچھا—"میں تمہیں ناراض نہیں کروں گی۔"...

اونٹ جس کی آوازیں یوحاوہ نے سُنی تھیں وہ جریر بن مسیّب کا تھا جو باہر کہیں بیٹھا تھا۔ جریر یوحاوہ کو غار میں لے گیا۔ جریر دراز قد، گٹھے ہوئے جسم اور دل کش چہرے مہرے والا جوان آدمی تھا۔ اُس نے غار میں لے جا کر یوحاوہ کو پانی پلایا اور ایک تھیلی اُس کے آگے رکھ دی جس میں کھجوریں تھیں۔

"خاموشی سے بیٹھی رہو"—جریر نے کہا—"آندھی کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا"—ذرا خاموش رہ کر اُس نے یوحاوہ سے پوچھا—"تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں تمہیں ناراض نہیں کروں گی؟"

"تم مجھے گھر پہنچانے کا معاوضہ لو گے"—یوحاوہ نے کہا—"میں اور کیا معاوضہ دے سکتی ہوں؟"

"میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا"—جریر نے کہا—"میں اُن میں سے نہیں ہوں۔ اگر میں نے تمہیں کسی سے لڑ کر چھینا ہوتا تو تم میرا انعام ہوتیں مگر تم نے مجھ سے رحم مانگا ہے۔ رحم کرنے کا معاوضہ کون لیتا ہے؟"

یوحاوہ اُس کے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ جریر بن مسیّب لیٹ گیا۔ یوحاوہ نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یقین ہو گیا کہ جریر کی نیّت میں خرابی نہیں۔ وہ تو اُس کے ساتھ کھُل کر بات بھی نہیں کرتا تھا۔ یوحاوہ پریشان ہو گئی۔

"جریر!"—یوحاوہ نے پوچھا—"کیا میں خوبصورت نہیں؟ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتے؟"

جریر نے قہقہہ لگایا مگر بولا کچھ بھی نہیں۔

"تم کیوں ہنسے ہو؟"—یوحاوہ نے پُوچھا—"میں تمہاری ہنسی سے ڈر گئی ہوں۔"

"خُدا کی قسم، تم بہت خوبصورت ہو" ـــــ جریر نے کہا ـــــ "تم میری پسند کی لڑکی ہو لیکن جس طرح اور جس جگہ تم مجھے مِلی ہو، یہ مجھے پسند نہیں.... میری مردانگی کو مت للکارو۔ تمہارا جسم مجھے بہت اچھا لگتا ہے لیکن میرے دیوتا مجھ پر لعنت بھیجیں گے کہ میں نے مصیبت میں پھنسی ہُوئی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُس کے جسم کو اپنا انعام سمجھ لیا۔"

جریر پھر خاموش ہوگیا۔ یوحاوہ کے دل سے خوف نکلتا چلا گیا اور جریر اُسے بڑا ہی خوبصورت نظر آنے لگا۔

"میں نے جریر کو مکہ میں کئی بار دیکھا تھا" ـــــ یوحاوہ نے کعب بن اسد کے گھر میں سب کو یہ کہانی سناتے ہُوئے کہا ـــــ "لیکن میں نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ اپنے قبیلے میں اسے کوئی رُتبہ یا اونچی حیثیت حاصل نہیں تھی مگر اُس روز غار میں اُس کے پاس تنہا اور بے بس بیٹھ کر مجھے محسوس ہونے لگا کہ یہ تو اونچی حیثیت والے لوگوں سے بھی اونچا ہے....

"آندھی کا زور ٹوٹا تو سورج ڈوب رہا تھا۔ اُس نے مجھے کہا، آؤ چلیں۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے غار سے نکلی۔ کچھ دُور اُس کا اونٹ ٹیلے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ وہ اُونٹ پر بیٹھا اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اُس کے اشارے پر اونٹ اٹھا اور چل پڑا۔ گرد و غبار صاف ہو گیا تھا۔ میں نے وہ جگہ دیکھی۔ وہ بڑی ہی ڈراؤنی جگہ تھی۔ مَیں نے اُس جگہ کے متعلق کچھ پُراسرار باتیں سنی تھیں۔ آندھی میں تو میں دیکھ نہ سکی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ آندھی کے بعد دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بعض ٹیلے انسانوں کی طرح تھے۔ ان کا رنگ بھی ڈراؤنا تھا....

"میں شترسواری جانتی ہُوں۔ اونٹ کو دوڑا سکتی ہُوں لیکن اُس شام جریر کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے ہُوئے میں ڈرنے لگی کہ میں گر پڑوں گی۔ میں نے جریر کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مجھ میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ میں بڑی کمزور لڑکی ہوں اور جریر بن مسیّب میرا محافظ ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہب کے لیے کیا کر رہی ہوں لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اس راستے پر مجھے میرے باپ نے ڈالا ہے۔"

یوحاوہ نے انہیں بتایا کہ جب اہلِ قریش بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر آئے تو اُن کی عورتوں نے بازو لہرا لہرا کر بَین کیے تھے۔ یوحاوہ کا باپ کٹّر یہودی تھا۔ قریش کی شکست پر اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش کے ایک ہزار جنگجو اگر رسولِ خدا کے تین سو تیرہ آدمیوں سے شکست کھا آئے ہیں تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ کوئی جادو لے کے آیا ہے" ـــــ اُس نے کہا تھا ـــــ "محمدؐ کے پیروکار اسی قبیلۂ قریش کے آدمی ہیں۔ وہ آسمان سے نہیں اُترے، پھر وہ جیت کس طرح گئے؟"

اُس وقت یوحاوہ کمسن تھی۔ اگلے روز اُس کے باپ نے گھر والوں کو اپنا خواب سنایا جو اُس نے گذشتہ رات دیکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے جو خون سے لال ہے اور اُس کے سامنے ایک آدمی زمین پر پڑا تڑپ رہا ہے۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہیں۔ یوحاوہ کو معلوم

نہیں کہ یہ کون ہے جسے اُس نے قتل کر دیا ہے۔ اُسے ایک آواز سنائی دیتی ہے ـــــ "یہ کام تمہیں کرنا ہے" ـــــ تڑپتا ہُوا زخمی مر جاتا ہے اور لاش اپنے آپ زمین میں غائب ہو جاتی ہے۔ وہاں سے ایک بڑی خوبصورت اور کمسن لڑکی اُبھرتی ہے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔

اُس پر اس خواب کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ لیث بن موشان کے پاس چلا گیا اور اُس سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ لیث بن موشان نے اُسے بتایا کہ وہ اپنی کمسن بیٹی یوحاوہ کو اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لیے وقف کر دے۔ اس بوڑھے یہودی جادوگر نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے یعنی رسولِ کریم، وہ اس لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوں گے یا یہ لڑکی اُن کی نبوّت کے خاتمے کا ذریعہ بنے گی۔

اُس نے یوحاوہ کے باپ سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یوحاوہ کو اُس کے پاس لے آئے۔

یوحاوہ کو لیث بن موشان کے حوالے کر دیا گیا۔

"میں نے اس لڑکی کی تربیت کی ہے" ـــــ لیث بن موشان نے یوحاوہ کی بات کاٹ کر کہا ـــــ "خدائے یہودہ نے اسے جو حُسن اور جو جسم دیا ہے، یہ ایک دل کش تلوار ہے یا اسے بڑا میٹھا زہر سمجھ لیں۔ اس نے قریش کو مسلمانوں سے ٹکرانے میں جو کام کیا ہے وہ تم میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سرداروں کو اس لڑکی نے قریش کا اتحادی اور محمدؐ کا دشمن بنایا ہے۔ اب اُس نے محمدؐ کے قتل کا جو انتظام مجھ سے کرایا ہے، وہ اسی سے سنو۔"

یوحاوہ نے سنایا کہ لیث بن موشان نے اُس میں ایسی جرأت اور ایسی عقل پیدا کر دی کہ وہ مردوں پر اپنے حُسن کا جادو چلانے کی ماہر ہو گئی۔ حسین لڑکی ہوتے ہُوئے اس میں مردوں جیسی جرأت آ گئی تھی لیکن اُس کا اُستاد اُسے یہ نہ بتا سکا کہ جس نئے عقیدے کو رد کرنے کا اور جس شخصیت کے قتل کا اُنہوں نے ارادہ کر رکھا ہے، وہ عقیدہ خُدا نے اُتارا ہے اور اُس شخصیت کو خدا نے اس عقیدے کے فروغ کے لیے رسالت عطا کی ہے۔

یوحاوہ کی تربیت ایسی ہی ہوئی کہ وہ اپنے مذہب کو دنیا کا واحد سچا مذہب سمجھتی رہی اور یہ نہ سمجھ سکی کہ حق پرستوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خُدا نے آندھی میں اُسے تنہا پھینک دیا لیکن وہ خُدا کا یہ اشارہ نہ سمجھ سکی۔ کہاں وہ جرأت کے معاملے میں اپنے آپ کو مردوں کے برابر سمجھتی تھی، کہاں وہ ایک کمزور اور بے بس لڑکی بن گئی۔

وہ مرد کے جسم سے ناآشنا نہیں تھی۔ جریر بن مسیب کا جسم بھی ایک مرد کا ہی جسم تھا لیکن اس جسم کو وہ مقدّس اور پاک سمجھنے لگی اور جریر اُسے فرشتہ لگنے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اُس کے حسین چہرے ریشم جیسے بالوں اور دل کش جسم سے ذرا سا بھی متاثر نہیں ہُوا تھا۔ یوحاوہ پر جریر کے اس رویّے کا یہ اثر ہُوا کہ وہ جریر کے جسم میں کشش محسوس کرنے لگی۔

مکّہ دور نہیں تھا۔ شام کے بعد جب رات گہری ہو چکی تھی، جریر نے یوحاوہ کو اُس کے گھر پہنچا دیا۔ یوحاوہ کے قلعہ نما مکان کا دروازہ کھلا تو اُس کا باپ پریشان نظر آیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اُس کی بیٹی زندہ واپس آ جائے گی۔ اُنہوں نے جریر کو روک لیا اور شراب سے اُس کی تواضع کی۔ جریر جب

چلا گیا تو یوحاوہ نے اپنی ذات میں خلاء محسوس کیا۔

دوسرے ہی روز اُس نے جریدکو پیغام بھیجا کہ اُسے ملے۔ جریدآ گیا۔ یہ ایک جذباتی ملاقات تھی۔ جرید نے یہ ملاقات جذبات تک ہی رکھی۔ اس کے بعد اُن کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور جرید کے دل میں بھی یوحاوہ کی محبت پیدا ہوگئی۔ یہ محبت پاک رہی۔ یوحاوہ حیران تھی کہ اُس کے اندر پاکیزہ اور والہانہ محبت کے جذبات موجود ہیں۔ ایک روز جرید نے یوحاوہ سے پوچھا کہ وہ اُس کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟

"نہیں" — یوحاوہ نے جواب دیا — "میں تمہارے جسم کی پُوجا کرتی ہُوں۔ شادی ہو گئی تو جذبات مر جائیں گے"۔

"میری بیٹیاں ہیں بیٹا کوئی نہیں" — جرید نے اُسے کہا — "میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہُوں۔ مجھے بیٹا چاہیئے"۔

یوحاوہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ جرید بن مسیّب کی یہ خواہش پُوری کرنا چاہتی تھی۔ اُسے ایک راستہ نظر آ گیا۔

"ہمارا ایک بزرگ ہے لیث بن موشان" — یوحاوہ نے کہا — "اُس کے پاس کوئی علم ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی طاقت ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل کے زور سے تمہیں اسی بیوی سے بیٹا دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ وہ میرا اتالیق ہے"۔

جرید اُس کے ساتھ لیث بن موشان کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

❁

اُن کی دوستی دو آدمیوں یا دو عورتوں کی دوستی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ جب اکٹھے بیٹھتے تو رسولِ اکرم کے خلاف بھی باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے فروغ کو روکنے کے منصوبے بھی بناتے تھے لیکن جرید مسلمانوں کے خلاف کسی جنگی کارروائی میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ یوحاوہ کو اُس کی یہ بات پسند نہیں تھی۔ اُسے وہ اُکساتی اور بھڑکاتی تھی۔

"میرا مذہب تم ہو" — جرید بن مسیّب نے اُسے ایک روز فیصلے کے لہجے میں کہہ دیا تھا — "تم میری بیوی نہیں بن سکتیں تو نہ سہی، میں تمہیں دیکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا"۔

"میں تمہیں ایک راز بتا دیتی ہُوں جرید!" — یوحاوہ نے اُسے کہا تھا — "میں کسی کی بھی بیوی نہیں ہُوں گی۔ میرے باپ نے میری زندگی یہودیّت کے لیے وقف کر دی ہے۔ لیث بن موشان نے مجھے یہ فرض سونپا ہے کہ اسلام کے زیادہ سے زیادہ دشمن پیدا کروں۔ میرے دل میں اپنے مذہب کے بعد صرف تمہاری محبت ہے۔ مجھے تم اپنی ملکیّت سمجھو"۔

ایک روز جرید یوحاوہ کے ساتھ لیث بن موشان سے ملنے اُس کے پاس چلا گیا۔ یوحاوہ اُسے لیث بن موشان کے سامنے لے جانے کی بجائے پہلے خود اندر گئی اور اُس نے لیث کو صاف الفاظ میں بتایا کہ جرید کو وہ محبّت کا دیوتا سمجھتی ہے۔ اس نے لیث بن موشان کو بتایا کہ جرید نے اُسے موت کے منہ سے نکالا تھا۔ اُس نے لیث کو بتایا کہ جرید کی بیٹیاں ہیں بیٹا ایک بھی نہیں۔

"کیا آپ کے علم میں اتنی طاقت ہے کہ جریر کی بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہو؟" — یوحاوہ نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہو سکتا" — لیث بن موشان نے کہا — "پہلے میں اُسے دیکھوں گا پھر بتا سکوں گا کہ مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ اُسے میرے پاس بھیج دو۔"

یوحاوہ نے اُسے اندر بھیج دیا اور خود باہر کھڑی رہی۔ بہت سا وقت گزر جانے کے بعد لیث بن موشان نے جریر کو باہر بھیج کر یوحاوہ کو اندر بلایا۔

"جو شخص تم جیسی خوبصورت اور دل کش لڑکی کے ساتھ اتنا عرصہ پاک محبت کر سکتا ہے وہ بہت ہی مضبوط شخصیت کا آدمی ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "یا وہ اس قدر کمزور شخصیت کا ہو سکتا ہے کہ تمہارے حسن کا جادو اپنے اُوپر طاری کر کے تمہارا غلام ہو جائے۔"

"جریر مضبوط شخصیت کا آدمی ہے" — یوحاوہ نے کہا۔

"جریر کی ذات بہت کمزور ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "میں نے تمہارے متعلق اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ میں نے اس کی ذات میں اُتر کر معلوم کر لیا ہے۔ یہ شخص تمہارے طلسم کا اسیر ہے۔"

"مقدس اتالیق!" — یوحاوہ نے پوچھا — "آپ اس کے متعلق ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ ..... میں اسے ایک بیٹا دینا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کے ساتھ اتنی محبت ہے کہ میں نے یہ بھی سوچ رکھا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو جنم دوں گی۔"

"نہیں لڑکی!" — بوڑھے لیث نے کہا — "تمہاری کوکھ سے اس کا بیٹا جنم نہیں لے گا۔ یہ شخص ذریعہ بنے گا اس فرض کا جو خدائے یہودہ نے مجھے اور تمہیں سونپا ہے۔"

یوحاوہ خاموشی سے لیث بن موشان کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"جسے تم اپنی محبت کا دیوتا سمجھتی ہو وہ اس شخص کو قتل کرے گا جو کہتا ہے کہ اُسے خدا نے نبوت دی ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "جریر سے زیادہ موزوں آدمی اور کوئی نہیں ہوگا۔"

"کیا آپ پیشین گوئی کر رہے ہیں؟" — یوحاوہ نے پوچھا — "یہ کس طرح قتل کرے گا؟"

"اسے میں تیار کروں گا۔"

"یہ تیار نہیں ہوگا" — یوحاوہ نے کہا — "یہ کہا کرتا ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں۔ محمدؐ کو یہ اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ قتل و غارت کو پسند نہیں کرتا۔"

"یہ سب کچھ کرے گا" — بوڑھے لیث نے کہا — "اس کے ذہن پر میرا قبضہ ہوگا۔ تم میرے ساتھ ہو گی۔ تین روز تک یہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔ جب ہم اسے باہر نکالیں گے تو یہ ایک ہی بات کہے گا — کہاں ہے خدا کا نبی! وہ ہم میں سے ہے۔ میں اُسے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"مقدس باپ!" — یوحاوہ نے رندھیائی ہوئی آواز میں التجا کی — "جریر مارا جائے گا۔ یہ واحد شخص ہے ..."

"خدائے یہودہ سے بڑھ کر محبت کے لائق کوئی نہیں" — لیث بن موشان نے کہا — "تمہیں یہ

قربانی دینی ہو گی۔ جریداب مکہ کو واپس نہیں جا تے گا۔"

پھر یوحاوہ بھی مکہ کو واپس نہ گئی، جریدبن مسیّب بھی نہ گیا۔ بوڑھے لیث نے دونوں کو تین دن اور تین راتیں ایک کمرے میں بند رکھا۔ جرید کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اُسے کچھ پلایا اور کچھ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔ اُس نے یوحاوہ کو نیم برہنہ کر کے اس کے ساتھ بٹھا دیا لیث یوحاوہ کو جو کہتا رہا وہ کرتی رہی۔

"یہ ضروری نہیں کہ میں تم سب کو یہ بھی بتاؤں کہ میں نے جرید کے ذہن اور اُس کی سوچوں کو کس طرح اپنے قبضے میں لیا"۔۔۔ لیث نے کہا۔۔۔"میں اُسے ساتھ لایا ہُوں تم اُسے خود دیکھ لو"

لیث بن موشان نے یوحاوہ کو اشارہ کیا۔ یوحاوہ باہر چلی گئی اور جرید بن مسیّب کو اپنے ساتھ لے آئی۔ جرید نے اندر آکر سب کو باری باری دیکھا۔

"وہ یہاں نہیں ہے"۔۔۔ جرید نے کہا۔۔۔"میں اُسے پہچانتا ہوں۔ وہ ہم میں سے ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے"

"ذرا صبر کرو جرید!"۔۔۔ بوڑھے لیث نے کہا۔۔۔"ہم تمہیں اُس تک پہنچائیں گے۔ کل۔۔۔۔ کل جرید! ۔۔۔۔ بیٹھ جاؤ"

جرید یوحاوہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور بازو اُس کی کمر میں ڈال کر اُسے اپنے اور قریب کر لیا۔

اگلی صبح جب مدینہ میں لوگ فتح کی خوشیاں منا رہے تھے اور کعب بن اسد کے گھر رسولِ اکرمؐ اور اسلام کے خلاف بڑی ہی خطرناک سازش تیار ہو چکی تھی، رسولِ کریمؐ کو یاد دلایا گیا کہ بنو قریظہ نے جس کا سردار کعب بن اسد تھا، مدینہ کے محاصرے کے دوران اہلِ قریش اور غطفان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کیا تھا جسے نعیمؓ بن مسعود نے بڑی دانشمندی سے بیکار کر دیا تھا۔

یہ واقعہ بھی دو چار روز پہلے کا تھا جس میں رسول اللہؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی مُخبر کو قتل کیا تھا۔ یہ مُخبر اس چھوٹے سے قلعے میں داخل ہونے کا راستہ دیکھ رہا تھا جس میں مسلمانوں کی عورتوں اور اُن کے بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس یہودی نے ایک عورت کو اپنے مقابلے میں دیکھ کر بڑے رعب اور گھمنڈ سے کہا تھا کہ وہ یہودی ہے اور مُخبری کے لیے آیا ہے۔ حضرت صفیہؓ نے اس کی تلوار کا مقابلہ ڈنڈے سے کیا اور اُسے ہلاک کر دیا تھا۔

"خُدا کی قسم!"۔۔۔ کسی صحابی نے للکار کر کہا۔۔۔"ان یہودیوں پر اعتبار کرنا اور ان کی بدعہدی پر انہیں بخش دینا ایسا ہی ہے جیسے اپنا خنجر اپنے ہی دل میں اتار لیا جائے"

عبداللہ بن محمد بن اسماء اور نافع حضرت ابنِ عمرؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ معرکۂ خندق کے خاتمے پر رسولِ اکرمؐ نے فرمایا۔۔۔"تم میں ہر کوئی نمازِ عصر بنو قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے"

ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔۔۔"میں اب تک لشکرِ جبریلؑ کا گرد و غبار بنو غنم میں اڑتے ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب رسولِ کریمؐ بنو قریظہ کو بدعہدی اور دھوکہ دہی کی سزا دینے گئے تھے"

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کے حکم سے مسلمانوں نے چڑھائی کر دی اور بنو قریظہ کی قلعہ بند بستی کو محاصرے میں لے لیا۔ احادیث کے مطابق سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کے سرداروں کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ اپنی بدعہدی کی سزا خود تجویز کریں۔ سعدؓ بن معاذ زخمی تھے۔ خندق کی لڑائی میں انہیں قبیلہ قریش کے ایک آدمی حبان بن عرفہ کی برچھی لگی تھی۔

لیث بن موشان، یوحاوہ اور یہودیوں کے تین چار سرکردہ آدمی ابھی تک کعب بن اسد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جریر بن مسیّب بھی وہیں تھا۔ انہوں نے اپنی سازش کا وقت رات کا مقرر کیا لیکن ایک یہودی دوڑتا ہوا اندر آیا۔

"مسلمان آرہے ہیں" — اس نے گھبراہٹ سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "صاف نظر آتا ہے کہ وہ دوست بن کر نہیں آرہے۔ گرد بتا رہی ہے کہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہیں۔ گرد دائیں بائیں پھیل رہی ہے.... دیکھو۔ اٹھو اور دیکھو۔"

کعب بن اسد دوڑتا باہر نکلا اور قلعے کے بُرج میں چلا گیا۔ وہاں سے دوڑتا اُترا اور لیث بن موشان کے پاس پہنچا۔

"مقدس موشان!" — کعب بن اسد نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "کیا آپ کا جادو اُن برچھیوں اور تلواروں کو توڑ سکتا ہے جو ہمیں قتل کرنے آرہی ہیں؟"

"روک سکتا ہے" — بوڑھے لیث بن موشان نے کہا — "اگر محمدؐ کا جادو زیادہ تیز ہوا تو میں مجبور ہوں گا.... تم اوپر جا کر کیا دیکھ آئے ہو؟"

"خدائے یہودہ کی قسم!" — کعب بن اسد نے کہا — "یہ مُخبری نعیمؓ بن مسعود نے کی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے.... مسلمان محاصرے کی ترتیب میں آرہے ہیں۔ ہم نکل نہیں سکیں گے۔"

"اِن دونوں کو نکال دو" — لیث بن موشان نے کہا — "یوحاوہ! جریر کو ساتھ لے کر پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آرہا ہوں۔"

"آپ اوپر کیوں نہیں جاتے لیث بن موشان؟" — کعب بن اسد نے کہا — "آپ کا وہ علم اور وہ جادو کہاں گیا جو آپ...."

"تم اس راز کو نہیں سمجھ سکتے" — بوڑھے لیث نے کہا — "موسیٰؑ نے فرعون کو ایک دن میں ختم نہیں کر دیا تھا۔ یہ عصا جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو، وہی ہے جو موسیٰؑ نے دریا میں مارا تھا تو پانی نے انہیں راستہ دے دیا تھا۔ یہ عصا کا کرشمہ تھا کہ فرعون کا لشکر اور وہ خود دریا میں ڈوب کر فنا ہو گیا تھا۔ جس طرح موسیٰؑ اپنے قبیلے کو مصر سے نکال لائے تھے اسی طرح میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔"

یوحاوہ اور جریر بن مسیّب پچھلے دروازے سے نکل گئے اور لیث بن موشان بھی چل پڑا۔

مسلمان جب بنو قریظہ کی بستی کے قریب آئے تو عورتوں اور بچوں میں ہڑبونگ بپا ہو گئی اور بھگدڑ مچ گئی۔ عورتیں اور بچے اپنے گھروں کو بھاگے جا رہے تھے۔ کوئی آدمی مقابلے کے لیے باہر نہ آیا جو مسلمان ٹیکریوں کی طرف سے محاصرے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، انہیں دو آدمی اور ایک عورت نظر آئی۔ تینوں بھاگے جا رہے تھے۔ آدمی جو بوڑھا تھا اور عورت اپنے ساتھی کو گھسیٹ رہے تھے۔ وہ پیچھے کو مڑ مڑ کر دیکھتا اور آگے نہیں چلتا تھا۔

وہ لیث بن موشان، جریدا اور یوحاوہ تھے۔ لیث نے جرید کے ذہن پر قبضہ کر کے اُسے رسولِ کریمؐ کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا لیکن اب جرید اُس کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ اُس عمل کے زیرِ اثر تھا جسے آج ہپناٹزم کہا جاتا ہے۔ یوحاوہ اپنی محبت کی خاطر اُسے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی اُسے یہی ایک خطرہ نظر آ رہا تھا کہ جرید مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائے گا اور لیث جرید کو اس لیے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش میں تھا کہ اُسے کسی اور موقع پر رسول اللہؐ کے قتل کے لیے استعمال کرے گا لیکن جرید لیث کے عملِ تنویم کے زیرِ اثر بار بار کہتا تھا "کہاں ہے وہ جو اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا ہے..... وہ ہم میں سے ہے..... وہ میرے ہاتھوں قتل ہوگا..... مجھے چھوڑ دو..... مجھے مدینہ جانے دو۔"

ایک مسلمان نے ٹیکری پر کھڑے ہو کر انہیں للکارا اور رکنے کو کہا۔ لیث اور یوحاوہ نے پیچھے دیکھا اور وہ جرید کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جرید نے تلوار نکال لی۔

"کہاں ہے محمدؐ!" — جرید نے تلوار لہرا کر ٹیکری کی طرف آتے ہوئے کہا — "وہ ہم میں سے ہے۔ میں اُسے پہچانتا ہوں۔ میں اُسے قتل کروں گا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے..... یوحاوہ میری ہے" — وہ للکارتا آ رہا تھا — "یوحاوہ ہبل اور عزیٰ سے زیادہ مقدس ہے۔ سامنے لاؤ اپنے نبی کو۔"

کون مسلمان اپنے اللہ کے رسولؐ کی اتنی توہین برداشت کرتا۔ جس مسلمان نے ان تینوں کو للکارا تھا اُس نے کمان میں تیر ڈالا اور دوسرے لمحے یہ تیر جرید بن مسیّب کی دائیں آنکھ میں اُتر کر کھوپڑی کے دُور اندر پہنچ چکا تھا۔ جرید کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ دائیں آنکھ پر چلا گیا اور اُس نے تیر کو پکڑ لیا۔ وہ رک گیا، اس کا جسم ڈولا، پھر اُس کے گھٹنے زمین سے جا لگے۔ اُس کا وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی، اس طرح زمین سے لگا کہ تلوار کی نوک اوپر کو تھی۔ جرید بڑی زور سے آگے کو گرا۔ تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ میں اُتر گئی۔ وہ ذرا سا تڑپا اور ہمیشہ کے لیے بے حس و حرکت ہو گیا۔

سعد بن معاذؓ جو زخمی تھے، کعب بن اسد کے دروازے پر جا رُکے اور دستک دی۔ کعب نے غلام کو بھیجنے کی بجائے خود دروازہ کھولا۔

"بنو قریظہ کے سردار!" — سعد بن معاذؓ نے کہا — "تیرے قبیلے کے بچے بچے نے دیکھ لیا ہے کہ تیری بستی ہمارے گھیرے میں ہے۔ کیا تو کہہ سکتا ہے کہ تو نے وہ گناہ نہیں کیا جس کی سزا آج تیرے پورے قبیلے کو ملے گی؟ کیا تو نے سوچا نہیں تھا کہ بدعہدی کی سزا کیا ہے؟"

"مجھے انکار نہیں" — کعب بن اسد نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا — "لیکن میں نے وہ گناہ کیا نہیں جو ابوسفیان مجھ سے کرانا چاہتا تھا۔"

"اس لیے نہیں کیا کہ تو اُس سے یرغمال میں اونچے خاندانوں کے آدمی مانگتا تھا" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "اس سے پہلے تو نے اُسے کہہ دیا تھا کہ تیرا قبیلہ مدینہ کے اُن مکانوں پر شبخون مارے گا جن میں ہماری عورتیں اور ہمارے بچّے تھے۔ تُو نے ایک مخبر بھی بھیجا تھا۔ بدبخت انسان! تو یہ سوچ سکا کہ مسلمانوں کی صرف ایک عورت بیدار ہوئی تو وہ یہودیوں کی شیطانیّت کو صرف ایک ڈنڈے سے کچل دے گی۔"

"میں جانتا ہوں تمہیں نعیمؓ بن مسعود نے خبر دی ہے کہ میں نے تم سے بدعہدی کی ہے" کعب بن اسد نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ "تم یہ جان لو کہ یہ خبر غلط نہیں ہیں نے جو کچھ کیا وہ اپنے قبیلے کی سلامتی کے لیے کیا تھا۔"

"اب اپنے قبیلے کے لیے سزا خود ہی مقرر کر دے" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "تو جانتا ہے کہ معاہدہ توڑنے والے قبیلے کو کیا تاوان دینا پڑتا ہے۔ اگر تُو خود اپنی سزا کا فیصلہ نہیں کرتا تو بھی تجھے معلوم ہے کہ تیرے قبیلے کا انجام کیا ہوگا۔ کیا تو بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام بھول گیا ہے؟ مجھے اِس زخم کی قسم جو میں نے خندق کی لڑائی میں کھایا ہے، تیرے قبیلے کا انجام اُن سے زیادہ بُرا ہوگا۔"

"ہاں سعد!" کعب بن اسد نے کہا۔ "میں جانتا ہوں میرے قبیلے کا انجام کیا ہوگا۔ ہمارے بچّے اور ہماری عورتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ معاہدے کے مطابق میرے قبیلے کے تمام مردوں کو قتل کر دو اور ہماری عورتوں اور ہمارے بچّوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہ زندہ تو رہیں گے۔"

"صرف زندہ نہیں رہیں گے" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "وہ خدا کے سچے نبیؐ کے پیروکار بن کر باعزت زندگی بسر کریں گے ۔۔۔۔ اپنے تمام آدمیوں کو باہر نکالو۔"

سعد بن معاذؓ واپس آ گئے۔

"یارسول اللہ!" انہوں نے رسولِ کریمؐ سے کہا۔ "بنو قریظہ نے اپنی سزا خود مقرر کی ہے۔ اِن میں جو آدمی لڑنے کے قابل ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے اور عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کو اپنی تحویل میں لے لیا جائے۔"

سب نے دیکھا کہ بنو قریظہ کے لوگ قلعے سے باہر آ رہے تھے۔ محاصرے میں سے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی تاریخ فتنہ و فساد اور بدعہدی سے بھری پڑی تھی اسے خدا کی دھتکاری ہوئی قوم کہا گیا تھا۔ ان کے ساتھ جس نے بھی نرمی برتی، اُسے یہودیوں نے نقصان پہنچایا۔ چنانچہ بنو قریظہ کو بخش دینا بڑی خطرناک حماقت تھی۔ مسلمانوں نے اس قبیلے کے ایسے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو لڑنے کے قابل تھے اور بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

دو مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی تو یہودیوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے پچیس روز بنو قریظہ کو محاصرے میں لئے رکھا۔ آخر یہودیوں نے رسولِ اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ سعد بن معاذؓ کو اُن کے پاس صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ چنانچہ سعد بن معاذؓ گئے اور یہ فیصلہ کر آئے کہ بنو قریظہ کے آدمیوں کو قتل کر دیا جائے اور اُن کی عورتوں اور بچّوں کو مالِ غنیمت میں لے لیا جائے جن یہودیوں کو قتل کیا گیا اُن کی تعداد چار سو تھی۔

زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بنو قریظہ نے مقابلہ نہیں کیا اور اپنے کئے کی سزا پانے کے لیے قلعے سے نکل آئے۔

مدینہ میں یہودیوں کے قتلِ عام کے ساتھ یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس سے پہلے مسلمانوں نے یہودیوں کے دو قبیلوں، بنو نضیر اور بنو قینقاع کو ایسی ہی بدعہدی اور فتنہ پردازی پر ایسی ہی سزا دی تھی۔ ان قبیلوں کے بچے کھچے یہودی شام کو بھاگ گئے تھے۔ شام میں ایرانیوں کی حکومت تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ ہرقل نے حملہ کرکے شام پر قبضہ کرلیا۔ یہودیوں نے اس کے ساتھ بھی بدعہدی کی۔ اِدھر مدینہ میں مسلمان بنو قریظہ کو قتل کر رہے تھے، اُدھر ہرقل بنو نضیر اور بنو قینقاع کا قتلِ عام کر رہا تھا۔

ایک حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ہشام بن عروہ نے بیان کی ہے کہ سعد بن معاذؓ کے فیصلے کو رسولِ کریمؐ نے قبول فرمالیا اور بنو قریظہ کے یہودیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ ہشام بن عروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اُن کے والدِ بزرگوار نے انہیں یہ واقعہ سنایا تھا کہ سعد بن معاذؓ کو سینے میں برچھی لگی تھی جب بنو قریظہ کو سزا دی جا چکی تو رسول اللہؐ کے حکم سے سعد بن معاذؓ کے لیے مسجد کے قریب ایک خیمہ لگا کر اس میں انہیں رکھا گیا تاکہ اُن کے زخم کی دیکھ بھال آسانی سے ہوتی رہے۔

سعد بن معاذؓ اس خیمے میں لیٹ گئے لیکن اُٹھ بیٹھے اور اُنہوں نے خدا سے دعا مانگی، کہ اُن کی ایک ہی خواہش ہے کہ ہر اُس قوم کے خلاف لڑیں جو اللہ کے رسولؐ کو سچا نبیؐ نہیں سمجھتی مگر لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ اُنہوں نے خدا سے التجا کی مسلمانوں کو کوئی اور لڑائی لڑنی ہے تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لیے زندگی عطا فرما۔ اگر یہ سلسلہ ختم ہوگیا ہے تو میرے زخم کو کھول دے کہ میں تیری راہ میں جان دے دوں۔

سعد بن معاذؓ کی یہ دعا تین چار آدمیوں نے سنی تھی لیکن اُنہوں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ صبح کسی نے دیکھا کہ سعد بن معاذؓ کے خیمے سے خون بہہ بہہ کر باہر آرہا تھا۔ خیمے میں جا کر دیکھا سعد بن معاذؓ شہید ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے خدا سے شہادت مانگی تھی۔ خدا نے اُن کی دعا قبول کر لی۔ اُن کے سینے کا زخم کُھل گیا تھا۔

بنو قریظہ کی تباہی کی خبر مکہ پہنچی تو سب سے زیادہ خوشی اُبو سفیان کو ہوئی۔

"خدا کی قسم، بنو قریظہ کو اُس بدعہدی کی سزا ملی ہے جو اُس کے سردار کعب بن اسد نے ہمارے ساتھ کی تھی"۔ اُبو سفیان نے کہا۔ "اگر اُس کا قبیلہ مدینے پر شبخون مارتا رہتا تو فتح ہماری ہوتی اور ہم بنو قریظہ کو موت کی بجائے مالِ غنیمت دیتے ....کیوں خالد! کیا بنو قریظہ کا انجام بہت بُرا نہیں ہوا؟"

خالد نے اُبو سفیان کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات اچھی نہ لگی ہو۔

"کیا تم بنو قریظہ کے اس انجام سے خوش نہیں ہو خالد؟" اُبو سفیان نے پوچھا۔

"مدینہ سے پسپائی کا دُکھ اتنا زیادہ ہے کہ بڑی سے بڑی خوشی بھی میرا یہ دُکھ ہلکا نہیں کر سکتی"۔ خالد نے کہا۔ "بدعہد کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہودیوں نے کس کے ساتھ وفا کی ہے؟ اپنی بیٹیوں کو یہودیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے دوسری قوموں کے آدمیوں کی عیاشی کا ذریعہ بنانے والی قوم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"۔

"ہمیں مسلمانوں نے نہیں طوفانی آندھی نے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا تھا"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔
"ہمارے پاس خوراک نہیں رہی تھی۔"

"تم لڑنا نہیں چاہتے تھے"۔۔۔ خالد نے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔

خالد اب خاموش رہنے لگا تھا۔ اُسے کوئی زبردستی بلاتا تو وہ جھنجھلا اُٹھتا۔ اُس کے قبیلے کا سردار ابوسفیان اُس سے گھبرانے لگا تھا۔ خالد اُسے بزدل کہتا تھا۔ خالد نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے گا لیکن اُسے جب میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی جنگی چالیں اور اُن کا جذبہ یاد آتا تھا تو وہ دل ہی دل میں رسولِ اکرمؐ کو خراجِ تحسین پیش کرتا تھا۔ ایسا عسکری جذبہ اور ایسی عسکری فہم و فراست قریش میں ناپید تھی۔ یہ فہم و فراست خالد میں تھی لیکن اپنے قبیلے سے اسے تعاون نہیں ملتا تھا۔

آج جب وہ مدینہ کی طرف اکیلا جا رہا تھا تو اُسے معرکہ خندق سے پسپائی یاد آ رہی تھی۔ اُسے غصہ بھی آ رہا تھا اور وہ شرمسار بھی ہو رہا تھا۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے ایک سال کس طرح گذارا تھا۔ وہ مدینہ پر ایک اور حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اہلِ قریش مدینہ کا نام سُن کر دبک جاتے تھے۔

آخر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ اُسے یہ خبر ابوسفیان نے سنائی تھی۔

" مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے صرف اس لیے آ رہے ہیں کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ قبیلۂ قریش محمدؐ سے ڈرتا ہے"۔۔۔ خالد نے ابوسفیان سے کہا۔"کیا تم نے اپنے قبیلے کو کبھی بتایا ہے کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کر سکتے ہیں؟ کیا قبیلہ حملہ روکنے کے لیے تیار ہے؟"

"اب اس بحث کا وقت نہیں کہ ہم نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔"مجھے اطلاع دینے والے نے بتایا ہے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے۔۔۔۔ تم کچھ سوچ سکتے ہو؟"

"میں سوچ چکا ہوں"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔ "مجھے تین سو سوار دے دو۔ میں مسلمانوں کو راستے میں روک لوں گا۔ میں کرعُ الغمیم کی پہاڑیوں میں گھات لگاؤں گا۔ وہ اسی درّے سے گذر کر آئیں گے۔ میں انہیں ان پہاڑیوں میں گھیر کر ماروں گا۔"

"تم جتنے سوار چاہو لے لو"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔"اور فوراً روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ درّے سے گذر آئیں۔"

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ اس خبر نے اُس کے جسم میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اُس نے اُسی روز تین سو سوار تیار کر لیے۔ مخبر نے مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار چار سو بتائی تھی۔ ان میں زیادہ تر لشکری پیادہ تھے۔ خالد خوش تھا کہ اپنے سواروں کی قیادت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اب ابوسفیان اُس کے سر پر سوار نہیں تھا۔ سب فیصلے اُسے خود کرنے تھے۔۔۔ وہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

خالد کچھ دیر آرام کرکے اور گھوڑے کو پانی پلا کر چل پڑا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو تھکنے نہیں دیا تھا۔ مکّہ سے گھوڑا آرام آرام سے چلتا آیا تھا۔ خالد بڑی مضبوط شخصیّت کا آدمی تھا۔ اُس کے ذہن میں خواہشیں کم اور ارادے زیادہ ہُوا کرتے تھے۔ وہ ذہن کو اپنے قبضے میں رکھا کرتا تھا، مگر مدینہ کو جاتے ہوئے ذہن اُس پر قابض ہو جاتا تھا۔ یادوں کے تھپیڑے تھے جو اُسے طوفانی سمندر میں بہتی ہوئی کشتی کی طرح بیخ رہے تھے۔ کبھی اُس کی ذہنی کیفیت ایسی ہو جاتی جیسے وہ مدینہ بہت جلدی پہنچنا چاہتا ہو اور کبھی یوں جیسے اُسے کہیں بھی پہنچنے کی جلدی نہ ہو۔ اُس کی آنکھوں کے آگے منزل سراب بن جاتی اور دُور ہی دُور ہٹتی نظر آتی تھی۔

گھوڑا اپنے سوار کے ذہنی خلفشار سے بے خبر چلا جا رہا تھا۔

سوار نے اپنے سر کو جھٹک کر گرد و پیش کو دیکھا۔ وہ ذرا بلند جگہ پر جا رہا تھا۔ افق سے اُحد کا سلسلۂ کوہ اوراوپر اُٹھ آیا تھا۔ خالد کو معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد ان پہاڑیوں کے قریب سے مدینے کے مکان اُبھرنے لگیں گے۔

اُسے ایک بار پھر خندق اور پسپائی یاد آئی اور اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں چار سو یہودیوں کا قتل بھی یاد آیا۔ بنو قریظہ کی اس تباہی کی خبر پر قریش کا سردار ابُو سفیان تو بہت خوش ہُوا تھا مگر خالد کو نہ خوشی ہُوئی نہ افسوس ہُوا تھا۔

"قریش یہودیوں کی فریب کاریوں کا سہارا لے کر محمدؐ کے پیروکاروں کو شکست دینا چاہتے ہیں" — خالد کو خیال آیا۔ اُس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا جیسے اس خیال کو ذہن سے صاف کر دینا چاہتا ہو۔

اُس کا ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ گھنٹیوں کی مترنّم آوازیں اُسے ماضی سے نکال لائیں۔

اُس نے دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں طرف وسیع نشیب تھا۔ خالد اُوپر اُوپر جا رہا تھا۔ نیچے چار اونٹ چلے آرہے تھے۔ اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ ان کے پہلو میں ایک گھوڑا تھا۔ اونٹوں پر دو عورتیں، چند بچّے اور دو آدمی سوار تھے۔ اونٹوں پر سامان بھی لدا ہُوا تھا۔ گھوڑ سوار بُوڑھا آدمی تھا۔ اُن کی رفتار تیز تھی۔ خالد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔

اونٹوں کا یہ مختصر سا قافلہ اُس کے قریب آگیا۔ بوڑھے گھوڑ سوار نے اُسے پہچان لیا۔

"تمھارا سفر آسان ہو ولید کے بیٹے!" — بوڑھے نے بازو بلند کر کے لہرایا اور بولا — "نیچے آ جاؤ۔ کچھ دُور اکٹھے چلیں گے۔"

خالد نے گھوڑے کی لگام کو ایک طرف جھٹکا دیا اور ہلکی سی ایڑ لگائی۔ گھوڑا نیچے اُتر گیا۔

"ہا! ہا!" — خالد نے اپنا گھوڑا بوڑھے کے گھوڑے کے پہلو میں لے جا کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا — "ابوجریج!..... اور یہ سب تمھارا خاندان ہے۔"

"ہاں!۔۔۔ بوڑھے ابوجریج نے کہا ۔۔۔ "یہ میرا خاندان ہے.... اور تم خالد بن ولید! کدھر کا رُخ کیا ہے؟ مجھے یقین ہے تم مدینہ کو نہیں جا رہے..... مدینہ میں تمہارا کیا کام؟"

یہ قبیلہ غطفان کا ایک خاندان تھا جو نقل مکانی کر کے کہیں جا رہا تھا۔ ابوجریج نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ خالد مدینہ کو نہیں جا رہا تو خالد نے اُسے بتانا مناسب بھی نہ سمجھا۔

"اہلِ قریش کیا سوچ رہے ہیں؟ ۔۔۔ ابوجریج نے کہا ۔۔۔ "کیا یہ صحیح نہیں کہ محمدؐ کو لوگ نبی مانتے ہی چلے جا رہے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوگا کہ ایک روز مدینہ والے مکہ پر چڑھ دوڑیں گے اور اُبوسفیان ان کے آگے ہتھیار ڈال دے گا؟"

"جو سردار اپنی شکست کا انتقام لینا ضروری نہیں سمجھتا وہ ہتھیار ڈالنے کو بھی بُرا نہیں سمجھے گا" ۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کرنے گئے تھے تو مدینے والوں نے اپنے اردگرد خندق کھود لی تھی؟ ۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "ہم خندق پھلانگ سکتے تھے۔ میں خندق پھلانگ گیا تھا عکرمہ بھی خندق کے پار چلا گیا تھا مگر ہمارا لشکر جس میں تمہارے قبیلے کے جنگجو بھی تھے، دُور کھڑا تماشہ دیکھتا رہا تھا۔ مدینہ سے پسپا ہونے والا سب سے پہلا آدمی ہمارا سردار ابوسفیان تھا۔"

"میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی ابنِ ولید!" ۔۔۔ ابوجریج نے اپنا ایک ہاتھ جو ضعیفی سے کانپ رہا تھا، خالد کے آگے کر کے کہا ۔۔۔ "میرا جسم ذرا سا بھی ساتھ دیتا تو میں بھی اُس معرکے میں اپنے قبیلے کے ساتھ ہوتا..... اُس روز میرے آنسو نکل آئے تھے جس روز میرا قبیلہ مدینہ سے پسپا ہو کر لَوٹا تھا... اگر کعب بن اسد دھوکہ نہ دیتا اور مدینہ پر تین چار شب خون مار دیتا تو فتح یقیناً تمہاری ہوتی۔"

خالد جھنجھلا اُٹھا۔ اُس نے ابوجریج کو قہر کی نظروں سے دیکھا اور چُپ رہا۔

"کیا تم نے سُنا تھا کہ یوحاوہ یہودن نے تمہارے قبیلے کے ایک آدمی جرید بن مسیّب کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کر لیا تھا؟" ۔۔۔ ابوجریج نے پوچھا۔

"ہاں!" ۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "سُنا تھا.... اور مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ جرید بن مسیّب میرے قبیلے کا آدمی تھا.... کہاں ہے وہ؟ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ اُس کا پتہ نہیں چلا۔ میں نے سُنا تھا کہ یوحاوہ یہودن اُسے اپنے ساتھ یہودی جادوگر لیث بن موشان کے پاس لے گئی تھی اور اُس نے جرید کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا مگر مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے لیث بن موشان کا جادو جواب دے گیا۔ جرید بن مسیّب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بنو قریظہ میں سے زندہ بھاگ جانے والے صرف دو تھے۔ لیث بن موشان اور یوحاوہ۔"

"اب صرف ایک زندہ ہے" ۔۔۔ ابوجریج نے کہا ۔۔۔ "لیث بن موشان.... صرف لیث بن موشان زندہ ہے۔"

"اور جرید اور یوحاوہ؟"

"وہ بد روحیں بن گئے تھے" ۔۔۔ اُبوجریج نے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں اُن کی کہانی سُنا سکتا ہوں تم نے یوحاوہ کو دیکھا تھا۔ وہ مکہ کی ہی رہنے والی تھی۔ اگر تم کہو گے کہ اُسے دیکھ کر تمہارے دل میں ہلچل نہیں ہوتی تھی اور تم اپنے اندر حرارت سی محسوس نہیں کرتے تھے تو خالد! میں کہوں گا کہ تم جھوٹ بول

رہے ہو۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا تھا کہ مدینہ پر حملے کے لیے غطفان اہلِ قریش سے کیوں جا ملا تھا اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں نے کیوں ابوسفیان کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا؟ .... یہ یوحادہ اور اُس جیسی چار یہودنوں کا جادو چلا تھا۔"

★

گھوڑے اور اونٹ چلے جا رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی گھنٹیاں بوڑھے ابوجریج کے بولنے کے انداز میں جل ترنگ کا ترنم پیدا کر رہی تھیں۔ خالد انہماک سے سن رہا تھا۔

"جریدبن مسیّب یوحادہ کے عشق کا اسیر ہو گیا تھا" — ابوجریج کہہ رہا تھا — "تم نہیں جانتے ابنِ ولید! یوحادہ کے دل میں اپنے مذہب کے سوا کسی آدمی کی محبت نہیں تھی۔ وہ جرید کو اپنے طلسم میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ میں لیث بن موشان کو جانتا ہوں۔ جوانی میں ہماری دوستی تھی۔ جادوگری اور شعبدہ بازی اُس کے باپ کا فن تھا۔ باپ نے یہ فن اُسے ورثے میں دیا تھا.... تم میری بات سن رہے ہو ولید کے بیٹے یا اُکتا رہے ہو؟ .... اب میں باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

خالد ہنس پڑا اور بولا — "سن رہا ہوں ابوجریج! غور سے سن رہا ہوں۔"

"یہ تو تمہیں معلوم ہو گا کہ جب ہمارے لشکر کو مسلمانوں کی خندق اور آندھی نے مدینے کا محاصرہ اٹھا کر پسپائی پر مجبور کر دیا تو محمدؐ نے بنو قریظہ کی بستی کو گھیر لیا تھا" — ابوجریج نے کہا — "لیث بن موشان اور یوحادہ جرید بن مسیّب کو وہیں چھوڑ کر نکل بھاگے۔"

"ہاں ہاں ابوجریج!" — خالد نے کہا — "مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"میں جانتا ہوں تم میری باتوں سے اُکتا گئے ہو" — ابوجریج نے ہنستے ہوئے کہا — "تم میری پوری بات نہیں سن رہے۔"

"مجھے یہ بات وہاں سے سناؤ" — خالد نے کہا — "جہاں سے میں نے پہلے نہیں سنی۔ میں وہاں تک جانتا ہوں کہ جرید بن مسیّب اسی پاگل پن کی حالت میں مارا گیا تھا جو اس بوڑھے یہودی شعبدہ باز نے اُس پر طاری کیا تھا اور وہ خود یوحادہ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل بھاگا تھا۔"

"پھر یوں ہوا" — ابوجریج نے کہا — "اُحد کی پہاڑیوں کے اندر جو بستیاں آباد ہیں وہاں کے رہنے والوں نے ایک رات کسی عورت کی چیخیں سنیں۔ تین چار دلیر قسم کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر تلواریں اور برچھیاں اٹھائے سرپٹ دوڑے گئے لیکن اُنہیں وہاں کوئی عورت نظر نہ آئی اور چیخیں بھی خاموش ہو گئیں۔ وہ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر واپس آ گئے۔"

"یہ چیخیں صحرائی لومڑیوں یا کسی بھیڑیئے کی بھی ہو سکتی تھیں" — خالد نے کہا۔

"بھیڑیئے اور عورت کی چیخ میں بہت فرق ہے" — ابوجریج نے کہا — "لوگ اسے کسی مظلوم عورت کی چیخیں سمجھے تھے۔ وہ یہ سمجھ کر چپ ہو گئے کہ کسی عورت کو ڈاکو لے جا رہے ہوں گے یا وہ کسی ظالم خاوند کی بیوی ہو گی اور وہ سفر میں ہوں گے لیکن اگلی رات یہی چیخیں ایک اور بستی کے قریب سنائی دیں۔ وہاں کے چند آدمی بھی ان چیخوں کے تعاقب میں گئے لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد دوسری تیسری رات کچھ دیر کے لیے یہ نسوانی چیخیں سنائی دیتیں اور رات کی خاموشی میں تحلیل ہو جاتیں...

"پھر ان پہاڑوں کے اندر رہنے والے لوگوں نے بتایا کہ اب چیخوں کے ساتھ عورت کی پکار بھی سنائی دیتی ہے ـــــ 'جریر، جریر! کہاں ہو؟ آجاؤ، آجاؤ' ـــــ وہاں کے لوگ جریر نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتے تھے۔ اُن کے بزرگوں نے کہا کہ یہ کسی مرے ہوئے آدمی کی بد روح ہے جو عورت کے روپ میں چیخ چلا رہی ہے۔"

ابوجریج کے بولنے کے انداز میں ایسا تاثر تھا جو ہر کسی کو متاثر کر دیا کرتا تھا لیکن خالد کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ قبیلہ غطفان کے اس بوڑھے کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔

"لوگوں نے اُس راستے سے گزرنا چھوڑ دیا جہاں یہ آوازیں عموماً سنائی دیا کرتی تھیں" ـــــ ابوجریج نے کہا ـــــ "ایک روز یوں ہُوا کہ دو گھوڑ سوار جو بڑے لمبے سفر پر تھے، ایک بستی میں گھوڑے سرپٹ دوڑاتے پہنچے۔ گھوڑوں کا پسینہ یوں پھوٹ رہا تھا جیسے وہ پانی میں سے گزر کر آئے ہوں۔ ہانپتے کانپتے سواروں پر خوف طاری تھا۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے کہ انہیں کسی عورت کی پکار سنائی دی ـــــ 'جریر! ٹھہر جاؤ۔ جریر، ٹھہر جاؤ میں آ رہی ہوں' ـــــ ان گھوڑ سواروں نے اُدھر دیکھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک عورت کھڑی ان گھوڑ سواروں کو پکار رہی تھی۔ وہ تھی تو دُور لیکن جوان لگتی تھی۔ وہ پہاڑی سے اُترنے لگی تو دونوں گھوڑ سواروں نے ڈر کر ایڑ لگا دی....

"سامنے والی چٹان گھومتی تھی۔ گھوڑ سوار اس کے مطابق وادی کے اندر گھوم گئے۔ انہیں تین چار مزید موڑ مڑنے پڑے۔ گھبراہٹ میں وہ راستے سے بھٹک گئے تھے۔ وہ ایک اور موڑ مڑے تو اُن کے سامنے تیس چالیس قدم دُور ایک جوان عورت کھڑی تھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ نیم برہنہ تھی۔ اُس کا چہرہ لاش کی مانند سفید تھا۔ گھوڑ سواروں نے گھوڑے روک لیے۔ عورت نے دونوں بازو اُن کی طرف پھیلا کر اور آگے کو دوڑتے ہوئے کہا ـــــ 'میں تم دونوں کے انتظار میں بہت دنوں سے کھڑی ہوں' ـــــ دونوں گھوڑ سواروں نے وہیں سے گھوڑے موڑے اور ایڑ لگا دی۔" ـــــ بوڑھا ابوجریج بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ خالد کی ران پر رکھا اور بولا ـــــ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دیر کے لیے رُک جائیں۔ پھر نہ جانے تم کب ملو۔ تمہارا باپ ولید بڑا زبردست آدمی تھا۔ تم میرے ہاتھوں میں پیدا ہوئے تھے۔ میں تمہاری خاطر تواضع کرنا چاہتا ہوں۔ روکو گھوڑے کو اور اُتر آؤ۔"

یہ قافلہ وہیں رُک گیا۔

★

"وہ کسی مرے ہوئے آدمی یا عورت کی بدروح ہی ہو سکتی تھی" ـــــ ابوجریج نے بُھنا ہُوا گوشت خالد کے آگے رکھتے ہوئے کہا ـــــ "کھاؤ، ولید کے بیٹے!.... پھر ایک خوفناک واقعہ ہو گیا۔ ایک بستی میں ایک اجنبی اس حالت میں آن گرا کہ اُس کے چہرے پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے خُون بہ رہا تھا۔ اُس کے کپڑے پھٹے ہُوئے تھے اور جسم پر بھی خراشیں تھیں۔ وہ گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس کے زخم دھوئے اور اُس کے مُنہ میں پانی ڈالا۔ وہ جب ہوش میں آیا تو اُس

نے بتایا کہ وہ دو چٹانوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ ایک چٹان کے اوپر سے ایک عورت چیختی چلاّتی اتنی تیزی سے اُتری جتنی تیزی سے کوئی عورت نہیں اُتر سکتی....

"یہ آدمی اس طرح رُک گیا جیسے دہشت زدگی نے اُس کے جسم کی قوّت سلب کر لی ہو۔ وہ عورت اتنی تیزی سے آرہی تھی کہ رُک نہ سکی۔ وہ اس آدمی کے ساتھ ٹکرائی اور چیخ نما آواز میں بولی ۔۔۔ 'تم آ گئے جرید! میں جانتی تھی تم زندہ ہو۔ آؤ چلیں'....

"اُس شخص نے اُسے بتایا کہ وہ جرید نہیں لیکن وہ عورت اُسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتی رہی اور کہتی رہی ۔۔۔ 'تم جرید ہو۔ تم جرید ہو' ۔۔۔ اس شخص نے اُس سے آزاد ہونے کی کوشش میں اُسے دھکا دیا۔ وہ گر پڑی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ آدمی اُسے کوئی پاگل عورت سمجھ کر وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس طرح اُس کی طرف آئی کہ اُس کے دانت بھیڑیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے اور اُس نے ہاتھ اس طرح آگے کر رکھے تھے کہ اُس کی انگلیاں درندوں کے پنجوں کی طرح ٹیڑھی ہو گئی تھیں۔ یہ آدمی ڈر کر اُلٹے قدم پیچھے ہٹا اور ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر پیٹھ کے بل گرا۔ یہ عورت اس طرح اُس پر گری اور پنجے اُس کے چہرے پر گاڑ دیئے جیسے بھیڑیا اپنے شکار کو پنجوں میں دبوچ لیتا ہے۔ اُس نے اس آدمی کا چہرہ نوچ ڈالا....

"اُس نے اس عورت کو دھکا دے کر پرے کیا اور اس کے نیچے سے نکل آیا لیکن اُس عورت نے اپنے ناخن اس شخص کے پہلوؤں میں اتار دیئے اور اس کے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے اور کھال بھی بُری طرح زخمی کر دی۔ اس زخمی نے بتایا کہ اس عورت کی آنکھوں اور منہ سے شعلے سے نکلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ وہ اسے انسانوں کے رُوپ میں آیا ہُوا کوئی درندہ سمجھا۔ اس آدمی کے پاس خنجر تھا لیکن اس کے ہوش ایسے گم ہُوئے کہ وہ خنجر نکالنا بھُول گیا۔ اتفاق سے اس آدمی کے ہاتھ میں اس عورت کے بال آ گئے۔ اس نے بالوں کو مٹھی میں لے کر زور سے جھٹکا دیا۔ وہ عورت چٹان پر گری۔ یہ آدمی بھاگ اُٹھا۔ اسے اپنے پیچھے اس عورت کی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ اُسے بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ اس بستی تک کس طرح پہنچا ہے۔ وہ ان خراشوں کی وجہ سے بیہوش نہیں ہُوا تھا۔ اُس پر دہشت سوار تھی....

"پھر دو مسافروں نے بتایا کہ اُنہوں نے راستے میں ایک آدمی کی لاش پڑی دیکھی ہے جسے کسی درندے نے چیر پھاڑ کر ہلاک کیا ہوگا۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُس کے کپڑے پھٹے ہُوئے تھے اور تمام جسم پر خراشیں تھیں۔ اُس جگہ کے قریب جس جگہ اس عورت کی موجودگی بتائی جا سکتی تھی، چھوٹی سی ایک بستی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے نقلِ مکانی کا ارادہ کر لیا لیکن یہودی جادوگر لیث بن موشان پہنچ گیا۔ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ ایک عورت اس علاقے میں جرید جرید پکارتی اور چیختی چلاّتی رہتی ہے اور جو آدمی اُس کے ہاتھ آ جائے اُسے چیر پھاڑ دیتی ہے۔"

★

ابُو جریج نے خالد کو باقی کہانی یُوں سنائی۔ اُسے بدرُوحوں کے علم کے ساتھ گہری دلچسپی تھی اور وہ لیث بن موشان کو بھی جانتا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ یہ یہودی جادوگر وہاں پہنچ گیا ہے تو وہ بھی

گھوڑے پر سوار ہُوا اور وہاں جا پہنچا۔ دو تین بستیوں میں پوچھتا وہ اُس بستی میں جا پہنچا جہاں لیث بن موشان آکر ٹھہرا تھا۔

"ابُو جریج آ ...بوڑھے لیث بن موشان نے اُٹھ کر بازو پھیلاتے ہوئے کہا ..."تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں یہ سن کر آیا ہوں کہ تم اس بدرُوح پر قابو پانے کے لیے آئے ہو"... ابو جریج نے اُس سے بغلگیر ہوتے ہُوئے کہا..."کیا میں نے ٹھیک سُنا ہے کہ اس بدرُوح نے یا وہ جو کچھ بھی ہے، دو تین آدمیوں کو چیر پھاڑ ڈالا ہے؟"

"وہ بدرُوح نہیں میرے بھائی!"... لیث بن موشان نے ایسی آواز میں کہا جو ملال اور پریشانی سے دبی ہُوئی تھی..."وہ خدائے یہودہ کی سچی نام لیوا ایک جوان عورت ہے۔ اُس نے اپنی جوانی، اپنا حُسن اور اپنی زندگی یہودیت کے نام پر وقف کر رکھی تھی۔ اُس کا نام یوحاوہ ہے۔"

"میں نے اُسے مکہ میں دو چار مرتبہ دیکھا تھا"... ابو جریج نے کہا..."اُس کے کچھ جھوٹے سچے قصے بھی سنے تھے۔ یہ بھی سنا تھا کہ اُس نے قریش کے ایک آدمی جریدبن مسیّب کو تمہارے پاس لا کر محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا۔ پھر میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ تم اور یوحاوہ مسلمانوں کے محاصرے سے نکل گئے تھے اور جرید پیچھے رہ گیا تھا.... اگر یوحاوہ زندہ ہے اور وہ بدروح نہیں تو وہ اس حالت تک کس طرح پہنچی ہے؟"

"اُس نے اپنا سب کچھ خدائے یہودہ کے نام پر قربان کر رکھا تھا"... لیث بن موشان نے کہا ..."لیکن وہ آخر انسان تھی، جوان تھی، وہ جذبات کی قربانی نہ دے سکی۔ اُس نے جرید کی محبت کو اپنی روح میں اتار لیا تھا۔ جرید پر جتنا اثر میرے خاص عمل کا تھا اتنا ہی یوحاوہ کی والہانہ محبت کا تھا۔"

"میں سمجھ گیا"... ابو جریج نے کہا ..."اُسے جریدبن مسیّب کی موت نے پاگل کر دیا ہے.... کیا تمہارا عمل اور تمہارا جادو اس عورت پر نہیں چل سکتا تھا؟"

لیث بن موشان نے لمبی آہ بھری اور بے نُور آنکھوں سے ابو جریج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور کچھ دیر چپ رہنے کے بعد کہا ..."میرا عمل اُس پر کیا اثر کرتا! وہ مجھے بھی چیرنے پھاڑنے کو مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔ میرا عمل اس صورت میں کام کرتا کہ میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکتا اور میرا ہاتھ تھوڑی سی دیر کے لیے اُس کے ماتھے پر رہتا۔"

"جہاں تک میں اس علم کو سمجھتا ہوں"... ابُو جریج نے کہا..."وہ پہلے ہی پاگل ہو چکی تھی اور تمہیں اپنا دشمن سمجھنے لگی تھی۔"

"اور اُسے میرے خلاف دشمنی یہ تھی کہ میں جرید بن مسیّب کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا تھا"... لیث بن موشان نے کہا..."میں اُسے اپنے ساتھ لا سکتا تھا لیکن وہ اس حد تک میرے طلسماتی عمل کے زیر اثر آچکا تھا کہ ہم اُسے زبردستی لاتے تو شاید مجھے یا یوحاوہ کو قتل کر دیتا۔ میں نے اُس کے ذہن میں درندگی کا ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ وہ قتل و غارت کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہتا کہ یہ ہے محمدؐ، تو وہ تلوار اُس درخت کے تنے میں اُتار دیتا۔

مجھے یہ توقع بھی تھی کہ یہ پیچھے رہ گیا تو ہو سکتا ہے محمدؐ تک پہنچ جائے اور اُسے قتل کر دے۔ لیکن وہ خود قتل ہو گیا"۔

"کیا تم اب یوحاوہ پر قابو پا سکو گے؟" ــــ ابوجریج نے پوچھا۔

"مجھے امید ہے کہ میں اُسے اپنے اثر میں لے آؤں گا" ــــ لیث بن موشان نے جواب دیا۔

"کیا تم مجھے اس کام میں شریک کر سکو گے؟" ــــ ابوجریج نے پوچھا اور کہا ــــ "میں کچھ جاننا چاہتا ہوں، کچھ سیکھنا چاہتا ہوں"۔

"اگر بڑھاپا تمہیں چلنے دے تو چلے چلو" ــــ لیث بن موشان نے کہا ــــ "میں تھوڑی دیر تک روانہ ہونے والا ہوں۔ یہاں کے کچھ آدمی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے ہیں"۔

★

"اور پھر خالد بن ولید!" ــــ بوڑھے ابوجریج نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے خالد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جذباتی آواز میں کہا ــــ "ہم دونوں بوڑھے اونٹوں پر سوار اُس پہاڑی علاقے میں پہنچے جہاں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ایک عورت کو دیکھا گیا ہے۔ ہم تنگ سی ایک وادی میں داخل ہو گئے۔ ہمارے پیچھے دس بارہ گھوڑ سوار اور تین چار شتر سوار تھے۔ وادی میں داخل ہوئے تو ان سب نے کمانوں میں تیر ڈال لیے۔ وادی آگے جا کر کھل گئی۔ ہم دائیں کو گھومے تو ہمیں کئی گدھ نظر آئے جو کسی مُردار کو کھا رہے تھے۔ ایک صحرائی لومڑی گدھوں میں سے دوڑتی ہوئی نکلی۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے مُنہ میں ایک انسانی بازو تھا۔ ہم آگے گئے۔ دو اور لومڑیاں بھاگیں اور گدھ اُڑ گئے۔ وہاں انسانی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ سر الگ پڑا تھا۔ اُس کے لمبے بال اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ کھوپڑی کے ساتھ تھے۔ آدھے چہرے پر ابھی کھال موجود تھی.... وہ یوحاوہ تھی۔ لیث بن موشان کچھ دیر اُس کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو اور آدھ کھاتے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کی دودھ جیسی سفید داڑھی میں جذب ہو گئے۔ ہم وہاں سے آ گئے"۔

"لیث بن موشان اور یوحاوہ نے جریر بن مسیّب کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا" ــــ خالد نے ایسے لہجے میں کہا جس میں طنز کی ہلکی سی جھلک بھی تھی ــــ "جریر بن مسیّب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہُوا اور یوحاوہ کا انجام تم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے.... کیا تم سمجھے نہیں ہو ابوجریج؟"

"ہاں، ہاں!" ــــ بوڑھے ابوجریج نے جواب دیا ــــ "لیث بن موشان کے جادو سے محمدؐ کا جادو زیادہ تیز اور طاقتور ہے۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ محمدؐ کے ہاتھ میں جادو ہے۔ اس جادو کا ہی کرشمہ ہے کہ اُس کے مذہب کو لوگ مانتے ہی چلے جا رہے ہیں.... جریر کو قتل ہونا ہی تھا"۔

"میرے بزرگ دوست!" ــــ خالد نے کہا ــــ "اس بدروح کے قصے مدینے میں بھی پہنچے ہوں گے لیکن وہاں کوئی نہیں ڈرا ہو گا۔ محمدؐ کے پیروکاروں نے تسلیم ہی نہیں کیا ہو گا کہ یہ جن بھوت یا بدروح ہے"۔

"محمدؐ کے پیروکاروں کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے" ــــ ابوجریج نے کہا ــــ "محمدؐ کے جادو نے مدینہ کے گرد حصار کھینچا ہُوا ہے۔ محمدؐ کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اُحد کی لڑائی میں زخمی ہُوا اور زندہ

رہا، تمہارا اور ہمارا اتنا زیادہ لشکر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے گیا تو ایسی آندھی آئی کہ ہمارا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگا۔ میدانِ جنگ میں محمدؐ کے سامنے جو بھی گیا اُس کا دماغ جواب دے گیا... کیا تم جانتے ہو محمدؐ کے قتل کی ایک اور کوشش ناکام ہو چکی ہے؟"

"سنا تھا"— خالد نے کہا —"پوری بات کا علم نہیں"

"یہ خیبر کا واقعہ ہے"— ابوجریج نے کہا —"مسلمانوں نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کی تو یہودی ایک دن بھی مقابلے میں جم نہ سکے"

"فریب کار قوم میدان میں نہیں لڑ سکتی"— خالد نے کہا —"یہودی پیٹھ پر وار کیا کرتے ہیں"

"اور وہ اُنہوں نے خیبر میں کیا"— ابوجریج نے کہا —"یہودیوں نے مقابلہ تو کیا تھا لیکن اُن پر محمدؐ کا خوف پہلے ہی طاری ہو گیا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جب مسلمان خیبر کے مقام پر پہنچے تو یہودی مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ان میں سے بعض محمدؐ کو پہچانتے تھے۔ کسی نے بلند آواز سے کہا —'محمدؐ بھی آیا ہے' — پھر کسی اور نے چلّا کر کہا —'محمدؐ بھی آیا ہے' — یہودی لڑے تو سہی لیکن اُن پر محمدؐ کا خوف ایسا سوار ہُوا کہ اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے"

ابوجریج نے خالد کو خیبر کے معرکے کی روئیداد سنا کر ایک یہودن کا قصّہ سنایا۔ فتح خیبر کے بعد رسول اللہؐ نے وہاں چند دن قیام کیا اور بنی عدی کے بھائی انصاری کو خیبر کا امیر مقرر کیا۔ اسی موقع پر جب فتح خیبر کے بعد مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا— "اگر مجھے اپنی آنے والی اُمّت کی مفلسی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر وہ ملک جو فتح ہوتا، فاتح مجاہدین میں تقسیم کر دیتا لیکن میں ہر مفتوحہ ملک کو آنے والی اُمّت کے لیے ورثے میں چھوڑ جاؤں گا"

یہودیوں نے شکست کھائی تو اُنہوں نے رسولِ کریمؐ سے وفاداری کا اظہار شروع کر دیا اور ایسے مظاہرے کیے جن سے پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کی محبّت سے یہودیوں کے دل لبریز ہیں۔ انہی دنوں جب رسولِ کریمؐ خیبر میں ہی تھے، ایک یہودن نے آپؐ کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ اُس نے عقیدت مندی کا اظہار ایسے جذباتی طریقے سے کیا کہ رسولِ خداؐ نے اُسے مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپؐ اُس کے گھر چلے گئے۔ آپؐ کے ساتھ بشر بن البراءؓ تھے۔

یہودن زینب بنت الحارث نے جو سلاّم بن مشکم کی بیوی تھی، رسولِ خدا کے راستے میں آنکھیں بچھائیں اور آپؐ کو کھانا پیش کیا۔ اُس نے سالم دُنبہ بھُونا تھا۔ اُس نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ آپ کو دُنبے کا کون سا حصّہ پسند ہے۔ آپؐ نے دستی پسند فرمائی۔ یہودن دُنبے کی دستی کاٹ لائی اور رسولِ خدا اور بشرؓ بن البراءؓ کے آگے رکھ دی۔

بشرؓ بن البراءؓ نے ایک بوٹی کاٹ کر منہ میں ڈال لی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوٹی منہ میں ڈالی مگر اُگل دی۔

"مت کھانا بشرؓ!"— آپؐ نے فرمایا —"اس گوشت میں زہر ملا ہُوا ہے"

بشرؓ بن البراءؓ بوٹی چبا رہے تھے۔ اُنہوں نے اُگل تو دی لیکن زہر لعابِ دہن کے ساتھ حلق سے اُتر چکا تھا۔

"اے یہودن!"۔۔۔ رسولِ خدا نے فرمایا۔۔۔"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کہ تُو نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟"

یہودن انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے جرم کا ثبوت سامنے آگیا تھا۔ بشرؓ بن البراءؓ حلق پر ہاتھ رکھ کر اُٹھے اور چکرا کر گر پڑے۔ زہر اتنا تیز تھا کہ اس نے بشرؓ کو پھر اٹھنے نہ دیا۔ وہ زہر کی تلخی سے تڑپے اور فوت ہو گئے۔

"اے محمدؐ!"۔۔۔ یہودن نے بڑی دلیری سے اعتراف کیا۔۔۔"خدائے یہودہ کی قسم، یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔"

رسول اللہ نے اس یہودن اور اس کے خاوند کے قتل کا حکم فرمایا اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو مشفقانہ رویّہ اختیار کیا تھا وہ ان کی ذہنیت کے مطابق بدل ڈالا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں۔۔۔"مروان بن عثمان نے مجھے بتایا تھا کہ رسولِ خدا آخری مرض میں مبتلا تھے۔ آپؐ نے وفات سے دو تین روز پہلے اُمّ بشرؓ بن البراءؓ کو جب وہ آپؐ کے پاس بیٹھی تھیں، فرمایا تھا۔۔۔"اُمّ بشر! میں آج بھی اپنے جسم میں اُس زہر کا اثر محسوس کر رہا ہوں جو اُس یہودن نے گوشت میں ملایا تھا۔ میں نے گوشت چبایا نہیں، اُگل دیا تھا مگر زہر کا اثر آج تک موجود ہے"۔۔۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ کی آخری بیماری کا باعث یہی زہر تھا۔"

★

"محمدؐ کو کوئی قتل نہیں کر سکتا"۔۔۔ خالد نے کہا۔

"آخر کب تک!"۔۔۔ ابوجریج نے کہا۔۔۔"اُس کا جادو کب تک چلے گا؟ اُسے ایک نہ ایک دن قتل ہونا ہے.... خالد!"۔۔۔ ابوجریج نے خالد کے قریب ہوتے ہُوئے پوچھا۔۔۔"کیا تم نے محمدؐ کے قتل کی کبھی کوئی ترکیب سوچی ہے؟"

"کئی بار"۔۔۔ خالد نے جواب دیا۔۔۔"جس روز میرے قبیلے نے بدر کے میدان میں شکست کھائی تھی، اُس روز سے محمدؐ کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی ترکیبیں سوچ رہا ہوں لیکن میری ترکیب کارگر نہیں ہُوئی۔"

"کیا وہ ترکیب مجھے بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں!"۔۔۔ خالد نے جواب دیا۔۔۔"بڑی آسان ترکیب ہے۔ یہ ہے کھُلے میدان میں آمنے سامنے کی لڑائی لیکن میں ایک لشکر کے مقابلے میں اکیلا نہیں لڑ سکتا۔ ہم تین لڑائیاں ہار چکے ہیں۔"

"خدا کی قسم!"۔۔۔ ابوجریج نے قہقہہ لگا کر کہا۔۔۔"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کا بیٹا بیوقوف ہو سکتا ہے.... میں یہودیوں جیسی ترکیب کی بات کر رہا ہُوں۔ میں دھوکے اور فریب کی بات کر رہا ہُوں۔ محمدؐ کو تم آمنے سامنے کی لڑائی میں نہیں مار سکتے۔"

"اور تم اُسے فریب کاری سے بھی نہیں مار سکتے"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔"فریب کبھی کامیاب نہیں ہُوا۔"

بوڑھا ابوجریج خالد کی طرف جھکا اور اُس کے سینے پر انگلی رکھ کر بولا — "کسی اور کا فریب ناکام ہوسکتا ہے، یہودیوں کا فریب ناکام نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فریب کاری یہودیوں کے مذہب میں شامل ہے۔ میں لیث بن موشان کا دوست ہوں۔ کبھی اُس کی باتیں سنو۔ وہ دانشمند ہے۔ اُس کی زبان میں جادو ہے۔ وہ تمہیں زبان سے مسحور کردے گا۔ وہ کہتا ہے کہ سال لگ جائیں، صدیاں گزر جائیں، آخر فتح یہودیوں کی ہوگی۔ دنیا میں کامیاب ہوگا تو صرف فریب کامیاب ہوگا۔ مسلمان ابھی تعداد میں تھوڑے ہیں اس لیے ان میں اتفاق اور اتحاد ہے اگر ان کی تعداد بڑھ گئی تو یہودی ایسے طریقوں سے ان میں تفرقہ ڈال دیں گے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے اور سمجھ نہ سکیں گے کہ یہ یہودیوں کی کارستانی ہے۔ محمدؐ انہیں یکجان رکھنے کے لیے کب تک زندہ رہے گا!"

خالد اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ابوجریج بھی اٹھا۔ خالد نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ابوجریج نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے مصافحہ کرکے خالد اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

"تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ جا کہاں رہے ہو" — ابوجریج نے پوچھا۔

"مدینے!"

"مدینے؟" — ابوجریج نے حیرت سے پوچھا — "وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟ اپنے دشمن کے پاس ...؟"

"میں محمدؐ کا جادو دیکھنے جا رہا ہوں" — خالد نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

★

اُس نے کچھ دُور جا کر پیچھے دیکھا۔ اُسے ابوجریج کا قافلہ نظر نہ آیا۔ خالد نشیبی جگہ سے نکل کر دُور چلا گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ اُسے ایسے لگا جیسے آوازیں اُس کا تعاقب کر رہی ہوں — "محمدؐ .... جادوگر .... محمدؐ کے جادو میں طاقت ہے۔"

"نہیں .... نہیں" — اُس نے سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہا — "لوگ جس چیز کو سمجھ نہیں سکتے اُسے جادو کہہ دیتے ہیں اور جس آدمی کا سامنا نہیں کر سکتے اُسے جادوگر سمجھنے لگتے ہیں ... پھر بھی .... کچھ نہ کچھ راز ضرور ہے .... محمدؐ میں کوئی بات ضرور ہے۔"

ذہن اُسے چند دن پیچھے لے گیا۔ اُبوسفیان نے اُسے، عکرمہ اور صفوان کو بلا کر بتایا تھا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ اُبوسفیان کو یہ اطلاع دو شتر سواروں نے دی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے لشکر کو مکہ کی طرف آتے دیکھا تھا۔

خالد تین سو اپنی پسند کے چنے ہُوئے گھوڑسواروں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کو راستے میں گھات لگا کر روکنے کے لیے چل پڑا تھا۔ وہ اپنے اس جانباز دستے کو سرپٹ دوڑاتا لے جا رہا تھا۔ اُس کے سامنے تیس میل کی مسافت تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ مسلمان کراع الغمیم سے ابھی دُور ہیں۔ خالد اس کوشش میں تھا کہ مسلمانوں سے پہلے کراع الغمیم پہنچ جاتے۔

مکہ سے تیس میل دُور کراع الغمیم ایک پہاڑی سلسلہ تھا جو گھات کے لیے موزوں تھا۔

اگر مسلمان پہلے وہاں پہنچ جاتے تو خالد کے لیے جنگی حالات دشوار ہو جاتے۔

اُس نے راستے میں صرف دو جگہ دستے کو روکا اور گھوڑوں کو سستانے کا موقع دیا۔ اُس نے دو جگہوں پر اپنے گھوڑسواروں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا۔ "یہ ہمارے لیے کڑی آزمائش ہے۔ اپنے قبیلے کی عظمت کے محافظ صرف ہم ہیں۔ آج ہمیں عزیٰ اور ہبل کی لاج رکھنی ہے۔ ہمیں اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کو کراع الغیم کے اندر ہی روک کر انہیں تباہ نہ کر سکے تو مکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گا۔ ہماری بہنیں اور بیٹیاں ان کی لونڈیاں ہوں گی اور ہمارے بچے ان کے غلام ہوں گے۔ عزیٰ اور ہبل کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ ہم قریش اور مکّہ کی آن اور وقار پر جانیں قربان کر دیں گے۔"

تین سو گھوڑسواروں نے نعرے لگاتے "ہم عزیٰ اور ہبل کے نام پر مرمٹیں گے..... ایک بھی مسلمان زندہ نہیں جائے گا.... کراع الغیم کی وادی میں مسلمانوں کا خون بہے گا.... محمدؐ کو زندہ مکّہ لے جائیں گے.... مسلمانوں کی کھوپڑیاں مکّہ لے جائیں گے.... کاٹ دیں گے.... تباہ کر کے رکھ دیں گے۔"

خالد کا سینہ پھیل گیا اور سر اونچا ہو گیا تھا۔ اُس نے گھات کے لیے بڑی اچھی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اُس نے نہایت کارگر جنگی چالیں سوچ لی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ صرف سوار دستہ اس لیے لایا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بکھیر کر اور گھوڑے دوڑا دوڑا کر لڑنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کی زیادہ تعداد پیادہ تھی۔ خالد کو یقین تھا کہ وہ تین سو سواروں سے ایک ہزار چار سو مسلمانوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالے گا۔ اُسے اپنی جنگی فہم و فراست پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اُس نے تیر انداز دستے کو ساتھ لانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی، حالانکہ پہاڑی علاقے میں تیر اندازوں کو بلندیوں پر بٹھا دیا جاتا تو وہ نیچے گزرتے ہوئے مسلمانوں کو چن چن کر مارتے۔

★

آگے جا کر خالد نے دستے کو ذرا سی دیر کے لیے روکا تو ایک بار پھر اپنے سواروں کے جذبے کو بھڑکایا۔ اُسے ان سواروں کی شجاعت پر اعتماد تھا۔

مسلمان ابھی دُور تھے۔ خالد نے شتربانوں کے بہروپ میں اپنے تین چار آدمی آگے بھیج دیئے تھے جو مسلمانوں کی رفتار کی اور دیگر کوائف کی اطلاعیں دے رہے تھے۔ وہ باری باری پیچھے آتے اور بتاتے تھے کہ مسلمان کراع الغیم سے کتنی دور رہ گئے ہیں۔ خالد ان اطلاعوں کے مطابق اپنے دستے کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ مسلمان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں معمولی رفتار سے اُس پھندے کی طرف چلے آ رہے تھے جو اُن کے لیے خالد کراع الغیم میں بچھانے جا رہا تھا۔

خالد اس اطلاع کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ مسلمان اپنے ساتھ بہت سے دُنبے اور بکرے لا رہے ہیں۔ اُسے اس سوال کا جواب نہیں مِل رہا تھا کہ وہ مکّہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں تو دُنبے اور بکرے کیوں ساتھ لا رہے ہیں؟

"انہیں ڈر ہو گا کہ محاصرہ طول پکڑ گیا تو خوراک کم ہو جائے گی" — خالد کے ایک ساتھی نے خیال ظاہر کیا — "اس صورت میں وہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں گے..... اس کے سوا ان جانوروں کا اور کیا استعمال ہو سکتا ہے؟"

"بے چاروں کو معلوم نہیں کہ مکّہ تک وہ پہنچ ہی نہیں سکیں گے" — خالد نے کہا — "ان کے دُنبے اور بکرے ہم کھائیں گے۔"

★

مسلمان ابھی کراع الغمیم سے پندرہ میل دُور عسفان کے مقام پر تھے کہ خالد اس سلسلۂ کوہ میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنے دستے کو پہاڑیوں کے دامن میں ایک دوسرے سے دُور دُور رُکنے کو کہا اور خود گھات کی موزوں جگہ دیکھنے کے لیے آگے چلا گیا۔ وہ درّے تک گیا۔ یہی راستہ تھا جس سے قافلے اور دستے گزرا کرتے تھے۔ وہ یہاں سے پہلے بھی گزرا تھا لیکن اُس نے اس درّے کو اس نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا تھا جس نگاہ سے آج دیکھ رہا تھا۔

اُس نے اِس درّے کو دائیں بائیں والی بلندیوں پر جا کر دیکھا۔ نیچے آیا۔ چٹانوں کے پیچھے گیا اور گھوڑوں کو چھپانے کی ایسی جگہوں کو دیکھا جہاں سے وہ اشارہ ملتے ہی فوراً نکل آئیں اور مسلمانوں پر بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔

وہ مارچ ۶۲۸ء کے آخری دن تھے۔ موسم ابھی سرد تھا مگر خالد کا اور اُس کے گھوڑے کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ اُس نے گھات کا علاقہ منتخب کر لیا اور اپنے دستے کو کئی حصّوں میں تقسیم کر کے گھوڑوں کو درّے کے علاقے میں چھپا دیا۔ اب اُس نے اپنے اُن آدمیوں کو جو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاعیں لاتے تھے، اپنے پاس روک لیا کیونکہ خدشہ تھا کہ مسلمان اُن کی اصلیت معلوم کر لیں گے۔ مسلمان قریب آ گئے تھے۔ رات کو اُنہوں نے پڑاؤ کیا تھا۔

★

اگلی صبح جب نمازِ فجر کے بعد مسلمان کوچ کی تیاری کر رہے تھے، ایک آدمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔

"تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم دوڑتے ہوئے آئے ہو" — رسولِ اکرمؐ نے کہا — "اور تم کوئی اچھی خبر بھی نہیں لائے۔"

"یا رسول اللہؐ!" — مدینہ کے اس مسلمان نے کہا — "خبر اچھی نہیں اور اتنی بُری بھی نہیں..... مکّہ والوں کی نیّت ٹھیک نہیں۔ میں کل سے کراع الغمیم کی پہاڑیوں کے اندر گھوم پھر رہا ہوں۔ خُدا کی قسم، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے جنہیں میں دیکھ آیا ہوں۔ میں نے اُن کی تمام نقل و حرکت دیکھی ہے۔"

"کون ہیں وہ؟"

"اہلِ قریش کے سوا اور کون ہو سکتا ہے" — اُس نے جواب دیا — "وہ سب گھوڑ سوار ہیں اور درّے کے اردگرد کی چٹانوں میں چھُپ گئے ہیں۔"

"تعداد؟"

"تین اور چار سو کے درمیان ہے"۔۔۔ رسولِ کریمؐ کے اس جاسوس نے کہا ۔۔۔ "میں نے اگر صحیح پہچانا ہے تو وہ خالد بن ولید ہے جس کی بھاگ دوڑ کو میں سارا دن چھپ چھپ کر دیکھتا رہا ہوں۔ میں اتنی قریب چلا گیا تھا کہ وہ مجھے دیکھتے تو قتل کر دیتے۔ خالد نے اپنے سواروں کو درّے کے اردگرد پھیلا کر چھپا دیا ہے۔ کیا یہ غلط ہوگا کہ وہ گھات میں بیٹھے گئے ہیں؟"

"مکّہ والوں کو ہمارے آنے کی اطلاع ملی تو وہ سمجھے ہوں گے کہ ہم مکّہ کا محاصرہ کرنے آتے ہیں"۔۔۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کہا۔

"قسم خدا کی جس کے ہاتھ میں ہم سب کی جان ہے"۔۔۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا۔۔۔ "اہلِ قریش مجھے لڑائی کے لیے للکاریں گے تو بھی میں نہیں لڑوں گا۔ ہم جس ارادے سے آتے ہیں اُس ارادے کو بدلیں گے نہیں۔ ہماری نیّت مکّہ میں جا کر عمرہ کرنے کی ہے اور ہم یہ دُنبے اور بکرے قربانی کے لیے ساتھ لائے ہیں۔ میں اپنی نیّت میں تبدیلی کر کے خدائے ذوالجلال کو ناراض نہیں کروں گا۔ ہم خون خرابہ نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں۔"

"یا رسول اللہؐ!۔۔۔ ایک صحابی نے پوچھا ۔۔۔ "وہ درّے میں ہمیں روکیں گے تو کیا ہم پر اپنے دشمن کا خون خرابہ جائز نہیں ہوگا؟"

صحابہ کرامؓ رسولِ خُداؐ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ اس صُورتِ حال سے بچ کر نکلنے کے طریقوں اور راستوں پر بحث مباحثہ ہُوا۔ رسولِ کریمؐ اچھے مشورے کو دھیان سے سنتے اور اس کے مطابق حکم صادر فرماتے تھے۔

آخر رسولِ خدا نے حکم صادر فرمایا۔ آپؐ نے بیس گھوڑسوار منتخب کئے اور انہیں ان ہدایات کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ وہ کراع الغمیم تک چلے جائیں لیکن درّے میں داخل نہ ہوں۔ وہ خالد کے دستے کا جائزہ لیتے رہیں اور یہ دستہ ان پر حملہ کرے تو یوں لڑیں کہ پیچھے کو ہٹتے آئیں اور بکھر کر رہیں۔ تاثر یہ دیں کہ یہ مدینہ والوں کا ہراول جَیش ہے۔

ان بیس سواروں کو دعاؤں کے ساتھ روانہ کر کے باقی اہلِ مدینہ کا راستہ آپؐ نے بدل دیا۔ آپؐ نے جو راستہ اختیار کیا وہ بہت ہی دشوار گزار تھا اور لمبا بھی تھا لیکن آپؐ لڑائی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مُشکل یہ بھی تھی کہ اہلِ مدینہ میں کوئی ایک بھی آدمی نہ تھا جو اس راستے سے واقف ہوتا۔

یہ ایک اور درّہ تھا جو ثنیہ المرار کہلاتا تھا۔ اسے ذات الحنظل بھی کہتے تھے۔ رسولِ کریمؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس درّے میں داخل ہو گئے اور سلسلۂ کوہ کے ایسے راستے سے گزرے جہاں سے کوئی نہیں گزرا کرتا تھا۔ وہ راستہ کسی کے گزرنے کے قابل تھا ہی نہیں۔

★

خالد کی نظریں مسلمانوں کے ہراول دستے پر لگی ہُوئی تھیں لیکن ہراول کے یہ بیس سوار رُک گئے تھے۔ کبھی ان کے دو تین سوار درّے تک آتے اور اِدھر اُدھر دیکھ کر واپس چلے جاتے

اگر وہ بیس کے بیس سوار درّے میں آ بھی جاتے تو خالد انہیں گزر جانے دیتا کیونکہ اس کا اصل شکار تو پیچھے آ رہا تھا۔ ان بیس سواروں پر حملہ کر کے وہ اپنی گھات کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یہ کوئی پرانا واقعہ نہیں تھا۔ چند دن پہلے کی بات تھی۔ خالد پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر ابھی تک نظر نہیں آیا۔ کیا اس نے کوچ ملتوی کر دیا ہے یا اُسے گھات کی خبر ہو گئی ہے؟ — اُس نے اپنے ایک شتر سوار سے کہا کہ وہ اپنے بہروپ میں جائے اور دیکھے کہ مسلمان کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

اس دوران بیس مسلمان سواروں نے اپنی نقل و حرکت جاری رکھی۔ ایک دو مرتبہ وہ درّے تک آئے اور ذرا رُک کر واپس چلے گئے۔ ایک دو مرتبہ وہ پہاڑیوں میں کسی اور طرف سے داخل ہوئے۔ خالد چھپ چھپ کر اُدھر آ گیا۔ وہ سوار وہاں سے بھی واپس چلے گئے۔ اس طرح اُنہوں نے خالد کی توجہ اپنے اوپر لگائے رکھی۔ خالد کے سوار اشارے کے انتظار میں گھات میں چھُپے رہے۔

سورج غروب ہو چکا تھا جب خالد کا شتر سوار جاسوس واپس آیا۔

"وہ وہاں نہیں ہیں" — جاسوس نے خالد کو بتایا۔

"کیا تمہاری آنکھیں اب انسانوں کو نہیں دیکھ سکتیں؟" — خالد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"صرف اُن انسانوں کو دیکھ سکتی ہیں جو موجود ہوں" — شتر سوار نے کہا — "جو نہیں ہیں وہ نہیں ہیں۔ وہ کوچ کر گئے ہیں۔ کدھر گئے ہیں؟ میں نہیں بتا سکتا۔"

خالد اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ صحرا کی شام گہری ہو گئی تو اُس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ہراول کے سوار بھی وہاں نہیں ہیں۔ اُسے اُن کے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

★

صبح طلوع ہوئی تو خالد نے درّے سے نکل کر دیکھا۔ بیس سوار غائب تھے۔ اُسے اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگا۔ اُس کے ارادے اور اس کے جنگی منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے۔ اُس نے سوچا کہ خود عسفان تک چلا جائے لیکن پہچانے جانے کے ڈر سے رکا رہا۔ اُس نے دو تین آدمی اونچی پہاڑیوں پر بھیج دیئے کہ وہ ہر طرف نظر رکھیں۔

دن آدھا گزر گیا تھا۔ اُسے کوئی اطلاع نہ ملی۔ مسلمانوں کے ہراول کے بیس سوار بھی نظر نہ آئے۔ اُسے توقع تھی کہ وہ آئیں گے۔ دوپہر کے لگ بھگ اُس کا ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا اُس کے پاس آ رُکا۔

"میرے ساتھ چلو" — سوار نے تیز تیز بولتے ہوئے کہا — "جو میں نے دیکھا ہے وہ تم بھی دیکھو۔"

"کیا دیکھا ہے تم نے؟"

"گرد" — سوار نے کہا — "خدا کی قسم، وہ گرد کسی قافلے کی نہیں ہو سکتی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ

وہ مسلمانوں کا لشکر ہو؟
خالد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مکّہ کی سمت پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُسے زمین سے گرد کے بادل اٹھتے دکھائی دیتے۔
"خدا کی قسم!"— خالد نے کہا —"قبیلہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جو محمدؐ جیسا دانشمند ہو۔ وہ میری گھات سے نکل گیا ہے۔"
مسلمان رسولؐ اللہ کی قیادت میں کراع الغمیم کی دوسری طرف سے مکّہ کی طرف نکل گئے تھے۔ رات کو اُن کے بیس سوار بھی دور کے راستے سے اُن کے پیچھے گئے اور اُن سے جا ملے تھے خالد نے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگائی۔ وہ کراع الغمیم کے اندر چلاتا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا پھر رہا تھا۔
"باہر آجاؤ..... مدینہ والے مکّہ کو چلے گئے ہیں..... تمام سوار سامنے آؤ۔"
تھوڑی سی دیر میں اُس کے تین سو گھوڑ سوار اُس کے پاس آ گئے۔
"وہ ہمیں دھوکہ دے گئے ہیں"— خالد نے اپنے سواروں سے کہا —"تم نہیں مانو گے وہ گزر گئے ہیں۔ گزرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے..... ہمیں اب زندگی اور موت کی دوڑ لگانی پڑے گی۔ سست ہو جاؤ گے تو وہ مکّہ کا محاصرہ کر لیں گے۔ وہ بازی جیت جائیں گے۔"
آج مدینہ کے راستے پر جب مدینہ قریب رہ گیا تھا، خالد کو یاد آرہا تھا کہ اُسے مکّہ پر مسلمانوں کے قبضے کا ڈر تو تھا لیکن وہ رسولِ کریمؐ کی اس چال پر عش عش کر اٹھا تھا۔ وہ خود فنِ حرب و ضرب اور عسکری چالوں کا ماہر اور دلدادہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ رسولؐ اللہ نے اپنے ہراول کے بیس سوار دھوکہ دینے کے لیے بھیجے تھے۔ سواروں نے اُسے کامیابی سے دھوکہ دیا۔ اس کی توجہ کو گرفتار کیے رکھا اور مسلمان دوسری طرف سے نکل گئے۔
"یہ جادو نہیں"— خالد نے اپنے آپ سے کہا —"اگر اپنے قبیلے کی سرداری مجھے مل جائے تو جادو کے یہ کرتب میں بھی دکھا سکتا ہوں۔"
یہ صحیح تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے ایسی عسکری تعلیم و تربیت دی تھی کہ وہ میدانِ جنگ کا جادوگر کہلا سکتا تھا مگر اُس کے اُوپر ایک سردار تھا، ابُوسفیان۔ وہ قبیلے کا سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ اُس کے ماتحت خالد اپنی کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔ اپنی اس مجبوری نے اُس کے دل میں ابوسفیان کی نفرت پیدا کر دی تھی۔

★

اُسے چند دن پہلے کا یہ واقعہ یاد آرہا تھا۔ ایک ہزار چار سَو مسلمان اُس کی گھات کو دھوکہ دے کر مکّہ کی طرف نکل گئے تھے۔ اُس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ تین سَو سواروں سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دے۔ اُسے احساس تھا کہ جو مسلمان قلیل تعداد میں کثیر تعداد کے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں انہیں تین سَو سواروں سے شکست نہیں دی جا سکتی کیونکہ وہ کثیر تعداد میں ہیں۔
اُسے مکّہ ہاتھ سے جاتا نظر آنے لگا تھا اور اُسے یہ خفّت بھی محسوس ہونے لگی تھی کہ اُس کی گھات کی ناکامی پر ابُوسفیان اُسے طعنہ دے گا اور ہنسی اڑائے گا، پھر اُسے قریش کی شکست اور مکّہ کے سقوط کا مجرم کہا جائے گا۔
اُس نے اپنے سواروں کو ایک راستہ سمجھا کر کہا کہ مسلمانوں سے پہلے مکّہ پہنچنا ہے۔ یہ دُور کا راستہ تھا

لیکن وہ مسلمانوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے تین سو سواروں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگا دیں۔ راستہ لمبا ہونے کی وجہ سے تین میل کا فاصلہ ڈیڑھ گنا ہو گیا تھا جسے خالد رفتار سے کم کرنے کے جتن کر رہا تھا۔

عربی نسل کے اعلیٰ گھوڑے شام سے بہت پہلے مکّہ پہنچ گئے۔ وہاں مسلمانوں کی ابھی ہوا بھی نہیں پہنچی تھی۔ مکّہ کے لوگ گھوڑوں کے شوروغل پر گھروں سے نکل آئے۔ ابوسفیان بھی باہر آ گیا۔

"کیا تمہاری گھات کامیاب رہی ؟" ــــ ابوسفیان نے پوچھا۔

"وہ گھات میں آئے ہی نہیں" ــــ خالد نے گھوڑے سے کود کر اُترتے ہوئے کہا ــــ "کیا تم مکّہ کے اردگرد ایسی خندق کھدوا سکتے ہو جیسی محمدؐ نے مدینہ کے اردگرد کھدوائی تھی ؟"

"وہ کہاں ہیں ؟" ــــ ابوسفیان نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا ــــ "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ مجھے اُن کی کچھ خبر دو ؟"

"جتنی دیر میں تم خبر سنتے اور سوچتے ہو، اتنی دیر میں وہ مکّہ کو محاصرے میں لے لیں گے" ــــ خالد نے کہا ــــ "ہبل اور عزّیٰ کی عظمت کی قسم، وہ پہاڑوں اور چٹانوں کو روندتے آ رہے ہیں۔ اگر وہ کراع الغیم میں سے کسی اور راستے سے گذرے ہیں تو وہ انسان نہیں۔ کوئی پیادہ وہاں سے اتنی تیزی سے نہیں گزر سکتا جتنی تیزی سے وہ گذر آئے ہیں۔"

"خالد !" ــــ ابوسفیان نے کہا ــــ "ذرا ٹھنڈے ہو کر سوچو۔ خدا کی قسم، گھبراہٹ سے تمہاری آواز کانپ رہی ہے۔"

"ابوسفیان !" ــــ خالد نے جل کر کہا ــــ "تم میں صرف یہ خوبی ہے کہ تم میرے قبیلے کے سردار ہو۔ میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ اُن کے لیے مکّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مشکل نہیں" ــــ خالد نے دیکھا کہ اُس کے دو ساتھی سالار، عکرمہ اور صفوان، قریب کھڑے تھے۔ خالد نے اُن سے کہا ــــ

"آج بھول جاؤ کہ تمہارا سردار کون ہے۔ صرف یہ یاد رکھو کہ مکّہ پر طوفان آ رہا ہے۔ اپنی آن کو بچاؤ۔ یہاں کھڑے ایک دوسرے کا مُنہ نہ دیکھو۔ اپنے شہر کو بچاؤ، اپنے دیوتاؤں کو بچاؤ۔"

★

سارے شہر میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ لڑنے والے لوگ برچھیاں، تلواریں اور تیر کمان اٹھائے مکّہ کے دفاع کو نکل آئے۔ عورتوں اور بچّوں کو ایسے بڑے مکانوں میں منتقل کیا جانے لگا جو قلعوں جیسے تھے۔ جوان عورتیں بھی لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ یہ اُن کے شہر کا اور جان و مال کا ہی نہیں، اُن کے مذہب کا بھی مسئلہ تھا۔ یہ دو نظریوں کی ٹکر تھی لیکن خالد اِسے اپنے ذاتی وقار کا اور اپنے خاندانی وقار کا مسئلہ سمجھتا تھا۔ اُس کا خاندان جنگ و جدل کے لیے مشہور تھا۔ اُس کے باپ کو لوگ عسکری قائد کہا کرتے تھے۔ خالد اپنے خاندان کے نام اور خاندانی روایات کو زندہ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

اُس نے ابوسفیان کو نظر انداز کر دیا، عکرمہ اور صفوان کو ساتھ لیا اور ایسی چالیں سوچ لیں جن سے وہ مسلمانوں کو شہر سے دُور رکھ سکتا تھا۔ اُس نے سواروں کی کچھ تعداد اس کام کے لئے منتخب کر لی کہ یہ سوار شہر سے دُور چلے جائیں اور مسلمان اگر محاصرہ کر لیں تو یہ گھوڑسوار عقب سے محاصرے پر حملہ کر دیں مگر وہاں

جم کر لڑیں نہیں، بلکہ محاصرے میں کہیں شگاف ڈال کر بھاگ جائیں۔

شہر میں افراتفری اور لڑنے والوں کی بھاگ دوڑ اور للکار میں چند ایک عورتوں کی مترنم آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اُن کی آوازیں ایک آواز بن گئی تھی۔ وہ رزمیہ گیت گا رہی تھیں جس میں رسول اللہ کے قتل کا ذکر تھا۔ بڑا جوشیلا اور بھڑکا دینے والا گیت تھا۔ یہ عورتیں گلیوں میں یہ گیت گاتی پھر رہی تھیں۔

چند ایک مسلح شتر سواروں کو مدینہ کی طرف سے آنے والے راستے پر اور دو تین اور سمتوں کو دوڑا دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبریں پیچھے پہنچاتے رہیں۔ عورتیں اُونچے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر مدینہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ سورج افق میں اُترتا جا رہا تھا۔ صحرا کی شفق بڑی دلفریب ہوا کرتی ہے مگر اُس شام مکہ والوں کو شفق میں لہو کے رنگ دکھائی دے رہے تھے۔

کہیں سے، کسی بھی طرف گرد اٹھتی نظر نہیں آرہی تھی۔

"اُنہیں اب تک آجانا چاہئیے تھا" ــــ خالد نے عکرمہ اور صفوان سے کہا ــــ "ہم اتنی جلدی خندق نہیں کھود سکتے"

"ہم خندق کا سہارا لے کر نہیں لڑیں گے" ــــ عکرمہ نے کہا۔

"ہم اُن کے محاصرے پر حملے کریں گے" ــــ صفوان نے کہا ــــ "اُن کے پاؤں جمنے نہیں دیں گے"

سورج غروب ہوگیا۔ رات گہری ہونے لگی۔ کچھ بھی نہ ہُوا۔

مکہ میں زندگی بیدار اور سرگرم رہی جیسے وہاں رات آئی ہی نہ ہو۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قلعوں جیسے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا اور جو لڑنے کے قابل تھے وہ اپنے سالاروں کی ہدایات پر شہر کے اردگرد اپنے مورچے مضبوط کر رہے تھے۔

رات آدھی گذر گئی۔ مدینہ والوں کی آمد کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔

پھر رات گذر گئی۔

★

"خالد!" ــــ ابوسفیان نے پوچھا ــــ "کہاں ہیں وہ؟"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نہیں آئیں گے تو یہ بہت خطرناک فریب ہے جو تم اپنے آپ کو دے رہے ہو" ــــ خالد نے کہا ــــ "محمدؐ کی عقل تک تم نہیں پہنچ سکتے۔ جو وہ سوچ سکتا ہے وہ تم نہیں سوچ سکتے .... وہ آئیں گے"

اُس وقت تک مسلمان چند ایک معرکے دوسرے قبیلوں کے خلاف لڑ کر اپنی دھاک بٹھا چکے تھے۔ اُن میں غزوۂ خیبر ایک بڑا معرکہ تھا۔ انہیں جنگ کا تجربہ ہو چکا تھا۔

"ابوسفیان!" ــــ خالد نے کہا ــــ "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان اب وہ نہیں رہے جو تم نے اُحد میں دیکھے تھے۔ اب وہ لڑنے کے ماہر بن چکے ہیں۔ اُن کا ابھی تک سامنے نہ آنا بھی ایک چال ہے"

ابوسفیان کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ایک شتر سوار نظر آیا جس کا اونٹ بہت تیز رفتار سے دوڑتا آیا تھا۔

ابوسفیان اور خالد کے قریب آ کر اُس نے اونٹ روکا اور کُود کر نیچے آیا۔

"میری آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ تم نہیں مانو گے" ــــ شتر سوار نے کہا ــــ "میں نے مسلمانوں کو حدیبیہ میں خیمہ زن دیکھا ہے۔"

"وہ محمدؐ اور اُس کا لشکر نہیں ہو سکتا" ــــ ابوسفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم، میں محمدؐ کو اس طرح پہچانتا ہوں جس طرح تم دونوں مجھے پہچانتے ہو" ــــ شتر سوار نے کہا ــــ "اور میں نے ایسے اور آدمیوں کو بھی پہچانا ہے جو ہم میں سے تھے لیکن اُن کے ساتھ جا ملے تھے۔"

حدیبیہ مکّہ سے تیرہ میل دُور مغرب میں ایک مقام تھا۔ رسولِ کریمؐ خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ مکّہ سے دُور حدیبیہ میں جا خیمہ زن ہوتے تھے۔

"ہم اُن پر شبخون ماریں گے" ــــ خالد نے کہا ــــ "انہیں ستانے نہیں دیں گے۔ وہ جس راستے سے حدیبیہ پہنچے ہیں، اُس راستے نے انہیں تھکا دیا ہوگا۔ اُن کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں گی۔ وہ تازہ دم ہو کر مکّہ پر حملہ کریں گے۔ ہم انہیں آرام نہیں کرنے دیں گے۔"

"ہم انہیں وہاں سے بھگا سکتے ہیں" ــــ ابوسفیان نے کہا ــــ "چھاپہ مار جیش تیار کرو۔"

★

رسولِ اکرمؐ نے اپنی خیمہ گاہ کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار جیش رات کو خیمہ گاہ کے اردگرد گشتی پہرہ دیتے تھے۔ دن کو بھی پہرے کا انتظام تھا۔

ایک اور گھوڑ سوار جیش نے اپنے جیسا ایک گھوڑ سوار جیش دیکھا جو خیمہ گاہ سے دُور آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ مسلمان سوار اُن سواروں کی طرف چلے گئے۔ وہ قریش کے سوار تھے جو وہاں نہ رُکے اور دُور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک اور طرف سے آتے نظر آئے اور مسلمانوں کی خیمہ گاہ سے تھوڑی دُور رُک کر چلے گئے۔

دوسرے روز وہ سوار خیمہ گاہ کے قریب آ گئے۔ اب کے مسلمان سواروں کا ایک جیش جو خیمہ گاہ سے دُور نکل گیا تھا، واپس آ گیا۔ اس جیش نے اِن سواروں کو گھیر لیا۔ انہوں نے گھیرے سے نکلنے کے لیے ہتھیار نکال لیے۔ ان میں جھڑپ ہو گئی لیکن مسلمان سواروں کے کماندار نے اپنے سواروں کو روک دیا۔

"انہیں نکل جانے دو" ــــ جیش کے کماندار نے کہا ــــ "ہم لڑنے آتے ہوتے تو ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیتے۔"

وہ مکّہ کے لڑاکا سوار تھے۔ انہوں نے واپس جا کر ابوسفیان کو بتایا۔

"چند اور سواروں کو بھیجو" ــــ ابوسفیان نے کہا ــــ "ایک شبخون مارو۔"

"میرے قبیلے کے سردار!" ــــ ایک سوار نے کہا ــــ "ہم نے شبخون مارنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اُن کی خیمہ گاہ کے اردگرد دن رات گھوڑ سوار گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔"

قریش کے چند اور سواروں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شام کے ذرا بعد شبخون مارنے کی کوشش کی

لیکن مسلمان سواروں نے ان کے کچھ سواروں کو زخمی کر کے وہاں سے بھگا دیا۔

مکّہ والوں پر تذبذب کی کیفیت طاری رہی۔ وہ راتوں کو سوتے بھی نہیں تھے۔ محاصرے کے ڈر سے ہر وقت بیدار اور چوکس رہتے تھے اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ آخر ایک روز مکّہ میں ایک مسلمان سوار داخل ہُوا۔ اُس نے ابوسفیان کے متعلق پوچھا۔ لوگوں کا ایک ہجوم اُس کے پیچھے چل پڑا۔ ابوسفیان نے دُور سے دیکھا اور دوڑا آیا۔ خالد بھی آ گیا۔

"میں محمدؐ الرسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں"— مسلمان سوار نے کہا — "ہم لڑنے نہیں آتے، ہم عمرہ کرنے آتے ہیں عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔"

"اگر ہم اجازت نہ دیں تو؟"— ابوسفیان نے پوچھا۔

"ہم مکّہ والوں کا نہیں خدا کا حکم ماننے والے ہیں"— مسلمان سوار نے کہا — "ہم اپنے اور اپنی عبادت گاہ کے درمیان کسی کو حائل نہیں ہونے دیا کرتے۔ اگر مکّہ کے مکان ہمارے لئے رکاوٹ بنیں گے تو خدا کی قسم، مکّہ ملبے اور کھنڈروں کی بستی بن جائے گی۔ اگر یہاں کے لوگ ہمیں روکیں گے تو مکّہ کی گلیوں میں خون بہے گا.... ابوسفیان ہم امن کا پیغام لے کر آئے ہیں اور یہاں کے لوگوں سے امن کا تحفہ لے کر جائیں گے۔"

خالد کو وہ لمحے یاد تھے جب یہ مسلمان سوار پُر وقار لہجے میں دھمکی دے رہا تھا۔ خالد کا خون کھول اُٹھنا چاہیئے تھا لیکن اُسے یہ آدمی بڑا اچھا لگا تھا۔ اُسے ابوسفیان کا جواب بھی جو اُس نے رسولِ کریمؐ کو بھیجا تھا، اچھا لگا تھا۔ ابوسفیان نے کہا تھا کہ دونوں طرف کے ذمہ دار آدمی صلح سمجھوتے کی شرائط طے کریں۔

★

پھر ایک صلح نامہ تحریر ہُوا تھا جسے صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اِس پر رسولِ اکرمؐ نے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو نے دستخط کئے تھے۔ اس صلح نامے میں طے پایا تھا کہ مسلمان اور اہلِ قریش دس سال تک نہیں لڑیں گے اور مسلمان آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں گے اور مکّہ میں تین دن ٹھہر سکیں گے۔

رسولِ کریمؐ قریش ہیں سے تھے۔ خالد آپؐ کو بہت اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب اُس نے آپؐ کو دیکھا تو اُس نے محسوس کیا کہ "یہ کوئی اور محمدؐ" ہے۔ وہ ایسا متاثر ہُوا کہ اُس کے ذہن سے اُتر گیا کہ یہ وہی محمدؐ ہے جسے وہ اپنے ہاتھوں قتل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔

خالد نبیِ کریمؐ کو ایک سالار کی حیثیت سے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ وہ آپؐ کی عسکری اہلیت کا قائل ہو گیا تھا۔ صلح حدیبیہ تک مسلمان رسولِ اکرمؐ کی قیادت میں چھوٹے بڑے اٹھائیس معرکے لڑ چکے اور فتح و نصرت کی دھاک بٹھا چکے تھے۔

مسلمان عمرہ کر کے چلے گئے۔ دو مہینے گذر گئے۔ ان دو مہینوں میں خالد پر خاموشی طاری رہی لیکن اس خاموشی میں ایک طوفان اور ایک انقلاب پرورش پا رہا تھا۔ خالد نے مذہب میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اُسے نہ کبھی اپنے بُتوں کا خیال آیا تھا نہ کبھی اُس نے رسولِ کریمؐ کی رسالت کو سمجھنے کی کوشش

کی تھی، مگر اب از خود اُس کا دھیان مذہب کی طرف چلا گیا اور وہ اِس سوچ میں کھو گیا کہ مذہب کون سا سچا ہے اور انسان کی زندگی میں مذہب کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے۔

"عکرمہ!" ـــــ ایک روز خالد نے اپنے ساتھی سالار عکرمہ سے جو اُس کا بھتیجا بھی تھا، کہا ـــــ "میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا سمجھ گئے ہو خالد!" ـــــ عکرمہ نے پوچھا۔

"محمدؐ جادوگر نہیں" ـــــ خالد نے کہا ـــــ "اور محمدؐ شاعر بھی نہیں۔ میں نے محمدؐ کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دیا ہے اور میں نے محمدؐ کو خدا کا رسولؐ تسلیم کر لیا ہے۔"

"ہبل اور عزیٰ کی قسم، تم مذاق کر رہے ہو" ـــــ عکرمہ نے کہا ـــــ "کوئی نہیں مانے گا کہ ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ رہا ہے۔"

"ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ چکا ہے" ـــــ خالد نے کہا۔

"کیا تم بھول گئے ہو کہ محمدؐ ہمارے کتنے آدمیوں کو قتل کرا چکا ہے؟" ـــــ عکرمہ نے کہا ـــــ "تم اُن کے مذہب کو قبول کر رہے ہو جن کے خون کے ہم پیاسے ہیں!"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے عکرمہ!" ـــــ خالد نے دوٹوک لہجے میں کہا ـــــ "میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔"

اُسی شام ابوسفیان نے خالد کو اپنے ہاں بلایا۔ عکرمہ بھی وہاں موجود تھا۔

"کیا تم بھی محمدؐ کی باتوں میں آ گئے ہو؟" ـــــ ابوسفیان نے اُس سے پوچھا۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے ابوسفیان!" ـــــ خالد نے کہا ـــــ "محمدؐ کی باتیں ہی کچھ ایسی ہیں۔"

مشہور مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان قبیلے کا سردار تھا۔ اُس نے خالد کا فیصلہ بدلنے کے لیے اُسے قتل کی دھمکی دی۔ خالد اس دھمکی پر مسکرا دیا مگر عکرمہ برداشت نہ کر سکا حالانکہ وہ خود خالد کے فیصلے کے خلاف تھا۔

"ابوسفیان!" ـــــ عکرمہ نے اُسے کہا ـــــ "میں تمہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں لیکن خالد کو جو تم نے دھمکی دی ہے، وہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خالد کو اپنا مذہب بدلنے سے نہیں روک سکتے۔ اگر تم خالد کے خلاف کوئی کارروائی کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ میں بھی خالد کے ساتھ مدینے چلا جاؤں۔"

★

اگلے ہی روز مکہ میں ہر کسی کی زبان پر یہ الفاظ تھے ـــــ "خالد بن ولید محمدؐ کے پاس چلا گیا ہے۔"

خالد یادوں کے ریلے میں بہتا مدینہ کو چلا جا رہا تھا۔ اُسے اپنا ماضی اس طرح یاد آیا تھا جیسے وہ گھوڑے پر سوار مدینہ کو نہیں بلکہ پیادہ اپنے ماضی میں چلا جا رہا ہو۔ اُسے مدینہ کے اونچے مکانوں کی منڈیریں نظر آنے لگی تھیں۔

"خالد!" ـــــ اُسے کسی نے پکارا لیکن اسے گذرے ہوئے وقت کی آواز سمجھ کر اُس نے نظر انداز کر دیا۔

اُسے گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیتے تب اُس نے دیکھا۔ اُسے دو گھوڑے اپنی طرف آتے دکھائی دیتے۔ وہ رُک گیا۔ گھوڑے اُس کے قریب آ کر رُک گئے۔ ایک سوار اُس کے قبیلے کا مشہور جنگجو عمرو بن العاص تھے اور دوسرے عثمان بن طلحہ۔ ان دونوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

"کیا تم دونوں مجھے واپس مکّہ لے جانے کے لیے آتے ہو؟" — خالد نے اُن سے پوچھا۔

"تم جا کہاں رہے ہو؟" — عمرو بن العاص نے پوچھا۔

"اور تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟" — خالد نے پوچھا۔

"خدا کی قسم، ہم تمہیں بتائیں گے تو تم خوش نہیں ہو گے" — عثمان بن طلحہ نے کہا — "ہم مدینہ جا رہے ہیں۔"

"بات پوری کرو عثمان!" — عمرو بن العاص نے کہا — "خالد! ہم محمدؐ کا مذہب قبول کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے محمدؐ کو خدا کا سچّا نبی مان لیا ہے۔"

"پھر ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں" — خالد نے کہا — "آؤ، اکٹھے چلیں۔"

وہ ۳۱ مئی ۶۶۲۸ کا دن تھا جب تاریخ اسلام کے دو عظیم جرنیل، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص مدینہ میں داخل ہوتے۔ ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ تھے تینوں رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید اندر گئے۔ ان کے پیچھے عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ گئے تینوں نے قبولِ اسلام کی خواہش ظاہر کی۔

رسول اللہؐ اُٹھ کھڑے ہوتے اور تینوں کو باری باری گلے لگایا۔

شہیدوں کو دل سے اُتار دیں۔ ذہن سے اُن کا نام و نشان مٹا دیں۔ ان کی یادوں کو شراب میں ڈبو دیں۔ اُس زمین پر جو خدا نے ہمیں شہیدوں کے صدقے عطا کی ہے، بادشاہ بن کر گردن اکڑا لیں اور کہیں کہ میں ہوں اس زمین کا شہنشاہ۔ شہیدوں کے نام پر مٹی ڈال دیں۔ کسی شہید کی کہیں قبر نظر آئے تو اُسے زمین سے ملا دیں مگر زندگی کے ہر موڑ اور ہر دوراہے پر آپ کو شہید کھڑے نظر آئیں گے۔ آپ کے ذہن کے کسی گوشے سے شہید اُٹھیں گے اور شراب اور شہنشاہیت کا نشہ اُتار دیں گے کہ جس نے تخت و تاج کے نشے میں شہیدوں سے بے وفائی کی وہ شاہ سے گدا اور ذلیل و خوار ہُوا کیونکہ اُس نے قرآن کے اِس فرمان کی حکم عدولی کی کہ شہید زندہ ہیں، اُنہیں مُردہ مت کہو۔

عرب کے ملک اُردن میں گمنام سا ایک مقام ہے جس کا نام مُوتہ ہے۔ اِس کے قریب سے گزر جانے والوں کو بھی شاید پتہ نہ چلتا ہوگا کہ وہاں ایک بستی ہے۔ اس کی حیثیت چھوٹے سے ایک گاؤں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں لیکن شہیدوں نے اُردن کے بادشاہ کو اپنی موجودگی کا اور اپنی زندگی کا جو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے احساس دلا دیا ہے۔ وہ جس معرکے میں شہید ہُوئے تھے وہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے اِس مقام پر لڑا گیا تھا۔ پھر یہ مقام گزرتے زمانے کی اُڑتی ریت میں دبتا چلا گیا۔

کچھ عرصے سے مُوتہ کے رہنے والے ایک عجیب صورتِ حال سے دوچار ہونے لگے۔ آج بھی وہاں چلے جائیں اور وہاں کے رہنے والوں سے پُوچھیں تو وہ بتائیں گے کہ اُن میں سے کوئی نہ کوئی آدمی رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے کے مجاہدینِ اسلام چل پھر رہے ہیں۔ کفار کا ایک لشکر آتا ہے اور مجاہدین اس کے مقابلے میں جم جاتے ہیں۔ ان کی تعداد تھوڑی ہے اور لشکرِ کفار مانندِ سیلاب ہے۔ معرکہ بڑا خونریز ہے۔

یہ خواب ایک دو آدمیوں نے نہیں، وہاں کے بہت سے آدمیوں نے دیکھا ہے اور کسی نہ کسی کو یہ خواب ابھی تک نظر آتا ہے۔ یہ لوگ پڑھے لکھے نہیں۔ اُنہیں معلوم نہیں تھا کہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے یہاں حق و باطل کا معرکہ لڑا گیا تھا مگر ان کے خوابوں میں شہید آنے لگے۔ یہ خبر اُردن کے ایوانوں تک پہنچی۔ تب یاد آیا کہ یہ وہ مُوتہ ہے جہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کی ایک لڑائی ہوئی تھی۔ یہ عیسائی عرب کے باشندے تھے۔

شہیدوں نے اپنے زندہ ہونے کا ایسا احساس دلایا کہ اُردن کی حکومت نے جنگِ مُوتہ اور اِس جنگ کے شہیدوں کی یادگار کے طور پر ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ مسجد کی تعمیر ۱۹۶۸ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں تین سپہ سالار ـــ زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن رواحہ ـــ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے۔ اِن تینوں کی قبریں مُوتہ سے تقریباً دو میل دُور ہیں جو ابھی تک محفوظ ہیں۔

مدینہ میں آکر خالدؓ بن ولید نے اسلام قبول کیا تو اُن کی ذات میں عظیم انقلاب آگیا۔ تین مہینے گزر گئے تھے۔ خالدؓ زیادہ تر وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور بیٹھے فیض حاصل کرتے رہتے مگر اُنہیں ابھی عسکری جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ فنِ حرب وضرب کے ماہر جنگجو تھے۔ اُن کا حسب ونسب بھی عام عربوں سے اونچا تھا لیکن اُنہوں نے ایسا دعویٰ نہ کیا کہ اُنہیں سالار کا رُتبہ ملنا چاہیے۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو سپاہی سمجھا اور اسی حیثیت میں خوش رہے۔

آج کے شام اور اُردن کے علاقے میں اُس زمانے میں قبیلہ غسّان آباد تھا جو اس علاقے میں دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ قبیلہ طاقت کے لحاظ سے زبردست مانا جاتا تھا کیونکہ جنگجو ہونے کے علاوہ اس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس قبیلے میں عیسائی بھی شامل تھے۔

اُس وقت رُوما کا شہنشاہ ہرقل تھا جس کی جنگ پسندی اور جنگی دہشت دُور دُور تک پہنچی ہوئی تھی۔ اسلام تیزی سے پھل پھول رہا تھا۔ قبیلہ قریش کے ہزارہا لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اُن کے مانے منجھے ہوئے سردار اور سالار بھی مدینہ جا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے اور مسلمان ایک جنگی طاقت بنتے جا رہے تھے۔ کئی ایک چھوٹے چھوٹے قبائل حلقۂ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔

مدینہ اطلاعیں پہنچ رہی تھیں کہ قبیلۂ غسّان مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام کی مقبولیت کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو للکارنا چاہتا ہے اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ بھی سُنا گیا کہ غسّان کا سردارِ اعلیٰ روما کے بادشاہ ہرقل کے ساتھ دوستی کرکے اُس کی جنگی طاقت بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ رسولِ کریم نے اپنا ایک ایلچی (جس کا نام تاریخ میں محفوظ نہیں) غسّان کے سردارِ اعلیٰ کے ہاں اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحدہٗ لاشریک ہے اور اسلام ایک مذہب اور ایک دین ہے، باقی تمام عقیدے جو مختلف مذاہب کی صورت اختیار کر گئے ہیں، توہمات ہیں اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ رسولِ اکرم نے غسّان کے سردارِ اعلیٰ کو قبولِ اسلام کی دعوت دی۔

نبیِٔ کریم نے یہ پیغام اس خیال سے بھیجا تھا کہ پیشتر اس کے کہ قبیلۂ غسّان روما کے شہنشاہ ہرقل کی جنگی قوّت سے مرعوب ہو کر عیسائیت کی آغوش میں چلا جائے، یہ قبیلہ اسلام قبول کرلے اور اسے اپنا اتحادی بنا کر ہرقل سے بچایا جائے۔

"خدا کی قسم، اس سے بہتر فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا" — خالدؓ نے ایک محفل میں کہا — "ہرقل نے فوج کشی کی تو یوں سمجھو کہ باطل کا طوفان آگیا جو سب کو اُڑا لے جائے گا۔"

"غسّان کی خیریت اسی میں ہے کہ رسول اللہ کی دعوت قبول کرلے" — کسی اور نے کہا۔

"نہیں کرے گا تو ہمیشہ کے لیے ہرقل کا غلام ہو جائے گا" — ایک اور نے کہا۔

اُس وقت ہرقل قبیلۂ غسّان کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ساتھ جو فوج تھی، اس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ غسّان کے سردارِ اعلیٰ کو اطلاع مل چکی تھی مگر وہ پریشان نہیں تھا۔ وہ ہرقل کے

ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

نبیؐ کریم کا ایلچی بصرہ کو جارہا تھا۔ غسّان کا دارالحکومت بصرہ تھا۔ ایلچی کے ساتھ ایک اونٹ پر لدے ہُوئے زادِراہ کے علاوہ تین محافظ بھی تھے۔

بڑی لمبی مسافت کے بعد ایلچی مُوتہ پہنچا اور اُس نے ذرا سستانے کے لئے اپنا مختصر سا قافلہ روک لیا۔ قریب ہی قبیلہ غسّان کی ایک بستی تھی۔ اس کے سردار کو اطلاع ملی کہ چار اجنبی بستی کے قریب پڑاؤ کئے ہُوئے ہیں۔ سردار نے جس کا نام شرجیل بن عمرو تھا، مدینہ کے ایلچی کو اپنے ہاں بلایا اور پُوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جارہا ہے۔

"میں مدینہ کا ایلچی ہوں اور بصرہ جارہا ہوں" — ایلچی نے جواب دیا — "میں اللہ کے رسولؐ کا پیغام تمہارے سردارِ اعلٰی کے لئے لے جارہا ہوں۔"

"کیا تم قبیلۂ قریش کے محمدؐ کی بات کررہے ہو؟" — شرجیل بن عمرو نے طنزیہ لہجے میں پُوچھا — "پیغام کیا ہے؟"

"پیغام یہ ہے کہ اسلام قبول کرلو" — ایلچی نے کہا — "اور باطل کے عقیدے ترک کردو۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے سردارِ اعلٰی کی اور اپنے مذہب کی توہین برداشت کرلوں گا؟" — شرجیل بن عمرو نے کہا — "اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہیں سے واپس مدینہ چلے جاؤ۔"

"میں بصرہ کے راستے سے ہٹ نہیں سکتا" — ایلچی نے کہا — "یہ رسول اللہؐ کا حکم ہے جس کی تعمیل میں مَیں فخر سے اپنی جان دے دوں گا۔"

"اور میں بڑے فخر سے تمہاری جان لوں گا" — شرجیل بن عمرو نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

ایلچی کے تینوں محافظ باہر بیٹھے تھے۔ اندر سے تین آدمی نکلے۔ وہ کسی کی خون آلود لاش گھسیٹتے ہوئے باہر لارہے تھے۔ محافظوں نے دیکھا کہ لاش کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے پہچان لیا۔ یہ اُن کے ایلچی کی لاش تھی۔ شرجیل بن عمرو باہر آیا۔

"تم اس کے ساتھی تھے" — شرجیل نے محافظوں سے کہا — "مجھے یقین ہے کہ اس کے بغیر تم بصرہ نہیں جاؤ گے۔"

"نہیں" — ایک محافظ نے جواب دیا — "پیغام اس کے پاس تھا۔"

"جاؤ، مدینہ کو لَوٹ جاؤ" — شرجیل نے کہا — "اور محمدؐ سے کہنا کہ ہم اپنے قبیلے اور اپنے عقیدے کی توہین برداشت نہیں کیا کرتے۔ اگر یہ شخص بصرہ پہنچ جاتا تو وہاں قتل ہو جاتا۔"

"خدا کی قسم!" — ایک محافظ نے کہا — "ہم اپنے مہمان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا کرتے۔"

"میں تمہیں مہمان سمجھ کر تمہاری جان بخشی کررہا ہوں" — شرجیل نے کہا — "اور مجھے یہ نہ کہنا کہ میں تمہیں اس کی لاش دے دوں۔"

❁

مدینہ کی تمام تر آبادی کو معلوم ہوچکا تھا کہ رسول اللہؐ کا ایلچی دعوتِ اسلام لے کر بصرہ گیا ہُوا ہے۔

سب ایلچی کی واپسی کے منتظر تھے لیکن تینوں محافظ ایلچی کے بغیر واپس آئے۔ اُن کے چہروں پر صرف گرد کی تہہ اور تھکن کے آثار ہی نہیں تھے، غم و غصے کے تاثرات بھی تھے۔ وہ مدینہ داخل ہوئے تو لوگ ہجوم کرکے آ گئے۔

" خدا کی قسم، ہم انتقام لیں گے" ___ محافظ بازو لہرا لہرا کر کہتے جا رہے تھے "موتہ کے شرجیل بن عمرو کا قتل ہم پر فرض ہو گیا ہے۔"

جب یہ خبر رسول اکرمؐ کو ملی تو باہر مدینہ کی آبادی اکٹھی ہو گئی تھی۔ عربوں کے رواج کے مطابق قتل کی سزا قتل تھی۔ باہر لوگ "انتقام انتقام" کے نعرے لگا رہے تھے۔ اُس دور میں بھی، آج کل کی طرح ایک دوسرے کے ایلچیوں کو جن کی حیثیت سفیروں جیسی ہوتی تھی، دشمن بھی تحفظ دیتا تھا۔ کسی کے ایلچی کو قتل کر دینے کا مطلب اعلانِ جنگ سمجھا جاتا تھا۔

" اہلِ مدینہ!" ___ رسولِ کریمؐ نے باہر آ کر مدینہ والوں کے بھپرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ " میں نے اُنہیں لڑائی کے لیے نہیں للکارا تھا۔ میں نے اُنہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔"

" ہم لڑیں گے ..... ہم انتقام لیں گے .... مسلمان کمزور نہیں" ___ ہجوم نعرے لگا رہا تھا ___ "مسلمان کا خون اتنا ارزاں نہیں .... ہم اللہ اور رسولؐ کے ناموس پر مٹیں گے۔"

رسولِ کریمؐ کے حکم سے اُسی روز مجاہدینِ اسلام کی فوج تیار ہو گئی جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ رسولِ کریمؐ نے سپہ سالاری کے فرائض زیدؓ بن حارثہ کو سونپے۔

" اگر زیدؓ شہید ہو جائے تو سپہ سالار جعفرؓ بن ابی طالب ہو گا" ___ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ " جعفرؓ بھی شہید ہو جائے تو سپہ سالار عبداللہؓ بن رواحہ ہو گا۔ اگر عبداللہؓ کو بھی اللہ شہادت عطا کر دے تو فوج اپنا سپہ سالار خود چن لے۔"

مؤرخ ابنِ سعد اور مغازی لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے یہ تین سپہ سالار درجہ بدرجہ مقرر کرکے مجاہدین کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ آپؐ نے سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ سے فرمایا کہ موتہ پہنچ کر سب سے پہلے شرجیل بن عمرو کو جو ہمارے ایلچی کا قاتل ہے، قتل کیا جائے پھر موتہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو کہا جائے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ انہیں بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔

مجاہدین کی اِس فوج میں خالدؓ بن ولید محض سپاہی تھے، کسی دستے یا جیش کے کماندار بھی نہیں تھے۔

روما کے شہنشاہ ہرقل کی فوج آج کے اُردن میں کسی جگہ خیمہ زن تھی۔ یہ قبیلۂ غسان کا علاقہ تھا۔ فوج کی تعداد (مؤرخین کے مطابق) ایک لاکھ تھی۔ یہ فوج اِس علاقے کی بستیوں پر چھا چکی تھی۔ کھڑی فصل گھوڑے اور اونٹ کھا رہے تھے۔ لوگوں کے گھروں سے اناج اور کھجوروں کے ذخیرے فوج نے اُٹھا لیے تھے اور جوان اور خوبصورت عورتیں فوج کے سرداروں اور کمانداروں کے خیموں میں تھیں۔

ہرقل کا خیمہ قناتوں اور شامیانوں کا محل تھا۔ قبیلہ غسان کا سردارِ اعلیٰ ہرقل کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُسے

ہرقل کی فوج کشی کی اطلاع ملی تھی تو وہ بیش قیمت تحائف اور اپنے قبیلے کی بڑی حسین دس بارہ لڑکیاں اپنے ساتھ لے کر ہرقل کے استقبال کو چلا گیا تھا۔ اب ان لڑکیوں میں سے دو تین ہرقل کے پہلوؤں میں بیٹھی تھیں۔

"..... اور تم نے بتایا ہے کہ مدینہ سے محمدؐ نے تمہیں پیغام بھیجا تھا کہ تمہارا قبیلہ اُس کا مذہب قبول کرلے" ـــــ ہرقل نے کہا۔

"میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ میرے ایک سردار شرجیل بن عمرو نے مدینہ کے ایلچی کو مجھ تک نہیں پہنچنے دیا" ـــــ غسان کے سردارِ اعلیٰ نے کہا ـــــ "اُسے مُوتہ میں قتل کر دیا تھا"

"کیا مدینہ والوں میں اتنی طاقت اور جرأت ہے کہ وہ اپنے ایلچی کے قتل کا انتقام لینے آئیں؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا۔

"اُن کی طاقت کم ہے اور جرأت زیادہ ہے" ـــــ سردارِ اعلیٰ نے کہا ـــــ "اُن لوگوں پر محمدؐ کا جادو سوار ہے۔ پہلے پہل مجھے اُن کے متعلق اطلاعیں ملیں تو میں نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی مگر اُنہوں نے ہر میدان میں فتح پائی ہے اور ہر میدان میں اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ میں نے سُنا ہے کہ محمدؐ اور اُس کے سالاروں کی جنگی چالوں کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ اُس نے مجھے اپنے مذہب کا جو پیغام بھیجا تھا، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھنے لگا ہے"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ـــــ ہرقل نے ایک نیم برہنہ لڑکی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بات صاف کہہ دوں تو میرے لیے بھی اچھا ہے، آپ کے لیے بھی" ـــــ سردارِ اعلیٰ نے کہا ـــــ "میں نے آپ کی فوج دیکھ لی ہے۔ میرا قبیلہ کوئی چھوٹا قبیلہ نہیں۔ اگر زیادہ نہیں تو آپ جتنی فوج میرے پاس بھی ہے۔ آپ اپنے ملک سے دُور ہیں۔ اگر ہم لڑیں گے تو میں اپنی زمین پر لڑوں گا جہاں کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہوگا"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" ـــــ ہرقل نے مسکرا کر پوچھا۔

"اگر یہ دھمکی ہے تو یہ میں اپنے آپ کو بھی دے رہا ہوں" ـــــ غسان کے سردارِ اعلیٰ نے کہا ـــــ "میں آپ کو آپس کی لڑائی کے نتائج بتا رہا ہوں جو ہم دونوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ اس کا فائدہ مدینہ والوں کو پہنچے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں کو ختم کریں؟ میں فتح کی صورت میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ مفتوحہ علاقہ آپ کا ہوگا۔ میں اپنے علاقے میں واپس آجاؤں گا..... ہم آپس میں لڑ کر اپنی طاقت ضائع نہ کریں۔ پہلے ایک ایسی طاقت کو ختم کریں جو مدینہ میں ہم دونوں کے خلاف تیار ہو رہی ہے"

"میں تمہاری تجویز کو قبول کرتا ہوں" ـــــ شہنشاہ ہرقل نے کہا۔

"پھر اپنی فوج کو حکم دے دیں کہ غسان کی بستیوں میں لُوٹ مار بند کر دیں"

"دے دوں گا" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "ہمیں مدینہ والوں کے انتظار میں نہیں رہنا چاہیے۔ ہم مدینہ کی طرف بڑھیں گے"

انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مدینہ کے تین ہزار مجاہدین مدینہ سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ مُوتہ سے کچھ فاصلے پر معان نام کا ایک مقام تھا، وہاں اُنہوں نے پڑاؤ کیا۔ اس علاقے اور اس سے آگے کے علاقے میں مجاہدین اجنبی تھے۔ اُنہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ آگے کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ آگے دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتنی ہے اور کیسی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے تین چار مجاہدین کو غریب سے شتر سواروں کے بھیس میں آگے بھیج دیا گیا۔

اِن آدمیوں نے رات آگے کہیں جا کر گزاری اور اگلی شام کو واپس آئے۔ وہ جو خبر لائے وہ اچھی نہیں تھی۔ وہ دُور آگے چلے گئے تھے۔ پہلے اُنہیں غسّان کے دو کُنبے نظر آئے جو نقل مکانی کر کے کہیں جا رہے تھے۔ دونوں کُنبوں میں نوجوان لڑکیاں اور جوان عورتیں زیادہ تھیں۔ وہ لوگ امیر کبیر معلوم ہوتے تھے۔ اُن کا سامان کئی اونٹوں پر لدا ہُوا تھا۔ یہ قافلہ ایک جگہ آرام کے لیے رُکا ہُوا تھا۔ مجاہدین بھی وہیں رُک گئے اور اُنہوں نے قافلے والوں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ بصرہ جا رہے ہیں اور وہاں سے تجارت کا سامان لائیں گے۔

"یہیں سے واپس چلے جاؤ"۔ قافلے کے آدمیوں نے اُنہیں بتایا۔ "رُوما کے بادشاہ ہرقل کا لشکر لُوٹ مار اور قتل و غارت کرتا چلا آ رہا ہے۔ تم سے اونٹ اور مال و دولت چھین لیں گے اور ہو سکتا ہے تمہیں قتل بھی کر دیں"۔

پھر ہرقل کی فوج کشی کی باتیں ہوتی رہیں۔ پتہ چلا کہ اُنہوں نے ہرقل کی فوج دیکھی نہیں، صرف سُنا ہے کہ یہ فوج اُردن میں داخل ہو کر لُوٹ مار کر رہی ہے۔ ان کُنبوں میں چونکہ عورتیں زیادہ تھیں اس لیے اُنہیں بچانے کے لیے یہ لوگ بھاگ نکلے۔

مجاہدین کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ ہرقل کے متعلق صحیح صورتِ حال معلوم کریں۔ یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔ مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ اُنہیں غسّان کی ایک بستی نظر آ گئی۔ وہ بستی میں چلے گئے اور بتایا کہ وہ بصرہ جا رہے تھے مگر راستے میں رہزنوں نے اُنہیں لُوٹ لیا ہے۔ بستی والوں نے انہیں کھانا کھلایا اور خاصی آؤ بھگت کی۔ وہاں سے انہیں صحیح اطلاع مل گئی۔

صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ ہرقل اور قبیلہ غسّان کے درمیان معاہدہ طے پا گیا تھا۔ قبیلہ غسّان نے اپنی فوج ہرقل کی فوج میں شامل کر دی تھی اور دونوں فوجوں کا رُخ مدینہ کی طرف تھا۔ مؤرّخوں نے ہرقل کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور ایک لاکھ غسّان کی فوج کی تعداد لکھی ہے لیکن بعض مؤرّخ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ دونوں فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بتاتے ہیں۔ بہر حال مدینہ کی اسلامی فوج کی تعداد سب نے تین ہزار لکھی ہے۔

اس صورتِ حال نے مجاہدین کے سالاروں کو پریشان کر دیا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ دشمن کی اس ہیبت ناک جنگی قوت اور اپنی قلیل تعداد کو دیکھتے ہوئے واپس آ جاتے لیکن اُنہوں نے واپسی کی نہ سوچی، البتہ معان سے آگے پیش قدمی روک دی۔

"اگر ہم واپس چلے گئے تو یہ ہرقل اور غسّان کے لئے دعوت ہو گی کہ بے دھڑک مدینہ تک

چلے آؤ"۔۔۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا۔" ہم دشمن کو نہیں روکیں گے"۔

"کیا ہم اتنی تھوڑی تعداد میں اتنے بڑے لشکر کو روک سکیں گے؟"۔۔۔ زیدؓ بن حارثہ نے پوچھا۔

"کون سے میدان میں ہم تھوڑی تعداد میں نہیں تھے؟"۔۔۔ جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا۔۔۔ "اگر ہم مل کر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے تو ہم میں سے کوئی مدینہ چلا جاتے اور رسول اللہؐ سے احکام لے آئے"۔

"ہم اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے"۔۔۔ عبداللہؓ نے کہا۔۔۔ "دشمن ہمیں اتنی مہلت نہیں دے گا خدا کی قسم، میں دشمن کو یہ تاثر نہیں دوں گا کہ ہم اُس کے لشکر سے ڈر گئے ہیں"۔

"اور میں مدینہ میں یہ کہنے کے لیے داخل نہیں ہوں گا کہ ہم پسپا ہو آتے ہیں"۔۔۔ زیدؓ نے کہا۔۔۔ "ہم جانیں قربان کر کے زندہ رہنے والوں کے لیے مثال قائم کر جائیں گے۔ یہ مت بھولو کہ غسّان کی فوج میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عیسائی اپنے مذہب کی خاطر لڑیں گے"۔

عبداللہؓ بن رواحہ اُٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے مجاہدین کو اکٹھا کر کے اتنے جوشیلے لہجے میں خطاب کیا کہ تین ہزار مجاہدین کے نعرے زمین و آسمان کو ہلانے لگے۔ سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ نے آگے کو کوچ کا حکم دے دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مجاہدین اسلام نے اپنے آپ کو بڑے ہی خطرناک امتحان میں ڈال دیا۔ ہرقل اور غسّان کے سردارِ اعلیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مدینہ سے چند ہزار نفری کی فوج اپنے ایلچی کے قتل کا انتقام لینے آرہی ہے۔ مجاہدین کو کچل ڈالنے کے لئے ہرقل اور غسّان کے لشکر آرہے تھے۔

مجاہدین بڑھتے چلے گئے اور بلقاء پہنچے۔ انہیں اور آگے جانا تھا لیکن غسّان کی فوج کے دو دستے جن کی تعداد مجاہدین کی نسبت تین گنا تھی، راستے میں حائل ہو گئے۔ زیدؓ بن حارثہ نے مجاہدین کو دُور ہی روک لیا اور ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر علاقے کا جائزہ لیا۔ انہیں یہ زمین لڑائی کے لیے موزوں نہ لگی دوسرے سالاروں سے مشورہ کر کے زیدؓ بن حارثہ مجاہدین کو پیچھے لے آتے۔ غسّان کی فوج نے اسے پسپائی سمجھ کر مجاہدین کا تعاقب کیا۔

زیدؓ مُوتہ کے مقام پر رُک گئے اور فوراً اپنے مجاہدین کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ اُنہوں نے فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔۔۔ دایاں اور بایاں پہلو اور قلب۔۔۔ دائیں پہلو کی کمان قطبہؓ بن قتادہ کے پاس اور بائیں پہلو کی عبایہؓ بن مالک کے ہاتھ تھی۔ زیدؓ خود قلب میں رہے۔

"اللہ کے سچے نبیؐ کے عاشقو!"۔۔۔ زیدؓ بن حارثہ نے بڑی بلند آواز سے مجاہدین کو للکارا۔۔۔ "آج ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم حق کے پرستار ہیں۔ آج باطل کے نیچے سے زمین کھینچ لو۔ اپنے سامنے باطل کا لشکر دیکھو اور اس سے مت ڈرو.... یہ لڑائی طاقت کی نہیں، یہ جرأت، جذبے اور دماغ کی جنگ ہے۔ میں تمہارا سپہ سالار بھی ہوں اور عَلم بردار بھی۔ دشمن کا لشکر اتنا زیادہ ہے کہ تم اس میں گم ہو جاؤ گے لیکن اپنے ہوش گم نہ ہونے دینا۔ ہم اکٹھے لڑیں گے اور اکٹھے مریں گے"۔۔۔ زیدؓ نے عَلم اُٹھا لیا۔

دشمن کی طرف سے تیروں کی پہلی بوچھاڑ آئی۔ زیدؓ کے حکم سے مجاہدین کے دائیں اور بائیں پہلو پھیل گئے اور آگے بڑھے۔ یہ آمنے سامنے کا تصادم تھا۔ مجاہدین دائیں اور بائیں پھیلتے اور آگے

بڑھتے چلے گئے اور زیدؓ نے قلب کو آگے بڑھا دیا۔ وہ خود آگے تھے۔ یہ معرکہ ایسا تھا کہ مجاہدین کا حوصلہ اور جذبہ برقرار رکھنے کے لیے سپہ سالار کا آگے ہونا ضروری تھا۔

چونکہ عَلَم بھی سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ کے پاس تھا اس لیے دشمن انہی پر تیر برساتا اور ہلّے بول رہا تھا زیدؓ کو تیر لگ چکے تھے۔ جسم سے خون بہ رہا تھا لیکن اُنہوں نے عَلَم نیچے نہ ہونا دیا اور ان کی للکار خاموش نہ ہوتی۔ عَلَم اٹھائے ہوئے وہ تلوار بھی چلا رہے تھے۔ پھر اُن کے جسم میں برچھیاں لگیں۔ آخر وہ گھوڑے سے گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ عَلَم گرتے ہی مجاہدین کچھ بددل ہوئے لیکن جعفرؓ بن ابی طالب نے بڑھ کر عَلَم اُٹھا لیا۔

"رسول اللہ کے شیدائیو! ــــ جعفرؓ نے عَلَم اوپر کر کے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ــــ "خدا کی قسم، اسلام کا عَلَم گر نہیں سکتا۔" ــــ اور اُنہوں نے زیدؓ بن حارثہ شہید کی جگہ سنبھال لی۔

مجاہدین لشکرِ کفار میں گم ہو گئے تھے لیکن اُن کا جذبہ قائم تھا۔ اُن کی للکار اور اُن کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ان کا عَلَم بلند تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد عَلَم گرنے لگا۔ عَلَم گرتا تھا، اٹھتا تھا۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ عَلَم بردار زخمی ہے اور وہ عَلَم کو سنبھال نہیں سکتا۔ عَلَم بردار سپہ سالار خود تھا۔ وہ جعفرؓ بن ابی طالب تھے۔ عبداللہؓ اُن کی طرف دوڑے۔ اُن تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

عبداللہؓ جعفرؓ تک پہنچے ہی تھے کہ جعفرؓ گر پڑے۔ اُن کا جسم خون میں نہا گیا تھا۔ جسم پر شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں تیر، تلوار یا برچھی کا زخم نہیں تھا۔ جعفرؓ گرتے ہی شہید ہو گئے۔ عبداللہؓ نے پرچم اٹھا کر بلند کیا اور نعرہ لگا کر مجاہدین کو بتایا کہ اُنہوں نے عَلَم اور سپہ سالاری سنبھال لی ہے۔

یہ دشمن کی فوج کا ایک حصہ تھا جس کی تعداد دس سے پندرہ ہزار تک تھی۔ یہ تمام تر نفری غسانی عیسائیوں کی تھی جو اس معرکے کو مذہبی جنگ سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ اتنی زیادہ تعداد کے خلاف تین ہزار مجاہدین کیا کر سکتے تھے لیکن اُن کی قیادت اتنی دانشمند اور عسکری لحاظ سے اتنی قابل تھی کہ اس کے تحت مجاہدین جنگی طریقے اور سلیقے سے لڑ رہے تھے۔ ان کا انداز لٹھ بازوں والا نہیں تھا مگر دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مجاہدین بکھرنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض اس انتشار اور دشمن کے دباؤ اور زور سے گھبرا کر معرکے سے نکل گئے لیکن وہ بھاگ کر کہیں گئے نہیں، قریب ہی کہیں موجود رہے۔ باقی مجاہدین انتشار کا شکار ہونے سے یُوں بچے کہ وہ چار چار یا پانچ پانچ اکٹھے ہو کر لڑتے رہے۔

جنگی مبصّرین نے لکھا ہے کہ غسّانی مسلمانوں کی اس افراتفری کی کیفیّت سے کچھ بھی فائدہ نہ اُٹھا سکے جس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اتنی بے جگری سے اور ایسی مہارت سے لڑ رہے تھے کہ غسّانیوں پر اُن کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا بکھر جانا بھی ان کی چال ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالاروں اور کمانداروں نے اس صورتِ حال کو یوں سنبھالا کہ اپنے آدمیوں کو معرکے سے نکالنے لگے تاکہ انہیں منظّم کیا جا سکے۔

اس دوران عَلَم ایک بار پھر گر پڑا۔ تیسرے سپہ سالار عبداللہؓ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے۔ اب کے مجاہدین میں بددلی نظر آنے لگی۔ عَلَم کا تیسری بار گرنا اچھا شگون نہیں تھا۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہی

تین سالار مقرر کیے تھے۔ اب مجاہدین کو سپہ سالار خود مقرر کرنا تھا۔
عَلم گرا ہوا تھا جو شکست کی نشانی تھی۔ ایک سرکردہ مجاہد ثابتؓ بن ارقم نے عَلم اٹھا کر بلند کیا اور نعرہ لگانے کے انداز سے کہا۔" اپنا سپہ سالار کسی کو بنالو۔ عَلم کو میں بلند رکھوں گا... میں ثابتؓ بن ارقم۔"
مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثابتؓ اپنے آپ کو سپہ سالاری کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور وہ مجاہدین کی رائے کے بغیر سپہ سالار بننا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ تین سالار اگر شہید ہو جائیں تو چوتھے سپہ سالار کا انتخاب مجاہدین خود کریں۔ ثابتؓ کی نظر خالدؓ بن ولید پر پڑی جو قریب ہی تھے مگر خالدؓ بن ولید کو مسلمان ہوئے ابھی تین ہی مہینے ہوئے تھے اس لیے انہیں اسلامی معاشرت میں ابھی کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ثابتؓ بن ارقم خالدؓ کے عسکری جوہر اور جذبے سے واقف تھے۔ انہوں نے عَلم خالدؓ کی طرف بڑھایا۔
"بیشک اس رتبے کے قابل تم ہو خالدؓ!"
"نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے جواب دیا۔۔۔ "میں ابھی اس کا مستحق نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے عَلم لینے سے انکار کر دیا۔
لڑائی کا زور کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ ثابتؓ نے للکار کر مجاہدین سے کہا کہ خالدؓ سے کہو کہ عَلم اور سپہ سالاری لے لے۔ بیشتر مجاہدین خالدؓ کی عسکری قابلیت سے واقف تھے اور قبیلہ قریش میں اُن کی حیثیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔
"خالدؓ... خالدؓ... خالدؓ"۔۔۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔۔۔ "خالدؓ ہمارا سپہ سالار ہے۔"
خالدؓ نے لپک کر عَلم ثابتؓ سے لے لیا۔

غسانی لڑ تو رہے تھے لیکن ذرا پیچھے ہٹ گئے تھے۔ خالدؓ کو پہلی بار آزادی سے قیادت کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ انہوں نے چند ایک مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور ان سے قاصدوں کا کام لینے لگے۔ خود بھی بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ لڑتے بھی رہے۔ اس طرح انہوں نے اُن مجاہدین کو جو لڑنے کے قابل رہ گئے تھے، یکجا کر کے منظم کر لیا اور انہیں پیچھے ہٹا لیا۔ غسانی بھی پیچھے ہٹ گئے اور دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑیں برسنے لگیں۔ فضا میں ہر طرف تیر اُڑ رہے تھے۔
خالدؓ نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اپنی نفری اور اس کی کیفیت دیکھی تو ان کے سامنے یہی ایک صورت رہ گئی تھی کہ معرکہ ختم کر دیں۔ دشمن کو کمک بھی مل رہی تھی لیکن خالدؓ پسپا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ پسپائی بجا تھی لیکن خطرہ یہ تھا کہ دشمن تعاقب میں آئے گا جس کا نتیجہ مجاہدین کی تباہی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔
خالدؓ نے سوچ سوچ کر ایک دلیرانہ فیصلہ کیا۔ وہ مجاہدین کے آگے ہو گئے اور غسانیوں پر ہلہ بول دیا۔ مجاہدین نے جب اپنے سپہ سالار اور اپنے عَلم کو آگے دیکھا تو اُن کے حوصلے تر و تازہ ہو گئے۔ یہ ہلہ اتنا دلیرانہ اور اتنا تیز تھا کہ کثیر تعداد غسانی عیسائیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ مجاہدین کے ہلے اور ان کی ضربوں میں قہر تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں (اور حدیث بھی ہے) کہ اس وقت تک خالدؓ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ چکی تھیں۔
خالدؓ دراصل غسانیوں کو بکھیر کر مجاہدین کو پیچھے ہٹانا چاہتے تھے۔ اس میں وہ کامیاب رہے۔ انہوں نے اپنے اور مجاہدین کے جذبے اور اسلام کے عشق کے بل بوتے پر یہ دلیرانہ حملہ کیا تھا۔ حملے اور ہلے کی

شدت نے تو پورا کام کیا لیکن غسانی مجاہدین کی اس غیر معمولی دلیری سے مرعوب ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ اُن میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کے دائیں پہلو کے سالار قطبہؓ بن قتادہ نے غسانیوں کے قلب میں گھس کر اُن کے سپہ سالار مالک کو قتل کر دیا۔ اس سے غسانیوں کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ تعداد کی افراط کے باوجود بہت پیچھے چلے گئے اور منظم نہ رہ سکے۔

خالدؓ نے اسی لیے یہ دلیرانہ حملہ کرایا تھا کہ مجاہدین کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ وہ انہوں نے کر لیا اور مجاہدین کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح یہ جنگ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی۔

جب مجاہدین خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ میں پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی کہ مجاہدین پسپا ہو کر آ رہے ہیں۔ مدینہ کے لوگوں نے مجاہدین کو طعنے دینے شروع کر دیئے کہ وہ بھاگ کر آئے ہیں۔ خالدؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور معرکے کی تمام تر روئیداد پیش کی۔ لوگوں کے طعنے بلند ہوتے جا رہے تھے۔

"خاموش ہو جاؤ"۔۔۔ رسولِ کریمؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔۔۔ "یہ میدانِ جنگ کے بھگوڑے نہیں۔ یہ لڑ کر آئے ہیں اور آئندہ بھی لڑیں گے۔۔۔۔ خالدؓ اللہ کی تلوار ہے"۔

ابنِ ہشام، واقدی اور مغازی لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کے یہ الفاظ خالدؓ بن ولید کا خطاب بن گئے۔ "سیف اللہ"۔۔۔ اللہ کی شمشیر۔ اس کے بعد یہ شمشیر اللہ کی راہ میں ہمیشہ بے نیام رہی۔

قبیلۂ قریش کا سردارِ اعلیٰ ابوسفیان جو کسی وقت للکار کر بات کیا کرتا اور مسلمانوں کو "محمدؐ کا گروہ" کہہ کر انہیں پلّے ہی نہیں باندھتا تھا، اب بُجھ کے رہ گیا تھا۔ خالدؓ بن ولید کے قبولِ اسلام کے بعد تو ابُوسفیان صرف سردار رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگ و جدل کے ساتھ اُس کا کبھی تعلق رہا ہی نہیں تھا۔ عثمانؓ بن طلحہ اور عمرو بن العاص جیسے ماہر جنگجو بھی اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اُس کے پاس ابھی عکرمہ اور صفوان جیسے سالار موجود تھے لیکن ابُوسفیان صاف طور پر محسوس کرنے لگا تھا کہ اُس کی یعنی قریش کی جنگی طاقت بہت کمزور ہوگئی ہے۔

"تم بُزدل ہوگئے ہو ابوسفیان!"۔۔۔ اُس کی بیوی ہُند نے ایک روز اُسے کہا۔۔۔ "تم مدینے والوں کو مہلت اور موقع دے رہے ہو کہ وہ لشکر اکٹھا کرتے چلے جائیں اور ایک روز آکر مکّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔"

"میرے ساتھ رہ ہی کون گیا ہے ہُند؟"۔۔۔ ابوسفیان نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"مجھے اُس شخص کی بیوی کہلانے شرم آتی ہے جو اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے مقتولین کے خون کا انتقام لینے سے ڈرتا ہے"۔۔۔ ہُند نے کہا۔

"میں قتل کر سکتا ہوں"۔۔۔ ابُوسفیان نے کہا۔۔۔ "میں قتل ہو سکتا ہوں۔ میں بُزدل نہیں، ڈرپوک بھی نہیں لیکن میں اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا.... کیا تم بھول گئی ہو کہ حدیبیہ میں محمدؐ کے ساتھ میرا کیا معاہدہ ہُوا تھا؟ .... اہلِ قریش اور مسلمان دس سال تک آپس میں نہیں لڑیں گے۔ اگر میں معاہدہ توڑ دوں اور میدانِ جنگ میں مسلمان ہم پر غالب آجائیں تو....؟"

"تم مت لڑو"۔۔۔ ہُند نے کہا۔۔۔ "قریش نہیں لڑیں گے۔ ہم کسی اور قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف لڑا سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کی تباہی ہے۔ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کو درپردہ مدد دے سکتے ہیں۔"

"قریش کے سوا کون ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی جرأت کرے گا؟"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔ "مُوتہ میں ہرقل اور غسّان کے ایک لاکھ کے لشکر نے مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا تھا؟ کیا تم نے سُنا نہیں تھا کہ ایک لاکھ کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی؟ .... میں اپنے قبیلے کے کسی آدمی کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کسی قبیلے کی مدد کے لیے جانے کی اجازت نہیں دُوں گا۔"

"مت بھول ابوسفیان!"۔۔۔ ہُند نے غضب ناک لہجے میں کہا۔۔۔ "میں وہ عورت ہوں جس نے اُحد کی لڑائی میں حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے اُس کا کلیجہ نکالا اور اُسے چبایا تھا۔ تم میرے خون کو کس طرح ٹھنڈا کر سکتے ہو؟"

"تم نے حمزہؓ کا نہیں اُس کی لاش کا پیٹ چاک کیا تھا"۔۔۔ ابوسفیان نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ

لاکر کہا "مسلمان لاشیں نہیں.... اور وہ جو کچھ بھی ہیں، خدا کی قسم میں معاہدہ نہیں توڑوں گا۔"

"معاہدہ تو میں بھی نہیں توڑوں گی" ــــ ہند نے کہا "لیکن مسلمانوں سے انتقام ضرور لوں گی اور یہ انتقام بھیانک ہوگا۔ قبیلہ قریش میں غیرت والے جنگجو موجود ہیں۔"

"آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟" ــــ ابوسفیان نے پوچھا۔

"تمہیں جلدی پتہ چل جائے گا" ــــ ہند نے کہا۔

مکہ کے گرد و نواح میں خزاعہ اور بنو بکر دو قبیلے آباد تھے۔ ان کی آپس میں بڑی پرانی عداوت تھی۔ حدیبیہ میں جب مسلمانوں اور قریش میں صلح ہوگئی اور دس سال تک عدمِ جارحیت کا معاہدہ ہو گیا تو یہ دونوں قبیلے اس طرح اس معاہدے کے فریق بن گئے کہ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کا اور قبیلہ بنو بکر نے قریش کا اتحادی بننے کا اعلان کر دیا تھا۔ معاہدہ جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا خزاعہ اور بنو بکر کے لیے یوں فائدہ مند ثابت ہوا کہ دونوں قبیلوں کی آئے دن کی لڑائیاں بند ہوگئیں۔

اچانک یوں ہوا کہ بنو بکر نے ایک رات خزاعہ کی ایک بستی پر حملہ کر دیا۔ یہ کوئی بھی نہ جان سکا کہ بنو بکر نے معاہدہ کیوں توڑ دیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ اس کے پیچھے ہند کا ہاتھ تھا۔ خزاعہ چونکہ مسلمانوں کے اتحادی تھے اس لیے ہند نے اس توقع پر خزاعہ پر بنو بکر سے حملہ کرایا تھا کہ خزاعہ مسلمانوں سے مدد مانگیں گے اور مسلمان اُن کی مدد کو ضرور آئیں گے اور وہ جب بنو بکر پر حملہ کریں گے تو قریش مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ غسانی عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش تھی۔ اُنہوں نے سوچا تھا کہ قریش اور مسلمانوں کے اتحادیوں کو آپس میں لڑا دیا جائے تو قریش اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو جائے گی۔ بنو بکر خزاعہ کے مقابلے میں طاقتور قبیلہ تھا۔ غسانیوں اور یہودیوں نے بنو بکر کی ایک لڑکی اغوا کر کے قبیلہ خزاعہ کی ایک بستی میں پہنچا دی اور بنو بکر کے سرداروں سے کہا کہ خزاعہ نے اُن کی لڑکی کو اغوا کیا ہے۔ بنو بکر نے جاسوسی کی اور پتہ چلا کہ اُن کی لڑکی واقعی خزاعہ کی ایک بستی میں ہے۔

ہند نے اپنے خاوند ابوسفیان کو بتائے بغیر قریش کے کچھ آدمی بنو بکر کو دے دیئے۔ ان میں قریش کے مشہور سالار عکرمہ اور صفوان بھی تھے۔ چونکہ حملہ رات کو کیا گیا تھا، اس لیے خزاعہ کے بیس آدمی مارے گئے۔ یہ راز ہر کسی کو معلوم ہو گیا کہ بنو بکر کے حملے میں قریش کے آدمی مدد کے لیے گئے تھے۔

خزاعہ کا سردار اپنے ساتھ دو تین آدمی لے کر مدینہ چلا گیا۔ خزاعہ غیر مسلم قبیلہ تھا۔ خزاعہ کے یہ آدمی حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچے اور آپؐ کو بتایا کہ بنو بکر نے قریش کی پشت پناہی سے حملہ کیا تھا اور قریش کے کچھ جنگجو بھی اس حملے میں شریک تھے۔ خزاعہ کے ایلچی نے رسولِ اکرمؐ کو بتایا کہ عکرمہ اور صفوان بھی حملے میں شامل تھے۔ رسولِ اکرمؐ غصے میں آ گئے۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ آپؐ نے مجاہدین کو تیاری کا حکم دے دیا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کا ردِّعمل بڑا ہی شدید تھا۔ اگر معاملہ صرف بنو بکر اور خزاعہ کی آپس کی لڑائی کا ہوتا تو حضورؐ شاید کچھ اور فیصلہ کرتے لیکن بنو بکر کے حملے میں قریش کے نامی گرامی سالار عکرمہ اور صفوان بھی شامل تھے اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ذمہ داری اہلِ

قریش پر عائد ہوتی ہے۔

"ابوسفیان نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی ہے"۔۔۔ مدینہ کی گلیوں اور گھروں میں آوازیں سنائی دینے لگیں ۔"رسول اللہ کے حکم پر ہم مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے..... اب قریش کو ہم اپنے قدموں میں بٹھا کر دم لیں گے"۔

رسول اللہ نے مکہ پر حملے کی تیاری کا حکم دے دیا۔

ابوسفیان کو اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ بنو بکر نے خزاعہ پر شب خون کی طرز کا حملہ کیا ہے اور خزاعہ کے کچھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اُسے یاد آیا کہ عکرمہ اور صفوان صبح سویرے گھوڑوں پر سوار کہیں سے آرہے تھے۔ اس نے اُن سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں تو انہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ گھوڑ دوڑ کے لیے گئے تھے۔ دوپہر کے وقت جب اُسے پتہ چلا کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا ہے تو اس نے عکرمہ اور صفوان کو بلایا۔

"تم دونوں مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ خزاعہ کی بستی پر بنو بکر کے حملے میں تم شریک نہیں تھے؟"۔۔۔ ابوسفیان نے اُن سے پوچھا۔

"کیا تم بھول گئے ہو کہ بنو بکر ہمارے دوست ہیں؟"۔۔۔ صفوان نے کہا۔۔۔"اگر دوست مدد کے لیے پکاریں تو کیا تم دوستوں کو پیٹھ دکھاؤ گے؟"

"میں کچھ بھی نہیں بھولا"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔"خدا کی قسم تم بھول گئے ہو کہ قبیلہ قریش کا سردار کون ہے..... میں ہوں تمہارا سردار..... میری اجازت کے بغیر تم کسی اور کا ساتھ نہیں دے سکتے"۔

"ابوسفیان!"۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔"میں تمہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں۔ تمہاری کمان میں لڑائیاں لڑی ہیں۔ تمہارا ہر حکم مانا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم قبیلے کے وقار کو مجروح کرتے چلے جارہے ہو۔ تم نے اپنے دل پر مدینے والوں کا خوف طاری کر لیا ہے"۔

"اگر میں قبیلے کا سردار ہوں تو میں کسی کو ایسا جرم بخشوں گا نہیں جو تم نے کیا ہے"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔

"ابوسفیان!"۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔"وہ وقت تمہیں یاد ہوگا جب خالد مدینہ کو رخصت ہوا تھا۔ تم نے اُسے بھی دھمکی دی تھی، اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہر کسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اُس عقیدے کا پیروکار ہو جائے جسے وہ اچھا سمجھتا ہے۔ اور میں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں بھی تمہارا ساتھ چھوڑنے اور محمدؐ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا"۔

"کیا تم نہیں سمجھتے کہ باوقار لوگ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے؟"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔"تم نے بنو بکر کا ساتھ دے کر اور مسلمانوں کے اتحادی قبیلے پر حملہ کر کے اپنے قبیلے کا وقار تباہ کر دیا ہے۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ محمدؐ نے مکہ پر حملہ کر دیا تو تم حملہ پسپا کر دو گے تو تم خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ کون سے میدان میں تم نے مسلمانوں کو شکست دی ہے؟ کتنا لشکر لے کر تم نے مدینہ کو محاصرے میں لیا تھا؟"

"وہاں سے پسپائی کا حکم تم نے دیا تھا"۔۔۔ صفوان نے کہا۔۔۔"تم نے ہار مان لی تھی"۔

"میں تم جیسے ضدی اور کوتاہ بیں آدمیوں کے پیچھے پورے قبیلے کو ذلیل و خوار نہیں کراؤں گا"۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔"میں مسلمانوں کے ساتھ ابھی چھیڑ خانی نہیں کر سکتا۔ میں محمدؐ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ایک دوست قبیلے نے مسلمانوں کے ایک دوست قبیلے پر حملہ کیا ہے اور اس میں قریش کے چند ایک آدمی شامل ہو گئے تھے تو اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں محمدؐ کو بتاؤں گا کہ قبیلہ قریش حدیبیہ کے معاہدے پر قائم ہے"۔

وہ عکرمہ اور صفوان کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

ابوسفیان اُسی روز مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ اہلِ مکہ حیران تھے کہ ابوسفیان اپنے دشمن کے پاس چلا گیا ہے۔ اُس کے خلاف آوازیں اُٹھنے لگیں۔ اُس کی بیوی ہند جو بڑے موٹے جسم اور اونچے قد کی عورت تھی، پھنکارتی پھر رہی تھی۔

مدینہ پہنچ کر ابوسفیان نے جس دروازے پر دستک دی وہ اُس کی اپنی بیٹی اُمِ حبیبہؓ کا گھر تھا۔ دروازہ کھلا۔ بیٹی نے اپنے باپ کو دیکھا تو بیٹی کے چہرے پر مسرت کی بجائے بے رُخی کا تاثر آ گیا۔ بیٹی اسلام قبول کر چکی تھی اور باپ اسلام کا دشمن تھا۔

"کیا باپ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا؟"۔۔ ابوسفیان نے اُمِ حبیبہؓ سے پوچھا۔

"اگر باپ وہ سچا مذہب قبول کرلے جو اُس کی بیٹی نے قبول کیا ہے تو بیٹی باپ کی راہ میں آنکھیں بچھائے گی"۔۔ اُمِ حبیبہؓ نے کہا۔

"بیٹی!"۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔"میں پریشانی کے عالم میں آیا ہوں۔ میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں"۔

"بیٹی کیا کر سکتی ہے؟"۔۔ اُمِ حبیبہؓ نے کہا۔۔"آپ رسولِ خدا کے پاس جائیں"۔

بیٹی کی اس بے رُخی پر ابوسفیان سٹپٹا اُٹھا۔ وہ رسولِ کریمؐ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اُس نے وہ شناسا چہرے دیکھے جو کبھی اہلِ قریش کہلاتے اور اُسے اپنا سردار مانتے تھے۔ اب اُس سے بیگانے ہو گئے تھے۔ وہ اُسے چُپ چاپ دیکھ رہے تھے۔ وہ اُن کا دشمن تھا۔ اُس نے ان کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُحد کی جنگ میں ابوسفیان کی بیوی ہند نے مسلمانوں کی لاشوں کے پیٹ چاک کیے اور اُن کے کان اور ناکیں کاٹ کر ان کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا تھا۔

ابوسفیان اہلِ مدینہ کی گھورتی ہوئی نظروں سے گزرتا رسولِ کریمؐ کے ہاں جا پہنچا۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ رسولِ کریمؐ نے مصافحہ کیا لیکن آپؐ کی بے رُخی نمایاں تھی۔ رسولِ کریمؐ کو اطلاع مل چکی تھی کہ بنو بکر نے اہلِ قریش کی مدد سے خزاعہ پر حملہ کیا ہے۔ آپؐ اہلِ قریش کو فریب کار سمجھ رہے تھے۔ ایسے دشمن کا آپؐ کے پاس ایک ہی علاج تھا کہ فوج کشی کرو تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم کمزور ہیں۔

"اے محمدؐ!"۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔"میں یہ غلط فہمی رفع کرنے آیا ہوں کہ میں نے حدیبیہ کے صلح نامے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اگر بنو بکر کی مدد کو قبیلہ قریش کے چند آدمی میری اجازت کے بغیر چلے گئے تو یہ میرا قصور نہیں۔ میں نے معاہدہ نہیں توڑا۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں معاہدے کی تجدید کے لیے تیار ہوں"۔

مؤرخین ابنِ ہشام اور مغازی کی تحریروں سے پتہ ملتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے نہ اُس کی طرف دیکھا نہ اُس کے ساتھ کوئی بات کی۔

رسولِ کریمؐ کی خاموشی نے ابُوسفیان پر خوف طاری کر دیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ آیا اور حضرت ابوبکرؓ سے جا ملا۔

"محمدؐ میری کوئی بات سُننے پر آمادہ نہیں"___ ابُوسفیان نے ابُوبکرؓ سے کہا۔ "تم ہم میں سے ہو ابوبکرؓ! خدا کی قسم، ہم گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے کہ اُس کی بات بھی نہ سُنیں۔ میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے آیا ہوں۔"

"اگر محمدؐ نے جو اللہ کے رسولؐ ہیں، تمہاری بات نہیں سُنی تو ہم تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے"___ ابوبکرؓ نے کہا ___ "ہم اُس جہان کی بات سُنا کرتے ہیں جو ہماری بات سنتا ہے۔ ابُوسفیان! کیا تم نے محمدؐ کی بات سُنی ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہُوا رسولؐ ہے؟ کیا تم نے اللہ کے رسولؐ کی یہ بات نہیں سُنی تھی کہ اللہ ایک ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ .... سُنی تھی تو تم رسولؐ کے دشمن کیوں ہو گئے تھے؟"

"کیا تم میری کوئی مدد نہیں کرو گے ابوبکرؓ؟"___ ابُوسفیان نے التجا کی۔

"نہیں"___ ابوبکرؓ نے کہا ___ "ہم اپنے رسولؐ کے حکم کے پابند ہیں۔"

ابُوسفیان مایوسی کے عالم میں سر جھکائے ہوئے چلا گیا اور کسی سے حضرت عمرؓ کا گھر پُوچھ کر اُن کے سامنے جا بیٹھا۔

"اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو مدینہ میں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے"___ عمرؓ نے کہا ___ "خدا کی قسم، تم اسلام قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔"

ابُوسفیان نے عمرؓ کو مدینہ میں آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی کہ رسولِ کریمؐ نے اُس کے ساتھ بات تک نہیں کی اور ابوبکرؓ نے بھی اُس کی مدد نہیں کی۔

"میرے پاس اگر چیونٹیوں جیسی کمزور فوج ہو تو بھی تمہارے خلاف لڑوں گا"___ عمرؓ نے کہا ___ "تم میرے نہیں، میرے رسولؐ اور میرے مذہب کے دشمن ہو۔ میرا رویہ وہی ہو گا جو اللہ کے رسولؐ کا ہے۔"

ابُوسفیان فاطمہؓ سے ملا، حضرت علیؓ سے ملا لیکن کسی نے بھی اُس کی بات نہ سُنی۔ وہ مایوس اور نامراد مدینے سے نکلا۔ اُس کے گھوڑے کی چال اب وہ نہیں تھی جو مدینہ کی طرف آتے وقت تھی۔ گھوڑے کا بھی جیسے سر جُھکا ہُوا تھا۔ وہ مکّہ کو جا رہا تھا۔

رسولِ خداؐ نے اُس کے جانے کے بعد ان الفاظ میں حکم دیا کہ مکّہ پر حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج تیار کی جائے۔ آپ کے حکم میں خاص طور پر شامل تھا کہ جنگی تیاری اتنے بڑے پیمانے کی ہو کہ مکّہ والوں کو فیصلہ کُن شکست دے کر قریش کو ہمیشہ کے لیے تہِ تیغ کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ کُوچ بہت تیز ہو گا اور راستہ ایسا خفیہ رکھا جائے گا کہ مکّہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لیا جائے یا مکّہ کے قریب اتنی تیزی سے پہنچا جائے کہ قریش کو مہلت نہ مل سکے کہ وہ اپنے

اتحادی قبائل کو مدد کے لیے بُلا سکیں۔

مدینہ میں مسلمانوں نے راتوں کو بھی سونا چھوڑ دیا۔ جدھر دیکھو تیر تیار ہو رہے تھے۔ تیروں سے بھری ہوئی ترکشوں کے انبار لگتے جا رہے تھے۔ برچھیاں بن رہی تھیں۔ گھوڑے اور اونٹ تیار ہو رہے تھے تلواریں تیز ہو رہی تھیں، نئی بن رہی تھیں۔ عورتیں اور بچے بھی جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ بھاگتے دوڑتے نظر آتے تھے۔

مدینہ میں ایک گھر تھا جس کے اندر کچھ اور سرگرمی تھی۔ وہ غیر مسلم گھرانہ تھا۔ وہاں ایک اجنبی آیا بیٹھا تھا۔ گھر میں ایک بوڑھا تھا، ایک ادھیڑ عمر آدمی، ایک جوان لڑکی، ایک ادھیڑ عمر عورت اور دو تین بچے تھے۔

"میں مسلمانوں کے ارادے دیکھ آیا ہوں" — اجنبی نے کہا — "ان کا ارادہ ہے کہ مکہ والوں کو بے خبری میں جا لیں۔ بلاشک و شبہ محمدؐ جنگی چالوں کا ماہر ہے۔ اُس نے جو کہا ہے وہ کر کے دکھا دے گا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟" — بوڑھے نے پوچھا۔

"میرے بزرگ!" — اجنبی نے کہا — "ہم اور کچھ نہیں کر سکتے لیکن ہم مکہ والوں کو خبردار کر سکتے ہیں کہ تیار رہو اور اِدھر اُدھر کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لو اور مکہ کے راستے میں کہیں گھات لگا کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو۔ مکہ پہنچنے تک ان پر شبخون مارتے رہو۔ مسلمان جب مکہ پہنچیں گے تو ان کا دم خم ٹوٹ چکا ہو گا۔"

"قسم اُس کی جسے میں پوجتا ہوں" — بوڑھے نے جوشیلی آواز میں کہا — "تم عقل والے ہو تم خدائے یہودہ کے سچے پجاری ہو۔ خدائے یہودہ نے تمہیں عقل و دانش عطا کی ہے۔ کیا تم مکہ نہیں جا سکتے؟"

"نہیں" — اجنبی نے کہا — "مسلمان ہر غیر مسلم کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں میں یہودی ہوں۔ وہ مجھ پر شک کریں گے ۔۔۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔ مجھے اُن یہودیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں مسلمانوں نے قتل کیا تھا۔ میری رگوں میں بنو قریظہ کا خون دوڑ رہا ہے۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں مسلمانوں کو جڑ میں لگا تا رہوں۔ اگر میں اپنا یہ فرض ادا نہ کروں تو خدائے یہودہ مجھے اُس کتے کی موت مارے جس کے جسم پر خارش اور پھوڑے ہوتے ہیں اور وہ تڑپ تڑپ کر مرتا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میں پکڑا جاؤں۔ میں مسلمانوں کو ڈنک مارنے کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"میں بوڑھا ہوں" — بوڑھے نے کہا — "مکہ دُور ہے۔ گھوڑے یا اونٹ پر اتنا تیز سفر نہیں کر سکوں گا کہ مسلمانوں سے پہلے مکہ پہنچ جاؤں۔ یہ کام بچوں اور عورتوں کا بھی نہیں۔ میرا بیٹا ہے مگر بیمار ہے۔"

"اُس انعام کو دیکھو جو ہم تمہیں دے رہے ہیں" — اجنبی یہودی نے کہا — "یہ کام کر دو۔ انعام کے علاوہ ہم تمہیں اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی حفاظت میں لے لیں گے۔"

"کیا یہ کام میں کر سکتی ہوں؟" — ادھیڑ عمر عورت نے کہا — "تم نے میری اونٹنی نہیں دیکھی؟ تم

نے مجھے اونٹنی کی پیٹھ پر کبھی نہیں دیکھا؟ اتنی تیز اونٹنی مدینہ میں کسی کے پاس نہیں۔"

"ہاں!" — یہودی نے کہا — "تم یہ کام کر سکتی ہو۔ اونٹوں اور بکریوں کو باہر لے جاؤ۔ تمہاری طرف کوئی دھیان نہیں دے گا۔ تم انہیں چرانے کے لیے ہر روز لے جاتی ہو۔ آج بھی لے جاؤ اور مدینہ سے کچھ دور جاکر اپنی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ" — اُس نے ایک کاغذ اُس عورت کو دیتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے سر کے بالوں میں چھپا لو۔ اونٹنی کو دوڑاتی لے جاؤ اور مکّہ میں اُبوسفیان کے گھر جاؤ اور بالوں میں سے یہ کاغذ نکال کر اُسے دے دو۔"

"لاؤ" — عورت نے کاغذ لے کر کہا — "پُورا انعام میرے دوسرے ہاتھ پر رکھ دو اور اس یقین کے ساتھ میرے گھر سے جاؤ کہ مسلمان مکّہ سے واپس آئیں گے تو ان کی تعداد آدھی بھی نہیں ہوگی اور ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور شکست ان کے چہروں پر لکھی ہوئی ہوگی۔"

یہودی نے سونے کے تین ٹکڑے عورت کو دیئے اور بولا — "یہ اُس انعام کا نصف ہے جو ہم تمہیں اُس وقت دیں گے جب تم یہ پیغام اُبوسفیان کے ہاتھ میں دے کر واپس آجاؤ گی۔"

"اگر میں نے کام کر دیا اور زندہ واپس نہ آسکی تو؟"

"باقی انعام تمہارے بیمار خاوند کو ملے گا" — یہودی نے کہا۔

یہ عورت (کسی بھی تاریخ میں نام نہیں دیا گیا) اپنے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے لے گئی۔ انہیں وہ ہانکتی لے جا رہی تھی۔ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ اونٹوں کی پیٹھیں ننگی تھیں لیکن ایک اونٹنی سواری کے لیے تیار کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ اور ایک تھیلا بھی بندھا ہُوا تھا۔ عورت اس ریوڑ کو شہر سے دُور لے گئی۔

بہت دیر گزر گئی تو یہودی نے اُس جوان لڑکی کو جو گھر میں تھی، کہا — "وہ جا چکی ہوگی۔ تم جاؤ اور اونٹوں اور بکریوں کو شام کے وقت واپس لے آنا۔"

وہ لڑکی ہاتھ میں گڈریوں والی لاٹھی لے کر باہر نکل گئی لیکن وہ شہر سے باہر جانے کی بجائے شہر کے اندر چلی گئی۔ وہ اس طرح اِدھر اُدھر دیکھتی جا رہی تھی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ وہ گلیوں میں سے گزری اور ایک میدان میں جا رُکی۔ وہاں بہت سے مسلمان ڈھالیں اور تلواریں لیے تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ ایک طرف شُتر دوڑ ہو رہی تھی۔ تماشائیوں کا بھی ہجوم تھا۔

لڑکی اس ہجوم کے اردگرد گھومنے لگی۔ وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے جو بڑھتے جا رہے تھے۔ اُس کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے۔ ایک جواں سال آدمی نے اُسے دیکھ لیا اور بڑی تیز چلتا اُس کے پیچھے گیا۔ قریب پہنچ کر اُس نے دھیمی سی آواز میں کہا — "زاریہ!" لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اُس کے چہرے سے پریشانی کا تأثر اُڑ گیا۔

"وہیں آجاؤ" — زاریہ نے کہا اور وہ دوسری طرف چلی گئی۔

زاریہ کو وہاں پہنچتے خاصا وقت لگ گیا جہاں وہ عورت اونٹوں اور بکریوں کو لے جایا کرتی تھی۔

اونٹ اور بکریاں وہیں تھیں، وہ عورت اور اُس کی اونٹنی وہاں نہیں تھی۔ زاریہ وہاں اس انداز سے بیٹھ گئی جیسے بکریاں چرانے آئی ہو۔ وہ بار بار اُٹھتی اور شہر کی طرف دیکھتی تھی۔ اُسے اپنی طرف کوئی آتا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ایک بار پھر پریشان ہونے لگی۔

سورج ڈوبنے کے لیے افق کی طرف جارہا تھا جب وہ آتا دکھائی دیا۔ زاریہ نے سکون کی آہ بھری اور بیٹھ گئی۔

"اوہ عبید!"۔۔۔ زاریہ نے اُسے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔۔۔ "تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ میں پریشان ہو رہی ہوں۔"

"کیا میں نے تمہیں پریشانی کا علاج بتایا نہیں؟"۔۔۔ عبید نے کہا۔۔۔ "میرے مذہب میں آجاؤ اور تمہاری پریشانی ختم ہو جائے گی۔ جب تک تم اسلام قبول نہیں کرتیں میں تمہیں اپنی بیوی نہیں بنا سکتا۔ سوچو زاریہ سوچو۔ ہم کب تک اِس طرح چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے۔"

"یہ باتیں پھر کرلیں گے"۔۔۔ زاریہ نے کہا۔۔۔ "میری محبت مذہب کی پابند نہیں۔ میں تمہاری ہی پوجا کرتی ہوں۔ خوابوں میں بھی تمہیں ہی دیکھتی ہوں لیکن آج میرے دل پر بوجھ آپڑا ہے۔"

"کیسا بوجھ؟"

"مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے جارہے ہیں"۔۔۔ زاریہ نے کہا۔۔۔ "تم نہ جاؤ عبید! تمہیں اپنے مذہب کی قسم ہے نہ جانا.... کہیں ایسا نہ ہو...."

"مکّہ والوں میں اتنی جان نہیں رہی کہ ہمارے مقابلے میں جم سکیں"۔۔۔ عبید نے کہا۔۔۔ "لیکن زاریہ! اُن میں جان ہو نہ ہو، مجھے اگر میرے رسول ﷺ آگ میں کُود جانے کا حکم دیں گے تو میں آپ ﷺ کا حکم مانوں گا.... دل پر بوجھ نہ ڈالو زاریہ! ہمارا یہ حملہ ایسا ہوگا کہ انہیں اُس وقت ہماری خبر ہوگی جب ہماری تلواریں اُن کے سروں پر چمک رہی ہوں گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا عبید!"۔۔۔ زاریہ نے پریشانی اور جذبات کی شدت سے عبید کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا۔۔۔ "ایسا نہیں ہوگا۔ وہ گھات میں بیٹھے ہوں گے۔ آج رات کے پچھلے پہر یا کل صبح ابوسفیان کو پیغام مل جائے گا کہ مسلمان تمہیں بے خبری میں دبوچنے کے لیے آرہے ہیں.... تم نہ جانا عبید! قریش اور اُن کے دوست قبیلے تیار ہوں گے۔"

"کیا کہہ رہی ہو زاریہ؟"۔۔۔ عبید نے بدک کر اپنا سر اُس کے سینے سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔۔۔ "ابوسفیان کو کس نے پیغام بھیجا ہے؟"

"ایک یہودی نے"۔۔۔ زاریہ نے کہا۔۔۔ "اور پیغام میرے بڑے بھائی کی بیوی لے کر گئی ہے.... میری محبت کا اندازہ کرو عبید! میں نے تمہیں وہ راز دے دیا ہے جو مجھے نہیں دینا چاہئے تھا۔ یہ صرف اس لیے دیا ہے کہ تم کسی بہانے رُک جاؤ۔ قریش اور دوسرے قبیلے مسلمانوں کا کشت و خون کریں گے کہ کوئی قسمت والا مسلمان زندہ واپس آئے گا۔"

عبید نے اُس سے پوچھ لیا کہ اُس کے بھائی کی بیوی کس طرح اور کس وقت روانہ ہوئی ہے۔ عبید اُٹھ کھڑا ہوا اور زاریہ جیسی حسین اور نوجوان لڑکی اور اُس کی والہانہ محبت کو نظر انداز کر کے شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ اُسے زاریہ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔۔۔ "عبید!... رُک جا عبید!"۔۔۔ اور عبید زاریہ کی نظروں

سے اوجھل ہو گیا۔

رسولِ کریم کو پوری تفصیل سے بتایا گیا کہ ایک عورت بڑی تیز رفتار اونٹنی پر ابو سفیان کے نام پیغام اپنے بالوں میں چھپا کر لے گئی ہے۔ اُسے ابھی راستے میں ہونا چاہئے تھا۔ رسولِ کریم نے اُسی وقت حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر اس عورت اور اُس کی اونٹنی کی نشانیاں بتائیں اور انہیں اس عورت کو راستے میں پکڑنے کو بھیج دیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے عربی نسل کے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت گھوڑے تیار کیے اور ایڑیں لگا دیں۔ اُس وقت سُورج غروب ہو رہا تھا۔ دونوں شاہسوار مدینہ سے دُور نکل گئے تو سورج غروب ہو گیا۔

اگلے دن کا سورج طلوع ہُوا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے مدینہ میں داخل ہوئے۔ اُن کے درمیان ایک اونٹنی تھی جس پر ایک عورت سوار تھی۔ مدینہ کے کئی لوگوں نے اس عورت کو پہچان لیا۔ اُسے رسولِ کریم کے پاس لے گئے۔ اُس کے بالوں سے جو پیغام نکالا گیا تھا وہ حضورؐ کے حوالے کیا گیا۔ آپؐ نے پیغام پڑھا تو چہرہ لال ہو گیا۔ یہ بڑا ہی خطرناک پیغام تھا۔ اس عورت نے اقبالِ جُرم کر لیا اور پیغام دینے والے یہودی کا نام بھی بتا دیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اِس عورت کو سزائے موت دے دی لیکن یہودی اُس کے گھر سے غائب ہو گیا تھا — اگر یہ پیغام مکّہ پہنچ جاتا تو مسلمانوں کا انجام بہت بُرا ہوتا۔ مکّہ پر فوج کشی کی قیادت رسول اللہؐ فرما رہے تھے۔

رسول اللہؐ نے تیاریوں کا جائزہ لیا اور کُوچ کا حکم دے دیا۔

اس اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار پیادہ اور سوار تھی۔ اس لشکر میں مدینہ کے اردگرد کے وہ قبیلے بھی شامل تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ لشکر مکّہ جا رہا تھا تو راستے میں دو تین قبیلے اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ تقریباً تمام مُسلم اور غیر مُسلم مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رسولِ خداؐ کی قیادت میں اِس لشکر کی پیشقدمی غیر معمولی طور پر تیز تھی اور یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا جس کی نفری دس ہزار تک پہنچی تھی۔

یہ لشکر مکّہ کے شمال مغرب میں ایک وادی مرّ الظہران میں پہنچ گیا جو مکّہ سے تقریباً دس میل دُور ہے۔ اس وادی کا ایک حصہ وادیٔ فاطمہ کہلاتا ہے۔ رسولِ اکرمؐ اس مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے کہ اہلِ مکّہ کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو۔ اب خبر ہو بھی جاتی تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب قریش دوسرے قبیلوں کو مدد کے لیے بُلا نہیں سکتے تھے۔ رسولِ اکرمؐ نے کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے آدمی مکّہ کے قریب گرد و نواح میں بھیج دیئے تھے۔

تھوڑی دیر آرام کر کے اِسلامی لشکر مکّہ کی طرف چل پڑا۔ جُعفہ ایک مقام ہے جہاں لشکر کا ہراول دستہ پہنچا تو مکّہ کی طرف سے چھوٹا سا ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔ اِسے قریب آنے دیا گیا۔ دیکھا وہ قریش کا ایک سرکردہ آدمی عباس تھا جو اپنے پُورے خاندان کو ساتھ لیے مدینہ کو جا رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے نام سے تاریخِ اسلام میں شہرت حاصل کی۔ انہیں رسولِ اکرمؐ کے حضور لے

جایا گیا۔ آپؐ انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

"کیوں عباسؓ!" —— رسولِ اکرمؐ نے کہا "کیا تُو اس لیے مکّہ سے بھاگ نکلا ہے کہ مکّہ پر قیامت ٹوٹنے والی ہے؟"

"خدا کی قسم، مکّہ والوں کو خبر ہی نہیں کہ محمدؐ کا لشکر اُن کے سر پر آ گیا ہے" —— عباسؓ نے کہا "اور میں تیری اطاعت قبول کرنے مدینہ کو جا رہا تھا۔"

"میری نہیں عباسؓ!" —— رسولِ خداؐ نے کہا "اطاعت اُس اللہ کی قبول کر جو واحدہٗ لاشریک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ میں اُس کا بھیجا ہُوا رسول ہوں۔"

حضرت عباسؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ رسولِ کریمؐ نے انہیں گلے لگا لیا۔ آپؐ کو مسرّت اس سے ہُوتی کہ اہلِ قریش مکّہ میں بے فکر اور بے غم بیٹھے تھے۔

حضرت عباسؓ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اُنہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ اہلِ قریش آخر ہمارا اپنا خون ہے۔ دس ہزار کے اس لشکر کے قدموں میں قریش کے بچّے اور عورتیں بھی کچلی جائیں گی۔ عباسؓ نے رسول اللہؐ کو یہ بھی بتایا کہ قریش میں اسلام کی قبولیّت کی ایک لہر پیدا ہو گئی ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ انہیں صلح کا ایک موقع دے دیا جائے؟

رسولِ اکرمؐ نے عباسؓ سے کہا کہ وہی مکّہ جائیں اور ابُوسفیان سے کہیں کہ مسلمان مکّہ پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔ اگر اہلِ مکّہ نے مقابلہ کیا تو کسی کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ مکّہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔

رسُولِ اکرمؐ نے عباسؓ کو نہ صرف مکّہ جانے کی اجازت دی بلکہ اُنہیں اپنا خچر بھی دیا جو آپؐ گھوڑے کے علاوہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ابُوسفیان مدینہ سے جو تاثر لے کر گیا تھا وہ اُس کے لیے بڑا ہی ڈراؤنا اور خطرناک تھا۔ وہ تجربہ کار آدمی تھا اور وہ مسلمانوں کی شجاعت اور عزم کی پختگی سے بھی واقف تھا۔ اُسے ہر لمحہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کریں گے۔ اُس کی بیوی ہُند، اُس کے سالار عکرمہ اور صفوان اُس کا حوصلہ بڑھاتے رہتے تھے لیکن اُسے اپنے ذاتی وقار کی اور اپنے قبیلے کی تباہی نظر آ رہی تھی۔ وہ ہر وقت بے چین رہنے لگا تھا۔

ایک روز وہ اس قدر بے چین ہُوا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکّہ سے باہر چلا گیا۔ اُس کی کوئی حس اُسے بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اُس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہوتی چلی گئی۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ ہو گا یہی کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے آ جائیں گے۔ یہ سوچ کر وہ یہ دیکھنے کے لیے مدینے کے راستے پر ہو لیا کہ مدینہ کی فوج آ ہی تو نہیں رہی؟ اُسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کی بُو بھی بدلی بدلی سی ہو۔

وہ اِن سوچوں میں گم مکّہ سے چند میل دور نکل گیا۔ اُسے عباسؓ ایک خچر پر سوار اپنی طرف آتے دکھائی دیتے۔ وہ رُک گیا۔

"عباسؓ!" —— اُس نے پوچھا "کیا تم اپنے پُورے خاندان کے ساتھ نہیں گئے تھے؟

واپس کیوں آ گئے ہو؟"

"میرے خاندان کی مت پوچھ ابُوسفیان!"— عباسؓ نے کہا —"مسلمانوں کے دس ہزار پیادوں، گھوڑسواروں اور شتر سواروں کا لشکر مکہ کے اتنا قریب پہنچ چکا ہے جہاں سے چھوڑے ہوئے تیر مکہ کے دروازوں میں لگ سکتے ہیں۔ کیا تو مکہ کو اس لشکر سے بچا سکتا ہے؟ کسی کو مدد کے لیے بلا سکتا ہے تو؟ صلح کا معاہدہ تیرے سالاروں نے توڑا ہے۔ محمدؐ جسے میں اللہ کا رسولؐ مان چکا ہوں، سب سے پہلے تجھے قتل کرے گا۔ اگر تو میرے ساتھ رسول اللہؐ کے پاس چلا چلے تو میں تیری جان بچا سکتا ہوں۔"

"خدا کی قسم، میں جانتا تھا مجھ پر یہ وقت بھی آئے گا"— ابُوسفیان نے کہا —"چل میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔"

شام کے بعد عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لیے مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کیمپ کے پہرے داروں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے ابُوسفیان کو دیکھا تو آگ بگولا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ اللہ کے دین کا یہ دشمن ہمارے پڑاؤ میں رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر آیا ہے۔ عمرؓ رسول اللہؐ کے خیمے کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ ابُوسفیان کے قتل کی اجازت لینے گئے تھے لیکن عباسؓ بھی پہنچ گئے۔ رسولِ اکرمؐ نے انہیں صبح آنے کو کہا۔ عباسؓ نے ابوسفیان کو رات اپنے پاس رکھا۔

"ابُوسفیان!"— صبح رسولِ کریمؐ نے ابوسفیان سے پوچھا —"کیا تو جانتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور وہی معبود ہے اور وہی ہم سب کا مددگار ہے؟"

"میں نے یہ ضرور مان لیا ہے کہ جن بُتوں کی عبادت میں کرتا رہا ہوں وہ بُتوں کے سوا کچھ بھی نہیں"— ابوسفیان نے کہا —"وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکے۔"

"پھر یہ کیوں نہیں مان لیتا کہ میں اُس اللہ کا رسولؐ ہوں جو معبود ہے؟"— رسول کریمؐ نے پوچھا۔

"میں شاید یہ نہ مانوں کہ تم اللہ کے رسولؐ ہو"— ابُوسفیان ہاری ہوئی سی آواز میں بولا۔

"ابوسفیان!"— عباس نے قہر بھری آواز سے کہا —"کیا تو میری تلوار سے اپنا سر تن سے جُدا کرانا چاہتا ہے؟"— عباسؓ نے رسولِ کریمؐ سے کہا —"یا رسول اللہؐ! ابوسفیان ایک قبیلے کا سردار ہے۔ باوقار اور خوددار بھی ہے۔ یہ ملتجی ہو کے آیا ہے۔"

ابوسفیان پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ اُس نے بے اختیار کہا —"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں .... میں نے تسلیم کر لیا۔ میں نے مان لیا۔"

"جاؤ"— رسولِ کریمؐ نے کہا —"مکہ میں اعلان کر دو کہ مکہ کے وہ لوگ مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہیں گے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو مسجد میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو اپنے دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں رہیں گے۔"

ابوسفیان اُسی وقت مکہ کو روانہ ہو گیا اور رسولِ اکرمؐ نے صحابہؓ کرام کے ساتھ اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات شروع کر دیا کہ مکہ میں عکرمہ اور صفوان جیسے ماہر اور دلیر سالار موجود ہیں۔ وہ مقابلہ کیے بغیر مکہ پر قبضہ نہیں ہونے دیں گے۔

اُونٹ بہت تیز دوڑا آرہا تھا۔ جب وہ مکّہ کے قریب پہنچا تو اس کے سوار نے چلاّنا شروع کر دیا ـــ "عزّیٰ اور ہبل کی قسم۔ مدینہ والوں کا لشکر مرّالظّہر میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے اور میں نے اپنے سردار ابُوسفیان کو وہاں جاتے دیکھا ہے... اہلِ قریش! ہوشیار ہو جاؤ۔ محمدؐ کا لشکر آرہا ہے" ـــ اُس نے اونٹ کو روکا اور اسے بٹھا کر اترنے کی بجائے اس کی پیٹھ سے کُود کر اُترا۔

اُس کی پکار جس نے سنی وہ دوڑا آیا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں یہی کہے جارہا تھا کہ مدینہ کا لشکر مرّالظّہر تک آن پہنچا ہے اور ابُوسفیان کو اس لشکر کے پڑاؤ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ مکّہ کے لوگ اُس کے اردگرد اکٹھے ہوتے چلے گئے۔

"ابُوحسنہ!" ـــ ایک معمّر آدمی نے اُسے کہا ـــ "تیرا دماغ صحیح نہیں یا تُو جھوٹ بول رہا ہے۔"

"میری بات کو جھوٹ سمجھو گے تو اپنے انجام کو بہت جلدی پہنچ جاؤ گے" ـــ شتر سوار ابُوحسنہ نے کہا ـــ "کسی سے پوچھو ہمارا سردار اُدھر کیوں گیا ہے؟" ـــ اُس نے پھر چلاّنا شروع کر دیا ـــ "اے قبیلۂ قریش! مسلمان اچھی نیّت سے نہیں آتے۔"

ابُوحسنہ کا واویلا مکّہ کی گلیوں سے ہوتا ہُوا ابُوسفیان کی بیوی ہند کے کانوں تک پہنچا۔ وہ آگ بگولہ ہو کے باہر آئی اور اُس ہجوم کو چیرنے لگی جس نے ابُوحسنہ کو گھیر رکھا تھا۔

"ابُوحسنہ!" ـــ اُس نے ابُوحسنہ کا گریبان پکڑ کر کہا ـــ "میری تلوار محمدؐ کے خون کی پیاسی ہے۔ تُو میری تلوار سے اپنی گردن کٹوانے کیوں آگیا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ جس پر تُو جھوٹا الزام تھوپ رہا ہے وہ میرا شوہر اور قبیلے کا سردار ہے؟"

"اپنی تلوار گھر سے لے آ خاتون!" ـــ ابُوحسنہ نے کہا ـــ "لیکن تیرا شوہر آجائے تو اُس سے پوچھنا وہ کہاں سے آیا ہے۔"

"اور تُو کہتا ہے محمدؐ لشکر لے کر آیا ہے؟" ـــ ہند نے پوچھا۔

"خدا کی قسم!" ـــ ابوحسنہ نے کہا ـــ "میں وہ کہتا ہوں جو میں نے دیکھا ہے۔"

"اگر تُو سچ کہتا ہے تو مسلمانوں کو موت اِدھر لے آئی ہے" ـــ ہند نے کہا۔

ابُوسفیان واپس آرہا تھا۔

○

اہلِ مکّہ ایک میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیش... اب راز نہیں رہ گئی تھی لیکن اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اہلِ قریش اب کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتے تھے۔ ابُوسفیان آرہا تھا۔ لوگوں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ابُوسفیان کی بیوی ہند لوگوں کو دائیں بائیں دھکیلتی آگے چلی گئی۔ اُس کے چہرے پر قہر اور غضب تھا اور اُس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ ابُوسفیان نے لوگوں کے سامنے آکر گھوڑا روکا۔ اُس نے اپنی بیوی کی طرف توجہ نہ دی۔

"اہلِ قریش!۔۔۔ ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔"پہلے میری بات ٹھنڈے دل سے سُن لینا، پھر کوئی اور بات کہنا۔ میں تمہارا سردار ہوں۔ مجھے تمہارا وقار عزیز ہے.... محمدؐ اتنا زیادہ لاؤلشکر لے کر آیا ہے جس کے مقابلے میں تم قتل ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گے۔ اپنی عورتوں کو بچاؤ۔ اپنے بچّوں کو بچاؤ۔ قبول کر لو اُس حقیقت کو جو تمہارے سر پر آگئی ہے۔ تمہارے لیے بھاگ جانے کا بھی کوئی راستہ نہیں رہا۔"

"ہمیں یہ بتا ہمارے سردار، ہم کیا کریں؟"۔۔۔ لوگوں میں سے کسی کی آواز آئی۔

"محمدؐ کی اطاعت قبول کر لینے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔

"خُدا کی قسم مسلمان ہمیں پھر بھی نہیں بخشیں گے"۔۔۔ ایک اور آواز اُٹھی ۔۔۔"وہ اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں گے۔ وہ سب سے پہلے تمہیں قتل کریں گے۔ اُحد میں تمہاری بیوی نے اُن کی لاشوں کو چیرا پھاڑا تھا۔"

ہِند الگ کھڑی پُھنکار رہی تھی۔

"میں تم سب کی سلامتی کی ضمانت لے آیا ہُوں"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا ۔۔۔"میں محمدؐ سے مِل کر آرہا ہُوں۔ اُس نے کہا ہے کہ تم میں سے جو میرے گھر میں آجائیں گے وہ مسلمانوں کے جبر و تشدّد سے محفوظ رہیں گے۔"

"کیا مکّہ کے سب لوگ تمہارے گھر میں سما سکتے ہیں؟"۔۔۔ کسی نے پُوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا ۔۔۔"محمدؐ نے کہا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے اور اُن کے دروازے بند رہیں گے، اُن پر بھی مسلمان ہاتھ نہیں اٹھائیں گے.... اور جو لوگ خانۂ خدا کے اندر چلے جائیں گے، اُن کو بھی مسلمان اپنا دوست سمجھیں گے۔ وہ دشمن صرف اُسے جانیں گے جو ہتھیار لے کر باہر آئے گا"۔۔۔ ابوسفیان گھوڑے سے اُتر آیا اور بولا ۔۔۔"تمہاری سلامتی اسی میں ہے، تمہاری عزّت اسی میں ہے کہ تم دوستوں اور بھائیوں کی طرح اُن کا استقبال کرو۔"

"ابوسفیان!۔۔۔ قریش کے مشہور سالار عکرمہ نے للکار کر کہا ۔۔۔"ہم اپنے قبیلے کے قاتلوں کا استقبال تلواروں اور برچھیوں سے کریں گے۔"

"ہمارے تیر اُن کا استقبال مکّہ سے دُور کریں گے"۔۔۔ قریش کے دوسرے دلیر اور تجربہ کار سالار صفوان نے کہا ۔۔۔"ہمیں اپنے دیوتاؤں کی قسم، ہم دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں بند نہیں رہیں گے۔"

"حالات کو دیکھو عکرمہ!۔۔۔ ابوسفیان نے کہا ۔۔۔"ہوش کی بات کرو صفوان! وہ ہم میں سے ہیں۔ آج خالدؓ محمدؐ کے ساتھ جا مِلا ہے تو مت بُھول کہ اُس کی بہن فاختہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا تو اپنی بیوی کے بھائی کو قتل کرے گا؟.... کیا تجھے یاد نہیں رہا کہ میری بیٹی اُمِّ حبیبہؓ محمدؐ کی بیوی ہے؟ کیا تو یقین نہیں کرے گا کہ میں اپنے قبیلے کی عزت اور ناموس کی خاطر مدینہ گیا تو میری اپنی بیٹی نے میری بات سننے سے انکار کر دیا تھا؟ میں محمدؐ کے گھر میں چارپائی پر بیٹھنے لگا تو اُمِّ حبیبہؓ نے میرے نیچے سے چارپائی پر بچھی ہوئی چادر کھینچ لی تھی؟.... باپ بیٹی کا دشمن نہیں ہوسکتا صفوان!"

مکّہ کے لوگوں میں عکرمہ اور صفوان اور دو تین اور آدمیوں کے سوا اور کسی کی آواز نہیں سنائی

دے رہی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قبیلہ قریش کی خاموشی ظاہر کرتی تھی کہ اُن لوگوں نے اُبوسفیان کا مشورہ قبول کرلیا ہے۔ اُبوسفیان کے چہرے پر اطمینان کا تاثر آگیا مگر اُس کی بیوی ہُند جو الگ کھڑی پھنکار رہی تھی، تیزی سے اُبوسفیان کی طرف بڑھی اور اُس کی مونچھیں جو خاصی بڑی تھیں، اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑلیں۔

"میں سب سے پہلے تجھے قتل کروں گی" ـــ ہُند نے اُبوسفیان کی مونچھیں زور زور سے کھینچتے ہوئے کہا ـــ "بزدل بوڑھے! تُو نے قبیلے کی عزت خاک میں ملا دی ہے" ـــ اُس نے اُبوسفیان کی مونچھیں چھوڑ کر اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی ـــ "تم لوگ اس بوڑھے کو قتل کیوں نہیں کر دیتے جو تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرنے کی باتیں کر رہا ہے؟"

مؤرخ مغازی اور ابن سعد لکھتے ہیں کہ ہُند نے اپنے خاوند کے ساتھ اتنا توہین آمیز سلوک کیا تو لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اُبوسفیان جیسے بت بن گیا ہو۔ عکرمہ اور صفوان ان کے درمیان آگئے۔

"ہم لڑیں گے ہُند!" ـــ صفوان نے کہا ـــ "اسے جانے دے۔ اس پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔"

اُبوسفیان خاموش رہا۔

شام تک اہلِ قریش دو حصوں میں بٹ چکے تھے۔ زیادہ تر لوگ لڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ باقی سب عکرمہ، صفوان اور ہُند کا ساتھ دے رہے تھے۔

○

شام کے بعد صفوان اپنے گھر گیا۔ اُس کی بیوی جس کا نام فاختہ تھا، خالدؓ بن ولید کی بہن تھی۔ وہ بھی اُبوسفیان کی باتیں سن چکی تھی۔

"کیا میں نے ٹھیک سُنا ہے کہ تم اپنے قبیلے کے سردار کی نافرمانی کر رہے ہو؟" ـــ فاختہ نے صفوان سے پوچھا۔

"اگر فرمانبرداری کرتا ہوں تو پورے قبیلے کا وقار تباہ ہوتا ہے" ـــ صفوان نے کہا ـــ "قبیلے کا سردار بزدل ہو جائے تو قبیلے والوں کو بزدل نہیں ہونا چاہیئے۔ سردار اپنے قبیلے کے دشمن کو دوست بنا لے تو وہ قبیلے کا دوست نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے؟" ـــ فاختہ نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارا شوہر اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اپنی بیوی کے پاس بیٹھ جائے اور دشمن اُس کے دروازے کے سامنے دندناتا پھرے؟ کیا میرے بازو ٹوٹ گئے ہیں؟ کیا میری تلوار ٹوٹ گئی ہے؟ کیا تم اس لاش کو پسند نہیں کرو گی جو تمہارے گھر میں لائی جائے گی اور سارا قبیلہ کہے گا کہ یہ ہے تمہارے خاوند کی لاش جو بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا ہے؟ یا تم اُس شوہر کو پسند کرو گی جو تمہارے پاس بیٹھا رہے گا اور لوگ تمہیں کہیں گے کہ یہ ہے ایک بُزدل اور بے وقار آدمی کی بیوی جس نے اپنی بستی اور عبادت گاہ اپنے دشمن کے حوالے کر دی ہے ..... تم مجھے کس حال میں دیکھنا پسند کرو گی؟"

"میں نے تم پر ہمیشہ فخر کیا ہے صفوان!" ـــ فاختہ نے کہا ـــ "عورتیں مجھے کہتی ہیں کہ تمہارا خاوند قبیلے کی آنکھ کا تارا ہے۔ لیکن اب حالات کچھ اور ہیں۔ تمہارا ساتھ دینے والے بہت تھوڑے

ہیں، سُنا ہے مدینہ والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اب میرا بھائی خالدؓ بھی اُن کے ساتھ ہے۔ تم جانتے ہو وہ لڑنے مرنے والا آدمی ہے۔"

"کیا تم مجھے اپنے بھائی سے ڈرا رہی ہو فاختہ؟"

"نہیں ـــــ فاختہ نے کہا۔" مجھے خالدؓ مل جاتا تو میں اُسے بھی یہی کہتی جو میں تمہیں کہہ رہی ہُوں ..... وہ میرا بھائی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ سے مارا جا سکتا ہے۔ تم اُس کے ہاتھ سے مارے جا سکتے ہو۔ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں نہ آؤ۔ میں اُس کی بہن اور تمہاری بیوی ہُوں۔ لاش تمہاری ہو یا خالدؓ کی، میرا غم ایک جیسا ہو گا۔"

"یہ کوئی عجیب بات نہیں فاختہ!ـــــ صفوان نے کہا۔" دشمنی ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر میں تمہارے رشتے کا خیال رکھوں تو ....."

"تم میرے رشتے کا خیال نہ رکھوـــــ فاختہ نے اُس کی بات کاٹتے ہُوئے کہا۔" قبیلے کا سردار تمہیں کہہ رہا ہے کہ لڑائی نہیں ہو گی۔ محمدؐ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ پھر تم لڑائی کا ارادہ ترک کیوں نہیں کر دیتے؟ تمہارے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہوں گے۔"

"میں اطاعت قبول کرنے والوں میں سے نہیں"ـــــ صفوان نے کہا۔

"پھر میری ایک بات مان لوـــــ فاختہ نے کہا۔" خالدؓ کے آمنے سامنے نہ آنا۔ اُسے میری ماں نے جنم دیا ہے۔ ہم دونوں نے ایک ماں کا دودھ پیا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے، بہن یہی سُننا چاہتی ہے کہ اُس کا بھائی زندہ ہے ..... میں بیوہ بھی نہیں ہونا چاہتی صفوان!"

"پھر اپنے بھائی سے جا کے کہو کہ مکّہ کے قریب نہ آئے"ـــــ صفوان نے کہا۔" وہ میرے سامنے آئے گا تو ہمارے رشتے ختم ہو جائیں گے۔"

فاختہ کے آنسو صفوان کے ارادوں کو ذرا سا بھی متزلزل نہ کر سکے۔

○

رسولِ اکرمؐ نے ایک اور انتظام کیا۔ انہوں نے چند ایک آدمی مختلف بہروپوں میں مکّہ کے اِردگرد چھوڑ رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مکّہ سے کوئی آدمی باہر نکل کر کہیں جاتا نظر آئے تو اُسے پکڑ لیں۔ جاسوسی کا یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ قریش اپنے دوست قبیلوں کو مدد کے لیے نہ بلا سکیں۔

دوسرے ہی دن دو شتر سواروں کو پکڑا گیا جو عام سے مسافر معلوم ہوتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پڑاؤ میں لے جایا گیا۔ ایک دو دھمکیوں سے ڈر کر اُنہوں نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔ ان میں سے ایک یہودی تھا اور دوسرا قریش قبیلے کا۔ وہ مکّہ سے چند میل دور رہنے والے قبیلہ بنو بکر کے ہاں یہ اطلاع لے کے جا رہے تھے کہ مسلمان مرّالظہر میں پڑاؤ کیے ہُوتے ہیں۔ بنو بکر کو پیغام بھیجا جا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں پر شب خون ماریں اور دو اور قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں۔ پیغام

میں یہ بھی تھا کہ مسلمان مکّہ کو محاصرے میں لیں تو بنو بکر اور دوسرے قبیلے عقب سے ان پر حملہ کر دیں۔
اُن سے پوچھا گیا کہ مکّہ میں لڑائی کی تیاریاں کس پیمانے پر ہو رہی ہیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ ابوسفیان لڑائی نہیں چاہتا اور مکّہ والوں کی اکثریت اُس کے ساتھ ہے۔ صرف عکرمہ اور صفوان لڑیں گے لیکن اُن کے ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی ہیں۔ ان دونوں آدمیوں کو ابوسفیان نے نہیں عکرمہ اور صفوان نے بھیجا تھا۔

رسولِ کریمؐ نے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا کہ مکّہ میں یہ فرض کر کے داخل ہُوا جائے گا کہ قریش شہر کے دفاع میں لڑیں گے۔ آپؐ نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اُس زمانے میں مکّہ کی طرف چار راستے جاتے تھے جو مکّہ کے اِرد گرد کھڑی پہاڑیوں میں سے گزرتے تھے فوج کے ہر حصّے کو ایک ایک راستہ دے دیا گیا۔ انہیں اپنے اپنے راستے سے مکّہ شہر کی طرف پیش قدمی کرنی تھی۔

فوج کے ان حصّوں میں ایک کی نفری سب سے زیادہ رکھی گئی۔ اس کی کمان ابوعبیدہؓ کو دی گئی حضرت رسولِ کریمؐ کو اس دستے کے ساتھ رہنا تھا۔ ایک حصّے کی کمان علیؓ کے پاس تھی۔ ایک کے کماندار زبیرؓ تھے اور جو تھے حصّے کی کمان خالدؓ کے پاس تھی۔
مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس سکیم میں غیر معمولی دانش کارفرما تھی۔ چار سمتوں سے پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ مکّہ کے دفاعی دستوں کو چار حصّوں میں بکھیر دیا جائے۔ اگر وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو کسی ایک یا دو راستوں پر روک بھی لیں تو دوسرے دستے آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو سکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی اس تقسیم کا مقصد یہ بھی تھا کہ قریش اگر دفاع میں نہ لڑیں تو وہ کسی راستے سے بھاگ بھی نہ سکیں۔
رسولِ اکرمؐ نے اس سکیم کے علاوہ جو احکام دیئے، وہ یہ تھے کہ قریش دفاع میں نہ لڑیں تو اُن پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ امن کا جواب پُرامن طریقے سے دیا جائے۔ اگر کہیں جھڑپ ہو جائے تو زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اُن کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کی جائے۔ لڑنے والوں میں جو پکڑا جائے، اس پر نہ تشدّد کیا جائے نہ اُسے قتل کیا جائے اور اُسے جنگی قیدی بھی نہ سمجھا جائے اور ان میں سے کوئی بھاگ نکلے تو اُسے بھاگ جانے دیا جائے۔
اسلامی لشکر کے چاروں حصوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا گیا۔

○

۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری (۱۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی) کا دن تھا۔ اسلامی لشکر کے تین حصّے اپنے راستوں سے گزر کر مکّہ میں داخل ہو گئے۔ کسی طرف سے اُن پر ایک تیر بھی نہ آیا۔ شہر کا کوئی دفاع نہ تھا۔ قریش کی کوئی تلوار نیام سے نہ نکلی۔ لوگ گھروں میں بند رہے۔ کسی کسی مکان کی چھت پر کوئی عورت یا بچے کھڑے نظر آتے تھے۔ مسلمان چوکنّے تھے۔ شہر کا سکوت مشکوک اور ڈراؤنا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس سکوت سے طوفان اُٹھنے والا ہو۔
شہر سے کوئی طوفان نہ اُٹھا۔ طوفان اُٹھانے والے دو آدمی تھے۔ ایک عکرمہ دوسرا صفوان۔ دونوں شہر میں نہیں تھے۔ کچھ اور آدمی شہر میں نہیں تھے۔ وہ قریب ہی کہیں چھپے ہُوئے تھے۔

وہ رات کو باہر نکل گئے تھے۔ اُن کے ساتھ تیر انداز بھی تھے۔ یہ ایک جیش تھا جو اس پہاڑی راستے کے قریب جا پہنچا تھا جو خالدؓ کے دستے کی پیش قدمی کا راستہ تھا۔ عکرمہ اور صفوان کو معلوم نہیں تھا کہ اس اسلامی دستے کے قائد خالدؓ ہیں۔ عکرمہ اور صفوان کا ایک آدمی کہیں بلندی پر تھا۔ اُس نے خالدؓ کو پہچان لیا اور اوپر سے دوڑتا نیچے گیا۔

"اے صفوان!"۔۔۔ اس آدمی نے صفوان سے کہا۔۔۔ "کیا تو ہمیں اجازت دے گا کہ تیری بیوی کے بھائی کو ہم قتل کر دیں؟ .... میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ میں نے خالدؓ کو دیکھا ہے۔"

"اپنے قبیلے کی عزت اور غیرت سے بڑھ کر مجھے کوئی اور عزیز نہیں"۔۔۔ صفوان نے کہا۔۔۔ "اگر خالدؓ میری بہن کا خاوند ہوتا تو آج میں اپنی بہن کو بیوہ کر دیتا۔"

"مت دیکھو کون کس کا بھائی، کس کا باپ اور کس کا خاوند ہے"۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔ "خالدؓ میرا بھی کچھ لگتا ہے لیکن آج وہ میرا دشمن ہے۔"

خالدؓ کا دستہ اور آگے آیا تو اُس پر تیروں کی پہلی بوچھاڑ آئی۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک لیا۔

"اے اہلِ قریش!"۔۔۔ خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا۔۔۔ "ہمیں راستہ دے دو گے تو محفوظ رہو گے۔ ہمارے رسولؐ کا حکم ہے کہ اُس پر ہاتھ نہ اُٹھانا جو تم پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا .... کیا تمہیں اپنی جانیں عزیز نہیں؟ میں تمہیں صرف ایک موقع دوں گا۔"

تیروں کی ایک اور بوچھاڑ آئی۔

"ہم تیرے رسولؐ کے حکم کے پابند نہیں خالدؓ!"۔۔۔ عکرمہ نے للکار کر کہا۔۔۔ "ہمت کر اور آگے آ۔ ہم ہیں تمہارے پرانے دوست .... صفوان اور عکرمہ .... تو مکہ میں زندہ داخل نہیں ہو سکے گا۔"

خالدؓ نے تیروں کی دوسری بوچھاڑ سے معلوم کر لیا تھا کہ دشمن کہاں ہے۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک کر پیچھے ہٹا لیا اور اپنے کچھ آدمیوں کو پہاڑیوں کے اُوپر سے آگے بڑھنے اور تیر اندازوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ عکرمہ اور صفوان خالدؓ کے ان آدمیوں کو نہ دیکھ سکے۔

تھوڑی سی دیر میں یہ آدمی دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ وادی سے خالدؓ نے ہلّہ بول دیا جو اس قدر تیز اور شدید تھا کہ قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ خالدؓ نے اُوپر سے بھی حملہ کرایا تھا اور نیچے سے بھی۔

"کہاں ہو عکرمہ!"۔۔۔ خالدؓ للکار رہے تھے۔۔۔ "کہاں ہو صفوان!"

وہ دونوں کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ خالدؓ کے ہلّے کی تاب نہ لا سکے اور خالدؓ کو نظر آئے بغیر کہیں بھاگ گئے۔ اُن کا جیش بھی لاپتہ ہو گیا۔ پیچھے قریش کی بارہ لاشیں رہ گئیں۔ مختصر سی اس جھڑپ میں دو مسلمان۔۔۔ جیش بن اشعرؓ اور کوز بن جابرؓ فہری۔۔۔ شہید ہوئے۔

○

اسلامی فوج کے تین حصے مکہ میں داخل ہو چکے تھے۔ خالدؓ کا دستہ ابھی نہیں پہنچا تھا۔ سب حیران تھے کہ اہلِ مکہ نے مزاحمت نہیں کی پھر خالدؓ کے نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ایک قاصد کو دوڑایا گیا۔ وہ خبر لایا کہ خالدؓ دو مسلمانوں کی لاشیں لے کر آ رہا ہے اور اس کے دستے

نے قریش کے بارہ آدمی مار ڈالے ہیں۔ رسولِ کریم نے سنا تو آپؐ بہت برہم ہوئے۔ آپؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ خالدؓ جنگ و جدل کا دلدادہ ہے، اُس نے بغیر اشتعال کے لڑائی مول لے لی ہوگی۔

خالدؓ کے مکّہ میں آنے کی اطلاع ملی تو رسول اللہؐ نے اُنہیں بلا کر پوچھا کہ اس حکم کے باوجود کہ لڑائی سے گریز کیا جائے اُنہوں نے قریش کے بارہ آدمیوں کو کیوں مار ڈالا؟

خالدؓ نے حضورِ اکرم کو بتایا کہ عکرمہ اور صفوان کے ساتھ قریش کے متعدد آدمی تھے جنہوں نے ان پر تیر برسائے۔ خالدؓ نے یہ بھی بتایا کہ اُنہوں نے عکرمہ اور صفوان کو ایک موقع دیا تھا لیکن اُنہوں نے تیروں کی ایک اور بوچھاڑ پھینک دی۔

رسولِ خدا نے ابُوسفیان سے پوچھا کہ عکرمہ اور صفوان کہاں ہیں۔ ابُوسفیان نے بتایا کہ وہ مکّہ کے دفاع میں لڑنے کے لئے چلے گئے تھے۔ رسولِ خدا کو یقین ہوگیا کہ لڑائی خالدؓ نے شروع نہیں کی تھی۔

مکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

رسولِ اکرم مکّہ میں داخل ہوتے تو آپؐ کے ہمراہ اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ اور عثمان بن طلحہؓ تھے۔

رسولِ کریم کو مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو گئے سات سال گذر چکے تھے۔ آپؐ نے مکّہ کے درو دیوار کو دیکھا۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھا۔ دروازوں میں اور چھتوں پر کھڑی عورتوں کو دیکھا بہت سے چہرے شناسا تھے۔ آپؐ گزرتے چلے گئے اور کعبہ میں داخل ہوتے۔ سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب مکّہ میں کسی کو اتنی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپؐ کو جادوگر کہے یا آپ پر پھبتی کسے۔

اہلِ قریش چہروں پر خوف و ہراس کے تاثرات لئے اپنے انجام کے منتظر کھڑے تھے۔ عربوں کے ہاں اپنی بے عزتی اور قتل کے انتقام کا رواج بڑا بھیانک تھا۔ رسول اللہؐ نے حکم دے دیا تھا کہ جو امن قائم رکھیں گے اُن کے ساتھ پُر امن سلوک کیا جائے گا، اس کے باوجود قریش ڈرے سہمے ہوئے تھے۔

"اہلِ قریش!" —— حضورِ اکرم نے لوگوں کے سامنے رُک کر پوچھا —— "خود بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو"۔

لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ خیر اور بخشش کے طلبگار تھے۔

"اپنے گھروں کو جاؤ"—— حضورِ اکرم نے کہا —— "ہم نے تمہیں بخش دیا"۔

رسول اللہؐ کی حیاتِ مقدسہ کی عظیم گھڑی تو وہ تھی جب آپؐ نے کعبہ میں رکھے ہوئے بُتوں کی طرف توجہ دی۔ بُتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ ان میں ایک بُت حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا۔ اس بُت کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ اِن تیروں سے بُت خانے کے پیشوا فال نکالا کرتے تھے۔

حضورِ اکرم کے ہاتھ میں ایک موٹی اور مضبوط لاٹھی تھی۔ آپؐ نے اس لاٹھی سے بُت توڑنے شروع کر دیئے —— آپ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کر رہے تھے —— آپؐ بُت توڑتے جاتے اور بلند آواز سے کہتے جاتے —— "حق آیا، باطل چلا گیا.... بیشک باطل

کو چلے جاتا تھا۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ ایسے لگتا تھا جیسے یہ صدائیں حضورِ اکرم کی لاٹھی کی ہر ضرب سے کعبہ کی دیواروں سے اُٹھ رہی ہوں۔ کعبہ سے بُتوں کے ٹکڑے اٹھا کر باہر پھینک دیے گئے اور کعبہ عالمِ اسلام کی عبادت گاہ بن گیا۔

اس کے بعد آپؐ نے مکہ کے انتظامی امور کی طرف توجہ دی۔ قریش اور دیگر قبائل کے لوگ قبولِ اسلام کے لیے آتے رہے۔

بُت صرف کعبہ میں ہی نہیں تھے۔ مکّہ کے گرد و نواح کی بستیوں میں مندر تھے، وہاں بھی بُت رکھے تھے۔ سب سے اہم بُت عزٰی کا تھا جو چند میل دُور نخلہ کے مندر میں رکھا گیا تھا۔ رسولِ اکرم نے عزٰی کا بُت توڑنے کا کام خالدؓ کے سپرد کیا۔ خالدؓ نے اپنے ساتھ تیس سوار لیے اور اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دوسرے مندروں کے بُت توڑنے کے لیے مختلف جیش روانہ کیے گئے تھے۔

عزٰی کا بُت اکیلا نہیں تھا چونکہ یہ دیوی تھی اس لیے اس کے ساتھ چھوٹی دیویوں کے بُت بھی تھے۔ خالدؓ وہاں پہنچے تو مندر کا پروہت اُن کے سامنے آ گیا۔ اُس نے التجا کی اُن کے بُت نہ توڑے جائیں۔

”مجھے عزٰی کا بُت دکھاؤ“ ــــ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکال کر پروہت سے پوچھا۔

پروہت موت کے خوف سے مندر کے ایک بغلی دروازے میں داخل ہو گیا۔ خالدؓ اُس کے پیچھے گئے۔ ایک کمرے سے گذر کر اگلے کمرے میں گئے تو وہاں ایک دیوی کا بڑا ہی خوبصورت بُت چبوترے پر رکھا تھا۔ پروہت نے بُت کی طرف اشارہ کیا اور بُت کے آگے فرش پر لیٹ گیا۔ مندر کی داسیاں بھی آ گئیں۔ خالدؓ نے تلوار سے اس حسین دیوی کا بُت توڑ ڈالا اور اپنے سواروں سے کہا کہ بُت کے ٹکڑے باہر بکھیر دیں۔

پروہت دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور داسیاں بَین کر رہی تھیں۔

خالدؓ نے دیویوں کے بُت بھی توڑ ڈالے اور گرج کر پروہت سے کہا ”کیا اب بھی تم اسے دیوی مانتے ہو جو اپنے آپ کو ایک انسان سے نہیں بچا سکی؟“

پروہت دھاڑیں مارتا رہا۔ خالدؓ فاتحانہ انداز سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے سواروں کو واپسی کا حکم دیا۔ جب خالدؓ اپنے تیس سواروں کے ساتھ مندر سے دُور چلے گئے تو پروہت نے جو دھاڑیں مار رہا تھا، بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ پجارنیں جو بَین کر رہی تھیں، وہ بھی ہنسنے لگیں۔

”عزٰی کی توہین کوئی نہیں کر سکتا“ ــــ پروہت نے کہا ــــ ”خالدؓ جو خود عزٰی کا پجاری ہوا کرتا تھا، بہت خوش ہو کے گیا ہے کہ اُس نے عزٰی کا بُت توڑ ڈالا ہے.... عزٰی زندہ ہے، زندہ رہے گی۔“

○

”یا رسول اللہؐ!“ ــــ خالدؓ نے حضورِ اکرم کو اطلاع دی ــــ ”میں عزٰی کا بُت توڑ آیا ہوں۔“

”کہاں تھا یہ بُت؟“ ــــ حضورِ اکرم نے پوچھا۔

خالدؓ نے وہ مندر اور اس کا وہ کمرہ بتایا جہاں اُنہوں نے بُت دیکھا اور توڑا تھا۔

”تم نے عزٰی کا بُت نہیں توڑا خالدؓ!“ ــــ رسولِ کریمؐ نے کہا ــــ ”واپس جاؤ اور اصلی بُت توڑ کر آؤ۔“

مورّخ لکھتے ہیں کہ عزیٰ کے دو بُت تھے۔ ایک اصلی جس کی پُوجا ہوتی تھی، دوسرا نقلی تھا۔ یہ غالباً مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔

خالدؓ کا خون کھولنے لگا۔ اُنہوں نے اپنے سواروں کو ساتھ لیا اور نخلہ کو روانہ ہو گئے۔ مندر کے پروہت نے دُور سے گھوڑسواروں کو آتے دیکھا تو اُس نے مندر کے محافظوں کو بلایا۔

"وہ پھر آرہے ہیں" ـــــ پروہت نے کہا ـــــ "انہیں کسی نے بتادیا ہوگا کہ اصلی بُت ابھی مندر میں موجود ہے .... کیا تم عزیٰ کی عزّت کی حفاظت کرو گے؟ اگر کرو گے تو عزیٰ دیوی تمہیں مالامال کر دے گی"۔

"کچھ سوچ کر بات کر مقدّس پیشوا!" ـــــ ایک محافظ نے کہا ـــــ "کیا ہم دو تین آدمی اتنے زیادہ گھوڑسواروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟"

"اگر عزّیٰ دیوی ہے تو یہ اپنے آپ کو ضرور بچالے گی" ـــــ ایک اور محافظ نے کہا۔ اُس کے لہجے میں طنز تھی۔ کہنے لگا ـــــ "دیوی دیوتا انسانوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں، انسان دیوتاؤں کی حفاظت نہیں کیا کرتے"۔

"پھر عزیٰ اپنی حفاظت خود کرے گی" ـــــ پروہت نے کہا۔

خالدؓ کے گھوڑے قریب آگئے تھے۔ محافظ مندر کی پجارنوں کو ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ پروہت کو یقین تھا کہ اُس کی دیوی اپنے آپ کو مسلمانوں سے بچالے گی۔ اُس نے ایک تلوار لی اور اُسے عزیٰ کے گلے میں لٹکا دیا۔ پروہت مندر کے پچھلے دروازے سے نکلا اور بھاگ گیا۔

خالدؓ مندر میں آن پہنچے اور تمام کمروں میں عزیٰ کا بُت ڈھونڈنے لگے۔ انہیں ایک بڑا ہی خوشنما کمرہ نظر آیا۔ اس کے دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھا۔ عزیٰ کا بت سامنے چبوترے پر رکھا تھا۔ اُس کے گلے سے تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ بُت ویسا ہی تھا جیسا خالدؓ پہلے توڑ گئے تھے۔ اس بُت کے قدموں میں لوبان جل رہا تھا۔ کمرے کی سجاوٹ اور خوشبو سے پتہ چلتا تھا کہ یہ عبادت کا کمرہ ہے۔

خالدؓ نے دہلیز سے آگے قدم رکھا تو سانولے رنگ کی ایک جوان عورت جو بالکل برہنہ تھی خالدؓ کے سامنے آرُکی۔ وہ رو رہی تھی اور فریادیں کرتی تھی کہ بُت کو نہ توڑا جائے۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ یہ عورت خالدؓ کے ارادے کو متزلزل کرنے کے لیے برہنہ ہو کے آئی تھی اور اُس کے رونے کا مقصد خالدؓ کے جذبات پر اثر ڈالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ خالدؓ آگے بڑھے تو اُس عورت نے بازو پھیلا کر خالدؓ کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکالی اور اُس عورت پر ایسا زوردار وار کیا کہ اُس کا ننگا جسم دو حصّوں میں کٹ گیا۔ خالدؓ غصّے سے بھپرے ہوئے بُت تک گئے اور اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے ـــــ طاقت اور خوشحالی کی دیوی اپنے آپ کو ایک انسان سے نہ بچا سکی۔

خالدؓ مندر سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایڑ لگائی۔ اُن کے سوار اُن کے پیچھے جا رہے تھے۔ مکّہ پہنچ کر خالدؓ رسولِ اکرمؐ کے حضور پہنچے۔

"یارسولؐ اللہ!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "میں عزیٰ کا بُت توڑ آیا ہوں"۔

"ہاں خالدؓ!" ـــــ رسول اللہؐ نے کہا ـــــ "اب تم نے عزیٰ کا اصلی بُت توڑا ہے۔ اب اس خطّے میں بُت پرستی نہیں ہوگی"۔

○

قریش کا مشہور راور جوشیلا سالار عکرمہ مکّہ کے راستے میں خالدؓ کے خلاف آخری معرکہ لڑکر زوپوش ہوگیا تھا۔ اُس نے اور صفوان نے اپنے قبیلے کے سردار کی حکم عدولی کی تھی۔ اُسے اپنا انجام بہت بُرا نظر آرہا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ رسولِ کریمؐ بھی اُس کی یہ خطا نہیں بخشیں گے کہ اُس نے اسلامی فوج کے ایک دستے پر حملہ کیا اور اس دستے کے دو آدمی شہید کر دیئے تھے۔ عکرمہ کی بیوی مکّہ میں تھی۔

تاریخوں میں واضح اشارہ ملتا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فتح مکّہ کے بعد قریش کی چار عورتوں اور چھ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کی تھیں۔ انہیں مرتد کہا گیا تھا۔ ان میں ہُندا اور عکرمہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہُند ہر اُس انسان کے خون کی پیاسی ہو جاتی تھی جو اسلام قبول کر لیتا تھا۔

عکرمہ کی بیوی مکّہ میں تھی۔ فتح مکّہ کے دو تین روز بعد ایک آدمی عکرمہ کے گھر آیا۔

"میں تمہارے لیے اجنبی ہوں بہن!" ـــــ اس شخص نے عکرمہ کی بیوی سے کہا ـــــ "عکرمہ میرا دوست ہے۔ میں قبیلہ بنو بحر کا آدمی ہوں .... تمہیں معلوم ہوگا کہ عکرمہ اور صفوان نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ اُس کا مقابلہ خالدؓ سے تھا جو تجربہ کار جنگجو ہے اور اُس کے ساتھ آدمی بھی زیادہ تھے"۔

"میں جانتی ہوں" ـــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا ـــــ "میں پہلے سُن چکی ہوں .... میرے اجنبی بھائی مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟ وہ زندہ تو ہے؟"

"وہ مجھے بتا گیا تھا کہ یمن جا رہا ہے" ـــــ اجنبی نے کہا ـــــ "وہ کہہ گیا ہے کہ تجھے وہاں بلا لے گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے وہ کس کے پاس گیا ہے۔ میں تجھے یہی بتانے آیا تھا۔ وہ واپس نہیں آئے گا"۔

"اُسے یہاں آنا بھی نہیں چاہیئے" ـــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا ـــــ "وہ آ گیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا"۔

"تم تیار رہنا" ـــــ اجنبی نے کہا ـــــ "اُس کا پیغام آئے گا تو میں تمہیں اُس کے پاس پہنچا دوں گا۔ تم اُس کے پاس پہنچ جاؤ گی تو وہ تمہیں ساتھ لے کر حبشہ کو چلا جائے گا"۔

اجنبی اُسے اپنی بستی کا اور اپنا نام بتا کر چلا گیا۔

دو روز بعد عکرمہ کی بیوی بنو بکر کی بستی میں گئی اور اُس آدمی سے ملی جس نے اُسے عکرمہ کا پیغام دیا تھا۔

"کیا تو عکرمہ کے پاس جانے کو آئی ہے؟" ــــ عکرمہ کے دوست نے پوچھا۔

"میں اُسے واپس لانے کے لیے جا رہی ہوں" ــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔

"کیا تو نہیں جانتی کہ وہ آیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا؟"

"اُسے قتل نہیں کیا جائے گا" ــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا ــــ "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور رسول اللہؐ نے میری فریاد پر میرے شوہر کو معاف کر دیا ہے۔"

"کیا تو نے محمدؐ کو اللہ کا رسول مان لیا ہے؟"

"مان لیا ہے۔"

"محمدؐ نے تمہارے ساتھ سودا کیا ہو گا" ــــ عکرمہ کے دوست نے کہا ــــ "اُس نے تمہارے آگے یہ شرط رکھی ہو گی کہ تم اور عکرمہ اسلام قبول کر لو تو ...."

"نہیں" ــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا ــــ "محمدؐ نے جو اللہ کے بھیجے ہوتے رسولؐ ہیں، میرے ساتھ ایسا کوئی سودا نہیں کیا.... اور محمدؐ اُن میں سے نہیں جو سودا کر کے اپنی بات منوایا کرتے ہیں۔ میں وہاں اپنے شوہر کی جان بخشی کی فریاد لے کر گئی تھی۔ یہ وہی محمدؐ ہیں جنہیں میں بڑی اچھی طرح جانتی تھی لیکن اب میں نے آپؐ کو دیکھا تو میں نے دل سے کہا کہ یہ وہ محمدؐ نہیں جو کبھی ہم میں سے تھے۔ یہ محمدؐ جن کے پاس میں اب فریاد لے کر گئی، آپؐ کی آنکھوں میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر آئی جو کسی اور انسان میں نہیں ہوتی۔ مجھے ڈر تھا کہ محمدؐ جو اللہ کے رسول ہیں، کہیں گے کہ یہ عکرمہ کی بیوی ہے، اسے یرغمال بنا کر رکھو تا کہ عکرمہ آ جائے اور اُسے قتل کر دیا جائے لیکن آپؐ نے مجھے ایک مجبور عورت جان کر عزّت سے بٹھایا۔ میں نے فریاد کی کہ فتح آپؐ کی ہے، میرے بچّوں کو یتیم نہ کریں۔ میرے شوہر کی بدعہدی کی سزا مجھے اور میرے بچّوں کو نہ دیں۔ آپؐ نے کہا، میں نے عکرمہ کو معاف کیا.... میں نے محمدالرسول اللہؐ کا ہاتھ چوم لیا اور معلوم نہیں وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھ سے کہلوایا ــــ میں نے تسلیم کیا کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اب میں اُس خدا کو مانتی ہوں جس نے محمدؐ کو رسالت دی ہے۔"

"اور تو مسلمان ہو گئی" ــــ عکرمہ کے دوست نے کہا۔

"ہاں" ــــ عکرمہ کی بیوی نے کہا ــــ "میں مسلمان ہو گئی .... مجھے اُس کے پاس لے چل میرے شوہر کے دوست! میں اُسے واپس لاؤں گی۔"

"میں دوستی کا حق ادا کروں گا" ــــ عکرمہ کے دوست نے کہا ــــ "چل، میں تیرے ساتھ یمن چلتا ہوں۔"

○

کافی دنوں بعد عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ مکّہ میں داخل ہُوا۔ اپنے گھر جانے کی بجائے حضورِ اکرم کے پاس گیا اور اُس نے اپنے کیے کی معافی مانگ کر اسلام قبول کر لیا۔

اُسی روز صفوان بھی واپس آ گیا۔ وہ بھاگ کر جدّہ چلا گیا تھا۔ ایک دوست اُس کے پیچھے گیا اور اُسے کہا کہ وہ سالاری رُتبے کا جنگجو ہے اور اُس کی قدر رسولِ کریم ہی جان سکتے ہیں۔ اُسے یہ بھی کہا گیا کہ قبیلہ قریش ختم ہو چکا ہے.... صفوان تلوار کا دھنی اور نامور سالار تھا۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ مکّہ آ گیا اور اُس نے رسولِ کریم کے حضور پیش ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابُوسفیان کی بیوی ہند ایسی عورت تھی جس کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اسلام قبول کر لے گی۔ رسولِ کریم نے اُس کے قتل کا حکم دے رکھا تھا اور وہ رُوپوش تھی۔ ابُوسفیان اسلام قبول کر چکا تھا۔ ہند کو جب پتہ چلا کہ عکرمہؓ اور صفوانؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ سامنے آ گئی۔ یہ جانتے ہوئے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا، وہ رسولِ اکرم کے حضور جا پہنچی۔ آپؐ نے اُسے معاف کر دیا۔ اور وہ مسلمان ہو گئی۔

مکّہ کے ارد گرد، دُور اور نزدیک، کچھ قبائل تھے۔ اِن میں بعض بُت پرست تھے اور بعض توہّمات کو عقیدہ بنائے ہُوئے تھے۔ رسُولِ کریمؐ نے ان کی طرف پیغام بھیجے کہ وہ اللہ کا سچا دین قبول کر لیں پیغام لے جانے والے فوجی تھے لیکن آپؐ نے حکم دیا تھا کہ کسی پر تشدّد نہ کیا جائے اور جنگی کارروائی سے گریز کیا جائے۔

مکّہ کے جنوب میں تہامہ کا علاقہ ہے جہاں جنگجُو قبائل بکھرے ہوتے تھے۔ ان کے متعلق خدشہ تھا کہ لڑنے پر اُتر آئیں گے اس لیے اس علاقے میں فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا اور اس کی کمان خالدؓ کو دی گئی۔ تمام کا تمام دستہ گھوڑسوار تھا۔ اس میں بنو سلیم کے آدمی بھی تھے اور مدینہ کے بھی۔ خالدؓ کو مکّہ سے تقریباً پچاس میل دُور یلملم کے مقام تک جانا تھا۔

خالدؓ اپنے سوار دستے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ان کی منزل پچاس میل دُور تھی لیکن بمشکل پندرہ میل دُور گئے ہوں گے کہ ایک مشہور جنگجو قبیلے بنو جذیمہ کے آدمیوں نے خالدؓ کے دستے کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ بنو جذیمہ باقاعدہ لڑائی کے لیے نکل آئے۔

"ہم لڑنے نہیں آئے" ــــ خالدؓ نے اعلان کیا ــــ "ہم دعوت دینے آئے ہیں کہ اسلام قبول کر لو"۔

"ہم اسلام قبول کر چکے ہیں" ــــ بنو جذیمہ کی طرف سے جواب آیا ــــ "ہم نمازیں پڑھتے ہیں"۔

"ہم دھوکہ کھانے نہیں آئے" ــــ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا ــــ "اگر تم مسلمان ہو چکے ہو تو تلواریں اور برچھیاں پھینک دو"۔

"خبردار بنو جذیمہ!" ــــ بنو جذیمہ کی طرف سے کسی نے للکار کر کہا ــــ "اُسے میں جانتا ہوں۔ یہ مکّہ کے الولید کا بیٹا خالدؓ ہے۔ اس پر اعتبار نہ کرنا۔ ہتھیار ڈال دو گے تو یہ ہم سب کو قتل کرا دے گا... ہتھیار نہ ڈالنا"۔

"خدا کی قسم، مجھے رسولؐ اللہ کا حکم نہ ملا ہوتا کہ جنگ نہ کرنا تو میں دیکھتا کہ تم ہتھیار ڈالتے ہو یا نہیں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "ہم دوست بن کر آئے ہیں۔ ہم تم پر اللہ کا دین زبردستی ٹھونسنے نہیں آئے ہمیں دوست سمجھو اور ہمارے ساتھ آ جاؤ"۔

"اہل قریش کی کیا خبر ہے؟" ___ بنو جذیمہ کی طرف سے آواز آئی۔

"مکہ چل کر دیکھو" ___ خالدؓ نے کہا ___ "ابوسفیان، عکرمہؓ اور صفوانؓ اسلام قبول کر چکے ہیں۔"

بنو جذیمہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ خالدؓ گھوڑے سے اُتر کر آگے بڑھے اور بنو جذیمہ کے سردار سے گلے ملے۔ پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔

مسلمانوں کو مکہ ایک مرکز کی حیثیت سے مل گیا۔ یہ سورج کی مانند تھا جس کی کرنیں دُور دُور تک پھیلنے لگیں لیکن اسلام کی دشمن قوتیں یکجا ہو رہی تھیں۔

طائف ایک مقام ہے جو مکّہ معظّمہ سے چند میل دُور ہے۔ جنوری ۶۳۰ء (شوال ۸ ھ) کی ایک رات وہاں جشن کا سماں تھا۔ فضا شراب کی بُو سے بوجھل اور رات مخمور تھی۔ رقص کے لیے طائف کے اِردگرد کے علاقے کی چُنی ہوئی ناچنے والیاں آئی ہوئی تھیں۔ اُن کے رقص اور حُسن نے مہمانوں کو مدہوش کر دیا تھا۔

مہمان مکّہ کے شمال مشرقی علاقے کے مشہور جنگجو قبیلے ہوازن کے سرکردہ افراد تھے۔ ان کے میزبان طائف اور گردونواح میں پھیلے ہُوئے قبیلے ثقیف کے سردار تھے جنہوں نے اپنے مہمانوں پر اپنی امارت اور فیاضی اور کشادہ ظرفی کا رعب جمانے کے لیے اتنی شاہانہ ضیافت اور اتنے شاندار جشن کا اہتمام کیا تھا۔

دو لڑکیاں رقص کے کمال دکھا رہی تھیں کہ میزبان قبیلے کا سردار مالک بن عوف اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُس نے تالی بجائی۔ ساز خاموش ہو گئے۔ ناچنے والیاں بُت بن گئیں اور ان کی نظریں مالک بن عوف پر جم گئیں۔ مہمانوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے رات کے گزرتے لمحوں کا قافلہ رُک گیا ہو۔ ہر کوئی مالک بن عوف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مالک بن عوف کی عمر تیس سال تھی۔ رقص اور مے نوشی کی محفلوں میں وہ عیّاش شہزادہ تھا لیکن میدانِ جنگ میں وہ آگ کا بگولہ تھا۔ وہ صرف تیغ زنی، تیراندازی اور گھوڑسواری میں ہی مہارت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ فنِ حرب وضرب کا بھی ماہر تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت وہ قبیلے کا سالار تھا۔ جنگ کے معاملے میں وہ انتہا پسند تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹھنڈے دل سے سوچنا اُسے آتا ہی نہیں۔ اُس کی جنگی چالیں اُس کے دشمن کے لیے بڑی خطرناک ہوتی تھیں۔ قبیلۂ قریش میں جو حیثیت کسی وقت خالدؓ بن ولید کو حاصل تھی ویسا ہی دبدبہ مالک بن عوف کا اپنے قبیلے پر تھا۔

"ہم نے بہت کھا لیا ہے"— مالک بن عوف نے رقص رُکوا کر میزبانوں اور مہمانوں سے خطاب کیا۔ "ہم شراب کے مٹکے خالی کر چکے ہیں۔ ہم تھرکتی ہوئی جوانیوں سے لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ کیا ہمارے مہمانوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس ضیافت اور اس جشن کی تقریب کیا ہے؟.... میں نے تمہیں کوئی خوشی منانے کے لیے اکٹھا نہیں کیا۔ اے اہلِ ہوازن! میں نے تمہاری غیرت کو جگانے کے لیے تمہیں اپنے ہاں بلایا ہے۔"

"ہوازن کی غیرت سوئی کب تھی مالک بن عوف؟"— قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا— "بتا ہماری غیرت کو کس نے للکارا ہے؟"

"مسلمانوں نے!"— مالک بن عوف نے کہا— "محمدؐ نے .... کیا تم محمدؐ کو نہیں جانتے؟ کیا تم بھول گئے ہو اُس محمدؐ کو جو اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مکّہ سے بھاگ کر یثرب (مدینہ)

چلا گیا تھا؟"

"جانتے ہیں"۔۔۔ دو تین آوازیں اُٹھیں۔۔۔"اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا ہے۔"

"ہم اُسے نبی نہیں مانتے"۔۔۔ ایک اور آواز اٹھی۔"کوئی نبی ہوتا تو ہم میں سے ہوتا جو اہلِ ثقیف ہیں۔ ہوازن کے قبیلے سے ہوتا۔"

"وہ نبی ہے یا نہیں"۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔۔۔"میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس مکّہ سے محمدؐ بھاگا تھا، اُس مکّہ کا اب وہ حاکم ہے۔ مکّہ میں اُس کا حکم چلتا ہے اور اُس کی جنگی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ قبیلۂ قریش اُس کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے اور اُس کے مذہب کو قبول کرتا چلا جا رہا ہے۔ ابُوسفیان، عکرمہ اور صفوان جیسے جابر جنگجو محمدؐ کا مذہب قبول کر چکے ہیں۔ خالدؓ بن ولید نے پہلے ہی یہ نیا مذہب قبول کر لیا تھا... مسلمانوں نے مکّہ میں تمام بُت توڑ ڈالے ہیں۔"

"اہلِ قریش کو اپنی غیرت اور اپنے مذہب کا پاس ہوتا تو وہ اپنی تلواریں اپنے پیٹوں میں گھونپ لیتے"۔۔۔ کسی اور نے کہا۔

"اب ستاروں سے بھرا ہُوا آسمان یہ دیکھے گا کہ ہوازن اور ثقیف کو اپنی غیرت کا کتنا پاس ہے" ۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔

"کیا تو چاہتا ہے کہ ہم میں سے کوئی محمدؐ کو قتل کر دے؟"۔۔۔ قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا۔۔۔"اگر تو یہی کہنا چاہتا ہے تو یہ کام میرے سپرد کر۔"

"اب محمدؐ کو قتل کر دینے سے کچھ حاصل نہ ہو گا"۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔۔۔"اُسے قتل کر دو گے تو اُس کے پیروکار اُسے اپنے دلوں میں زندہ رکھیں گے۔ اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اب ایک آدمی کے قتل سے وہ اُس راستے سے نہیں ہٹیں گے جس پر انہیں ڈال دیا گیا ہے۔"

"کہتے ہیں محمدؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو آ گیا ہے"۔۔۔ ہوازن کے ایک سردار نے کہا۔۔۔ "وہ جس پر نگاہ ڈالتا ہے وہ اُس کا مطیع ہو جاتا ہے۔"

"جہاں تلوار چلتی ہے وہاں کوئی جادو نہیں چل سکتا"۔۔۔ ہوازن قبیلے کے ایک اور سردار نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔"مالک! آگے بول تو کیا کہتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

"میں کہنا یہ چاہتا ہُوں کہ ہم نے محمدؐ کے اسلام کو نہ روکا تو یہ سیلاب کی طرح بڑھتا ہُوا ہم سب کو بہا لے جائے گا"۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔۔۔"نہ ہوازن رہیں گے نہ ثقیف کا وجُود ہو گا۔ قبیلۂ قریش کو محکوم بنانے والوں کو ہم مکّہ کے اندر ہی ختم کریں گے... کیا تم محکوم بن جانے کا مطلب سمجھتے ہو؟"۔۔۔ مالک بن عوف نے سب کی طرف دیکھا اور بولا۔۔۔"اگر نہیں سمجھتے تو میں تمھیں بتاتا ہوں"۔۔۔ اُس نے اپنے پیچھے دیکھا۔

مالک بن عوف کے پیچھے مہمانوں میں ایک معمّر سفید ریش بیٹھا تھا۔ اُس کا رنگ دوسروں

کی نسبت صاف اور سپیدی مائل تھا۔ وہ ضعیف اتنا تھا کہ اُس کا سر ہلتا تھا اور کمر میں ہلکا سا خم تھا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ کندھوں سے ٹخنوں تک چُغہ بتاتا تھا کہ وہ کوئی عالم یا مذہبی پیشوا ہے۔ مالک بن عوف کے اشارے پر وہ اٹھا اور مالک کے پاس آ گیا۔

"تم پر اُس کی رحمت ہو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے" ــــ بُوڑھے نے کہا ــــ "اور وہ دیوتا تمھارے بچّوں کے محافظ ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ تم محکومی اور غلامی کا مطلب نہیں سمجھتے تو مجھ سے پوچھو۔ میری چار جوان بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیاں ہیں اور میرے دو جوان بیٹے مسلمانوں کے غلام ہیں۔ وہ تیغ زن اور شہسوار تھے لیکن اب انھیں تلوار ہاتھ میں لینے کی اور گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں۔ ہمیں گھروں سے نکال دیا گیا ہے....

"کیا تمھیں یاد نہیں کہ قریش نے مدینے کا محاصرہ کیا تھا تو مسلمانوں نے شہر کے اردگرد خندق کھود لی تھی؟ قریش اس خندق کو پھلانگ نہیں سکے تھے، پھر اس قدر تند و تیز طوفان آیا کہ قریش جو پہلے ہی بددل ہو چکے تھے، بکھر گئے اور مکّہ کو واپس چلے گئے تھے۔ جب مسلمانوں کے سر سے خطرہ ٹل گیا تو اُنھوں نے اُن یہودیوں پر ہلّہ بول دیا جو اُن کے ساتھ مدینہ میں امن سے رہتے تھے۔ ان یہُودیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور اُن کی عورتوں کو اور اُن کے بچّوں کو آپس میں بانٹ کر انھیں لونڈیاں اور غلام بنا لیا۔"

"اے بزرگ!" ــــ قبیلہ ثقیف کے ایک سرکردہ آدمی نے بلند آواز سے کہا ــــ "اگر تُو یہُودی ہے تو کیا ہم نے غلط سنا تھا کہ تیرے قبیلے نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا تھا؟"

"تم نے جو سنا درست سنا تھا" ــــ بوڑھے نے کہا ــــ "ہمارا دھوکہ کامیاب نہیں ہُوا تھا۔ ہم مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر اتارنا چاہتے تھے لیکن قریش پیٹھ دکھا گئے۔ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر کمزور کرنا ہمارا فرض تھا لیکن مسلمانوں کی تلواروں نے ہمیں کمزور کر دیا۔"

"تُو جو بنی اسرائیل سے ہے، کیا ہمیں اُکسانے آیا ہے کہ ہم مسلمانوں سے تیرے قبیلے کے خون کا انتقام لیں؟" ــــ ثقیف کے قبیلے کے ایک سردار نے کہا۔

ایک اور ضعیف العمر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کا نام دُرید بن الصّمہ تھا۔ اس کا نام تاریخ میں تو ملتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں ملتا کہ وہ قبیلہ ہوازن سے تھا یا قبیلہ ثقیف سے۔

"خاموش رہو" ــــ دُرید بن الصّمہ نے گرج کر کہا ــــ "ہم بنی اسرائیل کے خون کا انتقام نہیں لیں گے۔ کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے کہ ہم نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا خون اپنی تلواروں کو نہ پلایا اور اُن کے زخمیوں کو گھوڑوں تلے نہ روندا تو وہ ہمیں بھی قتل کر کے تمھاری بیٹیوں کو، تمھاری بہنوں کو اور تمھاری بیویوں کو اپنی لونڈیاں اور ہمارے بچوں کو اپنا غلام بنا لیں گے؟

"اس سے پہلے کہ اُن کے گھوڑے طائف کی گلیوں میں ہنہنائیں، کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ ہمارے گھوڑے اُن کی لاشوں کو مکّہ کی گلیوں میں کچلتے پھریں؟" ــــ مالک بن عوف نے جوش سے لرزتی ہُوئی آواز میں کہا ــــ "بنی اسرائیل کا یہ بزرگ ہماری پناہ میں آیا ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کا جو انجام بتایا ہے میں تمھیں اُس انجام سے بچانا چاہتا ہوں.... اٹھو اور لات کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ

ہم محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکہّ کے تمام بُت توڑ ڈالے ہیں ختم کر کے اپنی عورتوں کو اپنے منہ دکھائیں گے۔"

۷

اُس زمانے میں جب اسلام کی کرنیں مکہّ سے پھیل رہی تھیں، عرب میں بُت پرستی عام تھی۔ وہ خدا کو بھی مانتے تھے لیکن خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ بُتوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بُتوں کو راضی کیے بغیر خدا کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔ بُتوں کی خوشنودی کے لیے وہ کچھ رسمیں ادا کرتے تھے۔ طائف کے علاقے میں جس بُت کو پوجا جاتا تھا، اُس کا نام لات تھا جو انسانی یا حیوانی شکل کا نہیں تھا۔ وہ بہت بڑا پتھر تھا جسے چٹان کہا جاسکتا ہے۔ یہ چٹان باقاعدہ مربع شکل کی تھی۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ مربع شکل کا قدرتی طور پر بنا ہُوا چبوترہ تھا جس پر شاید کسی زمانے میں کوئی بُت رکھا گیا ہو لیکن طلوعِ اسلام کے دَور میں یہ صرف چبوترہ تھا اور اِردگرد کے قبائل اسی کو پُوجتے تھے۔

جنوری ۶۳۰ء کی اُس رات جب قبیلہ ہوازن کے سردار قبیلہ ثقیف کی دعوت پر طائف آئے اور مالک بن عوف اور دُرید بن الصّمہ انہیں مکہّ پر حملے کے لیے اُکسا رہے تھے، ہوازن کے ایک سردار نے مشورہ دیا کہ کاہن کو بلا کر فال نکلوائی جائے کہ ہمارا حملہ کامیاب ہو گا یا نہیں۔

یہ فال تیروں کے ذریعے نکالی جاتی تھی جسے ازلام کہتے تھے۔ بہت سے تیر اکٹھے رکھے ہوتے تھے کسی پر ہاں لکھا ہوتا تھا کسی پر نہیں۔ بُت کا کوئی مجاور یا کاہن (مذہبی پیشوا) اس ترکش سے ایک تیر نکالتا اور دیکھتا تھا کہ اس پر ہاں لکھا ہے یا نہیں۔ یہ فال کا جواب ہوتا تھا۔

مجاور کی نسبت کاہن کو بہتر سمجھا جاتا تھا۔ کاہن دانشمند ہوتے تھے۔ اُن کے پاس پُراثر اور دل میں اُتر جانے والے الفاظ کا ذخیرہ ہوتا تھا اور اُن کے بولنے کا انداز تو ہر کسی کو متاثر کر لیتا تھا۔ کاہن فال نکالے بغیر غیب کی خبریں دیا کرتے اور لوگ انہیں سچ مانا کرتے تھے۔

اگلی صبح ہوازن اور ثقیف کے سردار ایک کاہن کے سامنے بیٹھے ہُوئے تھے۔ ان میں سے کسی نے ابھی بات بھی نہیں کی تھی کہ کاہن بول پڑا۔

"اگر میں غیب کی خبر دے سکتا ہوں اور آنے والے وقت میں بھی جھانک کر بتا سکتا ہوں کہ کیسا ہو گا اور کیا ہو گا تو کیا میں یہ نہیں بتا سکوں گا کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے؟" ــــ اُس نے کہا ــــ "تم اپنی زبانوں کو ساکن رکھو اور میری زبان سے سنو کہ تم کیا کہنے آئے ہو.... تم جس دشمن پر حملہ کرنے جارہے ہو وہ یوں سمجھو کہ سویا ہُوا ہے۔ اُس نے مکہّ پر قبضہ کیا ہے اور وہاں کے انتظامات سیدھے کر رہا ہے۔ وہ اپنی بادشاہی کی بنیادیں پکّی کر رہا ہے۔ مکہّ میں اُس کے دشمن بھی موجود ہیں۔ ہر کسی نے محمدؐ کا مذہب قبول نہیں کیا۔"

"مقدّس کاہن!" ــــ دُرید بن الصّمہ نے کہا ــــ "ہمیں یہ بتا کہ ہم محمدؐ کو خبر ہونے سے پہلے اُس کو دبوچ سکتے ہیں؟ کیا ہمارا اچانک حملہ مکہّ کے مسلمانوں کو گھٹنوں بٹھا سکے گا؟"

کاہن نے آسمان کی طرف دیکھا۔ کچھ بڑبڑایا اور بولا ــــ "آنے والے وقت کے پردوں کو چاک

کر کے دیکھا ہے.... تمھارا حملہ اچانک ہوگا۔مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمھاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں گی۔کون ہے جو برستی تلواروں میں سنبھل کر اپنے آپ کو بچانے کی ترکیب کر سکتا ہے؟....یہی وقت ہے۔یہی موقع ہے۔مسلمان اگر سنبھل گئے تو تم اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔پھر مسلمان تمھارے گھروں تک تمھارا پیچھا کریں گے اور تمھارے خزانوں کو اور تمھاری عورتوں کو تمھاری لاشوں کے اوپر سے گزار کر اپنے ساتھ لے جائیں گے.... ازلام کی ضرورت نہیں۔لات نے اشارہ دے دیا ہے اور پوچھا ہے کہ مجھے پوجنے والوں کی تلواریں ابھی تک نیاموں میں کیوں ہیں؟"

"کوئی قربانی؟"— ایک سردار نے پوچھا۔

"حام"— کاہن نے کہا—"ایک حام۔اگر ہے تو دے دو۔نہیں ہے تو اپنے قبیلے سے کہو کہ بیٹھے نہ دکھائیں۔اپنے خون کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں....حام کی تلاش میں وقت ضائع نہ کریں....جاؤ۔میں نے تمھیں خبر دے دی ہے۔مکہ میں مسلمان دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔وہ لڑنے کے لیے تیار نہیں۔یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔"

حام اُس اُونٹ کو کہتے تھے جس کی چوتھی نسل پیدا ہو جاتی تھی۔اسے یہ لوگ اپنے بُت کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے۔اس اونٹ کو متبرک سمجھ کر اس پر نہ کوئی سواری کر سکتا تھا نہ اس سے کوئی اور کام لیا جاتا تھا۔اس پر خاص نشان لگا دیا جاتا تھا۔اسے جو کوئی دیکھتا تھا،اس کا احترام کرتا اور اسے اپنے کھانے کی چیزیں کھلا دیتا تھا۔

جب ہوازن اور ثقیف کے سردار کاہن کی اشیرباد لے کر چلے گئے تو کاہن اندرونی کمرے میں چلا گیا۔وہاں وہ بوڑھا یہودی بیٹھا تھا جسے گذشتہ رات ضیافت کے دوران مالک بن عوف نے اشارے سے کہا تھا کہ وہ سب کو بتائے کہ محکومی اور غلامی کیا ہوتی ہے۔

"میں نے تمھارا کام کر دیا ہے"— کاہن نے اُسے کہا—"اب یہ لوگ مکہ کی طرف کوچ میں تاخیر نہیں کریں گے۔"

"کیا انھیں کامیابی حاصل ہوگی؟"— بوڑھے یہودی نے پوچھا۔

"کامیابی کا انحصار ان کے لڑنے کے جذبے اور عقل پر ہے"— کاہن نے کہا—"اگر انہوں نے صرف جوش اور جذبے سے کام لیا اور عقل کو استعمال نہ کیا تو محمدؐ کی عسکری قابلیت انہیں بہت بُری شکست دے گی....میرا انعام؟"

"تمھارا انعام ساتھ لایا ہوں"— بوڑھے نے کہا اور آواز دی۔

دوسرے کمرے سے ایک حسین لڑکی آئی۔بوڑھے یہودی نے اپنے چُغے کے اندر ہاتھ ڈال کر سونے کے دو ٹکڑے نکالے اور کاہن کو دے دیئے۔

"میں کل صبح اس لڑکی کو لے جاؤں گا"— بوڑھے نے کہا۔

"میں تمہیں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں"— کاہن نے کہا—"میں نے تمھارے کہنے پر ان لوگوں کو کہا ہے کہ فوراً حملہ کریں لیکن ان سرداروں میں سمجھ بوجھ ہے۔حالات کو سمجھ لیتے ہیں۔ان کا

بوڑھا سردار دُرید بن الصّمہ پہلے سے جانتا تھا کہ مسلمان مکّہ میں ابھی جم کے نہیں بیٹھ سکے۔ اُن کے سامنے اور بہت سے مسئلے ہیں۔ ان پر حملے کے لیے یہی وقت موزوں ہے۔ ہوازن اور ثقیف کے سردار اپنے ارادے کی تصدیق کے لیے میرے پاس آئے تھے۔ اچھا ہُوا کہ ان سے پہلے تم چوری چُھپے میرے پاس آ گئے تھے۔"

"میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ختم کیا جائے"۔۔۔ بُوڑھے یہُودی نے کہا۔

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ ہوازن اور ثقیف دو طاقتور قبیلے تھے۔ مسلمانوں نے مکّہ فتح کر لیا تو ان دونوں قبیلوں کو یہ خطرہ محسوس ہُوا کہ دونوں کے لوگ الگ الگ بستیوں میں رہتے ہیں اور بستیوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ ایک دوسری سے دُور دُور بھی ہیں۔ مسلمان ہر بستی پر قابض ہو کر دونوں قبیلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ انہوں نے سوچا کہ قبیلوں کو متحد کر کے مسلمانوں پر حملہ بول دیا جائے۔

دونوں قبیلے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لے کر حنین کے قریب اوطاس کے مقام پر لے گئے۔ ان کے سرداروں نے چھوٹے چھوٹے کئی اور قبائل کو اس قسم کے پیغام بھیج کر کہ مسلمان اُن کی بستیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے آ رہے ہیں، اپنے اتحادی بنا لیا تھا۔ اس متحدہ لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ اس کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا۔ اُس نے لشکر کے ہر آدمی کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں اور مویشیوں کو ساتھ لے آئے۔ اُس نے اِس اجازت کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ مکّہ کا محاصرہ بہت لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہُوا تو لشکریوں کو اپنے بیوی بچوں اور مویشیوں کا غم ہو گا کہ معلوم نہیں کیسے ہوں۔ اس اجازت سے تقریباً سب نے فائدہ اٹھایا تھا۔ اس طرح جتنا لشکر لڑنے والوں کا تھا، اس سے کہیں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ اونٹ بھی بیشمار تھے۔

دُرید بن الصّمہ بہت بوڑھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں جانے کے قابل نہیں تھا لیکن لڑنے اور لڑانے کا جو تجربہ اُسے تھا وہ اور کسی کو نہیں تھا۔ سپہ سالار مالک بن عوف کو بنایا گیا تھا لیکن اس میں خوبی صرف یہ تھی کہ وہ بہت جوشیلا تھا۔ دُرید کو اُس کے تجربے کی وجہ سے بلایا گیا تھا۔

دُرید بن الصّمہ اُس وقت اس لشکر میں شامل ہُوا جب لشکر اوطاس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ وہ شام کے وقت پہنچا۔ اُسے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے بکریوں اور گدھوں کی آوازیں بھی سنیں۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ لشکر کے ساتھ بچے، بکریاں اور گدھے کون لایا ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ سپہ سالار نے بال بچے اور مویشی ساتھ لے جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ انہیں ساتھ لانے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

"مالک!"۔۔۔ دُرید بن الصّمہ نے مالک بن عوف کے خیمے میں جا کر پوچھا۔۔۔ "یہ تُو نے کیا کیا ہے؟ میں نے ایسا لشکر پہلی بار دیکھا ہے جو لڑنے والے لشکر کی بجائے نقلِ مکانی کرنے والوں کا قافلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تمہاری جنگی فہم و فراست پر ذرا سا بھی شک نہیں میرے بزرگ!"۔۔۔ مالک بن عوف

نے کہا۔"لیکن میں نے جو سوچا ہے وہ تم ساری عمر نہیں سوچ سکے۔ میں نے لشکریوں سے کہا تو یہ ہے کہ محاصرہ لمبا ہو جانے کی صورت میں انہیں اپنے اہل وعیال اور مال مویشی کے متعلق پریشانی پیدا ہو جاتے گی لیکن میں نے سوچا کچھ اور ہے۔ میں مکّہ کو محاصرے میں نہیں لوں گا بلکہ یلغار کروں گا مسلمانوں کو ہم بے خبری میں جالیں گے تمہیں معلوم ہے کہ لڑنے میں مسلمان کتنے تیز اور عقل مند ہیں۔ وہ پینترے بدل بدل کر لڑیں گے۔ ہو سکتا ہے ہمارے آدمی اُن کی بے جگری کے آگے ٹھہر نہ سکیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ اُن کی عورتیں اور جوان بیٹیاں اور بچّے اور دودھ دینے والے مویشی بھی ساتھ ہیں تو وہ انہیں بچانے کے لیے جان کی بازی لگا کر لڑیں گے اور زیادہ بہادری سے لڑیں گے۔ بھاگیں گے نہیں۔"

"تجربہ عمر سے حاصل ہوتا ہے مالک!"۔۔۔ دُرید نے کہا۔۔"تیرے پاس جذبہ ہے، غیرت ہے، جرأت ہے لیکن عقل تیری ابھی خام ہے۔ لڑائی میں ان لوگوں کا دھیان آگے نہیں پیچھے ہوگا۔ یہی دیکھتے رہیں گے کہ دشمن پہلو یا عقب سے ان کے بال بچوں تک تو نہیں آ گیا۔ دشمن جب ان پر جوابی حملہ کرے گا تو یہ تیزی سے اپنے بیوی بچوں تک پہنچیں گے کہ یہ دشمن سے محفوظ رہیں.... تو بہت بڑی کمزوری اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ محمدؐ کی جنگی قیادت کو تو نہیں جانتا میں جانتا ہوں۔ اُس کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر قابل سالار ہے۔ وہ تیری اسی کمزور رگ پر وار کریں گے۔ وہ کوشش کریں گے کہ تیرے لشکر کی عورتوں اور بچوں کو یرغمال میں لے لیں۔ انہیں درِ پیچھے رہنے دو اور مکّہ کو کوچ کرو۔"

"احترام کے قابل بزرگ!"۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔"تم بہت پرانی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے محسوس نہیں کیا کہ اتنی لمبی عمر نے تمہیں تجربوں سے تو مالا مال کر دیا ہے لیکن عمر نے تمہاری عقل کمزور کر دی ہے۔ اگر میں سپہ سالار ہوں تو میرا حکم چلے گا۔ میں جہاں ضرورت سمجھوں گا تم سے مشورہ لے لوں گا۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ دُرید بن الصمہ یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ یہ موقع آپس میں اُلجھنے کا نہیں تھا۔

"تم لشکر سے کچھ اور کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو"۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔

"جو کام مجھے کرنا ہے وہ میں تمہیں بتائے بغیر کروں گا"۔۔۔ دُرید نے کہا۔۔"مجھ میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ لڑا سکتا ہوں۔"

اُس نے اپنے خیمے میں جا کر قبیلوں کے سرداروں کو بلایا اور اتنا ہی کہا۔"جب حملہ کرو گے تو تمہارا اتحاد نہ ٹوٹے۔ تمام لشکر سے کہہ دو کہ حملے سے پہلے تلواروں کی نیامیں توڑ کر پھینک دیں۔"

عربوں میں یہ رسم تھی کہ لڑائی میں جب کوئی اپنی نیام توڑ دیتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص لڑتا ہوا جان دے دے گا، پیچھے نہیں ہٹے گا اور شکست نہیں کھائے گا۔ نیام توڑنے کو وہ فتح یا موت کا اعلان سمجھتے تھے۔

کسی بھی تاریخ میں ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ دُرید بن الصمہ نے قبیلوں کے سرداروں سے کہا ہو کہ وہ اپنے اہل وعیال کو اوطاس میں ہی رہنے دیں لیکن دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے وقت

صرف ہوازن قبیلہ تھا جس نے اپنی عورتوں، بچوں اور بکریوں وغیرہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔

۷

یہ دوسرا موقع تھا کہ اتنے زیادہ قبیلوں کی متحدہ فوج مسلمانوں کو تہس نہس کرنے آرہی تھی۔ اس سے پہلے جنگِ خندق میں اتنے زیادہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف متحد ہوئے تھے۔ اب مالک بن عوف اس امید پر متحدہ فوج کو لے جا رہا تھا کہ وہ مکّہ پر اچانک ٹوٹ پڑے گا۔ اس لشکر کو اب اوطاس سے مکّہ کو کوچ کرنا تھا اور اس کوچ کی رفتار بہت تیز رکھنی تھی۔ اوطاس میں لشکر کا قیام اس لیے زیادہ ہو گیا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو وہاں اکٹھے ہونا تھا۔

اگر اس لشکر میں صرف لڑنے والے ہوتے تو لشکر فوراً مکّہ کی طرف پیشقدمی کر جاتا۔ اس میں عورتیں اور بچّے بھی تھے اور اُن کا سامان بھی تھا، اس لیے وہاں سے کوچ میں خاصی تاخیر ہو گئی۔ اِس دوران مکّہ کی گلیوں میں ایک للکار سنائی دی۔

"مسلمانو! ہوشیار.... تیار ہو جاؤ"۔۔۔ وہ ایک شُتر سوار تھا جو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اعلان کرتا جا رہا تھا۔ "خدا کی قسم، جو میں دیکھ آیا ہوں وہ تم میں سے کسی نے نہیں دیکھا"۔

"کیا شور مچاتے جا رہے ہو"۔۔۔ کسی نے اُسے کہا۔۔۔ "رُکو اور بتاؤ کیا دیکھ آئے ہو"۔

"رسول اللہ کو بتاؤں گا"۔۔۔ وہ کہتا جا رہا تھا۔۔۔ "تیار ہو جاؤ.... ہوازن اور ثقیف کا لشکر...."۔

رسولِ کریمؐ کو اطلاع مل گئی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے ساتھ دوسرے قبیلوں کے ہزاروں لوگ اوطاس کے قریب خیمہ زن ہیں اور اُن کا ارادہ مکّہ پر حملے کا ہے اور وہ کوچ کرنے والے ہیں۔ تاریخوں میں اُس شخص کا نام نہیں ملتا جس نے اوطاس میں اس متحدہ لشکر کو دیکھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ لشکر کا ارادہ کیا ہے۔ مؤرخوں نے اتنا ہی لکھا ہے کہ رسولؐ کریم کو قبل از وقت غیر مسلم قبیلوں کے اجتماع کی خبر مل گئی۔

ان مؤرخوں کے مطابق (اور بعد کے مبصّروں کی تحریروں کے مطابق) رسولِ اکرمؐ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ جنگ و جدل سے گریز کیا جائے اور اُن غیر مسلموں کو جو آپؐ کو اور مسلمانوں کو دشمن سمجھتے اور آپؐ کے خلاف سازشیں تیار کرتے رہتے تھے، انہیں خیر سگالی اور بھائی چارے کے پیغام دیئے جائیں۔

اس خواہش اور کوشش کے علاوہ جنوری ۶۳۰ء میں حضورؐ اکرم لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ آپؐ نے مکّہ کو چند ہی دن پہلے اپنی تحویل میں لیا تھا اور شہر کے انتظامات میں مصروف تھے۔ حضورؐ کو مشورے دیئے گئے کہ شہری انتظامات کو ملتوی کر کے دفاعی انتظامات کی طرف فوری توجہ دی جائے اور دشمن کے حملے یا محاصرے کا انتظار کیا جائے۔

رسول اللہ نے مشورہ دینے والوں سے یہ کہہ کر اُن کا مشورہ مسترد کر دیا کہ ہم یہاں دفاعی مورچے بنا کر ان میں بیٹھ جائیں اور جب دشمن کو خبر ملے کہ ہم بیدار ہیں اور قلعہ بند ہو گئے ہیں تو دشمن مکّہ سے کچھ دور خیمہ زن ہو کر اس انتظار میں تیار بیٹھ جائے کہ ہم دفاع میں ذرا سی بھی کوتاہی کریں اور وہ

شہر کو محاصرے میں لے لے یا سیدھی یلغار کر دے تو یہ دشمن کو دعوت دینے والی بات ہو گی کہ مسلسل خطرہ بن کر ہمارے سروں پر بیٹھا رہے۔

اُس دَور کی مختلف تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے یہ اصول وضع کیا اور مسلمانوں کو ذہن نشین کرایا تھا کہ دشمن اگر اپنے گھر بیٹھ کر ہی للکارے تو اُس کی للکار کا جواب ٹھوس طریقے یعنی عملی طریقے سے دو۔ دوسرا یہ کہ دشمن کی نیّت اور اُس کے عزائم کا علم ہو جائے تو اپنی سرحدوں کے اندر بیٹھ کر اُس کا انتظار نہ کرتے رہو، اُس پر حملہ کر دو اور حضورؐ نے اپنی اُمّت کو تیسرا اصول یہ دیا کہ ہر وقت تیاری کی حالت میں رہو اور دشمن کو احساس دلا دو کہ وہ تمہیں للکارے گا یا تمہارے لیے خطرہ بننے کی کوشش کرے گا تو تم بجلی کی طرح اُس پر کوندو گے۔

⋎

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا"۔۔۔ مالک بن عوف اپنے خیمے میں غصّے سے بار بار زمین پر پاؤں مارتا اور کہتا تھا۔۔۔"وہ اتنی جلدی کس طرح یہاں تک پہنچ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ساتھ غداروں کو بھی لائے تھے جنہوں نے محمدؐ کو بہت دن پہلے خبردار کر دیا تھا کہ ہم آرہے ہیں؟"

"خود جا کر دیکھ لے مالک!"۔۔۔ بوڑھے دُرید بن الصّمہ نے کہا۔۔۔"اپنی آنکھوں سے دیکھ لے"۔

"اگر میں جھوٹ بول رہا ہُوں تو اپنے دیوتالات کو دھوکہ دے رہا ہُوں"۔۔۔ اُس آدمی نے کہا جو دیکھ آیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جس کی تعداد کم وبیش دس ہزار تھی، حنین کے قریب آکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا۔۔۔"انہوں نے خیمے نہیں گاڑے۔ وہ تیاری کی حالت میں ہیں.... اور یہ بھی جھوٹ نہیں کہ اس لشکر کا سپہ سالار محمدؐ خود ہے"۔

مالک بن عوف غصّے سے باؤلا ہُوا جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑنے چلا تھا۔ اُس نے اوطاس سے مکّہ کی طرف پیشقدمی کا حکم دے دیا تھا مگر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اُس کی جمعیت سے تھوڑی ہی دُور حنین کے گرد و نواح میں آگئے ہیں اور مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

"غصّہ تیری عقل کو کمزور کر رہا ہے مالک!"۔۔۔ دُرید نے اُسے کہا۔۔۔"اب محاصرے اور یلغار کو دماغ سے نکال اور اُس زمین سے فائدہ اُٹھا جس پر مسلمانوں سے تیرا مقابلہ ہوگا۔ تُو اچھی چالیں سوچ سکتا ہے۔ تُو دشمن کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ تجھ میں جرأت ہے، پھر تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ میں تیرے ساتھ ہوں.... میں تجھے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ہوازن کے لوگوں نے اپنی عورتوں اور اپنے بچّوں اور اپنے مویشیوں کو ساتھ لا کے اچھا نہیں کیا.... آ میرے ساتھ، حنین کی وادی کو دیکھیں"۔

وہ دونوں اُس علاقے کو دیکھنے چل پڑے جہاں لڑائی متوقع تھی۔

⋎

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی، اس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس نفری میں مکّہ کے دو ہزار افراد ایسے تھے جنہیں اسلام قبول کیے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ بعض صحابہ کرام ان نومسلموں پر بھروسہ کرنے پر آمادہ نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔ ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان بھی نومسلم تھے۔ یہ تینوں سرداری اور سالاری کے رتبوں کے افراد تھے جن کا نومسلم قریش پر اثر و رسوخ بھی تھا لیکن دیکھا گیا کہ یہ سب اپنی مرضی سے اس لشکر میں شامل ہوتے تھے۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ان تینوں نے مجاہدین کے لیے کم و بیش ایک سو زرہ بکتر دیئے تھے۔

یہ لشکر ۲۷ جنوری ۶۳۰ء (۶ شوال ۸ ھ) کی صبح مکہ سے روانہ ہوا اور ۳۱ جنوری کی شام حنین کے گرد و نواح میں پہنچ گیا تھا۔ کوچ برق رفتار تھا۔ رسولِ کریمؐ کو معلوم تھا کہ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف لڑنے والے قبیلے ہیں اور ان کے قائد دُرید اور مالک جنگی فہم و فراست اور چالوں سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپؐ نے ہراول جن سات سو مجاہدین کو رکھا وہ بنوسلیم کے تھے اور ان کے کمانڈر خالدؓ بن ولید تھے۔

حنین ایک وادی ہے جو مکہ سے گیارہ میل دُور ہے۔ بعض جگہوں پر یہ وادی سات میل چوڑی ہے، کہیں اس کی چوڑائی اس سے بھی کم ہے اور حنین کے قریب جاکر وادی کی چوڑائی کم ہوتے ہوتے بمشکل دو فرلانگ رہ جاتی ہے۔ یہاں سے وادی کی سطح اُوپر کو اٹھتی ہے یعنی یہ چڑھائی ہے۔ آگے ایک درّہ نما راستہ ہے جو دائیں بائیں مڑتا ایک اور وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اس وادی کا نام نخلتہ الیمانیہ ہے۔ راستہ خاصا تنگ ہے۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوسوں کی آنکھوں سے دیکھا کہ قبیلوں کی متحدہ فوج ابھی اوطاس کے قریب خیمہ زن ہے مگر جاسوس رات کی تاریکی میں نہ جھانک سکے یا انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ رات کو بھی دیکھ لیتے کہ دشمن کوئی نقل و حرکت تو نہیں کر رہا۔ دن کے دوران متحدہ قبیلوں کے کیمپ میں کُوچ یا پیشقدمی کی تیاری کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ کیمپ پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی سرگرمی نہیں تھی۔

یکم فروری ۶۳۰ء (۱۱ شوال ۸ ھ) کی سحر مجاہدین نے اوطاس کی طرف پیشقدمی کی۔ سکیم یہ تھی کہ دشمن کے کیمپ پر یلغار کی جائے گی۔ امید یہی تھی کہ دشمن کو بے خبری میں جالیں گے۔ پیشقدمی مکمل طور پر منظم تھی۔ ہراول میں بنوسلیم کے مجاہدین تھے جن کے قائد خالدؓ بن ولید تھے۔ اس حیثیت میں خالدؓ سب سے آگے تھے۔

اسلامی فوج کی نفری تو بارہ ہزار تھی لیکن اِس باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک بے قاعدہ فوج بھی تھی جس کی نفری بیس ہزار تھی۔ یہ مکہ اور گرد و نواح کے لوگ تھے جو فوج کی مدد کے لیے ساتھ آئے تھے۔

ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ اتنا زیادہ لشکر دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ نے بڑے فخر سے کہا۔ "کون ہے جو ہمیں شکست دے سکتا ہے"۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس فخر میں تکبّر کی جھلک بھی تھی۔

خالدؓ اسلامی لشکر کے آگے تھے۔ وہ جب وادیٔ حنین کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو صبح طلوع ہو رہی تھی۔ خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رفتار تیز کر دی۔ خالدؓ جوشیلے جنگجو تھے اور جارحانہ قیادت میں یقین رکھتے تھے۔ وہ جب مسلمان نہیں ہوئے تھے تو قبیلہ قریش کے سردارِ اعلیٰ ابوسفیان

سے انہیں سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ انہیں کُھل کر لڑنے نہیں دیتے تھے۔ اُن کے قبولِ اسلام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے رسولِ کریمؐ کی عسکری قیادت میں وہ جذبہ دیکھا تھا جو انہیں پسند تھا۔ خالدؓ نے قبولِ اسلام سے پہلے عکرمہ سے کہا بھی تھا کہ میرے عسکری جذبے اور میدانِ جنگ میں جارحانہ انداز کی قدر صرف مسلمان کر سکتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے خالدؓ کی عسکری اہلیت اور قابلیت کی جو قدر کی تھی اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کے ہراول کے کمانڈر تھے۔

٭

صبح طلوع ہو رہی تھی جب خالدؓ بن ولید کا ہراول دستہ گھاٹی والے تنگ راستے میں داخل ہوا۔ اچانک زمین و آسمان جیسے پھٹ پڑے ہوں۔ ہوازن، ثقیف اور دیگر قبیلوں کی متحدہ فوج کے نعرے گھٹاؤں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک کی طرح بلند ہوئے اور موسلا دھار بارش کی طرح تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ یہ تیر دائیں بائیں کی چٹانوں اور ٹیکریوں سے آرہے تھے۔

یہ دشمن کی گھات تھی۔ مالک بن عوف اور دُرید بن الصّمہ نے دن کے وقت اپنے کیمپ میں کوئی سرگرمی ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جنگی کیمپ نہیں کسی قافلے کا پڑاؤ ہے۔ شام کے بعد مالک بن عوف اپنی فوج کو حنین کے تنگ راستے پر لے گیا اور تیر اندازوں کو دونوں طرف چھپا کر بٹھا دیا تھا۔

تیروں کی بوچھاڑیں اچانک بھی تھیں اور بہت زیادہ بھی۔ مجاہدین کے گھوڑے تیر کھا کر بے لگام ہو کر بھاگ گئے۔ جو سوار تیروں سے محفوظ رہے، وہ بھی پیچھے کو بھاگ اُٹھے۔ تیروں کی بوچھاڑیں اور تیز و تند ہو گئیں گھوڑے بھی بے قابو اور سوار بھی بے قابو ہو گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔

٭

"مت بھاگو"۔ خالدؓ بن ولید تیروں کی بوچھاڑوں میں کھڑے چلّا رہے تھے۔ "پیٹھ نہ دکھاؤ.... مقابلہ کرو۔ ہم دشمن کو....." گھوڑوں اور سواروں کی بھگدڑ ایسی تھی کہ خالدؓ بن ولید کی پکار کسی کے کانوں تک پہنچتی ہی نہیں تھی۔ کوئی یہ دیکھنے کے لیے بھی نہیں رکتا تھا کہ خالدؓ کے جسم میں کتنے تیر اُتر گئے ہیں اور وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے وہیں کھڑے اپنے دستے کو مقابلے کے لیے للکار رہے ہیں۔ وہ آخر بھگدڑ کے ریلے کی زد میں آگئے اور اُن کے دھکوں سے یوں دور پیچھے آگئے جیسے سیلاب میں بہہ گئے ہوں۔ جب بھگدڑ کا ریلا گذر گیا تو خالدؓ اتنے زخمی ہو چکے تھے کہ گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

ہراول کے پیچھے اسلامی فوج آرہی تھی۔ اس کے رضا کاروں کا بے قاعدہ لشکر بھی تھا ہراول کا دستہ بھاگتا دوڑتا پیچھے کو آیا تو فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ ہراول کے بہت سے آدمیوں کے جسموں میں تیر پیوست تھے اور اُن کے کپڑے خون سے لال تھے۔ گھوڑوں کو بھی تیر لگے ہوئے تھے۔ مالک بن عوف کی فوج کے نعرے جو پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے تھے، سنائی دے رہے تھے۔ یہ حال دیکھ کر اسلامی فوج بکھر کر پیچھے کو بھاگی۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ قریش جو بے دلی سے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی فوج کے

ساتھ آ گئے تھے، انہوں نے اس بھگدڑ کو یوں بڑھایا جیسے جلتی پر تیل ڈالا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف بھاگے بلکہ انہوں نے خوف وہراس پھیلایا۔ انہیں ایک خوشی تو یہ تھی کہ لڑائی سے بچے اور دوسری خوشی یہ کہ مسلمان بھاگ نکلے ہیں اور انہیں شکست ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی کچھ نفری وہیں جا پہنچی جہاں سے چلی تھی۔ اس جگہ کو فوجی اڈہ (بیس) بنایا گیا تھا۔ زیادہ تعداد ان مسلمانوں کی تھی جنہوں نے پیچھے ہٹ کر ایسی جگہوں میں پناہ لے لی جہاں چھپا جا سکتا تھا لیکن وہ چھپنے کے لیے بلکہ چھپ کر یہ دیکھنے کے لیے وہاں رکے تھے کہ ہوا کیا ہے اور وہ دشمن کہاں ہے جس سے ڈر کر پوری فوج بھاگ اٹھی ہے۔ وہاں تو حالت یہ ہو گئی تھی کہ بھاگتے ہوئے اونٹ اور گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور پیادے ان کے درمیان آکر کچلے جانے سے بچنے کے لیے ہر طرف بھاگ رہے تھے۔

۷

رسولِ کریمؐ نے اپنی فوج کی یہ حالت دیکھی تو آپؐ سن ہو کے رہ گئے۔ آپؐ بھاگنے والوں کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ نو صحابہ کرام تھے۔ ان میں چار قابلِ ذکر ہیں ــ حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ۔

"مسلمانو!" ــ رسولِ کریمؐ نے بلند آواز سے للکارنا شروع کر دیا۔ "کہاں جا رہے ہو۔ میں ادھر کھڑا ہوں .... میں جو اللہ کا رسولؐ ہوں .... مجھے دیکھو۔ میں محمدؐ ابنِ عبداللہ یہاں کھڑا ہوں۔"

مسلمان حضورؐ کے قریب سے بھاگتے ہوئے گذرتے جا رہے تھے۔ آپؐ کی کوئی نہیں سن رہا تھا۔ خالدؓ بن ولید کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ آگے کہیں بے ہوش پڑے تھے۔ اتنے میں قبیلہ ہوازن کے کئی آدمی اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے تعاقب میں آئے۔ ان کے آگے ایک شتر سوار تھا جس نے جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک مسلمان کو ساتھ لیا اور اس شتر سوار علمبردار کے پیچھے دوڑ پڑے۔ قریب جا کر حضرت علیؓ نے اس کے اونٹ کی پچھلی ٹانگ پر تلوار کا وار کر کے ٹانگ کاٹ دی۔ اونٹ گرا تو سوار بھی گر پڑا۔ حضرت علیؓ نے اس کے اٹھتے اٹھتے اس کی گردن صاف کاٹ دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیکری پر جا کھڑے ہوئے۔ دشمن کے کسی آدمی کی للکار سنائی دی ــ "وہ رہا محمدؐ... قتل کر دو" ــ تاریخ میں ان آدمیوں کو قبیلہ ثقیف کے لکھا گیا ہے جو اپنے آدمی کی للکار پر اس ٹیکری پر چڑھنے لگے جس پر رسول اللہؐ کھڑے تھے صحابہ کرام جو آپؐ کے ساتھ تھے، ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مختصر سے معرکے سے وہ سب بھاگ نکلے۔ ان میں سے کوئی بھی رسولِ اکرمؐ تک نہ پہنچ سکا۔

"میں مالک بن عوف سے شکست نہیں کھاؤں گا" ــ رسول اللہؐ نے کہا۔ "وہ اتنی آسانی سے کیسے فتح حاصل کر سکتا ہے!"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو بکھرتے اور بھاگتے تو دیکھ ہی لیا تھا، آپؐ دشمن کو بھی دیکھ رہے تھے، بلکہ دشمن کو زیادہ دیکھ رہے تھے۔ آپؐ کی عسکری حِس نے محسوس کر لیا کہ مالک بن عوف

اپنے پہلے بھرپور اور کامیاب وار پر اس قدر خوش ہوگیا ہے کہ اُسے اگلی چال کا خیال ہی نہیں رہا۔ وہ اسلامی فوج کی بھگدڑ اور افراتفری کی پسپائی سے فائدہ نہیں اٹھا رہا تھا۔ حضورؐ کو توقع تھی کہ مالک بن عوف کی متحدہ فوج مسلمانوں کے تعاقب میں آئے گی لیکن تعاقب میں دشمن کے جو آدمی آئے تھے وہ تعداد میں تھوڑے اور غیر منظّم تھے۔

اس کے علاوہ حضورِ اکرم نے اپنے ہراول دستے کو پیچھے آتے بھی دیکھا تھا اور آپؐ نے معلوم بھی کیا تھا کہ ہراول کے کتنے آدمی شہید اور زخمی ہوتے ہیں۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ کئی ایک مجاہدین، گھوڑے اور اونٹ زخمی ہوتے ہیں، شہید ایک بھی نہیں ہوا۔ اس سے رسولِ کریم نے یہ رائے قائم کی کہ یہ دشمن تیراندازی میں اناڑی ہے اور جلد باز بھی ہے۔ اتنی زیادہ تیراندازی کسی کو زندہ نہ رہنے دیتی۔

حضورِ اکرم نے اپنے پاس کھڑے صحابۂ کرام پر نظر ڈالی۔ آپؐ کی نظریں حضرت عباسؓ پر ٹھہر گئیں۔ حضرت عباسؓ کی آواز غیر معمولی طور پر بلند تھی جو بہت دور تک سنائی دیتی تھی۔ جسم کے لحاظ سے بھی حضرت عباسؓ قوی ہیکل تھے۔

"عباسؓ"۔۔۔ حضورِ اکرم نے کہا "تم پر اللہ کی رحمت ہو مسلمانوں کو پکارو۔ انہیں یہاں آنے کے لیے کہو۔"

"اے انصار!"۔۔۔ حضرت عباسؓ نے انتہائی بلند آواز میں پکارنا شروع کیا۔۔۔ "اے اہلِ مدینہ ..... اے اہلِ مکّہ ..... آؤ ..... اپنے رسولؐ کے پاس آؤ"۔۔۔ حضرت عباسؓ قبیلوں کے اور آدمیوں کے نام لے لے کر پکارتے رہے اور کہتے رہے کہ اپنے رسولؐ کے پاس، اپنے اللہ کے رسولؐ کے پاس آؤ۔

سب سے پہلے انصار آئے۔ ان کی تعداد معمولی تھی لیکن ایک کو دیکھ کر دوسرا آتا چلا گیا مکّہ کے کچھ دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی آگئے۔ ان کی تعداد ایک سو ہوگئی۔ رسولِ کریم نے دیکھا کہ قبیلۂ ہوازن کے بہت سے آدمی پسپا ہوتے مسلمانوں کی طرف دوڑے آرہے تھے۔ آپؐ نے اِن ایک سو مجاہدین کو دشمن کے اِن آدمیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

مجاہدین اُن کے عقب سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ہوازن کے آدمی بوکھلا گئے اور مقابلے کے لیے سنبھلنے لگے لیکن مجاہدین نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ اُن میں سے بہت سے بھاگ نکلے۔ اُن کے زخمی اور ہلاک ہونے والے پیچھے رہ گئے۔

▼

وہ تو اچانک ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی تھی، ورنہ وہ ہمیشہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فاتح اور کامران رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ عباسؓ کی پکار پر مسلمان رسولِ اکرم کے حضور اکٹھے ہو رہے ہیں اور دشمن مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کے جوابی حملے کو بھی برداشت نہیں کرسکا اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہوازن اور ثقیف اُن کے تعاقب میں نہیں آرہے تو کئی ہزار مجاہدین واپس آگئے۔ رسولِ اکرم نے انہیں فوراً منظم کیا اور دشمن پر حملے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ بن ولید لاپتہ تھے۔ کسی کو ہوش نہیں تھا کہ دیکھتا کہ کون لاپتہ ہے اور کون کہاں ہے۔
وہی تنگ گھاٹی جہاں مجاہدین پر قہر ٹوٹا تھا، اب متحدہ قبائل کے لیے موت کی گھاٹی بن گئی۔
قبیلہ ہوازن چونکہ سب سے زیادہ لڑا کا قبیلہ تھا اس لیے اسی کے آدمیوں کو آگے رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ بلاشک وشبہ ماہر لڑاکے تھے لیکن مسلمانوں نے جس قہر سے حملہ کیا تھا، اس کے آگے ہوازن ٹھہر نہ سکے۔ مسلمان اُس خفت کو بھی مٹانا چاہتے تھے جو انہیں غلطی سے اٹھانی پڑی تھی۔
یہ دست بدست لڑائی تھی۔ مجاہدین نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ ہوازن گر رہے تھے یا معرکے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسولِ اکرمؐ معرکے کے قریب ایک بلند جگہ کھڑے تھے۔ آپؐ نے للکار للکار کر کہا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ

"یہ جھوٹ نہیں کہ میں نبیؐ ہوں۔ میں ابن عبدالمطلب ہوں"۔
ہوازن پیچھے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اب وار کرتے کم اور وار روکتے زیادہ تھے۔ اُن کا دم خم ٹوٹ رہا تھا۔ ان کے پیچھے قبیلہ ثقیف کے دستے تیار کھڑے تھے۔ مالک بن عوف نے چلاّ چلاّ کر ہوازن کو پیچھے ہٹایا۔ قبیلہ ثقیف کے تازہ دم لڑاکوں نے ہوازن کی جگہ لے لی۔ مسلمان تھک چکے تھے اور ثقیف تازہ دم تھے لیکن مسلمانوں کو اپنے قریب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور للکار نیا حوصلہ دے رہی تھی۔
مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں کی ضربوں میں جو قہر اور غضب تھا اور اُن کے نعروں اور للکاریں جو گرج اور کڑک تھی، اُس نے ثقیف پر دہشت طاری کر دی۔ ثقیف کے لڑاکے جو عرب میں خاصے مشہور تھے، تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے پھر اُن کے اونٹوں اور گھوڑوں نے بھگدڑ بپا کر دی۔ اس سے دشمن میں وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو گھاٹی میں صبح کے وقت مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ ہوازن بڑی بُری حالت میں پیچھے کو بھاگے تھے، اب ثقیف بھی پسپا ہوتے تو ان کے اتحادی قبائل کے حوصلے لڑے بغیر ہی ٹوٹ پھوٹ گئے۔ وہ افراتفری میں بھاگ اٹھے۔

۷

مالک بن عوف تنگ راستے سے دُور پیچھے ہوازن کے بھاگے ہوئے دستوں کو یکجا کر رہا تھا۔ اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جارحانہ کارروائی سے منہ موڑ چکا ہے اور اپنے دستوں کو دفاعی دیوار کے طور پر ترتیب دے رہا ہے۔
رسول اللہؐ نے یہ ترتیب دیکھی تو آپؐ اپنے لشکر کی طرف پلٹے۔ آپؐ نے دیکھا کہ جو مجاہدین صبح کے وقت بھاگ گئے تھے وہ سب واپس آ گئے ہیں۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ گھوڑسواروں کو آگے لاؤ۔ ذرا سی دیر میں سوار پیادوں سے الگ ہو گئے۔ آپؐ نے سواروں کو ایک خاص ترتیب میں کر کے حکم دیا کہ ہوازن کو سنبھلنے اور منظم ہونے کا موقع نہ دو اور برق رفتار حملہ کرو۔
ان سواروں میں بنوسلیم کے وہ سوار بھی شامل تھے جن پر سب سے پہلے تیروں کی بوچھاڑیں آئی تھیں اور مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی تھی لیکن بنوسلیم کا کمانڈر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ تھے خالدؓ بن ولید

جو ابھی تک کہیں بے ہوش پڑے تھے۔
رسولِ اکرمؐ نے اس سوار دستے کی قیادت زبیرؓ بن العوام کے سپرد کی اور انہیں حکم دیا کہ آگے جو درّہ ہے، اس پر مالک بن عوف قبضہ کیے بیٹھا ہے، اُسے درّے سے بیدخل کر دو۔
رسولِ کریمؐ نے جنگ کی کمان اپنے دستِ مبارک میں لے لی تھی۔ آپؐ کے اشارے پر زبیرؓ بن العوام نے ایسا برق رفتار اور جچا تُلا ہلّہ بولا کہ ہوازن جو ابھی تک بوکھلائے ہوئے تھے مقابلے میں جم نہ سکے اور درّے سے نکل گئے۔ درّہ خاصا لمبا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے زبیرؓ کے دستے کو درّے میں ہی رہنے دیا اور حکم دیا کہ اب درّہ جنگی اڈہ ہوگا۔
آپؐ نے دوسرا سوار دستہ آگے کیا جس کے کمانڈر ابو عامرؓ تھے۔ حضورِ اکرمؐ نے ابو عامرؓ کے سپرد یہ کام کیا کہ اوطاس کے قریب متحدہ قبائل کا جو کیمپ ہے اس پر حملہ کر دو۔
"خالدؓ... خالدؓ یہاں ہے"۔ کسی نے بڑی دور سے للکار کر کہا۔"یہ پڑا ہے"۔
رسولِ اکرمؐ دوڑے گئے اور خالدؓ تک پہنچے۔ خالدؓ ابھی تک بیہوش پڑے تھے۔ آپؐ خالدؓ کے پاس بیٹھ گئے اور اُن کے سر سے پاؤں تک پھونک ماری۔ خالدؓ نے آنکھیں کھول دیں۔ رسول اللہؐ نے خالدؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ خالدؓ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں جو تیر لگے تھے وہ گہرے نہیں اُترے تھے۔ تیر نکال لیے گئے اور بڑی تیزی سے مرہم پٹی کر دی گئی۔
"یارسول اللہؐ!۔۔ خالدؓ نے کہا۔"میں لڑوں گا۔ میں لڑنے کے قابل ہوں"۔
رسولِ خداؐ نے خالدؓ بن ولید کے جسم میں اور ان کی رُوح میں سحر پھونک دیا تھا۔ آپؐ نے خالدؓ سے کہا کہ زبیرؓ کے سوار دستے میں شامل ہو جاؤ۔ تم ابھی کمان نہیں لے سکو گے۔
خالدؓ ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اُن کے کپڑے خون سے لال تھے۔ اُنہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور زبیرؓ کے سوار دستے میں شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے زبیرؓ سے پوچھا کیا حکم ہے۔ زبیرؓ نے انہیں بتایا کہ ہوازن کی خیمہ گاہ پر حملہ کرنا ہے جو اوطاس کے قریب ہے لیکن یہ حملہ ابُو عامرؓ کریں گے۔
اوطاس وہاں سے کچھ دُور تھا۔ مالک بن عوف نے ہوازن دستے کو وہاں تک ہٹا لیا اور اسے اپنی خیمہ گاہ کے اردگرد پھیلا دیا تھا۔ یہ دفاعی حصار تھا جس کی ہوازن کے کیمپ کے گرد ضرورت اس لیے تھی کہ وہاں وہ ہزاروں عورتیں، بچے اور مویشی تھے جنہیں قبیلۂ ہوازن کے سپاہی اپنے ساتھ لائے تھے۔ مالک بن عوف نے تو یہ سوچا تھا کہ ہوازن اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ دیکھ کر زیادہ غیرت مندی اور بے جگری سے لڑیں گے، مگر اب یہ صورت پیدا ہو گئی تھی کہ دُرید بن الصمہ مالک بن عوف کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ اُس کے منع کرنے کے باوجود مالک عورتوں کو ساتھ لے آیا تھا۔ ان کے لیے اب اپنے اہل و عیال اور مویشیوں کو مسلمانوں سے بچانا محال دکھائی دے رہا تھا۔

۲

ابو عامرؓ کا سوار دستہ اوطاس کی طرف بڑھا۔ قریب گئے تو ہوازن نے جم کر مقابلہ کیا۔ اب وہ جنگ جیتنے کے لیے یا مسلمانوں کو تہس نہس کر کے مکّہ پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں سے

اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو بچانے کے لیے لڑ رہے تھے۔ یہ بھی دست بدست معرکہ تھا جس میں جنگی چالوں کے نہیں، ذاتی شجاعت کے مظاہرے ہو رہے تھے۔ سوار اور پیادے لڑتے ہوئے وادی میں پھیلتے جا رہے تھے۔

ابو عامرؓ نے دشمن کے نو سواروں کو ہلاک کر دیا مگر دسویں ہوازن کو للکارا تو اُس کے ہاتھوں خود شہید ہو گئے۔ رسولِ اکرمؐ نے پہلے ہی اُن کا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ وہ تھے اُن کے چچازاد بھائی اُبو موسیٰؓ۔ اُنہوں نے فوراً کمان سنبھال لی اور اپنے سواروں کو للکارنے لگے۔

ہوازن زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اُن کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے زبیرؓ بن العوام کو جنہیں آپؐ نے درّے میں روک لیا تھا، حکم دیا کہ اپنے دستے کو اُبو موسیٰؓ کی مدد کے لیے لے جائیں۔ حضورؐ نے یہ اِس لیے ضروری سمجھا تھا کہ دونوں دستے مل کر ہوازن کا کام جلدی تمام کر سکیں گے۔

زبیرؓ نے اپنے سواروں کو حملے کا حکم دیا۔ جب گھوڑے دوڑے اُس وقت خالدؓ بن ولید کا گھوڑا دستے کے آگے تھا۔

ہوازن پہلے ہی ہمت ہار چکے تھے۔ مسلمانوں کے دوسرے سوار دستے کے حملے کی وہ تاب نہ لا سکے۔ اُن کے زخمیوں کی تعداد معمولی نہیں تھی۔ وہ اپنی عورتوں اور بچّوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے کیمپ کو گھیرے میں لے لیا۔

چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے لڑاکوں نے جب ہوازن اور ثقیف جیسے طاقتور قبیلوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ وہاں سے بالکل غائب ہو گئے اور اپنی اپنی بستیوں میں جا پہنچے۔ مالک بن عوف میدانِ جنگ میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ نظر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اُسے اپنے شہر طائف کی فکر پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ مسلمان جس رفتار اور جس جذبے سے آ رہے ہیں، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ طائف تک پہنچیں گے اور اِس بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اُس نے قبیلہ ثقیف کے تمام دستوں کو لڑائی سے نکالا اور طائف جا دم لیا۔

پیچھے حنین کی وادی میں کیفیت یہ تھی کہ ہوازن کی عورتیں اور بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ تمام وسیع و عریض وادی مجاہدینِ اسلام کی تحویل میں تھی۔ مکّہ کے جو غیر فوجی مجاہدین کے ساتھ آئے تھے وہ زخمی مجاہدین کو اُٹھا رہے تھے۔ دشمن کے زخمی کراہ رہے تھے، مر رہے تھے۔ مرنے والوں میں بوڑھا دُرید بن الصمّہ بھی تھا۔ وہ لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

مسلمانوں کو دشمن کے زخمیوں اور قیدیوں سے جو ہتھیار اور گھوڑے ملے، اِن کے علاوہ چھ ہزار عورتیں اور بچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور بے شمار چاندی ہاتھ لگی۔

مسلمانوں نے جنگ جیت لی تھی لیکن رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا کہ مالک بن عوف کو مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ سُستا سکے اور اپنی فوج کو منظم کر سکے۔ آپؐ نے دراصل سانپ کا سر کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپؐ کے حکم سے مالِ غنیمت میں آئی ہوئی عورتوں، بچّوں، مویشیوں اور دیگر مال کو

ایک دستے کے ساتھ جعرانہ بھیج دیا گیا۔ اگلے حکم تک اُنہیں جعرانہ میں ہی رہنا تھا۔ دوسرے دن رسولِ اکرمؐ کے حکم سے اسلامی فوج طائف کی طرف پیشقدمی کر گئی جہاں بڑی خونریز جنگ کی توقع تھی۔

معرکۂ حنین کا ذکر قرآن حکیم میں سورۂ توبہ میں آیا ہے۔ بعض صحابۂ کرام نے معرکہ شروع ہونے سے پہلے کہا تھا کہ ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ سورۂ توبہ میں آیا ہے :

"اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی جب تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا، حالانکہ وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور مسلمانوں پر تسلّی نازل کی اور وہ فوجیں اُتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کا بدلہ یہی ہے۔"

طائف بڑی خوبصورت بستی ہُوا کرتی تھی۔ یہ باغوں کی بستی تھی۔ پھلوں اور پھولوں کی مہک سے ہوائیں مخمور رہتی تھیں۔ طائف میں جاکر دُکھی دل کِھل اُٹھتے تھے۔ یہ جنگجو سرداروں کی بستی تھی۔ یہ ثقیف جیسے طاقتور قبیلے کا مرکز تھا۔ اس بستی کے قریب اس قبیلے کی عبادت گاہ تھی جس میں ثقیف، ہوازن اور چند اور قبائل کے دیوتا لات کا بُت رکھا تھا جو بُت نہیں ایک چبوترہ تھا۔ یہ قبائل اس چبوترے کو دیوتا کہتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔

اس عبادت گاہ میں اُن کا کاہن رہتا تھا جسے خُدا کا اور دیوتا لات کا ایلچی سمجھا جاتا تھا۔ کاہن فال نکال کر لوگوں کو آنے والے خطروں سے آگاہ کر دیا کرتا تھا۔ کاہن کسی خوش نصیب کو ہی نظر آیا کرتا تھا۔ عام لوگوں کو کاہن نہیں عبادت گاہ کے صرف مجاور ملا کرتے تھے۔ کاہن کو جو دیکھ لیتا وہ ایسے خوش ہوتا تھا جیسے اُس نے خدا کو دیکھ لیا ہو۔ طائف چونکہ ان کے دیوتا کا مسکن تھا اس لیے یہ قبائل کا مقدّس مقام تھا۔

ایک ہی مہینہ پہلے طائف میں جشن کا سماں تھا۔ یہاں کے سردارِ اعلیٰ مالک بن عوف نے اپنے قبیلے جیسے ایک طاقتور قبیلے ہوازن اور کچھ اور قبیلوں کے سرداروں کو بہت بڑی ضیافت میں مدعو کیا تھا۔ علاقے کی چُنی ہُوئی خوبصورت ناچنے اور گانے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے رقص نے تماشائیوں پر وجد طاری کر دیا تھا۔ اُس رات شراب کے مٹکے خالی ہو رہے تھے۔

اُس رات اہلِ ثقیف اور اہلِ ہوازن نے عہد کیا تھا کہ وہ مکّہ پر اچانک حملہ کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور مکّہ کے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ ان قبائل کے ایک ضعیف العمر سردار دُرید بن الصّمہ نے کہا تھا کہ اُٹھو اور لات کے نام پر حلف اُٹھاؤ کہ ہم محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکّہ کے تمام بُت توڑ ڈالے ہیں، ختم کر کے اپنی عورتوں کو مُنہ دکھائیں گے۔

مالک بن عوف جس کی عمر ابھی تیس سال تھی، جوش سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قبائل کا متحدہ لشکر مکّہ میں مسلمانوں کو بے خبری میں جا دبوچے گا۔

اُس رات مالک بن عوف، دُرید بن الصّمہ اور دوسرے قبیلوں کے سردار کاہن کے پاس گئے تھے۔ کاہن سے اُنہوں نے پُوچھا تھا کہ وہ مکّہ کے مسلمانوں کو بے خبری میں دبوچ سکیں گے اور کیا اُن کا اچانک اور غیر متوقع حملہ مسلمانوں کو گھٹنوں بٹھا سکے گا؟

کاہن نے انہیں یقین دلایا تھا کہ دیوتا لات نے انہیں اشیر باد دے دی ہے۔ کاہن نے بڑے وثوق سے کہا تھا ـــ "مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمہاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں گی۔"

★

اب ایک ہی ماہ بعد طائف کا حُسن اداس تھا بستی کے ماحول پر خوف وہراس طاری تھا۔ اپنے دیوتا لات کی اشیرباد سے اور کاہن کی یقین دہانی سے ثقیف، ہوازن اور دیگر قبیلوں کا جو لشکر مکّہ پر حملہ کرنے گیا تھا، وہ مکّہ سے دُور حنین کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ کر اور تتر بتر ہو کر واپس آرہا تھا۔ بھاگ کے آنے والوں میں پیش پیش اس متحدہ لشکر کا سالارِ اعلیٰ جواں سال اور جوشیلا سردار مالک بن عوف تھا۔ وہ سب سے پہلے اس لیے طائف پہنچا تھا کہ شہر کے دفاع کو مضبوط بنا سکے مسلمان رسولِ اکرمؐ کی قیادت میں طائف کی طرف بڑھے آرہے تھے۔

"طائف کے لوگو!— طائف کی گلیوں میں گھبرائی گھبرائی سی آوازیں اٹھ رہی تھیں —"مسلمان آرہے ہیں.... شہر کا محاصرہ ہوگا.... تیار ہوجاؤ.... اناج اور کھجوریں اکٹھی کرلو۔ پانی جمع کرلو"

سب سے زیادہ گھبراہٹ مالک بن عوف پر طاری تھی۔ اُسے طائف ہاتھ سے جاتا نظر آرہا تھا۔ اُسے شکست اور پسپائی کی چوٹ تو پڑی ہی تھی، سب سے بڑی چوٹ اُس پر یہ پڑی کہ وہ جب شہر میں داخل ہُوا تو عورتوں نے اُس کی بہادری اور فتح کے گیت گانے کی بجائے اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھا تھا اور اُس کے لشکریوں کو بعض عورتوں نے طعنے بھی دیئے تھے۔

"بیویاں اور بیٹیاں کہاں ہیں جنہیں تم ساتھ لے گئے تھے؟"— عورتیں لشکریوں سے طنزیہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"بچّے بھی مسلمانوں کو دے آئے ہو؟"— یہ بھی ایک طعنہ تھا جو عورتیں انہیں دے رہی تھیں۔

مالک بن عوف نے اپنے سامنے اپنے نائب سالاروں اور کمانداروں کو بٹھا رکھا تھا اور انہیں بڑی تیز تیز بولتے ہُوئے کہہ رہا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو بھی شہر میں لے آؤ، مسلمان آرہے ہیں.... مالک بن عوف نے ذرا سا بھی آرام نہ کیا۔ آتے ہی طائف کا دفاع مضبوط کرنے میں لگ گیا۔ اس کے نائب، کماندار اور قاصد پسپا ہو کر آنے والوں کو اکٹھا کرنے میں لگے ہُوئے تھے۔

آدھی رات تک وہ تھک کر چُور ہوچکا تھا۔ اُس نے اپنی سب سے زیادہ حسین اور چہیتی بیوی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آگئی۔

"کیا آپ نے حلف نہیں اٹھایا تھا کہ محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکّہ کے بُت توڑ ڈالے ہیں، ختم کرکے اپنی عورتوں کو منہ دکھائیں گے؟"— بیوی نے اُسے کہا—"آپ فتح کی بجائے ماتھے پر شکست کا داغ لے کر آئے ہیں۔ آپ کے حلف اور عہد کے مطابق میرا وجود آپ پر حرام ہے"

"تم میری بیوی ہو"— مالک بن عوف نے غصّے سے کہا—"میری حکم عدولی کی جرأت نہ کرو۔ میں بہت تھکا ہُوا ہوں اور میں بہت پریشان ہُوں۔ مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ تم میری سب سے پیاری بیوی ہو"

"آپ کو میری ضرورت ہے"— بیوی نے کہا—"لیکن مجھے ایک غیرت مند مرد کی ضرورت ہے مجھے اُس مالک بن عوف کی ضرورت ہے جو یہاں سے عہد کرکے نکلا تھا کہ مسلمانوں کو مکّہ کے اندر ہی ختم کرکے واپس آئے گا.... کہاں ہے وہ مالک بن عوف؟.... وہ میرے لیے مرگیا ہے۔ اس

مالک بن عوف کو میں نہیں جانتی جو اپنے قبیلے اور اپنے دوست قبیلوں کی ہزاروں عورتیں اور ہزاروں بچے اپنے دشمن کے حوالے کر کے اپنی خواب گاہ میں آ بیٹھا ہے اور ایک عورت سے کہہ رہا ہے کہ مجھے تمھاری ضرورت ہے"۔۔۔ اس حسین عورت کی آواز بلند ہو کر جذبات کی شدت سے کانپنے لگی۔ وہ مالک بن عوف کے پلنگ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی "آج رات تمھاری کوئی بیوی تمھارے پاس نہیں آئے گی۔ آج رات تمھاری کسی بیوی کو اُن عورتوں کی آہیں اور فریادیں چین سے سونے نہیں دیں گی جو مسلمانوں کے قبضے میں ہیں.... ذرا سوچ.... تصوّر میں لا اُن عورتوں کو، اُن نوخیز لڑکیوں کو جنہیں تُو مسلمانوں کے حوالے کر آیا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے بچے پیدا کریں گی۔ بچے جو اُن کے قبضے میں ہیں وہ مسلمان ہو جائیں گے"۔

مالک بن عوف تو خطروں میں کُود جانے والا خود سر آدمی تھا۔ اُس نے اپنے بزرگ اور میدانِ جنگ کے منجھے ہُوئے اُستاد دُرید بن الصّمہ کی اس پند و نصیحت کو ٹھکرا دیا تھا کہ وہ عقل و ہوش سے کام لے اور جوانی کے جوش و خروش پر قابو پائے۔ اب وہی مالک بن عوف اپنی بیوی کے سامنے یوں سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے دہکتے ہُوئے انگاروں پر کسی نے پانی چھڑک دیا ہو۔ اُس کی مردانگی ختم ہو چکی تھی۔

"تم مسلمانوں کو ختم کرنے گئے تھے مالک!۔۔۔ بیوی اب اس طرح بولنے لگی جیسے اُس کی نگاہوں میں اتنے جری اور بہادر شوہر کا احترام ختم ہو چکا ہو۔ وہ کہہ رہی تھی ۔۔۔ "مسلمانوں کو ختم کرتے کرتے تم مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر آئے ہو"

"کاہن نے کہا تھا کہ...!"

"کون کاہن؟" ۔۔۔ بیوی نے اُس کی بات کاٹتے ہُوئے کہا ۔۔۔ "وہ جو مندر میں بیٹھا فالیں نکالتا رہتا ہے؟ تم جیسے آدمی اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں بنایا اور بگاڑا کرتے ہیں.... تم نے کاہن سے پوچھا نہیں کہ اُس کی فال نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟"

مالک بن عوف اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترنے لگا۔ اُس نے دیوار کے ساتھ لٹکتی ہُوئی تلوار اُتاری اور بیوی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

طائف میں رات تو آئی تھی لیکن وہاں کی سرگرمیاں اور بھاگ دوڑ دیکھ کر دن کا گمان ہوتا تھا۔ باہر سے خبریں آ رہی تھیں کہ مسلمان طائف کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے چلے آ رہے ہیں لوگ دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ خوراک اور پانی کا تھا۔ بہت سے لوگ پانی جمع کرنے کے لیے حوض بنا رہے تھے۔

مالک بن عوف ان سرگرمیوں کے شور و غل میں سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اتنے مصروف تھے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ اُن کے درمیان سے اُن کا سالارِ اعلیٰ گزر گیا ہے۔

★

عبادت گاہ میں وہ کاہن جس نے کہا تھا کہ ثقیف اور ہوازن مسلمانوں کو مکّہ میں بے خبری میں جا لیں گے، گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اُسے جگانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عبادت گاہ کے کسی

اندرونی حصّے میں سویا ہُوا تھا۔ عبادت گاہ کے مجاور کسی بیرونی کمرے میں سوتے ہُوتے تھے۔ انہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ یہ اُن کے فرائض میں شامل تھا کہ کاہن کے کمرے تک کسی کو نہ پہنچنے دیں۔ دو تین مجاور اُٹھ کر باہر آ گئے۔ ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

"مالک بن عوف!" — ایک مجاور نے مالک کے راستے میں آکر کہا — "کیا قبیلے کا سردار نہیں جانتا کہ اس سے آگے کوئی نہیں جا سکتا؟.... ہم سے بات کر مالک بن عوف!"

"اور کیا تم نہیں جانتے کہ ایک سردار کا راستہ روکنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟" — مالک بن عوف نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں کاہن کے پاس جا رہا ہوں۔"

"کاہن کے قہر کو سمجھ مالک!" — ایک اور مجاور نے کہا — "کاہن جو اس وقت تمہیں سویا ہُوا نظر آئے گا، وہ لات کے حضور گیا ہُوا ہے۔ اس حالت میں اُس کے پاس جاؤ گے تو...."

مالک بن عوف ایسی ذہنی کیفیت میں تھا جس نے اُس کے دل سے کاہن کا تقدس اور خوف نکال دیا تھا۔ ایک تو وہ بہت بُری شکست کھا کر آیا تھا، دوسرے اُس کی اُس بیوی نے اُسے دھتکار دیا تھا جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ اُس نے مجاور کے ہاتھ میں پکڑے ہُوئے مشعل کے ڈنڈے پر ہاتھ مارا اور اُس کے ہاتھ سے مشعل چھین کر کاہن کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مجاور اُس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ کاہن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کاہن مجاوروں کے شور سے جاگ اٹھا تھا۔ اپنے کمرے میں مشعل کی روشنی دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ مالک بن عوف نے مشعل دیوار میں اُس جگہ لگا دی جو اسی مقصد کے لیے دیوار میں بنائی گئی تھی۔

"مقدّس کاہن!" — مالک بن عوف نے کہا — "میں پُوچھنے آیا ہوں کہ...."

"کہ تمہاری شکست کا سبب کیا ہُوا" — کاہن نے اُس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا — "کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ ایک حام کی قربانی دو؟"

"اور مقدّس کاہن!" — مالک بن عوف نے کہا — "تم نے یہ بھی کہا تھا کہ حام نہ ملے تو اپنے قبیلے سے کہو کہ اپنے خون کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں۔ تم نے کہا تھا کہ حام کی تلاش میں وقت ضائع نہ کرنا.... تم نے کہا تھا کہ مسلمان لڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔"

"کیا تُو اپنے دیوتا سے باز پُرس کرنے آیا ہے کہ دشمن نے تمہیں شکست کیوں دی ہے؟" — کاہن نے پوچھا — "میں نے کہا تھا کہ پیٹھ نہ دکھانا.... کیا تیرے لشکر نے پیٹھ نہیں دکھائی؟ تیرے لشکر میں تو اتنی سی بھی غیرت نہیں تھی کہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتا۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے کیا کیا؟" — مالک بن عوف نے پوچھا — "اگر سب کچھ ہمیں ہی کرنا تھا تو تم نے کیا کمال دکھایا؟ تم نے کیوں کہا تھا کہ مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمہاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں گی؟ کیا تم نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا؟ کیا یہ درست نہیں کہ محمدؐ سچا ہے جس نے تمہاری فال کو جھٹلا دیا ہے؟ اگر تم کاہن نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا.... اب طائف پر بہت بڑا خطرہ آ رہا ہے۔ کیا تم اپنے دیوتا کی بستی کو بچا سکتے ہو؟ کیا تم مسلمانوں پر قہر نازل کر سکتے ہو؟"

"پہلی بات یہ سن لے عوف کے بیٹے!" — کاہن نے کہا — "کاہن کو دنیا کی کوئی طاقت قتل

نہیں کر سکتی۔ کاہن کی جب عمر ختم ہوتی ہے تو وہ دیوتالات کے وجود میں تحلیل ہو جاتا ہے تم مجھ پر تلوار اٹھا کر دیکھ لو..... اور دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان طائف تک پہنچ سکتے ہیں، یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔"

★

جس وقت مالک بن عوف کاہن کے کمرے میں داخل ہُوا تھا اُس وقت کسی انسان کی شکل کا ایک سایہ عبادت گاہ کی عقبی دیوار پر رینگ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، وہ اپنی جان کا خطرہ مول لے رہا تھا۔ یہ مالک بن عوف ہی تھا جو سرداری کے رعب میں رات کے وقت کاہن کے کمرے تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عبادت گاہ صدیوں پرانی تھی۔ عقبی دیوار میں چھوٹا سا شگاف تھا۔ وہ انسان جس کا سایہ دیوار پر رینگ رہا تھا، اس شگاف میں داخل ہو گیا۔ آگے اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ وہ انسان گھاس اور جھاڑیوں میں سے یوں گزرنے لگا کہ اُس کے قدموں کی آہٹ یا ہلکی سی سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ گھاس اور جھاڑیوں میں سے گزر کر اُس چبوترے پر جا چڑھا جس پر عبادت گاہ کی عمارت کھڑی تھی۔ اُس طرف کے دروازے کے کواڑ دیمک خوردہ تھے۔ وہ انسان کھاتے ہوتے ان کواڑوں میں سے گزر کر عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ آگے تاریک غلام گردش تھی۔ اُس انسان نے جوتے اتار دیئے اور دبے پاؤں آگے بڑھتا گیا۔

اس گُپ اندھیرے میں وہ یوں چلا جا رہا تھا جیسے پہلے بھی یہاں کبھی آیا ہو۔ وہ غلام گردش کی بھول بھلیوں میں سے گزرتا کاہن کے کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ اُسے کاہن کی اور کسی اور کی باتیں سنائی دیں۔ وہ مالک بن عوف تھا جو کاہن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ یہ انسان رُک گیا۔ اسے کاہن کے کمرے سے آتی ہوئی مشعل کی روشنی نظر آ رہی تھی۔

مالک بن عوف کاہن سے اتنا مرعوب ہُوا کہ وہ سر جھکاتے ہوتے وہاں سے نکل گیا۔ یہ انسان جو قریب ہی کہیں چھپ گیا تھا، آگے بڑھا۔ کاہن دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں کیونکہ اُس کے سامنے ایک جواں سال لڑکی کھڑی تھی۔ اس لڑکی کو وہ پہچانتا تھا۔ یہ وہی یہودی لڑکی تھی جسے ایک ضعیف العمر یہودی کاہن کے پاس تحفے کے طور پر لایا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ اُس نے سونے کے دو ٹکڑے کاہن کی نذر کیے تھے۔ یہ کاہن کا انعام یا معاوضہ تھا۔ کاہن نے اُسے یقین دلایا تھا کہ ثقیف اور ہوازن کے قبیلے مسلمانوں کو مکہ میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ اُس نے اس بوڑھے یہودی سے کہا تھا کہ دیوتالات کا اشارہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

بُوڑھا یہودی اس یہودی لڑکی کو کاہن کے پاس ایک رات کے لیے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ طائف میں وہ اس خوشخبری کا منتظر بیٹھا تھا کہ ثقیف، ہوازن اور اُن کے دوست قبیلوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا ہے لیکن ہُوا یہ کہ مالک بن عوف سر جھکاتے ہوتے طائف میں داخل ہُوا۔ پھر اُس کے لشکری قدم گھسیٹتے ہوتے دو دو چار چار کی ٹولیوں میں طائف میں آنے لگے۔ بوڑھے یہودی کی کمر عمر نے پہلے ہی دوہری کر رکھی تھی۔ مالک بن عوف کو شکست خوردگی کی حالت میں واپس آتے

دیکھ کر اُس کی کمر جیسے ٹوٹ ہی گئی ہو۔ اُس کی کمر پر آخری تنکا اس یہودی لڑکی نے رکھ دیا جسے وہ انعام کے طور پر کاہن کے حوالے کر آیا تھا۔

"میں حیران ہوں کہ تم جیسے جہاندیدہ بزرگ نے دھوکا کھایا"۔۔۔ لڑکی نے اُسے کہا تھا ۔"مجھے اس مکروہ کاہن کے کسی ایک لفظ پر یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے تمہارے حکم سے اپنی عصمت قربان کر دی"۔

"میرے حکم سے نہیں"۔۔۔ بوڑھے یہودی نے کہا تھا"۔ خدائے یہودہ کے حکم سے۔ تمہاری عصمت کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی"۔

یہودیوں میں یہ رواج عام تھا جو ابھی تک چلا آرہا ہے کہ میدانِ جنگ میں آنے سے گریز کرتے تھے۔ وہ ایسی چال چلتے تھے کہ اپنے دشمنوں کو آپس میں لڑا دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ دولت کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کی عصمت بھی ایک کامیاب حربے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کے معاشرے اور مذہب میں عصمت اور آبرو کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی لیکن یہ لڑکی اپنی قوم سے بہت ہی مختلف ثابت ہوئی۔ وہ بوڑھے یہودی پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی اور کہتی تھی کہ مسلمانوں کا قلع قمع ہو جاتا تو وہ فخر سے کہتی کہ اُس نے اس مقصد کے لیے اپنی عصمت کی قربانی دی ہے اور وہ یہ بھی کہتی تھی کہ کاہن نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔

رات کو جب بوڑھا یہودی گہری نیند سویا ہوا تھا، یہ لڑکی اُٹھی۔ اُس نے خنجر اپنے تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اپنے کپڑوں کے اندر چھپالیا۔ وہ دبے پاؤں باہر نکل گئی۔

اُس رات اُسے روک کر یہ پوچھنے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے اُس رات طائف میں ہر کوئی جاگ رہا تھا، عورتیں اپنے شکست خوردہ مردوں کو کوس رہی تھیں اور جن کے مرد واپس نہیں آئے تھے وہ بین کر رہی تھیں گلیوں میں لوگ آجا رہے تھے۔ لڑکی اُن کے درمیان سے گزرتی لات کی عبادت گاہ تک پہنچ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ وہ اُس دور کی عورتوں میں سے ایک تھی جن میں مردانہ شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی۔ وہ عبادت گاہ کے پچھواڑے کی دیوار سے اندر چلی گئی۔

"ہم جانتے تھے کہ ہمارا جادو تمہیں ایک بار پھر ہمارے پاس لے آئے گا"۔۔۔ کاہن اُس لڑکی سے کہہ رہا تھا۔۔"آؤ، دروازے میں کھڑی کیا کر رہی ہو!"

لڑکی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کاہن کے قریب جا رُکی۔

"جادو نہیں، انتقام کہو"۔۔۔ لڑکی نے اپنی دھیمی آواز میں کہا جس میں قہر اور غضب چھپا ہوا تھا۔۔۔"مجھے انتقام کا جادو یہاں تک لے آیا ہے"۔

"کیا کہہ رہی ہو لڑکی!"۔۔۔ کاہن نے حیرت زدہ مُسکراہٹ سے کہا۔"کیا تم مالک بن عوف سے انتقام لینا چاہتی ہو؟ ..... وہ جا چکا ہے۔ وہ مجھے قتل کرنے آیا تھا۔ کیا کوئی انسان اتنی جرأت کر سکتا ہے کہ لات کے کاہن کو قتل کر دے؟"

"ہاں"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔"ایک انسان ہے جو لات کے کاہن کو قتل کر سکتا ہے۔ وہ لات کا پجاری نہیں۔ وہ میں ہوں، خدائے یہودہ کی پجارن!"

لڑکی نے پلک جھپکتے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا اور کاہن کے دل میں اُتار دیا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی نے کاہن کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ اُس کی اونچی آواز نہ نکل سکے۔ لڑکی نے خنجر نکالا اور کاہن کی شہ رگ کاٹ دی۔ وہ بڑے اطمینان سے کاہن کے کمرے سے نکل آئی اور اُس رستے جس رستے وہ آئی تھی، عبادت گاہ کے احاطے سے نکل گئی۔

مالک بن عوف اپنی خوابگاہ میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس کی چہیتی بیوی اُس کے پاس بیٹھی تھی۔ غلام نے اطلاع دی کہ ایک اجنبی جوان عورت آئی ہے جس کے کپڑے خون سے لال ہیں اور اُس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہے۔ مالک بن عوف جو نیم مُردہ نظر آرہا تھا، اُچھل پڑا اور بولا کہ اُسے اندر لے آؤ۔ اُس کی اور اُس کی بیوی کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

وہ جوان عورت دروازے میں آن کھڑی ہوئی اور بولی۔ "جو کام تم نہیں کر سکے تھے وہ میں کر آئی ہوں۔ میں نے کاہن کو قتل کر دیا ہے۔"

مالک بن عوف پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ اُس نے لپک کر تلوار اُٹھائی اور نیام پرے پھینک کر لڑکی کی طرف بڑھا۔ اُس کی بیوی راستے میں آگئی۔

"اِس لڑکی نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے" — بیوی نے اُسے کہا — "تمہیں جھوٹے سہارے اور جھوٹے اشارے دینے والا مر گیا ہے۔ اچھا ہوا ہے۔"

"تم نہیں جانتیں ہم پر کیا قہر نازل ہونے والا ہے" — مالک بن عوف نے کہا۔

"تم پر کوئی قہر نازل نہیں ہو گا" — یہودی لڑکی نے کہا۔ "کیا کاہن نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ کاہن کو کوئی قتل نہیں کر سکتا اور کاہن کی جب عمر پوری ہو جاتی ہے تو وہ دیوتا لات کے وجود میں تحلیل ہو جاتا ہے؟... اگر تم میں جرأت ہے تو لات کے مجاوروں سے کہو کہ اپنے کاہن کی لاش لات کے وجود میں تحلیل کر دیں۔ اُس کی لاش کو باہر رکھ دو۔ پھر دیکھو کہ اُسے گِدھ اور کُتے کس طرح کھاتے ہیں۔"

مالک بن عوف کی بیوی نے مالک کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور پلنگ پر پھینک دی۔

"ہوش میں آ عوف کے بیٹے!" — بیوی نے اُسے کہا — "اپنی قسمت اُس شخص کے ہاتھ میں نہ دے جو ایک لڑکی کے خنجر سے قتل ہو گیا ہے" — اُس نے غلام کو بُلایا اور اُسے کہا۔ "یہ لڑکی ہماری مہمان ہے۔ اس کے غسل اور آرام کا انتظام کرو۔"

مالک بن عوف کے چہرے سے خوف کا تاثر دُھلنے لگا۔ بیوی نے اُس کے خیالوں میں انقلاب بپا کر دیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب شکست اور غم کے مارے ہوئے مالک بن عوف کو دو اطلاعیں ملیں۔ ایک یہ کہ رات کو کاہن قتل ہو گیا ہے اور مجاور یہ کہہ رہے ہیں کہ رات مالک بن عوف کے سوا کاہن کے کمرے میں اور کوئی نہیں گیا تھا اور نہ رات کے وقت کسی کو وہاں تک کی جرأت ہو سکتی ہے۔ مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ کاہن کو مالک بن عوف نے خود قتل کیا ہے یا قتل کروایا ہے۔

مالک بن عوف کو دوسری خبر یہ ملی کہ مسلمان جو طائف کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے، معلوم نہیں کدھر چلے گئے ہیں۔ یہ خبر ایسی تھی جس نے مالک بن عوف کے حوصلے میں کچھ جان پیدا کر دی۔ اُس نے تیز رفتار گھوڑوں پر دو تین قاصد اُس راستے کی طرف دوڑا دیے جو حنین سے طائف کی طرف آتا تھا۔ اس کے بعد وہ عبادت گاہ میں چلا گیا۔ اُس نے لوگوں کو بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ مقدس کاہن کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لوگ پوچھتے تھے کہ پھر قاتل کون ہے۔ مالک بن عوف نے کہا کہ وہ قاتل کا سراغ جلد ہی لگا لے گا۔ وہ یہودی لڑکی کو سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔ اُس نے لوگوں کی توجہ اِدھر سے ہٹا کر مسلمانوں کی طرف کر دی جو طائف کو محاصرے میں لینے کے لیے بڑھے آ رہے تھے۔ وہ عبادت گاہ کے اندر چلا گیا۔ اُس نے مجاوروں کے ساتھ کسی طرح معاملہ طے کر لیا۔

"لات کے پجاریو!"— ایک بوڑھے مجاور نے باہر آ کر لوگوں کے ہراساں ہجوم سے کہا —"ہمارے مقدس کاہن کو کسی نے قتل نہیں کیا۔ وہ دیوتا لات کے وجود میں گھُل مل گیا ہے۔ دیوتا لات کے حکم سے اب میں کاہن ہوں۔ جاؤ، اپنی بستی کو اُس دشمن سے بچاؤ جو بڑھا چلا آ رہا ہے۔"

مالک بن عوف جب اپنے گھر پہنچا تو کچھ دیر بعد اُس کے بھیجے ہوئے قاصد واپس آ گئے۔ اُنھوں نے اُسے بتایا کہ اُس راستے پر جو طائف کی طرف آتا ہے، مسلمانوں کا نام و نشان بھی نہیں۔

مالک بن عوف نے اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھا۔ اُس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ محمدؐ اپنے دشمن کو بخشنے والا نہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرف سے جوابی وار ضرور کرے گا۔ اُس نے اعلان کیا کہ شہر کے دفاعی انتظامات میں کوئی کمی نہ رہنے دی جائے۔

قاصدوں نے مالک بن عوف کو بالکل صحیح اطلاع دی تھی کہ طائف کے راستے پر مسلمانوں کا نام و نشان نظر نہیں آتا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح طائف کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرمؐ کے حکم سے راستہ بدل لیا تھا۔ بدلا ہوا راستہ بہت لمبا تھا لیکن رسولِ کریمؐ نے اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ چھوٹا راستہ پہاڑیوں اور چٹانوں میں سے گزرتا تھا۔ کھڈ نالے بھی تھے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے سالاروں سے کہا تھا کہ حنین کے پہلے تجربے کو نہ بھولو۔ مالک بن عوف بڑا کایاں جنگجو ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ طائف تک کا تمام علاقہ گھات کے لیے موزوں ہے۔ مالک بن عوف ویسی ہی گھات لگا سکتا ہے جیسی گھات میں اُس نے خالدؓ بن ولید کو تیروں سے چھلنی کر دیا تھا۔

رسولِ اکرمؐ نے جو راستہ طائف تک پہنچنے کے لیے اختیار کیا تھا وہ وادیٔ الملیح میں سے گزرتا تھا اور وادیٔ القرن میں داخل ہو جاتا تھا۔ آپؐ اپنے لشکر کو وادیٔ القرن میں سے گزارنے کی بجائے طائف کے شمال مغرب میں سات میل دُور نکل گئے اور نخب اور صادبرہ کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہ علاقہ نشیب و فراز کا تھا اور اس میں پہاڑیاں اور چٹانیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مجاہدین کا یہ لشکر ۵ فروری ۶۳۰ء (۱۵ شوال ۸ ہجری) کے روز طائف کے گرد و نواح میں اُس سمت سے پہنچا جو طائف والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ مجاہدینِ اسلام کا کوچ بڑا ہی تیز تھا۔ ہراول میں بنو سلیم تھے جن کے کمانڈر خالدؓ بن ولید تھے۔ توقعات کے عین مطابق طائف تک دشمن کہیں بھی نظر نہ

آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی (جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے) کہ مالک بن عوف اب کھلے میدان میں لڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

حنین کے معرکے میں زیادہ تر نقصان بنو ہوازن کا ہوا تھا۔ قبیلہ ثقیف لڑا تھا لیکن جٹ کر بنو ہوازن نے لی تھی وہ بنو ثقیف کو لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھر بھی ثقیف پسپا ہو آئے تھے۔ رسولِ کریمؐ اس خطرے سے بے خبر نہیں تھے کہ اہلِ ثقیف تازہ دم ہیں اور وہ اپنے شہر کے دفاع میں لمبے عرصے تک لڑیں گے۔

معلوم نہیں یہ کس کی غلطی تھی کہ مسلمان شہر کی دیوار کے خطرناک حد تک قریب جا رکے۔ وہاں وہ پڑاؤ کرنا چاہتے تھے۔ اچانک اہلِ ثقیف دیواروں پر نمودار ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ بہت سے مسلمان زخمی اور کچھ شہید ہو گئے۔ مسلمان پیچھے ہٹ آئے۔ رسولِ کریمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو محاصرے کا کمانڈر مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑی تیزی سے شہر کا محاصرہ مکمل کر لیا۔ انہوں نے ان راستوں پر زیادہ نفری کے دستے رکھے جن راستوں سے دشمن کا فرار ممکن تھا۔

شہر کا دفاع بڑا مضبوط تھا۔ قبیلۂ ثقیف پوری طرح تیار تھا۔ مسلمان تیر اندازی کے سوا اور کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ مجاہدین نے یہاں تک بے خوفی کے مظاہرے کیے کہ شہر کی دیوار کے قریب جا کر اہلِ ثقیف کے ان تیر اندازوں پر تیر پھینکے جو دیواروں پر تھے۔ چونکہ وہ دیوار کے اوپر تھے اور انہیں اوٹ بھی میسر تھی، اس لئے ان کے تیر مسلمانوں کا زیادہ نقصان کرتے تھے۔ مسلمان تیر اندازوں کے جیش آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ مسلمانوں کے زخمیوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ محاصرے کے کمانڈر حضرت ابوبکرؓ کے اپنے بیٹے عبداللہؓ بنو ثقیف کے تیروں سے شہید ہو گئے۔

پانچ چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ تاریخِ اسلام کی مشہور و معروف شخصیت سلمان فارسیؓ لشکر کے ساتھ تھے۔ جنگِ خندق میں مدینہ کے دفاع کے لیے جو خندق کھودی گئی تھی، وہ سلمان فارسیؓ کی جنگی دانش کا کمال تھا۔ اس سے پہلے عرب خندق کے طریقۂ دفاع سے ناواقف تھے۔ اب سلمان فارسیؓ نے دیکھا کہ محاصرہ کامیاب نہیں ہو رہا تو انہوں نے شہر پر پتھر پھینکنے کے لیے ایک منجنیق تیار کروائی لیکن یہ کامیاب نہ ہو سکی۔

سلمان فارسیؓ نے ایک دبابہ تیار کروائی۔ یہ لکڑی یا چمڑے کی بہت بڑی ڈھال ہوتی تھی جسے چند آدمی پکڑ کر آگے آگے چلتے تھے۔ خود اس کی اوٹ میں رہتے تھے اور اس کی اوٹ میں بہت سے آدمی قلعے کے دروازے تک چلے جاتے تھے۔ سلمان فارسیؓ نے جو دبابہ تیار کروائی، وہ گائے کی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ ایک جیش اس دبابہ کی اوٹ میں شہر کے بڑے دروازے تک پہنچا۔ اوپر سے آنے والے تیروں کی تمام تر بوچھاڑیں دبابے میں لگتی رہیں لیکن دبابہ جب اپنی اوٹ میں جیش کو لے کر دروازے کے قریب پہنچی تو دشمن نے اوپر سے دہکتے ہوئے انگارے اور لوہے کے لال سرخ ٹکڑے دبابے پر اتنے پھینکے کہ کھال کی دبابہ تیر روکنے کے قابل نہ رہی کیونکہ یہ کئی جگہوں سے جل گئی تھی۔ دبابہ

چونکہ عربوں کے لیے ایک نئی چیز تھی جو پہلے ہی استعمال میں بیکار ہوگئی اس لیے وہ اسے وہیں پھینک کر پیچھے کو دوڑے۔ اہلِ ثقیف نے ان پر تیر برسائے جن سے کئی ایک مجاہدین زخمی ہو گئے۔

دس دن اور گزر گئے۔ محاصرے اور دفاع کی صورت یہی رہی کہ مسلمان تیر برساتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور تیر کھا کر پیچھے ہٹ آتے تھے۔ بنو ثقیف پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اُن پر مسلمانوں کی بے جگری اور بے خوفی کی دہشت طاری ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے کسی طرف سے باہر آ کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ آخر ایک روز رسولِ اکرمؐ نے اپنے سالاروں کو اکٹھا کیا اور اُنہیں بتایا کہ محاصرے کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے سالاروں سے مشورہ طلب کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ محاصرہ اُٹھا لیا جائے اور مکّہ کو کوچ کا حکم دیا جائے۔ خود رسولِ اکرمؐ محاصرہ اُٹھانے کے حق میں تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ مکّہ کے انتظامات آپؐ کی توجّہ کے محتاج تھے۔ مکّہ چند ہی دن پہلے فتح کیا گیا تھا۔ خطرہ تھا کہ طائف کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو مکّہ میں دشمن کو سر اُٹھانے کا موقع مل جائے گا۔

۲۳ فروری ۶۳۰ء (۴ ذیقعدہ ۸ھ) کے روز محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ محاصرہ اُٹھانے کا اثر اہلِ ثقیف پر کچھ اور ہونا چاہئے تھا لیکن اُن پر اس قسم کا خوف طاری ہوگیا کہ مسلمان جواب جا رہے ہیں معلوم نہیں کس وقت لوٹ آئیں اور شہر پر یلغار کر کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ خود مالک بن عوف کی سوچ میں انقلاب آ چکا تھا۔ کاہن کی جھوٹی پیش گوئی اور معرکۂ حنین میں مسلمانوں کی ضربِ کاری نے اُسے اپنے عقیدوں پر نظرِ ثانی کے لیے مجبور کر دیا تھا۔

مسلمان ۲۶ فروری کے روز جعرانہ کے مقام پر پہنچے جہاں رسولِ کریمؐ نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس مالِ غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے تھے اور ہزارہا اونٹ اور بھیڑ بکریاں بھی تھیں۔ فوجی ساز و سامان کا انبار تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دشمن کی عورتوں، بچوں اور جانوروں کو اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔

مجاہدین کا لشکر جعرانہ سے ابھی چلا نہ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے چند ایک سردار رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچے اور یہ اعلان کیا کہ ہوازن کے تمام تر قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اِن سرداروں نے رسولِ اکرمؐ سے درخواست کی کہ اُن کا مالِ غنیمت انہیں واپس دے دیا جائے۔ رسولِ کریمؐ نے پوچھا کہ اُنہیں مالِ غنیمت میں سے کون سی چیز زیادہ عزیز ہے؛ اہل و عیال یا اموال؟ سرداروں نے کہا کہ اُن کی عورتیں اور بچے انہیں واپس دے دیئے جائیں اور باقی مالِ غنیمت مسلمان اپنے پاس رکھ لیں۔

رسولِ کریمؐ نے مجاہدین کے لشکر سے کہا کہ بنو ہوازن کو اُن کی عورتیں اور بچے واپس کر دیئے جائیں۔ تمام لشکر نے عورتیں اور بچے واپس کر دیئے۔

بنو ہوازن کو توقع نہیں تھی کہ رسولِ کریمؐ اس قدر فیّاضی کا مظاہرہ کریں گے یا مجاہدین کا لشکر اپنے حصّے میں آیا ہُوا مالِ غنیمت واپس کر دے گا۔ مسلمانوں کی اس فیّاضی کا اثر یہ ہُوا کہ قبیلۂ ہوازن نے اسلام کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ ہوازن کے سردار اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ مسلمانوں کی فیّاضی کے اثرات طائف کے اندر تک پہنچ گئے۔ مسلمان ابھی جعرانہ میں ہی تھے کہ ایک روز مالک بن عوف مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں آیا اور رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

دیوتالات کی خدائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

اسلام اب اُس دور میں داخل ہوچکا تھا جب عرب کے اِردگرد کے ممالک اور اِن سے بھی دُور کے ممالک میں اسلام کے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اسلام جس تیزی سے پھیل رہا تھا اس سے عالمِ کفر پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ مسلمان ایک عظیم جنگی طاقت بن گئے تھے لیکن اسلام کا فروغ اِس جنگی طاقت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلام میں ایسی کشش تھی کہ جو کوئی بھی اللہ کا یہ پیغام سنتا تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوس دُور دُور تک پھیلا رکھے تھے۔ ۶۳۰ء میں جاسوسوں نے مدینہ آ کر رسولِ اکرمؐ کو اطلاع دی کہ رومی شام میں فوج کا بہت بڑا اجتماع کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے اپنی فوج کے کچھ دستے اُردن بھیج دیے ہیں۔

اکتوبر ۶۳۰ء بڑا ہی گرم مہینہ تھا۔ جھلسا دینے والی لُو ہر وقت چلتی تھی اور دن کے وقت دُھوپ میں ذرا سی دیر ٹھہرنا بھی محال تھا۔ اس موسم میں رسولِ کریمؐ نے حکم دیا کہ پیشتر اس کے کہ رومی ہم پر یلغار کریں، ہم اُن کے کُوچ سے پہلے ہی اُن کا راستہ روک لیں۔

رسولِ کریمؐ کے اس حکم پر مدینے کے اسلام دشمن عناصر حرکت میں آ گئے۔ ان میں وہ مسلمان بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کر لیا تھا لیکن اندر سے وہ کافر تھے۔ ان منافقین نے درپردہ اُن مسلمانوں کو جو جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے، ورغلانا اور ڈرانا شروع کر دیا کہ اس موسم میں اُنہوں نے کُوچ کیا تو گرمی کی شدت اور پانی کی قلت سے وہ راستے میں ہی مر جائیں گے۔ اِن مخالفانہ سرگرمیوں میں یہودی پیش پیش تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت نے رسولِ اکرمؐ کے حکم پر لبیک کہی۔ رسولِ خداؐ نے تیاریوں میں زیادہ وقت ضائع نہ کیا۔ اکتوبر کے آخر میں جو فوج رسولِ خداؐ کی قیادت میں کُوچ کے لیے تیار ہوئی اس کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار سوار شامل تھے۔ مجاہدین کے اس لشکر میں مدینہ کے علاوہ مکّہ کے اور اُن قبائل کے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ مجاہدین کا مقابلہ اُس زمانے کے مشہور جنگجو بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے ساتھ تھا۔

مجاہدینِ اسلام کا یہ عظیم لشکر اکتوبر ۶۳۰ء کے آخری ہفتے میں رسولِ کریمؐ کی قیادت میں شام کی طرف کُوچ کر گیا۔ تمازتِ آفتاب کا یہ عالم جیسے زمین شعلے اُگل رہی تھی۔ ریت اتنی گرم کہ گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں جلتے تھے۔ اُس سال قحط کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی اس لیے مجاہدین کے پاس خوراک کی کمی تھی۔ مجاہدین اس جھلسا دینے والی گرمی میں پانی نہیں پیتے تھے کہ معلوم نہیں آگے کتنی دُور جا کر پانی ملے۔ تھوڑی ہی دُور جا کر مجاہدین کے ہونٹ خشک ہو گئے اور اُن کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے لیکن اُن کی زبان پر اللہ کا نام تھا اور وہ ایسے عزم سے سرشار تھے جس کا اجر خدا کے

سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک لگن تھی، ایک جذبہ تھا کہ مجاہدین زمین و آسمان کے اُگلتے ہوئے شعلوں کا منہ چڑاتے چلے جارہے تھے۔

تقریباً چودہ روز بعد یہ لشکر شام کی سرحد کے ساتھ تبوک کے مقام پر پہنچ گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اچھے اور خوشگوار موسم میں مدینہ سے تبوک کا سفر چودہ دنوں کا تھا جسے اُس وقت کے مسافروں کی زبان میں چودہ منزل کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے چودہ منزل کو چودہ دن کہا ہے۔ تبوک میں ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ رومیوں کے جو دستے اُردن میں آئے تھے وہ اس وقت دمشق میں ہیں۔

○

رسولِ کریمؐ نے لشکر کو تبوک میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو صلاح مشورے کے لیے طلب کیا۔ سب کو یہی توقع تھی کہ تبوک سے کوچ کا حکم ملے گا اور دمشق میں یا دمشق سے کچھ ادھر رومیوں کے ساتھ فیصلہ کُن معرکہ ہوگا۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے اصول کے مطابق سب سے مشورے طلب کیے۔ ہر سالار نے یہ ذہن میں رکھ کر کہ رومیوں سے جنگ ہوگی، مشورے دیئے لیکن رسولِ کریمؐ نے یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ تبوک سے آگے کُوچ نہیں ہوگا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ رسولِ خدا کے اس فیصلے میں کہ آگے نہیں بڑھا جائے گا بہت بڑی جنگی دانش تھی۔ آپؐ نے مدینہ میں ہی کہہ دیا تھا کہ رومیوں کا راستہ روکا جائے گا۔ آپؐ مستقر سے اتنی دُور اور اتنی شدید گرمی میں نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ اس کی بجائے آپؐ ہرقل کو اشتعال دلا رہے تھے کہ وہ اپنے مستقر سے دُور تبوک میں آکر لڑے۔ مجاہدین لڑنے کے لیے گئے تھے۔ اُن کے دلوں میں کوئی وہم اور کوئی خوف نہیں تھا لیکن جنگ میں ایک خاص قسم کی عقل و دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسولِ کریمؐ نے عقل و دانش کو استعمال کیا اور مدینے کی طرف رومیوں کا راستہ روکنے کا یہ اہتمام کیا کہ اُس علاقے میں جو قبائل رومیوں کے زیرِ اثر تھے انہیں اپنے اثر میں لانے کی مہمات تیار کیں۔ ان میں چار مقامات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جہاں ان مہمات کو بھیجا جانا تھا۔ ان میں ایک تو عقبہ تھا جو اُس دور میں ایلہ کہلاتا تھا۔ دوسرا مقام مقنئہ، تیسرا اذرح اور چوتھا جربہ تھا۔

رسولِ کریمؐ نے ان تمام قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے دوستی کے معاہدے کی شرائط بھیجیں جن میں ایک یہ تھی کہ ان قبائل کے جو لوگ اسلام قبول نہیں کریں گے انہیں ان کی مرضی کے خلاف جنگ میں نہیں لے جایا جائے گا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ اُن پر کوئی بھی حملہ کرے گا تو مسلمان ان کے دفاع کو اپنی ذمہ داری سمجھیں گے۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت اُن سے جزیہ وصول کرے گی۔

سب سے پہلے ایلہ کے فرمانروا یوحنّا نے خود آکر رسولِ کریمؐ کی دوستی کی پیش کش قبول کی اور جزیہ کی باقاعدہ ادائیگی کی شرط بھی قبول کرلی۔ اس کے فوراً بعد دو اور طاقتور قبیلوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرلیا اور جزیہ کی شرط بھی مان لی۔

الجوف ایک مقام ہے جو اُس دور میں دومۃ الجندل کہلاتا تھا۔ یہ بڑے ہی خوفناک صحرا میں واقع تھا۔ اُس زمانے کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام کے اِردگرد ایسے ریتلے ٹیلے اور نشیب

تھے کہ انہیں ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ دومتہ الجندل کا حکمران اُکیدر بن مالک تھا۔ چونکہ اُس کی بادشاہی انتہائی دشوار گزار علاقے میں تھی اس لیے وہ اپنے علاقے کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے جو وفد اُکیدر بن مالک کے پاس بھیجا تھا وہ یہ جواب لے کر آیا کہ اُکیدر نے نہ دوستی قبول کی ہے نہ وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہُوا ہے بلکہ اُس نے اعلانیہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور وہ اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھے گا۔

رسولِ کریمؐ نے خالدؓ بن ولید کو بُلایا اور انہیں کہا کہ وہ چار سَو سوار اپنے ساتھ لیں اور اُکیدر بن مالک کو زندہ پکڑ لائیں۔

○

اُکیدر بن مالک اپنے دربار میں اونچی مسند پر بیٹھا تھا۔ اُس کے پیچھے دو نیم برہنہ لڑکیاں کھڑی مورچھل ہلا رہی تھیں۔ اُکیدر بن مالک کے چہرے پر وہی رعونت تھی جو روائتی بادشاہوں کے چہروں پر ہُوا کرتی تھی۔

"اے ابنِ مالک!" — اُس کے بوڑھے وزیر نے جو اُس کی فوج کا سالار بھی تھا، اُٹھ کر کہا — "تیری بادشاہی کو کبھی زوال نہ آئے۔ کیا تجھے پتہ نہیں چلا کہ ایلہ، جربہ، اذرُح اور مقنہ کے قبیلوں — مدینہ کے مسلمانوں کی دوستی قبول کر لی ہے؟ آج دوستی قبول کی ہے تو کل قبیلہ قریش کے محمدؐ کے مذہب کو بھی قبول کر لیں گے۔"

"کیا ہمارا بزرگ وزیر ہمیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہے کہ ہم بھی مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیں؟" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "ہم ایسا کوئی مشورہ قبول نہیں کریں گے۔"

"نہیں ابنِ مالک!" — بوڑھے وزیر نے کہا — "میری عمر نے جو مجھے دکھایا ہے وہ تُو نے ابھی نہیں دیکھا۔ میں مانتا ہوں کہ تُو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو اپنے دشمن کو اتنا حقیر سمجھ رہا ہے کہ تُو یہ کبھی نہیں سوچ رہا کہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہم تمہاری بادشاہی کو کس طرح بچائیں گے۔"

"صلیبِ مقدّس کی قسم!" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "ہمارے اردگرد جو علاقہ ہے وہ ہماری بادشاہی کو بچائے گا۔ میرے اس خوفناک صحرا کی ریت مسلمانوں کا خون چُوس لے گی۔ ریت اور مٹی کے جو ٹیلے دومتہ الجندل کے اردگرد کھڑے ہیں یہ خدا نے میرے سنتری کھڑے کر رکھے ہیں۔ ہم پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔"

اُس وقت خالدؓ بن ولید اپنے چار سَو سواروں کے ساتھ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ اگلے روز وہ اُس صحرا میں داخل ہو گئے جسے مؤرخوں نے بھی ناقابلِ تسخیر لکھا ہے۔ مجاہدین کے چہرے ریت کی مانند خشک ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کی چال بتا رہی تھی کہ یہ مسافت اور پیاس اُن کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہے لیکن خالدؓ بن ولید کی قیادت مجاہدین کے دلوں میں نئی رُوح پھونک رہی تھی۔

دومتہ الجندل اچھا خاصا شہر تھا۔ اس کے اردگرد دیوار تھی۔ خالدؓ بن ولید اس کے قریب پہنچ گئے اور اپنے سواروں کو ایک وسیع نشیب میں چھپا دیا۔ مجاہدین کی جسمانی کیفیت ایسی تھی کہ انہیں کم از کم ایک دن اور ایک رات آرام کرنے کی ضرورت تھی لیکن خالدؓ نے اپنے سواروں کو تیاری کی حالت میں رکھا۔

سورج غروب ہوگیا۔ پھر رات گہری ہونے لگی۔ چاند پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ صحرا کی چاندنی بڑی شفاف ہوگئی۔ خالدؓ بن ولید اپنے ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر کی دیوار کی طرف چل پڑے۔ وہ جائزہ لینا چاہتے تھے کہ شہر کا محاصرہ کیا جائے جس کے لیے چار سو سوار کافی نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ شہر کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ دوسری صورت یلغار کی تھی۔

خالدؓ دیوار کے دروازے سے خاصا پیچھے ایک اوٹ میں بیٹھ گئے۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ دیوار کے اوپر سے خالدؓ نظر آ سکتے تھے۔

شہر کا بڑا دروازہ کھلا۔ خالدؓ سمجھے کہ اُکیدر فوج لے کر باہر آرہا ہے اور وہ اُن پر حملہ کرے گا لیکن اُکیدر کے پیچھے پیچھے چند سوار باہر نکلے اور دروازہ بند ہوگیا۔ خالدؓ کو یاد آیا کہ تبوک سے روانگی کے وقت رسولِ کریمؐ نے انہیں کہا تھا۔ "اُکیدر تمہیں شاید شکار کھیلتا ہوا ملے گا۔"

اُکیدر بن مالک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جیسے شکار کھیلنے کے لیے ہی پیدا ہوا تھا۔ صحرا میں شکار رات کو ملتا تھا کیونکہ دن کے وقت جانور دبکے چھپے رہتے تھے۔ پورے چاند کی رات بڑے شکار کے لیے موزوں سمجھی جاتی تھی۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی انٹیلی جنس کا کمال تھا کہ آپؐ نے دشمن کی عادات اور خصلتوں کا بھی پتہ چلا لیا تھا اور آپؐ نے خالدؓ کو اُکیدر کے متعلق پوری معلومات دے دی تھیں۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ اُکیدر ابنِ مالک چند ایک سواروں کے ساتھ باہر آیا ہے تو اُنہوں نے اُس کے انداز کا پوری طرح جائزہ لیا۔ خالدؓ سمجھ گئے کہ اُکیدر کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ چار سو مسلمان سوار اُس کے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں اور وہ شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ خالدؓ اپنے آدمی کے ساتھ رینگتے سرکتے پیچھے آئے جب اُکیدر اپنے سواروں کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو خالدؓ دوڑ کر اپنے سواروں تک پہنچ گئے۔ اُنہوں نے کچھ سوار منتخب کیے۔ اپنے تمام سواروں کو اُنہوں نے تیاری کی حالت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ سواروں کے ایک جیش کو اپنی قیادت میں اُس طرف لے گئے جدھر اُکیدر گیا تھا۔ خالدؓ نے یہ خیال رکھا کہ اُکیدر شہر سے اتنا آگے چلا جائے کہ جب اُس پر حملہ ہو تو شہر تک اُس کی آواز بھی نہ پہنچ سکے۔

رات کے سناٹے میں اتنے زیادہ گھوڑوں کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا تھا۔ اُکیدر اور اُس کے ساتھیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کے پیچھے گھوڑ سوار آرہے ہیں۔ اُکیدر کا بھائی حسان بھی اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ جا کے دیکھتا ہے کہ یہ کون ہیں۔ اُس نے اپنا گھوڑا پیچھے کو موڑا ہی تھا کہ خالدؓ نے اپنے سواروں کو ہلہ بولنے کا حکم دے دیا۔ اُکیدر کو خالدؓ اور اُن کے سواروں کی للکار سے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہیں۔ حسان نے برچھی سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن مارا گیا۔

اُکیدر اپنے سواروں سے ذرا الگ تھا۔ خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رُخ اُکیدر کی طرف کر لیا۔ اُکیدر ایسا بوکھلایا کہ خالدؓ پر وار کرنے کی بجائے اُس نے راستے سے ہٹنے کی کوشش کی۔ خالدؓ نے اُس پر کسی ہتھیار سے وار نہ کیا۔ گھوڑے کی رفتار کم کی۔ انہوں نے گھوڑا اُکیدر کے گھوڑے کے قریب سے گذارا اور بازو اُکیدر کی کمر میں ڈال کر اُسے اُس کے گھوڑے سے

اُٹھا کر اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اُکیدر بن مالک کے شکاری ساتھیوں اور محافظوں نے دیکھا کہ اُن کا فرمانروا پکڑا گیا اور اُس کا بھائی مارا گیا ہے تو اُنہوں نے خالدؓ کے سواروں کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ نکلنے کا راستہ دیکھا۔ وہ زمین ایسی تھی کہ چھُپ کر نکل جانے کے لیے نشیب، کھڈ اور ٹیلے بہت تھے۔ اُن میں کچھ زخمی ہوئے لیکن نکل گئے۔ شہر میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

○

خالدؓ بن ولید نے اُکیدر کو پکڑے رکھا اور کچھ دُور جا کر گھوڑا روکا۔ اُکیدر سے کہا کہ اُس کے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اُنہوں نے اُسے گھوڑے سے اُتارا، خود بھی اُترے۔

"کیا تم اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے؟" — خالدؓ نے پُوچھا۔

"ہاں، میں اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "لیکن تُو نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"خالدؓ!" — خالدؓ نے جواب دیا — "خالدؓ بن ولید!"

"ہاں!" — اُکیدر نے کہا۔ "میں نے یہ نام سُنا ہے .... یہاں تک خالدؓ ہی پہنچ سکتا تھا۔"

"نہیں اُکیدر!" — خالدؓ نے کہا۔ "یہاں تک ہر وہ انسان پہنچ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا نام ہے اور وہ محمدؐ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہے۔"

"میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟" — اُکیدر نے پُوچھا۔

"تیرے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو تُو نے ہمارے رسولؐ کے ایلچی کے ساتھ کیا تھا" — خالدؓ نے کہا۔ "ہم سے اچھے سلوک کی توقع رکھ ابنِ مالک! اگر ہم رومی ہوتے اور ہرقل کے بھیجے ہوئے ہوتے تو ہم کہتے کہ اپنا خزانہ اور اپنے شہر کی بہت ہی خوبصورت لڑکیاں اور شراب کے مٹکے ہمارے حوالے کر دے۔ پہلے ہم عیش و عشرت کرتے پھر ہرقل کے حکم کی تعمیل کرتے۔"

"ہاں!" — اُکیدر نے کہا۔ "رُومی ہوتے تو ایسے ہی کرتے، اور وہ ایسا کر رہے ہیں۔ وہ کون سا تحفہ ہے جو میں ہرقل کو نہیں بھیجتا۔ ولید کے بیٹے! مجھ پر لازم ہے کہ رومیوں کو خوش رکھوں۔"

"کہاں ہیں رُومی؟" — خالدؓ نے کہا۔ "کیا تو اُنہیں مدد کے لیے بُلا سکتا ہے؟ ہم تیری مدد کو آئیں گے۔ میں تجھے قیدی بنا کر نہیں، معزز مہمان بنا کر اللہ کے رسولؐ کے پاس لے جا رہا ہوں۔ تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، جبر نہیں ہوگا۔ ہم دشمنی کا نہیں دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہمارے رسولؐ کے سامنے جا کر تجھے ناسف ہوگا کہ جس کا تُو دشمن رہا ہے وہ تو دوستی کے قابل ہے۔"

اُکیدر بن مالک کی جیسے زبان گنگ ہو گئی ہو۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اُس کا گھوڑا وہیں کہیں آوارہ پھر رہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے سواروں سے کہا کہ اُکیدر کے گھوڑے کو پکڑ لائیں۔ سوار گھوڑے کو پکڑ لائے۔ خالدؓ نے اُکیدر کو گھوڑے پر سوار کیا اور تبوک کو واپسی کا حکم دے دیا۔

تبوک پہنچ کر خالدؓ نے اُکیدر بن مالک کو رسولِ خداؐ کے حضور پیش کیا۔ آپؐ نے اُس کے آگے اپنی شرطیں رکھیں لیکن ایسی شرط کا اشارہ تک نہ کیا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ اُس کے ساتھ

مہمانوں جیسا سلوک کیا گیا۔ اُس پر کوئی خوف طاری نہ کیا گیا۔ اُسے بھی ایک شرط بہت اچھی لگی کہ مسلمان اُس کی حفاظت کریں گے۔ اُس نے جزیہ دینے کی شرط مان لی اور دوستی کا معاہدہ کر لیا۔

"بے شک صرف مسلمان ہیں جو میری مدد کو پہنچ سکتے ہیں"۔۔۔ معاہدہ کر کے اُس نے کہا تھا۔

جب اُکیدر بن مالک نے بھی دوستی کا معاہدہ کر کے مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا تو کئی اور چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سردار تبوک میں رسولِ کریم کے پاس آ گئے اور اطاعت قبول کر لی۔ اِس طرح دُور دُور تک کے علاقے مسلمانوں کے زیرِ اثر آ گئے اور تمام قبائلی مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان میں متعدد قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

اب رومیوں سے جنگ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اُن کی پیشقدمی کا راستہ رُک گیا تھا، بلکہ ہرقل کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لینے کو آگے بڑھا تو راستے کے تمام قبائل اُسے اپنے علاقے میں ہی ختم کر دیں گے۔

رسولِ اکرمؐ نے مجاہدین کے لشکر کو مدینہ کو واپسی کا حکم دے دیا۔

یہ لشکر دسمبر ۶۳۰ء میں مدینہ پہنچ گیا۔

○

اسلام عقیدے کے لحاظ سے اور عسکری لحاظ سے بھی ایک ایسی طاقت بن چکا تھا کہ رسولِ کریمؐ کے بھیجے ہوئے ایلچی کہیں بھی چلے جاتے، انہیں شاہی مہمان سمجھا جاتا اور ان کا پیغام احترام سے سُنا جاتا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دُور دراز کے قبیلوں اور چھوٹی بڑی حکومتوں کو قبولِ اسلام کے دعوت نامے بھیجنے شروع کر دیئے۔ ان میں بعض سردار سرکش، خودسر اور کم فہم تھے۔ اِن کی طرف رسولِ کریمؐ کا پیغام اس قسم کا ہوتا تھا کہ قبولِ اسلام کی بجائے اگر وہ اپنی جنگی طاقت آزمانا چاہتے ہیں تو آزما لیں اور یہ سوچ لیں کہ شکست کی صورت میں انہیں مسلمانوں کا مکمل طور پر مطیع ہونا پڑے گا اور اُن کی کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رسولِ کریمؐ نے ایسی ایک مہم خالدؓ بن ولید کی زیرِ کمان یمن کے شمال میں نجران بھیجی۔ وہاں قبیلہ بنو حارثہ بن کعب آباد تھا۔ ان لوگوں نے رسولِ کریمؐ کے پیغام کا مذاق اُڑایا تھا۔ خالدؓ مجاہدین کے ایک سوار دستے کو جس کی تعداد چار سو تھی، ساتھ لے کر جولائی ۶۳۱ء میں یمن کو روانہ ہوئے۔ مشہور مؤرخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے خالدؓ سے کہا کہ انہیں حملے کے لیے نہیں بھیجا جا رہا بلکہ وہ پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ چونکہ بنو حارثہ سرکش ذہنیت کی وجہ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اس لیے خالدؓ انہیں تین بار کہیں کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ اگر وہ سرکشی سے باز نہ آئیں اور خونریزی کو پسند کریں تو انہیں خونریزی کے لیے للکارا جائے۔

خالدؓ جس جارحانہ انداز سے وہاں پہنچے اور جس انداز سے انہوں نے بنو حارثہ بن کعب کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، اس نے مطلوبہ اثر دکھایا۔ اس قبیلے نے بلا حیل و حُجت اسلام قبول کر لیا۔ خالدؓ واپس آنے کی بجائے وہیں رُکے رہے اور انہیں اسلام کے اصول اور ارکان سمجھاتے رہے۔ خالدؓ جنہیں تاریخ نے فنِ حرب و ضرب کا ماہر اور صفِ اوّل کا سالار

تسلیم کیا ہے، نجران میں چھ مہینے مبلّغ اور معلّم بنے رہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام ان لوگوں کے دلوں میں اُتر گیا ہے تو خالدؓ جنوری ۶۳۲ء میں واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ بنو حارثہ کے چند ایک سرکردہ افراد تھے جنہوں نے رسولِ کریمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ رسولِ خداؐ نے ان میں سے ایک کو امیر مقرر کیا۔

○

اسلام کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا ممکن نہیں رہا اور یہ بھی دیکھا کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں اُتر گیا ہے تو انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا ــــ یہ تھا رسالت اور نبوّت کا دعویٰ ــــ متعدد افراد نے نبوّت کا دعویٰ کیا جن میں بنی اسد کا طلیحہ، بنی حنیفہ کا مسیلمہ اور یمن کا اسوَد عنسی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اُس کا نام عقبلہ بن کعب تھا۔ چونکہ اُس کا رنگ کالا تھا اس لیے وہ اسوَد کے نام سے مشہور ہُوا۔ اسوَد عربی میں کالے کو کہتے ہیں۔ وہ یمن کے مغربی علاقے کے ایک قبیلے عنس کا سردار تھا اس لیے اُسے اسوَد العنسی کہتے تھے۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام آیا ہے۔ وہ عبادت گاہ کا کاہن بھی رہ چکا تھا۔ بالکل سیاہ رنگت کے باوجود اُس میں ایسی کشش تھی کہ لوگ اُس کے ہلکے سے اشارے کا بھی اثر قبول کر لیتے تھے۔ اُس میں مقناطیس جیسی قوّت تھی کہ عورتیں اُس کے کالے چہرے کو ناپسند کرنے کی بجائے اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ اُس نے یہ پُراسراریت عبادت گاہ میں حاصل کی تھی۔ کاہن کو لوگ دیوتاؤں کا منظورِ نظر اور ایلچی سمجھتے تھے۔

اس علاقے کے زیادہ تر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسوَد کے اپنے قبیلے میں اسلام داخل ہو چکا تھا لیکن اسوَد نے ان کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کی تھی جیسے ان لوگوں کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔

اُس وقت یمن کا حکمران بازان نام کا ایک ایرانی تھا۔ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز (کسریٰ) تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دُور کے مُلکوں کے جن بادشاہوں کو قبولِ اسلام کے خطوط لکھے تھے، ان میں شہنشاہِ ایران بھی تھا۔ اُسے خط دینے کے لیے رسول اللہؐ نے عبداللہؓ بن حذافہ کو بھیجا تھا۔ عبداللہؓ نے خسرو پرویز کے دربار میں اُسے خط دیا۔ اُس نے خط کسی اور کو دے کر کہا کہ اُسے اس کا ترجمہ سنایا جائے۔

اُسے جب خط اُس کی زبان میں سنایا گیا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے غصے سے باؤلا ہو کر خط کو بُری طرح پھاڑ کر اس کے پُرزے پھینک دیئے اور عبداللہ بن حذافہ کو دربار سے نکال دیا۔ عبداللہؓ اتنی دُور کی مسافت سے آئے اور رسول اللہؐ کے حضور بتایا کہ شہنشاہِ ایران نے خط پھاڑ ڈالا ہے۔

خسرو پرویز کا غصّہ خط پھاڑنے سے ٹھنڈا نہیں ہُوا تھا۔ یمن پر ایران کی حکمرانی تھی اور بازان وہاں کا گورنر تھا۔ شہنشاہِ ایران نے اپنے گورنر بازان کو خط بھیجا کہ حجاز میں محمدؐ نام کا کوئی آدمی ہے جس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اُس نے لکھا کہ رسولِ کریمؐ کو زندہ پکڑ کر یا آپؐ کا سر کاٹ کر اُس کے دربار (ایران) میں پیش کیا جائے۔

بازان نے یہ خط اپنے دو آدمیوں کو دے کر مدینہ بھیج دیا۔ مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض

لکھتے ہیں کہ بازان نے ان آدمیوں کو رسول اللہ کو پکڑ لانے یا قتل کر کے آپؐ کا سر لانے کے لیے بھیجا تھا، اور کچھ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بازان نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ حضورؐ اکرم سے اتنا متاثر تھا کہ آپؐ کو اپنے شہنشاہ کے ارادے سے خبردار کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال مؤرخ اس واقعہ پر متفق ہیں کہ بازان کے بھیجے ہوئے دو آدمی رسولِ خدا کے ہاں گئے تھے اور خسرو پرویز نے جو خط بازان کو لکھا تھا وہ آپؐ کے حضور پیش کیا تھا۔

رسولِ خدا نے خط دیکھا اور آپؐ نے مسکرا کر کہا کہ شہنشاہِ ایران گذشتہ رات اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اور آج صبح سے ایران کا شہنشاہ شیرویہ ہے۔

"گذشتہ رات کے قتل کی خبر مدینہ میں اتنی جلدی کیسے پہنچ گئی؟" — بازان کے ایک آدمی نے پوچھا اور کہنے لگا — کیا یہ ہمارے شہنشاہ کی توہین نہیں کہ یہ غلط خبر پھیلا دی جائے کہ اُسے اُس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے؟"

"مجھے میرے اللہ نے بتایا ہے" — رسولِ کریم نے کہا۔ "جاؤ، بازان کو بتا دو کہ اُس کا شہنشاہ اب خسرو نہیں شیرویہ ہے"۔ — رسولِ خدا کو یہ خبر بذریعہ الہام ملی تھی۔

بازان کے آدمی واپس گئے اور اُسے بتایا کہ رسول اللہ نے کیا کہا ہے۔ تین چار دنوں بعد بازان کو اپنے نئے شہنشاہ شیرویہ کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ خسرو پرویز کو فلاں رات ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی رات تھی جو حضورؐ نے بتائی تھی۔ کچھ دنوں بعد بازان کو رسولِ کریم کا خط ملا کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ بازان پہلے ہی آپؐ سے متاثر تھا۔ الہام نے اُسے اور زیادہ متاثر کیا۔ رسول اللہ نے اُسے یہ بھی لکھا تھا کہ اسلام قبول کر لینے کی صورت میں وہ بدستور یمن کا حاکم رہے گا اور اُس کی حکمرانی کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

بازان نے اسلام قبول کر لیا اور وہ حاکمِ یمن رہا۔ تھوڑے سے ہی عرصے بعد فوت ہو گیا۔ رسولِ اکرم نے یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے کا الگ حاکم مقرر کیا۔ بازان کا بیٹا جس کا نام شہر تھا، رسولِ کریم نے اُسے صنعاء۔ اور اُس کے گردونواح کے علاقے کا حاکم بنایا۔

○

یہ خبر اُڑی تھی کہ اسود عنسی یمن کے علاقہ مذحج میں چلا گیا ہے اور ایک غار میں رہتا ہے جس کا نام خبان ہے۔ اچانک یہ خبر ہوا کی طرح سارے یمن میں پھیل گئی کہ اسود غار سے نکل آیا ہے اور اُسے خدا نے نبوّت عطا کی ہے اور اب وہ اسود عنسی نہیں "رحمٰن الیمن" ہے۔ خبر سنانے والے کسی شک کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مصدقہ خبر سناتے تھے کہ اسود کو نبوّت مل گئی ہے۔ اُنہوں نے اسے نبی تسلیم کر لیا تھا۔

"جا کر دیکھو" — خبر سنانے والے کہتے پھرتے تھے — "مذحج جا کر دیکھو۔ رحمٰن الیمن مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ آگ کے شعلوں کو پھول بنا دیتا ہے .... چلو لوگو، چلو۔ اپنی روح کی نجات کے لیے چلو"

جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، وہ بھی مذحج کو اُٹھ دوڑے۔ اسود چونکہ کاہن رہ چکا تھا اس لیے لوگ پہلے ہی تسلیم کرتے تھے کہ دیوتاؤں نے اُسے کوئی پُراسرار طاقت دے رکھی ہے۔ اب اُس

نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے فوراً اس دعوے کو تسلیم کر لیا۔

غارِ خبان کے سامنے ہر لمحہ لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ اسوَد کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب رہتے تھے۔ وہ دن کو تھوڑے سے وقت کے لیے باہر نکلتا تھا اور غار کے قریب ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو قرآن کی آیات کی طرز کے جملے سناتا اور کہتا تھا کہ اُس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اُسے ہر روز خُدا کی طرف سے ایک آیت اور راز کی ایک دو باتیں بتا جاتا ہے۔

وہ لوگوں کو اپنے معجزے بھی دکھایا کرتا تھا، مثلاً جلتی ہوئی مشعل اپنے منہ میں ڈال لیا کرتا اور جب مشعل اُس کے مُنہ سے نکلتی تو وہ جل رہی ہوتی تھی۔ اُس نے ایک لڑکی کو ہوا میں معلّق کر کے بھی دکھایا۔ ایسے ہی چند اور شعبدے تھے جو وہ لوگوں کو دکھاتا تھا اور لوگ انہیں معجزے کہتے تھے۔ ایک تو وہ چرب زبان تھا، دوسرے وہ خوش الحان تھا۔ اُس کے بولنے کا انداز پُرکشش تھا۔

اُس نے یمن والوں کو یہ نعرہ دے کر کہ یمن یمن والوں کا ہے، اُن کے دل موہ لیے تھے۔ یمنی بڑی لمبی مدت سے ایرانیوں کے زیرِ نگیں چلے آ رہے تھے۔ ایرانی تسلط بازان کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تو حجاز کے مسلمان آ گئے۔ اس کے علاوہ وہاں یہودی، نصرانی اور مجوسی بھی موجود تھے۔ یہ سب اسلام کی بیخ کنی چاہتے تھے۔ انہوں نے اسوَد عنسی کی "نبوّت" کے قدم جمانے میں درپردہ بہت کام کیا۔

اسود اپنی نبوّت کی صداقت ایک گدھے کے ذریعے ثابت کیا کرتا تھا۔ اُس کے سامنے ایک گدھا لایا جاتا۔ وہ گدھے کو کہتا — "بیٹھ جا" — گدھا بیٹھ جاتا۔ پھر کہتا — "میرے آگے سر جھکا" — گدھا سجدے کے انداز سے سر جھکا دیتا۔ گدھے کے لیے اُس کا تیسرا حکم ہوتا — "میرے آگے گھٹنے ٹیک دے" — گدھا اُس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسود عنسی کو یمن کے لوگوں نے نبی مان لیا۔ اسود نے ان لوگوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کر لیا۔ اُس نے سب سے پہلے نجران کا رُخ کیا۔ وہاں رسولِ کریمؐ کے مقرر کیے ہوئے دو مسلمان حاکم تھے — خالد بن سعید اور عمرو بن حزم — اسود کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جو نجران میں داخل ہُوا تو وہاں کے باشندے بھی اُس کے ساتھ مل گئے۔ دونوں مسلمان حاکموں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اُنہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

اسود عنسی اس پہلی فتح سے سرشار ہو گیا اور اُس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ اُس نے نجران میں اپنی حکومت قائم کر کے صنعاء کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں بازان کا بیٹا شہر حکمران تھا۔ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی پھر بھی وہ مقابلے میں ڈٹ گیا۔ اُس کی للکار نے اپنی فوج کے قدم اکھڑنے نہ دیئے لیکن شہر بن بازان چونکہ اپنی فوج کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا اس لیے شہید ہو گیا۔ اس سے اُس کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔

اسوَد کے خلاف لڑنے والے وہ یمنی بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن شکست کی صورت میں جان کا خطرہ مسلمانوں کو تھا۔ انہیں اسود کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہونا تھا۔ اسود کسی مسلمان کو نہیں بخشتا تھا۔ چنانچہ مسلمان جانیں بچا کر نکل گئے اور مدینہ جا پہنچے۔

اسود عنسی جو اَب رحمٰن الیمن کہلاتا تھا، حضرموت، بحرین، احساء اور عدن تک کے تمام علاقوں

پر بھی قبضہ کر کے تمام یمن کا بادشاہ بن گیا۔
اسلام کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ شمال کی طرف سے رومیوں کے حملے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اس خطرے کو ختم کرنے کے لیے رسولِ خدا نے ایک لشکر رومیوں پر حملے کے لیے تیار کیا تھا جس کے سالارِ اعلیٰ بائیس سال عمر کے ایک نوجوان اسامہؓ تھے جو رسولِ کریم کے آزاد کیے ہوئے غلام زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے تھے۔ زیدؓ بھی سالار تھے اور وہ موتہ کے معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔

یمن کو ایک خود ساختہ نبی سے نجات دلانے کے لیے بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی لیکن لشکر رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے جا رہا تھا۔ اگر رومیوں پر حملہ ملتوی کر کے اس لشکر کو یمن بھیج دیا جاتا تو رومی یہ فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر دیتے۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے دوسری صورت یہ سوچی کہ یمن میں جو مسلمان مجبوری کے تحت رہ گئے ہیں اور جنہوں نے اسود عنسی کی اطاعت قبول کر لی ہے، انہیں اسود کا تختہ الٹنے کے لیے استعمال کیا جائے اس طریقۂ کار کو حضورؐ کے تمام سالاروں نے پسند کیا۔ اس مقصد کے لیے چند ذہین قسم کے افراد کو یمن بھیجنا تھا۔

رسولِ اکرمؐ کی نظرِ انتخاب قیس بن ہبیرہ پر پڑی۔ آپؐ نے انہیں بلا کر یمن جانے کا مقصد سمجھایا اور پوری طرح ذہن نشین کرایا کہ انہیں اپنے آپ کو چھپا کر وہاں کے مسلمانوں سے ملنا ملانا ہے اور ایک زمین دوز جماعت تیار کرنی ہے جو اس جھوٹے نبی اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے خود ساختہ بادشاہ کا تختہ الٹے۔ آپؐ نے قیس بن ہبیرہ سے یہ بھی کہا کہ وہ مدینہ سے اپنی روانگی کو بھی خفیہ رکھیں اور یمن تک اس طرح پہنچیں کہ انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

اس پُرخطر مہم کو اور زیادہ مستحکم کرنے کے لیے رسولِ کریمؐ نے وبر بن یحنس کو ایک خط دے کر یہ کہا کہ یمن میں کچھ مسلمان سردار موجود ہیں جنہوں نے مجبوری کے تحت اسود کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ یہ خط انہیں پڑھوا کر ضائع کر دینا ہے اور باقی کام قیس بن ہبیرہ کریں گے۔

○

اسود عنسی نے جب صنعاء پر حملہ کیا تھا تو وہاں کے حاکم شہر بن بازان نے مقابلہ کیا لیکن وہ شہید ہو گیا تھا۔ اُس کی جواں سال بیوی جس کا نام آزاد تھا، اسود کے ہاتھ چڑھ گئی۔ آزاد غیر معمولی طور پر حسین ایرانی عورت تھی۔ اُس نے اسود کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اسود نے اُسے جبراً اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ آزاد اب اس شخص کی اسیر تھی جس سے وہ انتہا درجے کی نفرت کرتی تھی۔ اکیلی عورت کر ہی کیا سکتی تھی۔ اُس کی خوش نصیبی صرف اتنی تھی کہ اسود عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اُس نے اپنے حرم میں بیسیوں عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُسے تحفے میں بھی نوجوان لڑکیاں ملا کرتی تھیں۔ وہ ہر وقت عورت اور شراب کے نشے میں بدمست رہتا تھا۔

رسولِ اکرمؐ کے بھیجے ہوئے قیس بن ہبیرہ چوری چھپے سفر کر کے اور بھیس بدل کر صنعا پہنچے۔ اسود نے صنعا کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ اُدھر وبر بن یحنس ایک مسلمان سردار کے ہاں خط لے کر پہنچ گئے۔

اس مسلمان سردار نے یہ یقین تو دلا دیا کہ وہ ایسے چند ایک مسلمان سرداروں کو اکٹھا کر لے گا جنہوں نے دِل سے اسود کی اطاعت قبول نہیں کی لیکن اسود کا تختہ الٹنا ممکن نظر نہیں آتا کیونکہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں، یمن کے باشندے اُسے اپنا نبی مانتے ہیں۔

قیس بن ہبیرہ ایک ایسے ٹھکانے پر پہنچ گئے جہاں رسولِ کریم کے شیدائی مسلمان موجود تھے۔ ان مسلمانوں نے بھی وہی بات کہی جو مسلمان سردار نے کہی تھی لیکن ان مسلمانوں نے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ وہ اس زمین دوز تحریک میں شامل نہیں ہوں گے۔ اُنہوں نے پُرعزم لہجے میں کہا کہ وہ خفیہ طریقے سے وفادار مسلمانوں کو اکٹھا کر لیں گے۔

"ہم اس جھوٹے نبی کو ختم کرنے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے"۔۔۔ ایک مسلمان نے کہا ۔۔۔"جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیا تم لوگ یہ نہیں سوچ سکتے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے؟"

"قتل کون کرے گا؟" ۔۔۔ ایک اور مسلمان نے پوچھا ۔۔۔"اور اسے کہاں قتل کیا جائے گا؟ وہ محل سے باہر نکلتا ہی نہیں۔ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ محل کے ارد گرد محافظوں کا بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے"۔

"کیا ہم میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو اسلام کے نام پر اپنی جان قربان کر دے؟" ۔۔۔ قتل کا مشورہ دینے والے مسلمان نے پوچھا۔

"اِس طرح جان دینے سے کیا حاصل کہ جسے قتل کرنا ہے اُس تک پہنچ ہی نہ سکیں!" ۔۔۔ اُس مسلمان نے کہا ۔۔۔"بہرحال ہمیں خفیہ طریقے سے یہ تحریک چلانی ہے کہ کم از کم مسلمان بغاوت کے لیے تیار ہو جائیں"۔

○

اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کر کے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ایران کے شاہی اور دیگر اعلیٰ خاندانوں کے جو ایرانی اُس کے ہاتھ چڑھ گئے تھے انہیں اُس نے مختلف طریقوں سے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا تھا۔ اُن کی حالت زرخرید غلاموں سے بدتر کر دی گئی تھی لیکن اسود کی حکومت میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس نہ کوئی تجربہ کار سالار تھا نہ کوئی کاروبارِ حکومت چلانے والا قابل آدمی تھا۔ یہ خطرہ تو وہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا کہ مسلمان اُس پر حملہ کریں گے۔ وہ خود عسکری ذہن نہیں رکھتا تھا۔ اِس کمی کو پورا کرنے کے لیے اُسے ایرانیوں کا ہی تعاون حاصل کرنا پڑا۔

اُس کے سامنے تین نام آئے۔ ان میں ایک ایرانی کا نام قیس بن عبدلیغوث تھا جو بازان کے وقتوں کا مانا ہُوا سالار تھا۔ دوسرے دو حکومت چلانے میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک تھا فیروز اور دوسرا داذویہ۔ فیروز نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں اور سچے دل سے مسلمان تھا۔ اسود نے قیس بن عبدلیغوث کو سالارِ اعلیٰ بنا دیا اور فیروز اور داذویہ کو وزیر مقرر کیا۔ تینوں نے اسود کی وفاداری کا حلف اٹھایا اور اُسے یقین دلایا کہ وہ ہر حالت میں اُس کے وفادار رہیں گے۔

ایک روز فیروز باہر کہیں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک گداگر نے اُس کا راستہ روک لیا اور ہاتھ پھیلایا۔

"تُو مجھے معذور نظر نہیں آتا"۔۔۔ فیروز نے اُسے کہا ۔۔۔"اگر تُو معذور ہے تو تیری معذوری یہی ہے

کہ تجھ میں غیرت اور خودداری نہیں؟"

"تو نے ٹھیک پہچانا ہے" ــــ گداگر نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا ــــ "میری معذوری یہی ہے کہ میری غیرت مجھ سے چھن گئی ہے .... اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تیری بھی یہی معذوری ہے۔ میں نے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ میں اپنی غیرت واپس مانگ رہا ہوں۔"

"اگر تو پاگل نہیں ہو گیا تو مجھے بتا کہ تیرے دل میں کیا ہے" ــــ فیروز نے گداگر سے پوچھا۔

"میرے دل میں اللہ کے اُس رسولؐ کا نام ہے جس کا تو شیدائی ہے" ــــ گداگر نے فیروز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ــــ "اگر اسود عنسی کی شراب تیری رگوں میں چلی نہیں گئی تو میں جھوٹ نہیں کہہ رہا کہ تو نے دل پر پتھر رکھ کر اسود کی وزارت قبول کی ہے۔"

فیروز نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مدینہ کا مسلمان ہے لیکن اُسے یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ یہ اسود کا کوئی مخبر بھی ہو سکتا ہے۔

"مت گھبرا فیروز!" ــــ گداگر نے کہا ــــ "میں تجھ پر اعتبار کرتا ہوں تو مجھ پر اعتبار کر۔ میں تجھے اپنا نام بتا دیتا ہوں.... قیس بن ہبیرہ .... مجھے رسول اللہ نے بھیجا ہے۔"

"کیا تو سچ کہتا ہے کہ رسول اللہ نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟" ــــ فیروز نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہیں" ــــ قیس نے کہا ــــ "رسول اللہ نے یہ کہا تھا کہ وہاں چلے جاؤ۔ اللہ کے سچے بندے مل جائیں گے۔"

"تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں سچا مسلمان ہوں؟" ــــ فیروز نے پوچھا۔

"اپنے رسولؐ کا نام سن کر رسالتؐ کے شیدائیوں کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہو جاتی ہے وہ میں نے تیری آنکھوں میں دیکھی ہے" ــــ قیس نے کہا ــــ "تیری آنکھوں میں چمک کچھ زیادہ ہی آگئی ہے۔"

فیروز نے قیس سے کہا کہ وہ چلا جائے۔ اُس نے قیس کو ایک اور جگہ بتا کر کہا کہ کل سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ وہاں بیٹھا گداگری کی صدا لگا تا رہے۔

○

اگلی شام فیروز اُس جگہ سے گزرا جو اُس نے قیس بن ہبیرہ کو بتائی تھی۔ فیروز کے اشارے پر قیس گداگروں کے انداز سے اُٹھ کر فیروز کے پیچھے پیچھے ہاتھ پھیلا کر چل پڑا۔

"رسولِ خدا تک پیغام پہنچا دینا کہ آپؐ کے نام پر جان قربان کرنے والا ایک آدمی اسود عنسی کے سائے میں بیٹھا ہے" ــــ فیروز نے چلتے چلتے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر دھیمی سی آواز میں کہا ــــ "اور میں حیران ہوں کہ اتنی جنگی طاقت کے باوجود رسول اللہ نے یمن پر حملہ کیوں نہیں کیا۔"

"ہرقل کا لشکر اُردن میں ہمارے سر پہ کھڑا ہے" ــــ قیس نے کہا ــــ "ہمارا لشکر رومیوں پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ کیا ہم دو آدمی پورے لشکر کا کام نہیں کر سکیں گے؟"

"کیا تو نے یہ سوچا ہے کہ دو آدمی کیا کر سکتے ہیں؟" ــــ فیروز نے پوچھا۔

"قتل" ــــ قیس نے جواب دیا اور کہنے لگا ــــ "مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اسود کو کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔ کیا تو نے اپنے چچا کی بیٹی آزاد کو دل سے اُتار دیا ہے؟"

فیروز چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس کے چہرے پر کچھ اور ہی طرح کی رونق آگئی جیسے خون اچانک اُبل پڑا ہو۔

"تُو نے مجھے روشنی دکھا دی ہے۔" اُس نے کہا ۔"قتل کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ میری چچازاد بہن کا نام لے کر تُو نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ کام میں کروں گا۔ تُو اپنا کام کرتا رہ .... جا قیس! زندہ رہے تو ملیں گے۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فیروز کے دل میں اسود کی جو نفرت دبی ہوئی تھی وہ اُبھر کر سامنے آگئی۔ اُس نے اسودِ عنسی کے ایرانی سالار قیس بن عبد الیغوث اور داذویہ کو اپنا ہمراز بنا لیا۔ اسود کا قتل ایک وزیر کے لئے بھی آسان نہیں تھا جو اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسود کے محافظ اُسے ہر وقت اپنے نرغے میں رکھتے تھے۔ سوچ سوچ کر ان تینوں ایرانیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آزاد کو اس کام میں شریک کیا جائے لیکن قتل آزاد کے ہاتھوں نہ کرایا جائے۔

آزاد تک رسائی آسان نہیں تھی۔ اسود کو شک ہو گیا تھا کہ تینوں ایرانی اُسے دل سے پسند نہیں کرتے۔ اُس نے ان پر بھروسہ کم کر دیا تھا۔ آزاد اور فیروز کی ویسے بھی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

آزاد تک پیغام پہنچانے کے لئے عورت کی ہی ضرورت تھی۔ ایک وزیر کے لئے ایسی عورت کا حصول مشکل نہ تھا۔ فیروز نے محل کی ایک ادھیڑ عمر عورت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی مسلمان تھی۔ فیروز نے اُسے کہا کہ وہ اُسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ پسند کرے تو وہ اُسے اپنے ہاں لا سکتا ہے۔ فیروز نے اُسے کچھ لالچ دیا۔ ایک یہ تھا کہ اُس سے اتنا زیادہ کام نہیں لیا جائے گا جتنا اب لیا جاتا ہے۔ وہ عورت مان گئی۔ فیروز نے اُسی روز اُسے اپنے ہاں بُلا لیا۔

○

ایک روز آزاد اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ ہر وقت جلتی اور کُڑھتی رہتی تھی۔ اُسے کوئی راہِ فرار نظر نہیں آتی تھی۔ اس کیفیت میں فیروز کی وہی خادمہ اُس کے پاس آئی۔

"میں کسی کام کے بہانے آئی ہوں۔" خادمہ نے کہا ۔"لیکن میں آئی دراصل تیرے پاس ہوں .... کیا تُو اپنے چچازاد بھائی سے کبھی ملی ہے جو رحمٰن الیمن کا وزیر ہے؟"

"کیا تُو جاسوسی کرنے آئی ہے؟" ۔آزاد نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں"۔ خادمہ نے کہا ۔"مجھ پر یہ شک نہ کر کہ میں اس جھوٹے نبی کی مُخبر ہوں۔ میرے دل میں بھی اسود کی اُتنی ہی نفرت ہے جتنی تیرے دل میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکی کہ تُو میرے پاس کیوں آئی ہے" ۔آزاد نے کہا۔

"فیروز وزیر نے بھیجا ہے" ۔خادمہ نے کہا۔

"میں فیروز کا نام بھی نہیں سُننا چاہتی" ۔آزاد نے کہا ۔"اگر اُس میں غیرت ہوتی تو وہ اُس شخص کا وزیر نہ بنتا جس نے اُس کی چچازاد بہن کو بیوہ کیا اور اُسے جبراً اپنی بیوی بنا لیا ہے۔"

آزاد شاہی خاندان کی عورت تھی۔ وہ ان لونڈیوں اور باندیوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا کہ یہ عورت مُخبری کرنے نہیں آئی۔ اُس نے خادمہ سے پوچھا کہ فیروز نے اُس کے لئے کیا پیغام بھیجا ہے۔ خادمہ نے بتایا کہ وہ اُسے صرف ملنا چاہتا ہے۔ آزاد نے اُسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ فیروز وہاں رات کو آجائے۔

"لیکن ہمارے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی" — آزاد نے کہا — "اس میں ایک جگہ ایک دریچہ ہے جس میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ فیروز سلاخوں کے دوسری طرف کھڑا ہو کر بات کر سکتا ہے۔"

خادمہ نے آزاد کا پیغام فیروز کو دے دیا۔

اُسی رات فیروز محل کے اِردگرد کھڑی دیوار کے اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سلاخوں والا چھوٹا سا دریچہ تھا۔ آزاد اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

"تیری خادمہ پہ مجھے اعتبار آگیا ہے" — آزاد نے کہا — "تجھ پر میں کیسے اعتبار کروں؟ میں نہیں مانوں گی کہ تُو مجھے اس وحشی سے آزاد کرانے کی سوچ رہا ہے۔"

"کیا تُو اِس وحشی کے ساتھ خوش ہے؟" — فیروز نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ قابلِ نفرت آدمی میں نے کوئی اور نہیں دیکھا" — آزاد نے کہا — "تیرا یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں۔ فوراً بتا تجھے اتنے عرصے بعد میرا کیوں خیال آیا ہے؟"

"کیا اِس وقت اسود کے اِدھر آ نکلنے کا خطرہ ہے؟" — فیروز نے پوچھا — "یا ابھی وہ نہیں ...."

"نہیں" — آزاد نے کہا — "پہرہ داروں کا خطرہ ہے۔ اسوَد اِس وقت شراب کے نشے میں بے سُدھ پڑا ہے۔ اُس کے پاس عورتوں کی کمی نہیں۔"

"میں صرف تجھے نہیں، پورے یمن کو آزاد کراؤں گا" — فیروز نے کہا — "لیکن تیری مدد کے بغیر میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے بتا فیروز!" — آزاد نے پُوچھا — "میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"کسی رات مجھے اسوَد تک پہنچا دے" — فیروز نے کہا — "اگلے روز وہاں سے اُس کی لاش اُٹھائی جاتے گی.... کیا تُو یہ کام کر سکتی ہے؟"

"کل رات اِس وقت سے کچھ بعد اِس دیوار کے باہر اُس جگہ آجانا جو میں تمہیں بتاؤں گی" — آزاد نے کہا — "میرا کمرہ اِس دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔ تم دیوار کسی اور طریقے سے پھلانگ نہیں سکو گے۔ کمند پھینکنی پڑے گی۔ رسّہ لیتے آنا۔ اسے دیوار کے اُوپر سے اندر کو پھینکنا۔ میں اسے کہیں باندھ دوں گی۔ تم رسّے سے اُوپر آجانا۔"

اگلی رات فیروز اس طرح چھپتا چھپاتا دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اُسے پہرہ دار کے گُذر جانے تک چُھپنا پڑتا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے آزاد نے بتائی تھی۔ اُس نے دیوار پر رسّہ پھینکا جس کا اگلا سرا دوسری طرف نیچے تک چلا گیا۔ آزاد موجود تھی۔ اُس نے رسّہ پکڑ لیا اور کہیں باندھ دیا۔ فیروز رسّے کو پکڑ کر اور پاؤں دیوار کے ساتھ جما جما دیوار پہ چڑھ گیا۔ اُس نے رسّہ دیوار پہ باندھ دیا اور اس کی مدد سے نیچے اُتر گیا۔

آزاد اُسے اپنے کمرے میں لے گئی اور آدھی رات کے بعد تک اُسے کمرے میں ہی رکھا کیونکہ اسوَد کے بیدار ہونے کا خطرہ تھا۔

"آدھی رات کے بعد وہ بے ہوش اور بے سُدھ ہو جاتا ہے" — آزاد نے کہا — "یہ شخص انسانوں کے روپ میں دیو ہے۔ ایسا دیو جو شراب پیتا اور عورتوں کو کھاتا ہے.... تم نے اس کی جسامت دیکھی ہے۔ اتنا لمبا اور چوڑا جسم تلوار کے ایک دو وار تو شراب کی طرح پی جائے گا۔ اسے ہلاک کرنا آسان نہیں ہوگا۔"

"اسے ہلاک کرنا ہے خواہ میں خود ہلاک ہو جاؤں"۔ فیروز نے کہا۔

آزاد نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھولا اور باہر دیکھا۔ اس غلام گردش کے اگلے سرے پر ایک پہرہ دار کھڑا رہتا تھا۔ وہ سائے کی طرح کھڑا نظر آ رہا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس طرف اُس کی پیٹھ ہے۔ آزاد اپنے کمرے سے نکلی اور دبے پاؤں اسود کے کمرے کا دروازہ کھو۔۔ ہلکی روشنی والا ایک فانوس جل رہا تھا۔ اسود پیٹھ کے بَل بستر پہ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

مؤرخ بلاذری نے اُس دَور کی تحریروں کے دو حوالے دے کر لکھا ہے کہ آزاد جب اسود کو دیکھ کر واپس آئی تو اُس کا انداز ایسا تھا جیسے ایک شعلہ آیا ہو۔ یہ انتقام اور نفرت کا شعلہ تھا۔

"آؤ فیروز!"۔۔۔ اُس نے کانپتی ہوتی آواز میں کہا۔۔۔"وہ بے ہوش پڑا ہے"۔

فیروز نہ آزاد کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اور دبے پاؤں آزاد کے پیچھے اسود کے کمرے میں داخل ہُوا۔ اسود جنگلی سانڈ جیسا انسان تھا۔ کمرے میں شراب اور گناہوں کا تعفن تھا۔ نہ جانے ایسے کیوں ہُوا، اسود بیدار ہو گیا۔ اپنے وزیر اور اپنی حسین ایرانی بیوی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ آزاد کو وہ قابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔ فیروز کو دیکھ کر اُسے کچھ شک ہُوا ہو گا۔

"اِس وقت کیا مصیبت آگئی ہے؟"۔۔۔ اسود نے نشے سے لڑکھڑاتی ہوتی آواز میں پُوچھا۔

فیروز نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ تلوار کھینچی اور پوری طاقت سے اسود کی گردن پر وار کیا۔ اسود نے گردن بچالی اور تلوار اُس کے ننگے سر پر پڑی۔ اسود کے منہ سے چیخ نما آوازیں نکلیں اور بستر سے لڑھک کر دوسری طرف گرا۔

غلام گردش میں دوڑتے قدموں کی دھمک سُنائی دی۔ آزاد تیزی سے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔ پہرہ دار دوڑا آ رہا تھا۔ آزاد نے تیزی سے آگے بڑھ کر پہرہ دار کو روک لیا۔ کمرے سے اسود کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔

"واپس اپنی جگہ چلے جاؤ"۔۔۔ آزاد نے پہرہ دار کو تحکمانہ لہجے میں کہا۔۔۔"رحمٰن الیمن کے پاس فرشتہ آیا ہُوا ہے۔ وحی نازل ہو رہی ہے۔۔۔ جاؤ، اِدھر نہ آنا۔"

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا اور چلا گیا۔

آزاد اندر آئی تو دیکھا کہ اسود فرش سے اُٹھ کر بستر پر گر رہا ہے اور فیروز دوسرے وار کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ اسود بستر پر گر پڑا۔ اُس کا سر پلنگ کے بازو پر تھا اور سانڈوں کی طرح ڈکار رہا تھا۔

"تم اِسے مار نہیں سکو گے فیروز!"۔۔۔ آزاد نے آگے بڑھ کر کہا اور اسود کے بال جو لمبے تھے، دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پیچھے کو کھینچے اور وہ خود فرش پر بیٹھ گئی۔۔۔"اب فیروز۔۔۔۔ گردن کاٹ دو"۔

فیروز نے ایک ہی وار سے اسود کی گردن صاف کاٹ کر سر جسم سے الگ کر دیا۔ فیروز کے ساتھیوں قیس عبدلیغوث اور داذویہ کو معلوم تھا کہ آج رات کیا ہونے والا ہے۔ فیروز نے اسود کا سر اٹھایا اور ان دونوں کے ہاں جا پہنچا۔ محافظوں اور پہرہ داروں کو "رحمٰن الیمن" کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے محل کو محاصرے میں لے لیا۔ آزاد فیروز کے ساتھ رہی۔ محل میں بھگدڑ مچ گئی۔ حرم کی عورتوں کا ہجوم چیختا چلّاتا باہر کو بھاگا۔

اُدھر رسول اللہؐ کے بھیجے ہوئے قیس بن ہبیرہ اور وبر بن یحنّس سرکردہ مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کر

چکے تھے اور دن رات زمین دوز سرگرمیوں سے مسلمانوں کے حوصلے بحال کر چکے تھے۔

ابھی صبح صادق میں کچھ وقت باقی تھا۔ محل کی چھت سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ حیران ہوئے کہ محل میں اذان؟ لوگ محل کی طرف دوڑے۔ اسود کی فوج حکم کی منتظر تھی لیکن حکم دینے والا قیس عبدالیغوث تھا۔ وہی سپہ سالار تھا۔ اُس نے فوج کو باہر نہ آنے دیا۔

اسود کا سر محل کے باہر لٹکا دیا گیا۔ محل کی چھتوں سے للکار بلند ہو رہی تھی ــ " ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اسود عنسی کذاب ہے۔"

اسود کے پیروکاروں پر خوف طاری ہو گیا اور مسلمان مسلح ہو کر نکل آئے اور انہوں نے یمنیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

مصر کے مشہور صحافی اور سابق وزیر معارف محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "ابوبکرؓ۔ صدیق اکبرؓ" میں فیروز کی زبانی ایک روایت پیش کی ہے۔ فیروز نے کہا تھا:

" اسود کو قتل کر کے ہم نے وہاں کا انتظام پہلے کی طرح رہنے دیا، یعنی جس طرح اسود کے تسلط سے پہلے تھا۔ ہم نے قتل کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ معاذ بن جبل کو بُلایا کہ وہ ہمیں باجماعت نماز پڑھائیں۔۔۔۔ ہم بے انتہا خوش تھے کہ ہم نے اسلام کے اتنے بڑے دشمن کو ختم کر دیا ہے، لیکن اچانک اطلاع ملی کہ رسولِ خدا وصال فرما گئے ہیں۔ اس خبر سے یمن میں ابتری سی پھیل گئی۔"

فیروز کو مسلمانوں نے صنعاء کا حاکم مقرر کر دیا۔

یہ واقعہ مئی ۶۳۲ء کا ہے۔ قیس بن ہبیرہ اور وبر بن یحنس جون ۶۳۲ء کے دوسرے ہفتے میں یہ خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے کہ جھوٹا نبی اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اور یمن پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا ہے لیکن مدینہ سوگوار تھا ــ ۵ جون ۶۳۲ء (۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ھجری) رسولِ خدا وصال فرما گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی یہ جنگل کی آگ ہی ثابت ہوئی۔ جہاں پہنچی وہاں شعلے اٹھنے لگے۔ یہ شعلے بغاوت کے تھے۔ ایک تو اسلام کے دشمن تھے جنہوں نے اپنی تخریبی سرگرمیاں تیز کر دیں، دوسرے وہ قبیلے تھے جنہوں نے صرف اس لیے اسلام قبول کیا تھا کہ اُن کے سردار مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے قبیلے اتنے زیادہ نہیں تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ باقی تمام قبیلے اسلام سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ انہوں نے مدینہ کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا اور مدینہ پر حملے کی باتیں کرنے لگے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے باغی قبیلوں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام کو نہ چھوڑیں۔ قاصد جہاں بھی گئے وہاں سے انہیں جواب ملا کہ ہمارا قبولِ اسلام صرف ایک شخص (رسولِ کریمؐ) کے ساتھ معاہدہ تھا۔ وہ شخصؐ نہیں رہا تو معاہدہ بھی نہیں رہا۔ اب ہم آزاد ہیں اور ہم اپنا راستہ اختیار کریں گے۔

تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک فتنہ مرتدین کا تھا۔ رسولِ کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوّت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی پشت پناہی رُومی، ایرانی اور یہودی کر رہے تھے۔ ان جھوٹے نبیوں میں ایک خوبی مشترک تھی۔ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھے۔ شعبدہ بازی اور جادوگری میں یہودی ماہر تھے۔ اَسود عنسی کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ بھی شعبدہ باز تھا۔

نبوّت کے دوسرے دو دعویدار طلیحہ اور مسیلمہ تھے۔ مسیلمہ خاص طور پر شعبدہ بازی میں مہارت رکھتا تھا۔ ایسے شعبدے پہلے کوئی نہ دکھا سکا تھا۔ مثلاً وہ پرندے کے پَر اس کے جسم سے الگ کر کے دکھاتا پھر پرندے اور پَروں کو اکٹھے ہاتھوں میں لے کر اُوپر پھینکتا تو پَر پرندے کے ساتھ ہوتے اور پرندہ اُڑ جاتا تھا۔

مسیلمہ بدصورت انسان تھا۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے یہ انسان کا نہیں حیوان کا چہرہ ہو۔ خدوخال بھی حیوانوں جیسے تھے۔ اُس کا قد چھوٹا تھا۔ چہرے کا رنگ زرد تھا لیکن اُس کے جسم میں غیرمعمولی طاقت تھی۔ اُس کی آنکھیں غیر قدرتی طور پر چھوٹی اور ناک چپٹی تھی۔ یہ ایک بھدّے آدمی کی تصویر ہے جسے کوئی بدصورت انسان بھی پسند نہیں کر سکتا مگر جو عورت خواہ وہ کتنی ہی حسین اور سرکش کیوں نہ ہوتی، اُس کے قریب جاتی تو اُس کی گرویدہ ہو جاتی اور اُس کے اشاروں پر ناچنے لگتی تھی۔

مسیلمہ نے رسولِ کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور دو قاصدوں کے ہاتھ ایک خط ان الفاظ میں لکھا تھا:

"مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کے نام۔ آپؐ پر سلامتی ہو۔ بعدہٗ واضح ہو کہ میں رسالت میں آپؐ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ لہٰذہ نصف زمین میری ہے

اور نصف قریش کی مگر قریش انصاف نہیں کر رہے ہیں۔"

رسولِ اکرمؐ نے خط پڑھا اور قاصدوں سے پوچھا کہ مسیلمہ کے اس عجیب و غریب پیغام کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔

"ہم وہی کہتے ہیں جو خط میں لکھا ہے"۔۔۔ ایک قاصد نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!۔۔۔ رسول اللہؐ نے کہا۔۔۔ "اگر قاصدوں کے قتل کو میں روا سمجھتا تو تم دونوں کے سر تن سے جدا کر دیتا۔"

آپؐ نے مسیلمہ کو اس کے خط کے جواب میں لکھوایا:

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔"

اس کے بعد مسیلمہ کو سب کذاب کہنے لگے اور اسلام کی تاریخ نے بھی اسے مسیلمہ کذاب ہی کہا ہے۔

رسولِ خدا ان دنوں بسترِ علالت پر تھے۔ آپؐ نے ضروری سمجھا کہ جس شخص نے یہ جسارت کی ہے کہ رسولِ کریمؐ سے زمین کا مطالبہ کر دیا ہے، اس کی سرگرمیوں اور لوگوں پر اس کے اثرات کو فوراً ختم کیا جائے۔ آپؐ کی نگاہ ایک شخص نہاراُالرّجال پر پڑی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر کے دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ قرآن کی آیات پر اُسے عبور حاصل تھا اور وہ عالم و فاضل کہلانے کے قابل تھا۔

رسولِ مقبولؐ نے اس شخص کو بلا کر ہدایات دیں کہ وہ یمامہ جائے اور لوگوں کو اسلامی تعلیم دے۔ آپؐ نے الرّجال کو اچھی طرح سمجھایا کہ مسیلمہ کے اثرات زائل کرنے ہیں تاکہ خون خرابے کے بغیر ہی یہ شخص گمنام اور اس کا دعویٰ بے اثر ہو جائے۔ رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل میں الرّجال روانہ ہو گیا۔

◇

مسیلمہ بن حبیب جو مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا تھا، رات کو اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ دربار میں اس کے قبیلے کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب اُسے اللہ کا رسول مانتے تھے۔ اس نے اپنے مذہب کو اسلام ہی کہا تھا لیکن کچھ پابندیاں ہٹا دی تھیں مثلاً اس نے اپنی ایک آیت گھڑ کر اپنے پیروکاروں کو سنائی اور کہا کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے کہ شراب حلال ہے۔ دیگر عیش و عشرت کو بھی اس نے حلال قرار دے دیا تھا۔

اُس کا دربار جنّت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ نہایت حسین اور جوان لڑکیاں اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں اور دو اس کے پیچھے کھڑی تھیں۔ مسیلمہ کسی لڑکی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا اور کسی کے گالوں کو تھپک کر اور کسی کے زانو پر ہاتھ رکھ کر بات کرتا تھا۔

ایک آدمی دربار میں آیا۔ وہ بیٹھا نہیں، کھڑا رہا۔ سب نے اس کی طرف دیکھا۔ مسیلمہ نے جیسے اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی ہو۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کسی کے کہے بغیر بیٹھ جائے گا مگر وہ کھڑا رہا۔

"کیا تُو ہم پر پہرہ دینے آیا ہے؟" — مسیلمہ نے اُسے کہا — "یا تُو اللہ کے رسول کے حکم کے بغیر بیٹھ جانا بدتہذیبی سمجھتا ہے؟"

"اللہ کے رسول!" — اس آدمی نے کہا — "ایک خبر لایا ہوں.... مدینہ سے ایک آدمی آیا ہے۔ وہ بہت دنوں سے یہاں ہے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی اسلام قبول کیا تھا، بتاتا پھر رہا ہے کہ سچا رسول محمدؐ ہے اور باقی سب کذاب ہیں۔ میں نے خود اُس کی باتیں سنی ہیں۔ اُس کا نام نہاراً الرّجال ہے۔"

"نہاراً الرّجال؟" — دربار میں بیٹھے ہوئے دو آدمی بیک وقت بولے پھر ایک نے کہا — "وہ مسلمانوں کے رسولؐ کا منظورِ نظر ہے۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ اُس کے پاس علم ہے۔"

"ایسے شخص کو زندہ نہ چھوڑیں" — دربار میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے گرج کر کہا۔

"اے خُدا کے رسول!" — ایک اور آدمی نے اُٹھ کر کہا — "کیا تُو مجھے اجازت نہیں دے گا کہ میں اس بدبخت کا سر کاٹ کر تیرے قدموں میں رکھ دوں؟"

"نہیں" — مسیلمہ کذاب نے کہا — "اگر وہ عالم ہے اور اُس نے محمدؐ کے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہے تو میں اُسے کہوں گا کہ میرے دربار میں آئے اور مجھے جھوٹا ثابت کرے۔ میں اُسے قتل نہیں ہونے دوں گا.... اُسے کل رات میرے پاس لے آنا۔ اُسے یقین دلانا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔"

◇

الرّجال کو مسیلمہ کے ایک آدمی نے کہا کہ اُسے "اللہ کے رسول" مسیلمہ بن حبیب نے اپنے ہاں مدعو کیا ہے۔

"کیا وہ میرے قتل کا انتظام یہیں نہیں کر سکتا تھا؟" — الرّجال نے کہا — "میں اُسے اللہ کا رسول نہیں مانتا۔ مجھ پر یہ لازم نہیں کہ میں اُس کا حکم مانوں۔"

"وہ جہاں چاہے تمہیں قتل کرا سکتا ہے" — مسیلمہ کے ایلچی نے کہا — "اس میں یہ طاقت بھی ہے کہ پھونک مار دے تو تیرا جسم مُردہ ہو جائے لیکن وہ تجھے زندہ دیکھنا اور رخصت کرنا چاہتا ہے۔"

مسلمانوں نے الرّجال سے کہا کہ وہ اِس کذاب کے ہاں نہ جائے۔

"یہ میری زندگی اور موت کا سوال نہیں" — الرّجال نے کہا — "یہ صداقت اور کذب کا سوال ہے۔ اگر ایک کذاب کو صِدق سے بہرہ ور کرنے میں میری جان چلی جاتی ہے تو یہ سَودا مہنگا نہیں۔"

"میں آؤں گا" — الرّجال نے کہا — "آج ہی رات آؤں گا مسیلمہ سے کہنا کہ تو اگر سچا نبی ہے تو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا۔"

ایلچی نے مسیلمہ کذاب کو الرّجال کا جواب بتایا۔ الرّجال یمامہ کے قلعے میں رہتا تھا۔ مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ مسیلمہ اپنے خاص مہمانوں کے لیے بڑا خوشنما خیمہ نصب کرایا کرتا تھا جس کی ساخت مکان جیسی ہوتی تھی۔ یہ خیمہ اندر سے بڑے دلفریب طریقوں اور کپڑوں سے سجایا جاتا تھا۔ صحرا کی راتیں سرد ہوتی تھیں اِس لیے مسیلمہ خیمے میں بڑا خوبصورت آتش دان رکھوا دیا کرتا تھا۔ اس آتشدان

میں وہ کوئی چیز یا ایسی جڑی بوٹی رکھ دیا کرتا تھا جس کی خوشبو عطر کی طرح ہوتی تھی لیکن یہ خوشبو حواس پر ایسا اثر کرتی تھی جیسے اس خیمے میں سونے والے کو ہپناٹائز کر لیا گیا ہو۔ مسیلمہ کا شکار بیہوش یا بے خبر نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ مسیلمہ کے اشاروں پر ناچنے لگتا تھا۔ خود مسیلمہ پر اس کا یہ اثر نہیں ہوتا تھا۔

مسیلمہ کذاب کو جب اطلاع ملی کہ الرّجال آرہا ہے تو اُس نے اپنا مخصوص خیمہ نصب کرا یا اور اس میں وہ تمام انتظامات کرا دیئے جو وہ کرایا کرتا تھا۔ اُس نے رات کے لیے آتش دان بھی رکھوا دیا۔

الرّجال آیا تو مسیلمہ نے باہر آکر اُس کا استقبال کیا۔

"تم ایک رسولؐ کے بھیجے ہوئے آدمی ہو"— مسیلمہ نے کہا—" اور میں بھی رسول ہوں، اس لیے تمھارا احترام میرا فرض ہے۔"

"میں صرف اُسے رسولؐ مانتا ہوں جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے"— الرّجال نے کہا— "اور میں تمہیں یہ کہتے ہوئے نہیں ڈروں گا کہ تم کذاب ہو۔"

مسیلمہ مسکرایا اور الرّجال کو خیمے میں لے گیا۔

تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خیمے میں مسیلمہ اور الرّجال کے درمیان کیا باتیں ہوئیں، کیسی سودا بازی یا یہ کیسا شعبدہ یا جادو تھا کہ الرّجال جب اگلی صبح خیمے سے نکلا تو اُس کے مُنہ سے پہلی بات یہ نکلی کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا—"میں نے محمدؐ کو بھی یہ کہتے سنا ہے کہ مسیلمہ سچا نبی ہے۔"

الرّجال کی حیثیت صحابی کی سی تھی اس لیے مسلمانوں نے اُس پر اعتبار کیا۔ الرّجال بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ الرّجال کا اعلان سُن کر بنو حنیفہ کے لوگ جوق در جوق مسیلمہ کو اللہ کا رسول مان کر اُس کی بیعت کو آ گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسیلمہ نے یہ سوچ کر الرّجال کو قتل نہیں کرایا تھا کہ وہ عالم ہے اور صحابی کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اسے ہاتھ میں لے لیا جائے تو بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس شخص کو ہاتھ میں لینے کے لیے آتش دان کا اور اپنی زبان کا جادو چلایا اور الرّجال کو اپنا دستِ راست بنا لیا۔

الرّجال نے مسیلمہ کی جھوٹی نبوّت میں روح پھونک دی۔ اکثر ماں باپ اپنے نوزائیدہ بچّوں کو رسولِ کریمؐ کے پاس لایا کرتے تھے اور آپؐ بچّے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ الرّجال نے مسیلمہ کذاب کو مشورہ دیا کہ وہ بھی نوزائیدہ بچّوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرے۔ مسیلمہ کو یہ بات اچھی لگی۔ اُس نے کئی نوزائیدہ بچّوں اور بچیوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ بچّے جب سِن بلوغت میں داخل ہوئے تو اُن کے سروں کے بال اس طرح جھڑ گئے کہ کسی مرد یا عورت کے سر پر ایک بھی بال نہ رہا۔ اُس وقت تک مسیلمہ کو مرے ہوئے زمانہ گزر گیا تھا۔

◇

اس دوران ایک عورت نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا۔ اس کا نام سجّاح تھا۔ وہ الحارث کی بیٹی تھی۔ اُسے اُمِّ سادرہ بھی کہا جاتا تھا۔ اُس کی ماں عراق کے ایک قبیلے سے تھی اور باپ بنو یربوع سے تعلق رکھتا

تھا۔ الحارث اپنے قبیلے کا سردار تھا سجاح بچپن سے خود سر اور آزاد خیال تھی۔ وہ چونکہ سرداروں کے خاندان میں جنمی پلی تھی اس لئے دوسروں پر حکم چلانا اُس کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور عقل مند نکلی۔ ایک دو مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ غیب دان بھی تھی اور وہ آنے والے حالات کو قبل از وقت جان لیتی تھی۔ اس کے متعلق اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے لیکن یہ بات سب نے متفقہ طور پر کہی ہے کہ سجاح قدرتی طور پر شاعرہ تھی۔ ہر بات منظوم کرتی تھی۔ اُس کی زبان میں چاشنی تھی۔ اُس کی ماں کا قبیلہ عیسائی تھا اس لیے سجاح نے بھی عیسائیت کو ہی پسند کیا۔

سجاح کے کانوں میں یہ خبریں پڑیں کہ طلیحہ اور مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ اُن کی بیعت کر رہے ہیں تو اُس نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ جوان ہو چکی تھی۔ خدا نے اُسے دیگر اوصاف کے علاوہ حسن بھی دیا تھا۔ اُس کے سراپا میں اور چہرے پر ایسا تاثر تھا کہ لوگ مسحور ہو کر اُسے نبی مان لیتے تھے بہت سے لوگ اُس کی شاعری سے متاثر ہوتے۔

وہ صرف نبی بن کے کہیں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے پیرکاروں کی ایک فوج تیار کر لی اور بنی تمیم کے ہاں جا پہنچی۔ ان قبائل کے جو سردار تھے، وہ رسولِ اکرم کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ یہ تھے زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کو اپنے پاس بلایا اور اُسے کہا کہ وہ مدینہ کو تہہِ تیغ کرنے آئی ہے اور بنی تمیم اُس کا ساتھ دیں۔

مالک بن نویرہ نے اُسے بتایا کہ کئی قبیلے اُسے پسند نہیں کرتے۔ پہلے انہیں زیر کرنا ضروری ہے۔ سجاح زیر کرنے کا مطلب کچھ اور سمجھتی تھی۔ اُس کے پاس اچھا خاصا لشکر تھا۔ مالک نے اس میں اپنی فوج شامل کر دی اور قبیلوں کی بستیوں پر حملہ آور ہوتے۔ قبیلے ان کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے گئے لیکن سجاح نے انہیں یہ کہنے کی بجائے کہ اُسے نبی مانیں، اُن کے گھر لُوٹ لئے اور اُن کے مویشی چھین لئے۔ اس مالِ غنیمت سے اُس کا لشکر بہت خوش ہُوا۔

اُس کی لُوٹ مار کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ سجاح ایک مقام نباج پہنچی اور اس علاقے کی بستیوں میں لُوٹ مار شروع کر دی لیکن یہ قبیلے متحد ہو گئے اور سجاح کو شکست ہوتی۔ وہ ایک اور ہلّہ کرنا چاہتی تھی لیکن اُسے ایک مجبوری کا سامنا تھا۔ اُس کے لشکر کے کئی سرداروں کو نباج کے قبیلوں نے پکڑ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ سجاح نے اپنا ایلچی ان قیدیوں کی رہائی کے لیے بھیجا۔

"پہلے اس علاقے سے کوچ کرو" — قبیلوں کے سرداروں نے ایلچی سے کہا "تمہیں تمہارے قیدی مل جائیں گے۔"

سجاح نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے سرداروں کو آزاد کرا کے اُس علاقے سے نکل گئی۔ اُس کے سرداروں نے اُس سے پوچھا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔

"یمامہ" — سجاح نے کہا — "وہاں مسیلمہ بن حبیب کوئی شخص ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اُسے تلوار کی نوک پر رکھنا ضروری ہے۔"

"لیکن یمامہ کے لوگ جنگ و جدل میں بہت سخت ہیں" — ایک سردار نے اُسے کہا — "اور مسیلمہ بڑا طاقتور ہے۔"

سجاح نے کچھ اشعار پڑھے جن میں اُس نے اپنے لشکر سے کہا تھا کہ ہماری منزل یمامہ ہے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنے جاسوسوں کو دُور دُور تک پھیلایا ہُوا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک لشکر یمامہ کی طرف بڑھا آرہا ہے۔ مسیلمہ نے معلوم کرالیا کہ یہ سجاّح کا لشکر ہے۔ اُس نے الرّجال کو بلایا۔

"کیا تم نے سُنا ہے کہ سجاّح کا لشکر آرہا ہے الرّجال؟" مسیلمہ نے کہا۔ "لیکن میں اس سے لڑنا نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی فوج موجود ہے جس کا سپہ سالار عکرمہ ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سجاّح اور عکرمہ کی ٹکر ہو جاتے اور جب دونوں لشکر آپس میں اُلجھے ہوتے ہوں، اُس وقت ہم اُس پر حملہ کردیں؟"

"اگر اُن کی ٹکر نہ ہوئی تو تم کیا کرو گے؟" — الرّجال نے کہا۔

"پھر میں سجاّح کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کروں گا" — مسیلمہ نے کہا

صورت وہی پیدا ہوگئی۔ سجاّح اور عکرمہ کی فوجیں ایک دوسرے سے بے خبر ہیں اور سجاّح یمامہ کے بالکل قریب آگئی۔ مسیلمہ نے اپنا ایک ایلچی سجاّح کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سجاّح اُسے ملنے اُس کے پاس آتے تاکہ دوستی کا معاہدہ کیا جاسکے۔ سجاّح نے جواب بھیجا کہ وہ آرہی ہے لیکن مسیلمہ کو قبل از وقت اطلاع مل گئی کہ سجاّح اپنے لشکر کو ساتھ لے کر آرہی ہے۔ اُس نے سجاّح کو پیغام بھیجا کہ لشکر کو ساتھ لانے سے میں یہ سمجھوں گا کہ تم دوستی کی نیّت سے نہیں آرہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی ہو کہ اپنے چند ایک محافظوں کو ساتھ لے آؤ۔

"یا رسول!" — مسیلمہ کے ایک درباری نے اُس سے کہا۔ "سُنا ہے سجاّح کا لشکر اتنا بڑا ہے کہ یمامہ کی وہ اینٹ سے اینٹ بجا دے گا"

"اور یہ بھی سنا ہے" — ایک اور نے کہا — "کہ وہ قتل و غارت اور لُوٹ مار کرکے آگے چلی جاتی ہے۔ اُس سے وہی محفوظ ہے جو اُس کی نبوّت کو تسلیم کرلیتا ہے"

"کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟" — مسیلمہ نے پوچھا — "کیا تم یہ مشورہ دینا چاہتے ہو کہ میں اپنی نبوّت سے دستبردار ہو کر اُس کی نبوّت کو تسلیم کرلوں؟"

"نہیں اللہ کے رسول!" — اُسے جواب ملا — "ہمارا مطلب احتیاط سے ہے۔ وہ کوئی اپنا ہاتھ نہ دکھا جاتے"

مسیلمہ نے قہقہہ لگایا اور بولا — "تم شاید میری صورت دیکھ کر یہ مشورہ دے رہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی ایسی عورت دکھا سکتے ہو جو میرے پاس آئی ہو اور میری گرویدہ نہ ہوگئی ہو؟.... سجاّح کو آنے دو۔ وہ آئے گی، جائے گی نہیں اور وہ زندہ بھی رہے گی"

◇

وہ آگئی اور وہ لشکر کے بغیر آئی۔ یمامہ کے لوگوں نے اُسے دیکھا اور آوازیں سنائی دیں — "اتنی خوبصورت اور اتنی طرحدار عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی.... اگر نبوّت حُسن پر ملتی ہے تو اس عورت کو نبوّت مل سکتی ہے"

اُس کے ساتھ چالیس محافظ تھے جو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت

جوان تھا۔ کمر سے تلواریں لٹک رہی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔

سجاؔح جب قلعے کے دروازے پر پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ اُسے دیکھ کر بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا

"کیا ایسا آدمی خدا کا رسول ہو سکتا ہے جو مہمان کو بلا کر دروازہ بند رکھتا ہے؟" — سجاؔح نے بلند آواز سے کہا — "کیا وہ نہیں جانتا کہ وہ اُس عورت کی توہین کر رہا ہے جسے خدا نے نبوّت عطا کی ہے؟"

"معزّز مہمان!" — قلعے کے اوپر سے آواز آئی — "تم پر سلامتی ہو۔ ہمارے رسول نے کہا ہے کہ محافظ باہر رہیں اور مہمان اندر آجاتے۔"

"دروازہ کھول دو" — سجاؔح نے دلیری سے کہا اور اپنے محافظوں سے کہا "تم سب قلعے سے دُور چلے جاؤ۔"

"لیکن ہم ایک اجنبی پر کیسے اعتبار کر سکتے ہیں؟" — محافظ دستے کے سردار نے کہا۔

"اگر سورج غروب ہونے تک میں واپس نہ آئی تو اس قلعے کو ملبے کا ڈھیر بنا دینا" — سجاؔح نے کہا — "اور اس شہر کے ایک بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ میری لاش کو مسیلمہ اور اس کے خاندان کے خون سے نہلا کر یہیں دفن کر دینا ..... لیکن مجھے یقین ہے کہ میں قلعے سے کچھ لے کر نکلوں گی۔"

محافظ چلے گئے اور دروازہ کھُل گیا مگر اُس کے استقبال کے لیے مسیلمہ موجود نہیں تھا۔ اُس کے حکم کے مطابق دروازے پر کھڑے دو گھوڑ سوار اُسے قلعے کے صحن میں لے گئے جہاں ایک چوکور خیمہ نصب تھا۔ اس کے اِردگرد درخت اور پودے تھے اور نیچے گھاس تھی۔ سجاؔح کو خیمے میں داخل کر دیا گیا۔ اندر کی سجاوٹ نے اُسے مسحور کر دیا مگر مسیلمہ وہاں نہیں تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد مسیلمہ خیمے میں داخل ہُوا۔ سجاؔح نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس مسکراہٹ میں تمسخر تھا۔ سجاؔح نے اتنا بدصورت آدمی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اتنے چھوٹے قد کا آدمی شاذ و نادر ہی کبھی نظر آتا تھا۔

"کیا تم نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟" — سجاؔح نے اُس سے طنزیہ لہجے میں پُوچھا۔

"دعویٰ کرنا کچھ اور بات ہے!" — مسیلمہ نے سجاؔح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا — "یہ سچ ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہُوا رسول ہوں۔ میں محمدؐ کو رسول نہیں مانتا لیکن اُس نے اپنی رسالت منوالی ہے۔ لوگ اس لیے مان گئے ہیں کہ قبیلۂ قریش کی تعداد اور طاقت بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اب دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے۔"

طبری نے چند ایک حوالوں سے لکھا ہے کہ مسیلمہ نے سجاؔح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اُس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔ بہت عرصہ بعد سجاؔح نے کسی موقع پر کہا تھا کہ اُس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالیں تو مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے ٹھنگنا سا یہ بدصورت آدمی پُراسرار سا ایک اثر بن کر آنکھوں کے راستے میرے وجود میں اُتر رہا ہے۔ مجھے اطمینان سا ہونے لگا کہ یہ شخص مجھے قتل نہیں کرے گا۔ کچھ وقت اور گزرا تو اس احساس نے مجھے بے بس کر دیا کہ

ہیں اس کے وجود میں سما جاؤں گی اور میرا وجود ختم ہو جائے گا۔
"اگر تم نبی ہو تو کوئی الہامی بات کرو" — سجاح نے اُسے کہا۔
"تم نے کبھی سوچا ہے تم کس طرح پیدا ہوئی تھیں؟" — مسیلمہ نے ایسے انداز سے کہا جیسے شعر پڑھ رہا ہو — "تم نے شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ جس طرح تم پیدا ہوئی تھیں اسی طرح تم بھی انسانوں کو پیدا کرو گی مگر تنہا نہیں .... مجھے خدا نے بتایا ہے" — اُس نے قرآن کی آیات کی طرز کے الفاظ بولے — "وہ ایک زندہ وجود سے زندہ وجود پیدا کرتا ہے۔ پیٹ سے ۔ انتڑیوں سے۔ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ عورت مانند ظرف کے ہے جس میں کچھ ڈال کر نکالا جاتا ہے ورنہ ظرف بیکار ہے۔"
سجاح مسحور ہوتی چلی گئی۔ مسیلمہ شاعروں کے لب و لہجے میں باتیں کرتا رہا۔ سجاح نے محسوس ہی نہ کیا کہ مسیلمہ اُس کے جذبات کو مشتعل کر رہا ہے اور وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔
"مجھے یقین ہے کہ تم آج رات یہیں رہنا چاہو گی" — مسیلمہ نے کہا — "اگر چہرے دیکھنے ہیں تو تم دن ہو اور میں رات ہوں مگر تم نے اس پر بھی غور نہیں کیا ہو گا کہ دن پر رات کیوں غالب آ جاتی ہے اور دن اپنا سورج رات کی تاریک گود میں کیوں ڈال دیتا ہے۔ یہ ہر روز ہوتا ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ رات سورج کی چمک دمک کو کھا نہیں جاتی۔ بڑے پیار سے اُسے جگا کر دوسرے اُفق پر رکھ دیتی ہے۔"
"ہاں مسیلمہ!" — سجاح نے کہا — "میرا جی چاہتا ہے کہ میں مان لوں کہ تم سچے نبی ہو۔ اتنا بدصورت آدمی اتنی خوبصورت باتیں نہیں کر سکتا۔ کوئی غیبی طاقت ہے جو تم سے اتنی اچھی باتیں کرا رہی ہے" — وہ چونک پڑی اور بولی — "سُورج غروب ہو گیا ہے۔ اگر میں نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اپنے محافظوں کو یہ نہ بتایا کہ میں زندہ ہوں تو تمہاری بستی کی گلیوں میں خون بہنے لگے گا۔"
مسیلمہ نے اُسے اپنے دو محافظوں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر بھیج دیا اور خیمے میں رکھا ہوا آتش دان جلانے کا حکم دیا۔ فانوس بھی روشن ہو گئے۔ مسیلمہ نے آتش دان میں چھوٹی سی کوئی چیز رکھ دی۔ کمرے میں خوشبو پھیلنے لگی۔
سجاح واپس خیمے میں آئی تو اُس پر خمار سا طاری ہو گیا۔ وہ عام سی عورتوں کی طرح رومان انگیز باتیں کرنے لگی۔
"کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ ہم میاں بیوی بن جائیں؟" — مسیلمہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی" — سجاح نے مخمور سی آواز میں جواب دیا۔
صبح طلوع ہوئی تو سجاح اس انداز سے باہر نکلی جیسے دُلہن اپنی پسند کے دولہا کے ساتھ ازدواجی زندگی کی پہلی رات گذار کے نکلی ہو۔ قلعے میں شادیانے بجنے لگے۔ سجاح کے لشکر تک یہ خبر

پہنچی کہ سجاح نے مسیلمہ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔
یہ شادی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئی۔ ارتداد کے دو لشکر متحد ہو گئے، لیکن یہ اتحاد جلدی بکھر گیا کیونکہ مسیلمہ نے سجاح کو دھوکہ دیا اور وہ دل برداشتہ ہو کر عراق اپنے قبیلے میں چلی گئی۔ مسیلمہ نے اپنے لیے ایک بہت بڑے خطرے کو ختم کر دیا تھا۔ سجاح کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ نبوت کے دعوے سے دستبردار ہو گئی۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئی اور کوفہ چلی گئی تھی۔ اُس نے بڑی لمبی عمر پائی اور متقی اور پارسا مسلمان کی حیثیت سے مشہور رہی۔

◇

رسولِ اکرمؐ کے وصال کے ساتھ ہی ہر طرف بغاوت اور عہد شکنی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک طوفان صحابہ کرامؓ کے اپنے ہاں اُٹھا۔ یہ خلیفہ اوّل کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ خلافت کے امیدواروں نے اپنا اپنا حق جتایا اور کھچاؤ سا بھی پیدا ہو گیا۔ ابو بکرؓ نے آخر یہ فیصلہ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ پر چھوڑا اور کہا کہ یہ دونوں جسے پسند کریں اُسے سب خلیفہ مان لیں۔
"آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔" — عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے آپس میں بات کر کے فیصلہ ابو بکرؓ کے حق میں دیا اور اُن سے کہا — "غار میں آپ رسول اللہؐ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے ہیں۔ دین کے احکام میں نماز سب سے افضل ہے۔ ہمیں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو آپ سے برتر ہو۔ بلاشک آپ خلافت کے حقدار ہیں۔"
سب سے پہلے عمرؓ نے آگے بڑھ کر ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ اور ان کے بعد بشیرؓ بن سعد نے بیعت کی۔ جب اعلانِ عام ہوا کہ خلیفہ اوّل ابو بکرؓ ہوں گے تو لوگ بیعت کے لیے دوڑے آئے۔

مسجدِ نبوی میں بیعتِ عام ہوئی۔ ابو بکرؓ نے پہلا خطبۂ خلافت دیا:
"لوگو! خدا کی قسم، میں نے خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی تھی، نہ کبھی دل میں نہ کبھی ظاہری طور پر اس کے لیے اللہ سے دُعا کی تھی، لیکن اس ڈر سے یہ بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھا لیا کہ اختلاف جھگڑے کی صورت اختیار نہ کر جائے۔ ورنہ خلافت اور امارت میں مجھے کوئی راحت نظر نہیں آتی۔ ایک بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا ہے جسے اُٹھانے کی طاقت مجھ میں کم ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس بوجھ کو اُٹھا نہیں سکوں گا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا ہے۔ میں تم سے بہتر اور برتر تو نہ تھا۔ اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ کوئی غلطی کر گزروں تو مجھے روک دو۔ تم میں سے جو کمزور ہے، میں اسے طاقتور سمجھتا ہوں۔ میں اُسے اُس کا حق دلاؤں گا۔ تم میں سے جو طاقتور ہے، اُسے میں کمزور سمجھوں گا اور اُسے اُس حق سے محروم کر دوں گا جس کا وہ حقدار نہیں۔ میں جب تک اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اگر میں انحراف کروں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا۔"

◇

خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے سب سے پہلا یہ حکم دے کر کہ اسامہؓ کا لشکر رومیوں کے خلاف جائے گا، سب کو چونکا دیا۔ یہ موقع کسی اور جنگی مہم کے لیے موزوں نہ تھا۔ رومیوں پر حملہ بہت بڑی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی پوری جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن دوسری طرف یہ صورت پیدا ہوگئی تھی کہ بیشتر قبیلوں نے نہ صرف بغاوت کر دی تھی بلکہ بعض نے مدینہ پر حملے کے لیے متحد ہونا شروع کر دیا تھا۔ یہودی اور نصرانی خاص طور پر مدینہ کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ اس کے علاوہ جھوٹے پیغمبروں نے الگ محاذ بنا لیے تھے۔ طلیحہ اور خصوصاً مسیلمہ تو جنگی طاقت بن گئے تھے۔ اسلام بہت بڑے خطرے میں آگیا تھا۔

ابوبکرؓ کے حکم کا پس منظر یہ تھا کہ تبوک اور مُوتہ کے معرکوں کے بعد رسولِ اکرمؐ نے یہ ضروری سمجھا تھا کہ رومیوں پر حملہ کر کے اُن کا دم خم توڑا جائے۔ تبوک اور مُوتہ کے معرکوں میں تو یہ کامیابی حاصل کی گئی تھی کہ اُن قبیلوں کو مطیع کر لیا گیا تھا جن کا خطرہ تھا کہ وہ رومیوں کے ساتھ اتحاد کر لیں گے۔ اب رومیوں کو ختم کرنا ضروری تھا۔ یہ فیصلہ ملک گیری کی خاطر نہیں بلکہ نظریاتی دفاع کے لیے کیا گیا تھا۔ یہودی اور نصرانی اسلام کے خلاف رومیوں کے کیمپ میں چلے گئے تھے۔

رسول اللہؐ نے رومیوں پر حملے کے لیے ایک لشکر تیار کیا تھا جس میں مہاجرین اور انصار کے سرکردہ افراد بھی شامل تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالار زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہؓ تھے۔ اُن کی عمر بمشکل بیس سال تھی مورخوں نے لکھا ہے کہ اسامہؓ کو رسولِ کریمؐ نے اس لیے سپہ سالار مقرر کیا تھا کہ نوجوانوں میں قیادت کا شوق پیدا ہو اور وہ اپنے آپ میں اسامہؓ جیسی صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اسامہؓ کو رسولِ کریمؐ ویسے بھی بہت چاہتے تھے۔ اسامہؓ کے والد زیدؓ بن حارثہ جنگِ مُوتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اسامہؓ میں لڑکپن میں ہی عسکری صلاحیتیں اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ جنگِ اُحد کے وقت اسامہؓ بچے تھے اس لیے اُس جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا تو اسامہؓ راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب لشکر ان کے قریب سے گذرا تو وہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اُن کی مراد پھر بھی پوری نہ ہوئی۔ انہیں میدانِ جنگ میں دیکھ لیا گیا اور واپس بھیج دیا گیا۔ البتہ حنین کی جنگ میں انہوں نے سب کو دکھا دیا کہ شجاعت کیا ہوتی ہے۔

جب رسولِ مقبولؐ نے اسامہؓ کو رومیوں پر حملہ کرنے والے لشکر کی سپہ سالاری سونپی تھی تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ جس لشکر میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے اعلیٰ حیثیت اور تجربے کے بزرگ شامل ہیں، اُس لشکر کی سپہ سالاری کل کے بچے کو دینا مناسب نہیں۔

یہ اعتراض رسول اللہؐ تک اُس وقت پہنچا جب آپؐ زندگی کے آخری بخار میں مبتلا تھے۔ آپؐ میں بولنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ آپؐ نے بخار سے ذرا نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی ازواج سے کہا کہ آپؐ کو غسل کرائیں۔ آپؐ پر پانی کے سات مشکیزے ڈالے گئے۔ اس سے بخار خاصا کم ہو گیا۔ نقاہت زیادہ تھی، پھر بھی آپؐ مسجد میں چلے گئے جہاں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں اعتراض کرنے والے سرکردہ افراد بھی تھے۔

"اے لوگو!۔۔۔۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔۔۔۔" اسامہؓ کے لشکر کو کوچ کرنے دو۔ تم نے اُس کی سپہ سالاری پر اعتراض کیا ہے۔ تم نے اس کے باپ کی سپہ سالاری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ میں اسامہؓ کو اس منصب کے قابل

سمجھتا ہوں۔ اس کے باپ کو بھی میں نے اس منصب کے قابل سمجھا تھا، اور تم نے دیکھا کہ میں نے سپہ سالاری اُسے سونپ کر غلطی نہیں کی تھی۔"

اعتراض ختم ہو گیا اور رومیوں کے خلاف لشکر کوچ کر گیا لیکن جرف کے مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ رسولِ کریمؐ کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی ہے۔ اسامہؓ میں نوجوانی میں ہی بزرگوں جیسی دُور اندیشی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے لشکر کو جرف کے مقام پر روک لیا اور خود رسول اللہؐ کو دیکھنے مدینہ آئے۔ ایک تحریر میں اسامہؓ کا بیان ان الفاظ میں ملتا ہے:

"اطلاع ملی کہ رسول اللہؐ کی حالت بگڑ گئی ہے تو میں اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آیا۔ ہم سیدھے رسول اللہؐ کے حضور گئے۔ آپؐ پر نقاہت طاری تھی، اتنی کہ بول بھی نہ سکتے تھے۔ آپ نے دو تین بار ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف کئے اور ہر بار ہاتھ میرے اوپر رکھ دیئے۔ میں سمجھ گیا کہ حضورؐ میرے لیے دعا کر رہے ہیں۔"

دوسرے روز اسامہؓ پھر آپؐ کے حضور گئے اور کہا ——— "یا رسول اللہ! لشکر جرف میں میرا منتظر ہے۔ اجازت فرمایئے۔"

رسول اللہؐ نے ہاتھ اوپر اُٹھائے مگر ہاتھ زیادہ نہ اُٹھ سکے۔ ضعف بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اسامہؓ دلِ پرغم کا بوجھ اور آنکھوں میں آنسو لیے کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رسولِ کریمؐ وصال فرما گئے۔ قاصد اسامہؓ کے پیچھے دوڑا اور راستے میں جا لیا۔ اسامہؓ نے حضورؐ کے وصال کی خبر سنی، گھوڑا سرپٹ دوڑایا۔ اپنے لشکر تک پہنچے۔ حضورؐ کے وصال کی خبر نے لشکر میں کہرام بپا کر دیا۔ اسامہؓ لشکر کو مدینے لے آئے۔

◇

خلیفۂ اوّل کی بیعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسامہؓ کو بلا کر پوچھا کہ رسول اللہؐ نے انہیں کیا حکم دیا تھا۔

"یہ حکم تو آپ کو بھی معلوم ہے۔" اسامہ نے جواب دیا ——— "مجھ سے ہی سننا ہے تو سن لیں۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ میں فلسطین میں بلقاء اور دوام کی سرحد سے آگے جا کر رومیوں پر حملہ کروں لیکن وہاں تک لشکر اس طرح پہنچے کہ دشمن کو حملے تک لشکر کی آمد کی خبر تک نہ ہو سکے۔"

"جاؤ اسامہؓ!" ——— ابوبکرؓ نے کہا ——— "اپنا لشکر لے جاؤ اور رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل کرو۔"

لشکر کو جب یہ حکم ملا تو ابوبکرؓ پر اعتراض ہونے لگے۔ سب کہتے تھے کہ جب ہر طرف سے خطروں کے طوفان نے گھیر لیا ہے، اتنی بڑی جنگ، اور وہ بھی اتنی دُور، شروع نہیں کرنی چاہیے۔ اس لشکر کی اُن فتنوں کی سرکوبی کے لیے ضرورت ہے جو بڑی تیزی سے اُٹھ رہے ہیں۔

"قسم ہے اُس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے" ——— ابوبکرؓ نے کہا ——— "اگر مجھے جنگل کے درندے چیرنے پھاڑنے کے لئے آ جائیں تو بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو نہیں روکوں گا۔ میں اُس حکم کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں جو رسول اللہؐ نے اپنی زندگی میں دیا تھا۔ میں اگر مدینہ میں اکیلا رہ گیا تو بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔"

"تم پر سلامتی ہو ابوبکرؓ!" ——— عمرؓ نے کہا۔ "اعتراض کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ لشکر کو بھیجنا ہی ہے تو سپہ سالاری اسامہؓ کی بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو دیں۔"

"اے ابنِ خطاب!" ——— ابوبکرؓ نے جواب دیا ——— "کیا تم بھول گئے ہو کہ اسامہؓ کو رسول اللہؐ نے سپہ سالار مقرر کیا تھا؟ کیا تم جرأت کرو گے کہ رسول اللہؐ کے حکم کو منسوخ کر دو؟"

"میں ایسی جرأت نہیں کروں گا" ——— عمرؓ نے کہا ——— "مجھ میں اتنی جرأت نہیں۔"

"میری سُن ابنِ خطاب!"___ ابوبکرؓ نے کہا___" اپنی قوم کو دیکھ۔ پوری قوم غم سے نڈھال ہے۔ غم کے ساتھ ساتھ ایک خوف ہے جو ہر کسی کے دل میں اُترتا جا رہا ہے۔ یہ خوف اُن بغاوتوں کا ہے جو ہمارے اِردگرد اُٹھ رہی ہیں۔ ہر روز ایک خبر آتی ہے کہ آج فلاں قبیلہ باغی ہو گیا ہے۔ بعض قبیلے اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسلام بھی خطرے میں آ گیا ہے مدینہ بھی۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے بڑی خوفناک افواہیں پھیلانی شروع کر دی ہیں۔ ان سے اور زیادہ خوف پھیل رہا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں پر حملہ روک لیا تو دو نقصان ہوں گے۔ ایک یہ کہ قوم سمجھے گی کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ کہ رومی اور مجوسی ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ میں قوم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کمزور نہیں ہو گئے۔ رسول اللہ کی رُوحِ مقدس ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں قوم کے حوصلے اور جذبے پہلے کی طرح مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ کے نقشِ قدم پر چلنا میرا فرض ہے۔"

عمرؓ کو اِس استدلال نے مطمئن کر دیا۔ ابوبکرؓ نے کوچ کا حکم دے دیا۔

◇

اسامہؓ کا لشکر روانہ ہُوا تو ابوبکرؓ کچھ دُور تک پیدل ہی ساتھ چل پڑے۔ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک سپہ سالار اور وہ بھی نوجوان، گھوڑے پر سوار تھا اور خلیفہ اُس کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہر کسی کو دکھانا چاہتے تھے کہ سپہ سالار اسامہؓ تعظیم و تکریم کے قابل ہے۔

"اے خلیفۂ رسولؐ!"___ اسامہؓ نے کہا___" آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔"

"نہ میں سوار ہوں گا نہ تم پیدل چلو گے"___ ابوبکرؓ نے کہا___" میں رُوحانی تسکین محسوس کر رہا ہوں کہ اللہ کی راہ کی گرد میرے پاؤں پر بھی پڑ رہی ہے۔"

عمرؓ بھی لشکر میں شامل تھے۔ ابوبکرؓ کو محسوس ہُوا کہ انہیں مدینہ میں عمرؓ کی ضرورت ہو گی۔

"اسامہؓ!"___ خلیفہ نے سپہ سالار سے کہا___" اگر تم اجازت دو تو میں عمرؓ کو مدینہ میں رکھ لوں۔ مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

اسامہ نے عمرؓ کو لشکر سے نکال کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ابوبکرؓ بہت بوڑھے تھے۔ ایک جگہ رُک گئے۔ اسامہؓ نے لشکر کو روک لیا۔ ابوبکرؓ نے ذرا بلند جگہ کھڑے ہو کر لشکر سے خطاب کیا:

"اسلام کے مجاہدو! میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں۔ انہیں یاد رکھنا۔ خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، چوری نہ کرنا، دشمن کی لاشوں کے اعضا نہ کاٹنا، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور پھلوں کے درخت نہ کاٹنا، کھانے کی غرض کے سوا کسی جانور کو ذبح نہ کرنا، تمہیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں نظر آئیں گی جن میں تارک الدنیا لوگ بیٹھے ہوں گے، انہیں پریشان نہ کرنا۔ کسی بستی کے لوگ برتنوں میں تمہارے لیے کھانا لائیں گے۔ یہ کھانا اللہ کا نام لے کر کھانا۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے سروں میں شیطان کے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ ان کے سروں کے درمیان کا حصہ مُنڈھا ہُوا ہو گا اور باقی بال بہت لمبے لمبے ہوں گے۔ انہیں قتل کر دینا۔ اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔ خدا حافظ مجاہدو! اللہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے۔"

لشکر کی مدینہ سے روانگی کی تاریخ ۲۴ جون ۶۳۲ء (یکم ربیع الثانی ۱۱ ہجری) تھی۔

یہ کہانی چونکہ "شمشیرِ بے نیام" کی ہے اس لیے ہم وہ واقعات بیان کریں گے جن کا تعلق خالدؓ بن ولید سے ہے۔ رسول اللہؐ نے خالدؓ کو "اللہ کی تلوار" کہا تھا۔

اسامہؓ کے لشکر کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انہوں نے صرف چالیس دنوں میں رومیوں کے خلاف وہ کامیابی حاصل کر لی جو رسولؐ کریم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسامہؓ سپہ سالاری کے ہر پہلو پر پورے اترے اور جب وہ فتح یاب ہو کر مدینہ میں آئے تو اُن سب نے انہیں گلے لگایا جنہوں نے اُن کی سپہ سالاری پر اعتراض کئے تھے۔

دوسری بڑی جنگ مرتدین کے خلاف تھی۔ ابوبکرؓ نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے سالار مقرر کئے اور اُن کے لیے محاذ مقرر کر دیئے یعنی ہر سالار کو ایک ایک علاقہ بتا دیا گیا جہاں انہیں حملہ کرنا تھا۔ اس تقسیم میں ابوبکرؓ نے خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ہر دشمن کی طاقت اور لڑنے والی نفری دیکھ کر اس کے مطابق سالار مقرر کئے جائیں۔ سب سے زیادہ طاقتور اور مکار دو مرتد تھے۔ ایک طلیحہ اور دوسرا مسیلمہ۔ اُن دونوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہزار ہا پیروکار پیدا کر لیے تھے۔ خالدؓ بن ولید کو ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ وہ طلیحہ کی بستیوں پر حملہ کریں اور اُس سے فارغ ہو کر بطاح کا رُخ کریں جہاں بنی تمیم کے سردار مالک بن نویرہ نے بغاوت کر دی تھی۔

تمام سالار اپنے اپنے محاذوں اور مہموں کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ اپنی مہم کے علاقے میں حسبِ عادت اتنی تیزی سے پہنچے کہ دشمن کو خبر تک نہ ہوئی۔ انہوں نے کچھ بستیوں کو گھیرے میں لیا تو خالدؓ کے پاس کچھ آدمی آئے اور انہیں بتایا کہ بعض قبیلے طلیحہ کے فریب کا شکار ہیں۔ ان کی خونریزی مناسب نہیں ہوگی۔ اگر خالدؓ ذرا انتظار کریں تو قبیلہ طئی کے کم و بیش پانچ سو آدمی خالدؓ کے دستے میں شامل ہو جائیں گے۔

خالد نے انتظار کیا اور یہ آدمی قبیلہ طئی کے پانچ سو آدمی لے آئے جو طلیحہ کے قبیلے اور اس کے زیرِ اثر قبائل کے خلاف لڑنے پر آمادہ تھے۔ وہ مسلح ہو کر آئے تھے۔ اسی طرح قبیلہ جدیلہ بھی خالدؓ کے ساتھ مل گیا۔ طلیحہ کو پتہ چلا تو بہت گھبرایا لیکن ایک شخص عُیَینہ اُس کے ساتھ تھا۔ وہ بنی فرازہ کا سردار تھا۔ اُس کے دل میں مدینہ والوں کے خلاف اتنا عناد بھرا ہوا تھا کہ اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ مدینہ والوں کی حکومت کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کر سکتا۔ غزوۂ احزاب میں جن تین لشکروں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں سے ایک لشکر کا سالار یہی شخص عیینہ بن حصن تھا۔ رسولِؐ کریم نے اپنے اس اصول کے مطابق کہ دشمن کو تیاری کی حالت میں پکڑو، مدینہ سے نکل کر ان تینوں لشکروں پر حملہ کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ نقصان عیینہ کے لشکر کو اٹھانا پڑا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اسلام کے خلاف سرگرم رہا۔

خالدؓ کو پتہ چلا کہ طلیحہ کے ساتھ عیینہ ہے تو انہوں نے عہد کیا کہ ان دونوں کو نہیں بخشیں گے۔

◇

خالدؓ نے پیش قدمی سے پہلے اپنے دو آدمیوں ــــ عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم انصاری ــــ کو شکست آگے بھیج دیا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت یا کوئی اور بات دیکھیں جو لشکر کی پیشقدمی کے کام آ سکے تو پیچھے اطلاع دیں۔ دونوں چلے گئے اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ بڑھتے گئے۔ بہت دُور جا کر ان دونوں میں سے کوئی بھی واپس آتا نہ دکھائی دیا۔

کچھ اور آگے گئے تو تین لاشیں پڑی ملیں جو خون میں نہائی ہوئی تھیں۔ دو لاشیں انہی دو آدمیوں ــــ عکاشہ اور ثابت ــــ کی تھیں جنہیں خالدؓ نے آگے بھیجا تھا۔ تیسری لاش کسی اجنبی کی تھی۔ بعد میں جو انکشاف ہوا (طبری اور قاموس

کے مطابق) کہ یہ دونوں آگے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک شخص حبال مل گیا۔ ایک مؤرخ کامل ابنِ اثیر لکھتا ہے کہ حبال طلیحہ کا بھائی تھا لیکن طبری اور قاموس اُسے طلیحہ کا بھتیجا لکھتے ہیں۔ عکاشہ اور ثابت نے اُسے للکار کر قتل کر دیا۔

اس کی اطلاع طلیحہ کو مل گئی۔ وہ اپنے بھائی سلمہ کو ساتھ لے کر آ گیا۔ عکاشہ اور ثابت ابھی اور آگے جا رہے تھے۔ طلیحہ اور سلمہ نے گھات لگائی اور دونوں کو مقابلے کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دیا۔

خالدؓ آگ بگولہ ہو گئے اور طلیحہ کی بستی پر جا دھمکے۔ عیینہ طلیحہ کی فوج کی کمان کر رہا تھا اور طلیحہ ایک خیمے میں نبی بنا بیٹھا تھا۔ عیینہ نے مسلمانوں کا قہر اور غضب دیکھا تو اپنے لشکر کو لڑتا چھوڑ کر طلیحہ کے پاس گیا۔ وہ طلیحہ کو سچا نبی مانتا تھا۔

"یا نبی!" ___ عیینہ نے طلیحہ سے پوچھا ___ "مشکل کا وقت آن پڑا ہے۔ جبریل کوئی وحی لائے ہیں؟"

"ابھی نہیں" ___ طلیحہ نے کہا ___ "تم لڑائی جاری رکھو۔"

عیینہ دوڑتا گیا اور لڑائی میں شامل ہو گیا۔ مسلمانوں کا قہر اور بڑھ گیا تھا۔ خالدؓ کی چالیں جھوٹے نبی کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ رہی تھیں۔ عیینہ ایک بار پھر طلیحہ کے پاس گیا۔

"یا نبی!" ___ اُس نے طلیحہ سے پوچھا ___ "کوئی وحی نازل ہوئی؟"

"ابھی نہیں" ___ طلیحہ نے کہا ___ "تم لڑائی جاری رکھو۔"

"وحی کب نازل ہو گی؟" ___ عیینہ نے جھنجلا کر پوچھا ___ "تم کہا کرتے ہو کہ مشکل کے وقت وحی نازل ہوتی ہے۔"

"خدا تک میری دعا پہنچ گئی ہے" ___ طلیحہ نے کہا ___ "وحی کا انتظار ہے۔"

عیینہ اپنے لشکر میں چلا گیا مگر اب اُس کا لشکر خالدؓ کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ عیینہ گھبراہٹ کے عالم میں ایک بار پھر طلیحہ کے پاس گیا اور اُسے اپنے لشکر کی کیفیت بتا کر پوچھا کہ وحی نازل ہوئی ہے یا نہیں۔

"ہاں" ___ طلیحہ نے جواب دیا ___ "وحی نازل ہو چکی ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ" ___ طلیحہ نے جواب دیا ___ "مسلمان بھی جنگ لڑ رہے ہیں، تم بھی جنگ لڑ رہے ہو۔ تم اس وقت کو کبھی نہ بھول سکو گے۔"

عیینہ کو کچھ اور توقع تھی لیکن طلیحہ نے اُسے مایوس کر دیا۔ اُسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ طلیحہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"لاریب ایسے ہی ہو گا" ___ عیینہ نے غصے سے کہا ___ "وہ وقت جلدی آ رہا ہے جسے تم ساری عمر نہیں بھول سکو گے۔"

عیینہ دوڑتا باہر گیا اور چلّا چلّا کر اپنے قبیلے سے کہنے لگا ___ "اے بنو فزارہ! طلیحہ کذاب ہے۔ جھوٹے نبی کے پیچھے جانیں مت گنواؤ۔ بھاگو۔ اپنی جانیں بچاؤ۔"

بنو فزارہ تو بھاگ اُٹھے، طلیحہ کے اپنے قبیلے کے لڑنے والے لوگ طلیحہ کے خیمے کے اردگرد جمع ہو گئے۔ خالدؓ تماشہ دیکھنے لگے۔ طلیحہ کے خیمے کے ساتھ ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تیار کھڑے تھے۔ قبیلہ طلیحہ سے پوچھ رہا تھا کہ اب کیا حکم ہے۔ طلیحہ کی بیوی جس کا نام نوار تھا، اس کے ساتھ تھی۔ طلیحہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور

اُس کی بیوی اونٹ پر چڑھ بیٹھی۔
"لوگو!"— طلیحہ نے اپنے قبیلے سے کہا— "میری طرح جس کے پاس بھاگنے کا انتظام ہے وہ اپنے بیوی بچّوں کو لے کر بھاگ جائے"۔
اس طرح اس کذاب کا فتنہ ختم ہوگیا۔ عمرؓ کے دورِ خلافت میں طلیحہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمان ہوگیا تھا۔

◇

خالدؓ نے اور کئی قبیلوں کو مطیع کیا اور انہیں ارتداد کی کڑی سزا دی۔ ان پر اپنی شرطیں عائد کیں۔ اسلام سے جو منحرف ہو گئے تھے، انہیں دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ طلیحہ کی نبوتؓ کو بھی خالدؓ نے ختم کر دیا اور عیینیہ جو یہودیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن تھا، ایسا بھاگا کہ اُس نے عراق جا دم لیا مگر اُس کا زہر ابھی پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ زہر ایک عورت کی شکل میں تھا جو سلمےٰ کہلاتی تھی۔ اُس کا پُورا نام اُمِّ زمل سلمیٰ بنتِ مالک تھا۔
سلمیٰ بنو فزارہ کے سرداروں کے خاندان کی ایک مشہور عورت اُمِ قرفہ کی بیٹی تھی۔ رسولِ کریمؐ کی زندگی کا واقعہ ہے کہ زید بن حارثہ (اسامہؓ کے والد) بنی فزارہ کے علاقے میں جا نکلے۔ یہ قبیلہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ وادی القریٰ میں زید کا سامنا بنی فزارہ کے چند آدمیوں سے ہوگیا۔ زید کے ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ بنی فزارہ کے اِن آدمیوں نے ان سب کو قتل کر دیا اور زید کو گہرے زخم آئے۔ وہ گرتے پڑتے مدینہ پہنچ گئے۔ جب ان کے زخم ٹھیک ہو گئے تو رسولِ اکرمؐ نے انہیں باقاعدہ فوجی دستے دے کر بنی فزارہ پر حملے کے لیے بھیجا تھا۔
مسلمانوں نے بنی فزارہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور کچھ کو قید کر لیا۔ جھڑپ بڑی خونریز تھی۔ ان قیدیوں میں اُمِّ قرفہ فاطمہ بنتِ بدر بھی تھی۔ اس عورت کی شہرت یہ تھی کہ اپنے قبیلے کے علاوہ دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ اُسے مدینہ لا کر سزائے موت دے دی گئی۔ اس کے ساتھ اس کی کمسن بیٹی اُمِّ زمل سلمیٰ بھی تھی۔ رسولِ کریمؐ نے یہ لڑکی اُمّ المومنین عائشہؓ صدیقہ کے حوالے کر دی۔ اُسے پیار سے رکھا گیا مگر وہ ہر وقت اُداس رہتی تھی۔ عائشہؓ صدیقہ نے اُس پر رحم کرتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا۔
بجائے اس کے کہ سلمیٰ مسلمانوں کی شکر گزار ہوتی کہ اُسے لونڈی نہ رہنے دیا گیا اور آزاد کر کے اُسے اُس کی اونچی حیثیت میں واپس بھیج دیا گیا ہے اس نے اپنے دل میں اپنی ماں کے قتل کا انتقام رکھ لیا اور جنگی تربیت حاصل کرنے لگی۔ وہ سرداروں کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُس میں قیادت کے جوہر بھی پیدا ہو گئے۔ اُس نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کر لیا اور مدینہ پر حملے کے لیے پر تولنے لگی، مگر مسلمان ایک جنگی قوت بن چکے تھے اس لیے سلمیٰ مدینہ کے قریب آنے کی جرأت نہ کر سکی۔
اب طلیحہ اور عیینیہ کو شکست ہوئی تو سلمیٰ میدان میں آگئی۔ اُس کی ماں عیینیہ کی چچازاد بہن تھی۔ جن قبیلوں نے خالدؓ سے ٹکر لی تھی، انہیں یہ لڑائی بڑی مہنگی پڑی تھی۔ جو بچ گئے تھے وہ اِدھر اُدھر

بھاگ گئے تھے۔ ان میں غطفان، طئی، بنو سلیم اور ہوازن کے بعض سرکردہ لوگ سلمیٰ کے ہاں جا پہنچے اور عہد کیا کہ سلمیٰ اگر اُن کا ساتھ دے تو وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔ سلمیٰ تو موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ تیار ہو گئی اور چند دنوں میں اپنا لشکر تیار کر کے روانہ ہو گئی۔

◇

اُس وقت خالدؓ بزاخہ میں تھے جہاں انہوں نے طلیحہ کو شکست دی تھی۔ انہیں اطلاع ملی کہ بنو فزارہ کا لشکر آ رہا ہے۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو تیار کر لیا۔

جس طرح سلمیٰ کی ماں اپنے جنگی اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کے آگے آگے چلا کرتی تھی، اسی طرح سلمیٰ بھی اپنے لشکر کے آگے آگے تھی۔ اُس کے ارد گرد ایک سو شتر سواروں کا گھیرا تھا جو تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ یہ لشکر جوش و خروش بلکہ قہر اور غضب کے نعرے لگاتا آ رہا تھا۔

خالدؓ نے انتظار نہ کیا کہ دشمن اور قریب آ جائے۔ اُن کے ساتھ نفری تھوڑی تھی۔ وہ دشمن کو اتنی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ حملے کی ترتیب یا قلیل تعداد مسلمانوں کو نفری کی افراط کے بل بوتے پر گھیرے میں لینے کی پوزیشن میں آ جائے۔ خالدؓ نے ہلّہ بولنے کے انداز سے حملہ کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ دشمن کا لشکر سفر کا تھکا ہوا ہے۔ خالدؓ نے دشمن کی اس جسمانی کیفیت سے بھی فائدہ اُٹھایا۔

سلمیٰ جو ایک سو جانباز شتر سواروں کے حفاظتی نرغے میں تھی، اشتعال انگیز الفاظ سے اپنے لشکر کے جوش و خروش میں جان ڈال رہی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ بنو فزارہ نے خالدؓ کو بڑا ہی سخت مقابلہ دیا۔ نفری تھوڑی ہونے کی وجہ سے خالدؓ مجبور سے ہوتے جا رہے تھے اور دشمن کے حوصلے بڑھتے جا رہے تھے۔ سلمیٰ کی للکار اور الفاظ جلتی پر تیل کا کام کر رہے تھے۔

خالدؓ نے سوچا کہ صرف یہ عورت ماری جائے تو بنو فزارہ کے قدم اُکھڑ جائیں گے۔ انہوں نے اپنے چند ایک منتخب جانبازوں سے کہا کہ وہ سلمیٰ کا حفاظتی حصار توڑ کر اُسے اونٹ سے گرا دیں۔ سلمیٰ کے محافظ بھی جانباز ہی تھے۔ وہ خالدؓ کے جانبازوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ان جانبازوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک ایک محافظ شتر سوار کو دوسروں سے الگ کر کے مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح جانبازوں نے گھیرا توڑ دیا لیکن کوئی جانباز سلمیٰ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ زخمی ہو کر پیچھے آ جاتا تھا۔

آخر پورے ایک سو محافظ مارے گئے لیکن خالدؓ کو اس کی بہت قیمت دینی پڑی۔ جانبازوں نے تلواروں سے سلمیٰ کے کجاوے کی رسیاں کاٹ دیں۔ کجاوہ سلمیٰ سمیت نیچے آ پڑا۔ جانبازوں نے خالدؓ کی طرف دیکھا کہ کیا حکم ہے۔ قیدی بنانا ہے یا ختم کرنا ہے۔ خالدؓ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ایک جانباز نے تلوار کے ایک ہی وار سے سلمیٰ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

بنو فزارہ نے یہ منظر دیکھا تو اُن میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنی لاشوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مدینہ سے تقریباً دو سو پچھتّر میل شمال مشرق میں بطاح نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں بدوؤں کے چند ایک کنبے آباد ہیں۔ اس گاؤں کو کوئی اہمیت، کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر وہاں اِدھر اُدھر غور سے دیکھیں تو ایسے آثار ملتے ہیں جیسے یہاں کبھی شہر آباد رہا ہے۔

چودہ صدیاں گزریں، یہاں ایک شہر آباد تھا۔ اس کا نام بطاح تھا جو آج تک زندہ ہے مگر شہر سکڑ سمٹ کر چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔ اس شہر میں خوبصورت لوگ آباد تھے۔ وہ بہادر تھے نڈر تھے اور باتیں ایسے انداز سے کرتے تھے جیسے کوئی نظم سُنا رہے ہوں۔ عورتیں حسین تھیں اور مرد وجیہہ تھے۔ یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جسے بنوتمیم کہتے تھے۔

بنویربوع بھی ایک قبیلہ تھا لیکن الگ تھلگ نہیں بلکہ بنوتمیم کا سب سے بڑا حصّہ تھا۔ اس کا سردار مالک بن نویرہ تھا۔ بنوتمیم کا مذہب مشترک نہیں تھا۔ ان میں آتش پرست بھی تھے، قبر پرست بھی لیکن اکثریّت بُت پرست تھی۔ بعض عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ لوگ سخاوت، مہمان نوازی اور شجاعت میں مشہور تھے۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہر طرف قبولِ اسلام کے پیغام جن قبیلوں کو بھیجے تھے، اُن میں بنوتمیم خاص طور پر شامل تھے۔ اسلام کے فروغ اور استحکام کے لیے بنوتمیم جیسے طاقتور اور با اثر قبیلے کو ساتھ ملانا ضروری تھا۔

یہ ایک الگ کہانی ہے کہ اس قبیلے نے اسلام کس طرح قبول کیا تھا مختصر یہ کہ بنوتمیم کی غالب اکثریّت نے اسلام قبول کر لیا۔ مالک بن نویرہ منفرد شخصیّت اور حیثیت کا حامل تھا۔ وہ آسانی سے اپنے عقیدے سے بدلنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے دیکھا کہ بنوتمیم کے بیشتر قبائل مسلمان ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنی مقبولیّت اور اپنی سرداری کو قائم رکھنے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔ چونکہ یہی شخص زیادہ بارُعب اور اثر و رسوخ والا تھا اس لیے رسولِ کریمؐ نے اِسے بطاح کا امیر مقرر کر دیا۔ زکوٰۃ، عشر، دیگر محصول اور واجبات وصول کر کے مدینہ بھجوانا اُس کی ذمّہ داری تھی۔

مشہور مؤرّخ بلاذری اور محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ بڑا وجیہہ اور خوبصورت آدمی تھا۔ اُس کے قد کاٹھ میں عجیب سی کشش تھی۔ اُس کے سر کے بال لمبے اور خوبصورت تھے۔ شہسوار ایسا کہ کوئی اُس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اچھا خاصا شاعر تھا۔ آواز میں مٹھاس اور ترنّم تھا اور اُس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہنس مکھ تھا۔ غم کے مارے ہُوؤں کو ہنسا دیتا تھا۔ اُس میں خرابی یہ تھی کہ اُس میں غرور اور تکبّر بہت تھا۔ اس کی ایک وجہ تو اُس کی وہ حیثیت تھی جو اسے بنوتمیم میں اور خصوصاً اپنے قبیلے میں حاصل تھی۔ دوسری وجہ اُس کا مردانہ حُسن اور دیگر مردانہ اوصاف تھے جو ایک طلسم کی طرح دوسروں پر طاری ہو جاتے تھے۔

اُس کا تعلّق متعدد عورتوں کے ساتھ تھا۔ قبیلے کی جوان لڑکیاں اُس کا قرب حاصل کرنے کی خواہاں اور کوشاں رہتی تھیں لیکن وہ وقتی تعلق رکھتا اور کسی کو بیوی نہیں بناتا تھا۔ کہتا تھا کہ اس

طرح ایک عورت اُس کے ہم پلّہ ہو جاتی ہے گی، حالانکہ اُس وقت بیویوں کو یہ مقام حاصل نہیں تھا۔ وہ قبیلے کی عورتوں کے دلوں میں بستا تھا۔

المنہال بنو تمیم کا معمولی سا ایک آدمی تھا جسے لوگ صرف نام سے جانتے پہچانتے تھے اُسے کوئی رُتبہ اور کوئی اونچا مقام حاصل نہیں تھا۔ اُس کی بیٹی لیلیٰ جوان ہوئی تو لوگ المنہال کا نام اس طرح لینے لگے جیسے اُسے اونچا رُتبہ مِل گیا ہو۔ جوانی کی دہلیز پر اُس کی بیٹی لیلیٰ کا حُسن نکھر آیا تو قبیلے کے جوان آدمی اُسے رُک رُک کر دیکھنے لگے اور اسے قریب سے دیکھنے کے لیے اُس کے راستے میں کھڑے دکھائی دینے لگے۔

اصفہانی نے مختلف مؤرخوں اور اُس دور کی دیگر تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ لیلیٰ کو خدا نے بڑی فیاضی سے حُسن دیا تھا لیکن اُس کی آنکھیں اتنی دلفریب تھیں کہ وہ جس کی طرف دیکھتی تھی وہ مسحور ہو جاتا تھا۔ وہ لباس ایسا پہنتی تھی کہ گھٹنوں تک اُس کی ٹانگیں عُریاں رہتی تھیں۔ مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس کی ٹانگوں کی ساخت میں غیر معمولی طور پر جاذبیت تھی۔ ایسے ہی اُس کے بازو تھے۔ گول اور لمبے۔ وہ اپنے بالوں کو کُھلا رکھتی تھی۔ بالوں کا رنگ اور ان کی چمک ایسی کہ ان میں طلسماتی تاثر تھا۔

اُسے اگر کوئی توجہ سے نہیں دیکھتا تھا تو وہ مالک بن نویرہ تھا۔ کئی بار ایسے ہُوا کہ وہ مالک کے قریب سے گزری۔ نہ مالک نے اُس کی طرف نہ لیلیٰ نے مالک کی طرف دیکھا۔

☆

ایک روز لیلیٰ اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر لا رہی تھی۔ راستے میں اُسے ایک عورت مِل گئی۔ لیلیٰ اُسے جانتی تھی۔ وہ مالک بن نویرہ کی خاص ملازمہ تھی۔ اُس نے لیلیٰ کو روک لیا۔

"لیلیٰ!" — ملازمہ نے اُسے کہا — "تو اُس سے زیادہ غرور کر سکتی ہے۔ قبیلے میں کون ہے جو تیرے پاؤں کے ناخنوں کو چومنے کے لیے تیار نہ ہو۔"

"کیا تیرے آقا نے تجھے کوئی شعر یاد کرا کے نہیں بھیجا؟" — لیلیٰ نے مسکرا کر کہا — "مالک بن نویرہ شاعر ہے ناں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں کہ تجھے تیرے آقا نے میرے لیے کوئی پیغام دے کر بھیجا ہے؟ میں مردوں کی آنکھوں میں اُن کے دلوں کے پیغام پڑھ لیا کرتی ہوں۔"

"خدا کی قسم!" — ادھیڑ عمر ملازمہ نے کہا — "تُو اسی عمر میں دانائی کی باتیں کرنے لگی ہے۔ اگر تُو نے میری آنکھوں میں میرے آقا کا پیغام پڑھ لیا ہے تو تیرا کیا جواب ہوگا؟ وہ تو تیرے لیے بے قرار ہے۔"

"اِس بستی میں مجھے کوئی ایسا آدمی دکھا سکتی ہو جو میرے لیے بے قرار نہیں؟" — لیلیٰ نے باوقار لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے آقا کی بات کچھ اور ہے" — ملازمہ نے کہا۔

"صرف اتنی سی بات اور ہے کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرح میری طرف دیکھتا نہیں" — لیلیٰ نے کہا — "اور میں جانتی ہوں کہ وہ میری طرف کیوں نہیں دیکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اُس کی طرف دیکھوں۔ وہ سردار ہے ناں! اپنے آپ کو بہت خوبصورت سمجھتا ہے۔ اُسے کہنا

لیلیٰ تمہاری طرف کبھی نہیں دیکھے گی۔"

"کیا وہ اس جواب سے مایوس نہیں ہو گا؟" ـــ ملازمہ نے کہا ـــ "اور کیا تُو خوش نصیب نہیں کہ مالک بن نویرہ جیسا مرد تجھے چاہتا ہے؟ وہ تیرے قدموں میں سونے کے ٹکڑے رکھ دے گا۔"

"اُسے کہو میرے قدموں میں سر رکھنے" ـــ لیلیٰ نے کہا ـــ "کیا تُو جانتی نہیں کہ اُس نے اپنی دلیری سے مجھے یہ پیغام کیوں بھیجا ہے؟.... کیونکہ وہ سردار ہے۔ میرا باپ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اُس نے میری توہین کی ہے۔"

"تو کیا تُو کسی اور کو چاہتی ہے؟" ـــ ملازمہ نے پوچھا۔

لیلیٰ نے قہقہہ لگایا اور جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔

"پھر میں اُسے کیا کہوں؟" ـــ ملازمہ نے پوچھا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا ہے" ـــ لیلیٰ نے کہا ـــ "اور اُسے کہنا کہ میں صرف ایک رات جلنے والی شمع نہیں ہُوں۔ میں اُس کے پاس جاؤں گی جو مجھے عمر بھر کی روشنی سمجھے گا۔"

جب مالک بن نویرہ کو یہ جواب مِلا تو اُس کے تکبّر اور غرور کا بُت ٹُوٹ گیا۔

"آقا!" ـــ ملازمہ نے کہا ـــ "لیلیٰ کیا ہے؟.... قبیلے کی ایک لڑکی ہے۔ شہزادی نہیں اُس کی شادی کا فیصلہ اُس کا باپ کرے گا۔ اُس کے باپ کو کہیں...."

"مجھے جسم نہیں لیلیٰ کا دل چاہیئے" ـــ مالک بن نویرہ نے کہا۔

اور ایک روز مالک لیلیٰ سے محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں دھتکارا نہیں تھا" ـــ لیلیٰ نے اُسے کہا ـــ "میں نے یہ بتایا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھے تھے۔"

لیلیٰ نے مالک بن نویرہ کا تکبّر اور غرور اپنے پاؤں تلے مَسل ڈالا اور اُن کی شادی ہو گئی۔ بنو تمیم نے لیلیٰ کو اُمّ تمیم کا خطاب دے دیا۔

☆

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کی خبر ملتے ہی مالک بن نویرہ نے مدینے والوں سے نظریں پھیر لیں اور ظاہر کر دیا کہ اُس نے اسلام قبول کیا تھا ایمان نہیں۔ اُس نے زکوٰۃ اور محصولات وصول کر کے اپنے گھر میں رکھے ہُوئے تھے۔ چند دنوں تک اُس نے یہ مال مدینہ کو بھیجنا تھا۔ اُس نے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں زکوٰۃ اور محصولات واپس کر دیئے۔

"اب تم آزاد ہو" ـــ مالک نے کہا ـــ "میں نے مدینہ کی زنجیر توڑ ڈالی ہے۔ اب جو کچھ تم کماؤ گے، وہ سب تمہارا ہو گا۔"

لوگوں نے داد و تحسین کے نعرے بلند کیے۔

مالک بہت خوش تھا کہ مدینہ سے تعلق توڑ کر وہ اپنے قبیلے کا پھر خود مختار سردار بن گیا ہے مگر اُس کی خوشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ دو تین قبیلوں کے سرکردہ آدمیوں نے مالک سے کہا کہ اُس نے مدینہ سے تعلق توڑ کر اچھا نہیں کیا۔

مالک نے انہیں مدینہ کے خلاف کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کی زبان کا جادو

نہ چل سکا۔

زکوٰۃ اور محصولات کی ادائیگی کے مسئلے پر بنو تمیم تین حصّوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ تھے جو زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ جو مدینہ والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے اور تیسرے وہ تھے جن کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا کریں۔

ان سب کے اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ قبیلوں کی آپس میں خونریز لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ اتنے میں سجاح اپنا لشکر لے کر آگئی۔ سجاح کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ الحارث کی بیٹی سجّاح اپنے لشکر کے ساتھ مالک بن نویرہ کے قبیلے بنو یربوع کے علاقے میں جا خیمہ زن ہوئی۔ اُس نے مالک بن نویرہ کو بلا کر کہا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔

"اگر تم اپنے قبیلے کو میرے لشکر میں شامل کر دو تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں" ــــ سجّاح نے کہا ــــ "تمہیں معلوم ہو گا کہ میں بنو یربوع میں سے ہوں"۔

"خُدا کی قسم!" ــــ مالک بن نویرہ نے کہا ــــ "میں تمہارا دستِ راست بن جاؤں گا لیکن ایک شرط ہے جو دراصل ہماری ضرورت ہے ..... تم دیکھ رہی ہو کہ بنو تمیم کے قبیلوں میں دشمنی پیدا ہو چکی ہے۔ ان سب کو مصالحت کی دعوت دے کر انہیں مدینہ پر حملے کے لیے تیار کریں گے اگر یہ مصالحت پر آمادہ نہ ہوئے تو انہیں ہم تباہ و برباد کر دیں گے۔ اگر تم نے انہیں ختم نہ کیا تو یہ سب مل کر تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ ان میں مدینہ کے وفادار بھی ہیں۔ اُنہوں نے سچّے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے"۔

مالک بن نویرہ کی خواہش یہ تھی کہ سجّاح کے لشکر کو ساتھ ملا کر بنو تمیم کے مسلمانوں کو اور اپنے دیگر مخالفین کو ختم کیا جائے۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ سجّاح مالک بن نویرہ کے مردانہ حُسن اور جلال سے متاثر ہو گئی تھی۔ اُس نے مالک کی بات فوراً مان لی۔ دونوں نے تمام قبیلوں کے سرداروں کو مصالحت کے پیغام بھیجے۔ پیغام میں یہ بھی شامل تھا کہ مدینہ پر حملہ کیا جائے گا۔

صرف ایک قبیلے کا سردار وکیع بن مالک تھا جس نے ان سے مصالحت قبول کر لی۔ باقی تمام قبیلوں نے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجے میں سجّاح، مالک اور وکیع کے متحدہ لشکر نے دوسرے قبیلوں پر حملہ کر دیا۔ بڑی خونریز لڑائیاں لڑی جانے لگیں۔ بنو تمیم جو سخاوت، مہمان نوازی اور زبان کی چاشنی کے لیے مشہور تھے۔ ایک دوسرے کے لیے وحشی اور درندے بن گئے۔ بستیاں اُجڑ گئیں۔ خون بہہ گیا۔ لاشیں بکھر گئیں۔

☆

لیلیٰ کو اپنے دروازے پر عورتوں کی آہ و بکا سنائی دی۔ کچھ عورتیں بین کر رہی تھیں۔

"کیا میں بیوہ ہو گئی ہوں؟" ــــ لیلیٰ ننگے پاؤں باہر کو دوڑی۔ وہ کہہ رہی تھی ــــ "مالک بن نویرہ کی لاش لائے ہیں؟"

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دس بارہ عورتیں کھڑی بین کر رہی تھیں۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُن کی آہ و زاری اور زیادہ بلند ہو گئی۔ تین عورتوں نے اپنے بازوؤں پر ننھے ننھے بچوں کی لاشیں اٹھا رکھی تھیں لاشوں

پر جو کپڑے تھے وہ خون سے لال تھے۔

"لیلیٰ! کیا تُو عورت ہے؟" ——— ایک عورت اپنے بچے کی خون آلود لاش لیلیٰ کے آگے کرتے ہوئے چلاّئی ——— "تو عورت ہوتی تو اپنے خاوند کا ہاتھ روکتی کہ بچوں کا خون نہ کر۔"

"یہ دیکھ" ——— ایک اور عورت نے اپنے بچے کی لاش لیلیٰ کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی دیکھ" ——— ایک اور بچے کی لاش لیلیٰ کے آگے آگئی۔

"یہ دیکھ میرے بچے" ——— ایک عورت نے اپنے دو بچے لیلیٰ کے سامنے کھڑے کر کے کہا ——— "یہ یتیم ہو گئے ہیں۔"

لیلیٰ کو چکر آنے لگا۔ عورتوں نے اُسے گھیر لیا اور چیخنے چلاّنے لگیں۔

"تُو ڈائن ہے۔"

"تیرا خاوند جلاّد ہے۔"

"سجّاح کو نبوّت کس نے دی ہے؟"

"سجّاح تیرے خاوند کی داشتہ ہے۔"

"سجّاح تیری سوکن ہے۔"

"تیرے گھر میں ہمارے گھروں کا لوٹا ہوا مال آرہا ہے۔"

"مالک بن نویرہ تجھے ہمارے بچوں کا خون پلا رہا ہے۔"

"ہمارے تمام بچوں کو کاٹ کر پھینک دے، ہم سجاح کی نبوّت نہیں مانیں گی۔"

"ہمارے نبی محمدؐ ہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

بستی کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں عورتیں زیادہ تھیں۔ لیلیٰ نے اپنا حسین چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ دو عورتوں نے اُسے تھام لیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹکا اور وہ سنبھل گئی۔ اُس نے عورتوں کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارے بچوں کے خون کی قیمت نہیں دے سکتی" ——— لیلیٰ نے کہا ——— "میرا بچہ لے جاؤ اور اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔"

"ہم چڑیلیں نہیں" ——— ایک شور اُٹھا ——— "ہم ڈائنیں نہیں۔ لڑائی بند کراؤ۔ لوٹ مار اور قتل و غارت بند کراؤ۔ تمہارا خاوند وکیع بن مالک اور سجّاح کے ساتھ مل کر لوٹ مار کر رہا ہے۔"

"لڑائی بند ہو جائے گی" ——— لیلیٰ نے کہا ——— "بچوں کی لاشیں اندر لے آؤ۔"

مائیں اپنے بچوں کی لاشیں اندر لے گئیں۔ لیلیٰ نے تینوں لاشیں اس پلنگ پر رکھ دیں جس پر وہ اور مالک بن نویرہ سویا کرتے تھے۔

☆

مالک بن نویرہ لیلیٰ کا پجاری تھا۔ اُس پر لیلیٰ کا حُسن جادو کی طرح سوار تھا۔ اُس زمانے میں سردار لڑائیوں میں اپنی بیویوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن یہ لڑائی اس قسم کی تھی کہ مالک لیلیٰ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا لیلیٰ سے وہ زیادہ دیر تک دُور بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر کہیں قریب ہوتا تو رات کو لیلیٰ

کے پاس آجایا کرتا تھا۔ وہ اُس رات آگیا۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُس پر بڑی تیز شراب جیسا نشہ طاری ہوگیا۔

"کیا اس پلنگ پر کوئی سویا ہُوا ہے؟" ___ مالک بن نویرہ نے پوچھا۔

"نہیں" ___ لیلیٰ نے کہا ___ "تمہارے لیے ایک تحفہ ڈھانپ کے رکھا ہُوا ہے.... تین پھُول ہیں لیکن مُرجھا گئے ہیں۔"

مالک نے لپک کر چادر ہٹائی اور یوں پیچھے ہٹ آیا جیسے پلنگ پر سانپ کُنڈلی مارے بیٹھا ہو۔ اُس نے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

"خون پینے والے درندے کے لیے اس سے اچھا تحفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔ لیلیٰ نے کہا اور اُسے سنایا کہ ان کی مائیں کس طرح آئی تھیں اور کیا کچھ کہہ گئی ہیں۔ اُس نے اپنا دودھ پیتا بچہ مالک کے آگے کر کے کہا ___ "جا، لے جا اسے اور اس کا بھی خون پی لے" ___ لیلیٰ نے کہا ___ "کیا تو وہ مالک بن نویرہ ہے جسے لوگ ہنس مُکھ کہتے ہیں؟ کیا یہ ہے تیری سخاوت اور شجاعت کہ تو ایک عورت کے جال میں آکر لُوٹ مار کرتا پھر رہا ہے؟ اگر تو بہادر ہے تو مدینہ پر چڑھائی کر۔ یہاں ہنستے مسلمانوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے"۔

مالک بن نویرہ معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کی شخصیّت میں انفرادیت تھی جو دوسروں پر تاثر پیدا کرتی تھی۔ اس نے طعنے کبھی نہیں سُنے تھے۔ اُس کا سر کبھی جُھکا نہیں تھا۔

"کیا یہ ہے تیرا غرور؟" ___ لیلیٰ نے اُسے خاموش کھڑا دیکھ کر کہا۔ "کیا تو اِن معصوم بچّوں کی لاشوں پر تکبّر کرے گا؟.... ایک عورت کی خاطر.... ایک عورت نے تیرا غرور اور تکبّر توڑ کر تجھے قاتل اور ڈاکو بنا دیا ہے۔ میں اپنے بچّے کو تیرے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ پیچھے سے ایک تیر میری پیٹھ میں بھی اتار دینا۔"

"لیلیٰ!" ___ مالک بن نویرہ گرج کر بولا مگر بُجھ کے رہ گیا اور مجرم سی آواز میں کہنے لگا ___ "میں کسی عورت کے جال میں نہیں آیا۔"

"جھوٹ نہ بول مالک!" ___ لیلیٰ نے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ سجاح کو لے آ یہاں.... یہ یاد رکھ لے۔ تیری سرداری، تیری خوبصورتی، تیری شاعری اور تیری خونخواری تجھے ان مرے ہوئے بچوں کی ماؤں کی آہوں اور فریادوں سے بچا نہیں سکیں گی.... یہ تو صرف تین لاشیں ہیں۔ بستیوں کو لوٹتے معلوم نہیں کتنے بچّے تیرے گھوڑوں کے قدموں تلے کچلے گئے ہوں گے۔ تو سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ تیرا بھی خون بہے گا اور میں کسی اور کی بیوی ہوں گی۔"

مالک بن نویرہ نے یوں چونک کر لیلیٰ کی طرف دیکھا جیسے اُس نے اُس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا باہر نکل گیا۔

☆

مالک رات بھر واپس نہ آیا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بطاح جو بارونق بستی تھی، ایک ایسے مریض کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو کبھی خوبرو جوان ہُوا کرتا تھا۔ اب اُس کا چہرہ بے نُور اور آنکھوں میں موت کا خوف رچا ہُوا تھا۔ بطاح کی عورتوں کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ یہ اُس مار دھاڑ کا نتیجہ تھا

جو بنو تمیم میں ہو رہی تھی۔ سُورج کی پہلی کرنیں آئیں تو بطاح کی گلیوں میں ڈری ڈری سی داخل ہوئیں۔

اُس وقت سورج کچھ اور اوپر اُٹھ آیا تھا جب بطاح میں ہڑلونگ مچ گئی۔ بعض عورتیں بچّوں کو اٹھا کر گھروں کو دوڑی گئیں اور اندر سے دروازے بند کر لیئے۔ کچھ عورتیں اپنی جوان بیٹیوں کو ساتھ لیئے بستی سے نکل گئیں۔ وہ کہیں چھُپ جانے کو جا رہی تھیں۔ بوڑھے آدمی کمانیں اور ترکش اٹھائے چھتوں پر چڑھ گئے۔ بوڑھوں کے علاوہ جو آدمی بستی میں تھے، انہوں نے برچھیاں اور تلواریں نکال لیں۔ کسی نے بڑی بلند آواز سے کہہ دیا تھا کہ دشمن کا لشکر آ رہا ہے۔

دُور زمین سے جو گرد اُٹھ رہی تھی، وہ کسی لشکر کی ہی ہو سکتی تھی۔ بطاح میں جوان آدمی کم ہی رہ گئے تھے۔ سب مالک بن نویرہ کے ساتھ دوسرے قبیلوں سے لڑائی میں چلے گئے تھے۔ بطاح میں جو رہ گئے تھے، اُن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا۔

لیلیٰ کے گھر میں پلنگ پر تین بچوں کی لاشیں پڑی تھیں اور وہ اپنے بچے کو سینے سے لگائے اپنے قلعہ نما مکان کی چھت پر کھڑی تھی۔ وہ بار بار اپنے بچے کو دیکھتی اور اُسے چومتی تھی۔ وہ شاید سوچ رہی تھی کہ بچّوں کے خون کا انتقام اُس کے بچے سے لیا جائے گا۔

زمین سے اٹھتی ہوئی گرد بہت قریب آ گئی تھی اور اس میں گھوڑے اور اونٹ ذرا ذرا دکھائی دینے لگے تھے۔

"ہوشیار بنو یربوع، خبردار!" — بطاح میں کسی کی آواز سنائی دی — "جانیں لڑا دو۔ ڈرنا نہیں۔"

لشکر گرد سے نکل آیا اور قریب آ گیا۔ بستی کے کئی ایک آدمی گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں لیئے آگے چلے گئے۔ اُن کا انجام ظاہر تھا لیکن انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر لشکر کی ترتیب میں کوئی فرق نہ آیا۔ آگے جا کر وہ لشکر کا حصّہ بن گئے۔

"اپنے ہیں" — انہوں نے نعرے لگائے — "اپنے ہیں۔ مالک بن نویرہ ہے .... لڑائی ختم ہو گئی ہے۔"

بطاح میں سے بھی نعرے گرجنے لگے۔ لوگوں نے آگے بڑھ کر اپنے لشکر کا استقبال کیا۔

مالک بن نویرہ کہیں بھی نہ رکا۔ وہ سیدھا اپنے گھر کے دروازے پر آیا اور گھوڑے سے کُود کر اندر چلا گیا۔ اُسے لیلیٰ صحن میں کھڑی ملی۔ اُس کے دلکش چہرے پر اداسی تھی اور اُس کی وہ آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں جن پر قبیلے کے جوان جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

"میں نے تیرا حکم مانا ہے لیلیٰ!" — مالک نے دوڑ کر لیلیٰ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا — "لڑائی ختم کر دی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے قیدی واپس کر دیں گے۔ میں نے سجاح سے تعلق توڑ لیا ہے۔ اس پھول سے چہرے سے اداسی دھو ڈالو۔"

لیلیٰ کا جسم بے جان سا تھا۔ اُس میں وہ تپش پیدا نہ ہوئی جو مالک کو دیکھ کر پیدا ہوا کرتی تھی۔ مالک نے اُسے بہلانے کی بہت کوشش کی لیکن لیلیٰ کا چہرہ بجھا ہی رہا۔

"میرے دل پر ایک خوف بیٹھ گیا ہے" — لیلیٰ نے کہا۔

"کیسا خوف؟" — مالک نے پوچھا — "کس کا خوف؟"

"سزا کا" — لیلیٰ نے کہا — "انتقام کا"

☆

سجّاح اکیلی رہ گئی۔ وکیع بن مالک نے بھی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مالک بن نویرہ نے وکیع سے کہا تھا کہ وہ ایک عورت کے جھانسے میں آکر اپنے ہی قبیلوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سجّاح اپنے لشکر کو ساتھ لیے نباج کی طرف چلی گئی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ یمامہ پر حملہ کرنے گئی تھی لیکن مسیلمہ کے جال میں آگئی اور مسیلمہ نے اُسے اپنی بیوی بنالیا۔

مالک بن نویرہ کے گناہوں کی سزا شروع ہو چکی تھی۔ وکیع بن مالک جو اُس کا دستِ راست تھا اُس کا ساتھ چھوڑ گیا اور مسلمانوں سے جا ملا۔ مالک بن نویرہ نے اُسے روکا تھا۔

"اگر ہم دونوں الگ ہو گئے تو مسلمان ہمیں کچل کے رکھ دیں گے" — مالک نے وکیع سے کہا تھا — "ہم دونوں مل کر اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔

"ہمیں زندہ رہنا ہے مالک!" — وکیع نے کہا تھا — "مدینہ کی فوج کا مقابلہ کس نے کیا ہے؟ غطفان ہار گئے۔ طئی ہار گئے۔ بنو سلیم، بنو اسد، ہوازن، کوئی بھی مسلمانوں کے آگے ٹھہر نہ سکا۔ پھر سب اکٹھے ہوتے اور اُمِّ زمل سلمیٰ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ کیا تم نہیں جانتے مالک، الولید کے بیٹے خالدؓ نے انہیں کس طرح بھگا دیا ہے؟ سلمیٰ قتل کر دی گئی ہے۔ مسلمان ہمیں مسلمانوں کا خون معاف نہیں کریں گے۔ تمام قبیلوں کو شکست دینے والا خالدؓ واپس مدینہ نہیں چلا گیا۔ وہ بزاخہ میں ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا مانا ہوا سپہ سالار اسامہؓ ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت اِدھر کا رُخ کر سکتا ہے۔ ان سے خوں معاف کرانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ میں اُن کی اطاعت قبول کر کے انہیں اپنے قبیلے کی زکوٰۃ اور محصول ادا کرتا رہوں"۔

مالک بن نویرہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

خالدؓ بن ولید تک اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مالک بن نویرہ کو رسول اللہؐ نے امیر مقرر کیا تھا مگر اُس نے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے مدینہ نہ بھیجی اور لوگوں کو واپس کر دی ہے۔ جاسوسوں نے خالدؓ کو مالک بن نویرہ کا ایک شعر بھی سنایا۔ اس میں اُس نے رسولِ اکرمؐ کے وصال کے بعد اپنے قبیلے سے کہا تھا کہ اپنے مال کو اپنے پاس رکھو اور مت ڈرو کہ نہ جانے کیا ہو جاتے۔ اگر اسلامی حکومت کی طرف سے ہم پر کوئی مصیبت آئے گی تو ہم کہیں گے کہ ہم نے محمدؐ کے دین کو قبول کیا تھا، ابوبکرؓ کے دین کو نہیں۔

مالک بن نویرہ نے سجّاح کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا جو قتلِ عام کیا تھا، اس کی بھی اطلاع خالدؓ کو مل گئی تھی۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو بطاح کی طرف تیز کُوچ کا حکم دیا۔ اُن کے دستوں میں انصارِ مدینہ بھی تھے۔ اُنہوں نے بطاح کی طرف پیشقدمی کی مخالفت کی۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے کہا — "میں اپنی سپاہ میں پہلے آدمی دیکھ رہا ہوں جو اپنے امیر اور سالار کی حکم عدولی کر رہے ہیں"۔

"اسے حکم عدولی سمجھیں یا جو کچھ بھی سمجھیں" — انصار کی نمائندگی کرنے والے نے کہا —

"خلیفۃ المسلمین کا حکم یہ تھا کہ طلیحہ کو مطیع کر کے اس علاقے میں رسول اللہ کی قائم کی ہوئی عملداری کو بحال کریں اور جو جنگ پر اتر آتے اُس کے ساتھ جنگ کریں اور بزاخہ میں اگلے حکم کا انتظار کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ مدینہ سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا کہ ہم بطاح پر حملے کے لیے جائیں"۔

"کیا تم میں کوئی ہے جسے یہ معلوم نہ ہو کہ میں تمہارا امیر اور سپہ سالار ہوں؟" — خالدؓ بن ولید نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا — "میں نہیں جانتا کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ تم کیا معاہدہ کر کے آئے ہو۔ میں یہ جانتا ہوں کہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جہاں بھی اسلام سے انحراف کی خبر ملے اور جہاں بھی مدینہ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی نظر آئے، وہاں تک جاؤ اور اسلام کا تحفظ کرو۔ میں سپہ سالار ہوں۔ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اگر مجھے کوئی ایسی کارروائی کرنی پڑے گی جو خلیفہ کے احکام میں شامل نہیں ہوگی تو میں وہ کارروائی ضرور کروں گا.... خلافت کے احکام میرے پاس آتے ہیں، تمہارے پاس نہیں"۔

"ہم نے کوئی قاصد آتا نہیں دیکھا"۔ انصار میں سے کسی نے کہا۔

"میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا" — خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا — "اور میں کسی ایسے آدمی کو اپنی سپاہ میں نہیں دیکھنا چاہتا جس کے دل میں ذرا سا بھی شک اور شبہ ہو۔ مجھے اللہ کی خوشنودی چاہیے۔ مجھے اللہ کے رسولؐ کی مقدس روح کی خوشنودی چاہیے۔ اگر تمہیں اپنی ذات کی خوشنودی چاہیے تو جاؤ۔ اپنے آپ کو خوش کرو۔ میرے لیے مہاجرین کافی ہیں اور میرے ساتھ جو نومسلم ہیں، میں انہیں بھی کافی سمجھتا ہوں"۔

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے احکام میں یہ شامل کیا تھا کہ بنی اسد کے سردار طلیحہ کی سرکوبی کے بعد خالدؓ کے دستے بطاح تک جائیں گے جہاں کے امیر مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ اور محصولات کی ادائیگی نہیں کی اور وہ اسلام سے منحرف ہو کر اسلام کا دشمن بن گیا ہے۔

طبری اور دیگر مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ انصار بزاخہ میں رہ گئے اور خالدؓ اپنے مجاہدین کو ان کے بغیر بطاح لے گئے۔ جب یہ لشکر بزاخہ سے چلا تو انصار نے باہم صلاح مشورہ کیا۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اتنی دور سے اکٹھے آتے تھے۔ اکٹھے لڑائیاں لڑیں اور اب ہم میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھا۔

"اور اس لیے بھی ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھا" — انصار میں سے ایک نے کہا — "کہ مہاجرین اور نومسلموں نے فتح حاصل کر لی تو اس میں ہمارا نام نہیں ہوگا۔ ہمیں مدینہ جا کر شرمساری ہوگی"۔

"اور اس لیے بھی" — ایک اور نے کہا — "کہ خالدؓ بن ولید کو کہیں شکست ہوئی تو مدینہ میں لوگ ہم پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم نے مدینہ سے اتنی دور محاذ پر جا کر خالدؓ کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دیا۔ ہم ملعون کہلائیں گے"۔

خالدؓ کے دستے بزاخہ سے دُور نکل گئے۔ ایک تیز رفتار گھوڑا سوار پیچھے سے آن ملا اور

خالدؓ کے پاس جا گھوڑا روکا۔

"کیا تم انصار میں سے نہیں ہو جو پیچھے رہ گئے ہیں؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں امیرِ لشکر!" — سوار نے کہا — "میں اُنہی میں سے ہوں۔ انہوں نے بھیجا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ اُن کا انتظار کریں۔ وہ آ رہے ہیں"۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے دستوں کو روک لیا۔ کچھ دیر بعد تمام انصار آ گئے اور دستے بطاح کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆

"لیلیٰ!" — بطاح میں مالک بن نویرہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا — "تُو نے مجھے محبت دی ہے۔ تیرے حُسن نے اور تیری نشیلی آنکھوں نے میرے شعروں میں نئی روح ڈالی ہے۔ اب مجھے حوصلہ دو لیلیٰ! میرے دل میں خوف نے آشیانہ بنا لیا ہے"۔

"میں نے تجھے پہلے دن کہا تھا غرور اور تکبر چھوڑ دے مالک!" — لیلیٰ نے کہا — "لیکن تم اتنی دُور نکل گئے کہ انسانوں کو چیونٹیاں سمجھ کر مسل ڈالا"۔

"مت یاد دلا مجھے میرے گناہ لیلیٰ!" — مالک بن نویرہ نے کہا — "گناہوں نے میری بہادری کو ڈس لیا ہے"۔

"آج کیا بات ہو گئی ہے کہ تم پر اتنا خوف طاری ہو گیا ہے؟"

"بات پوچھتی ہو لیلیٰ؟" — مالک بن نویرہ نے کہا — "یہ موت کی بات ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میرا تیرا ساتھ ختم ہو رہا ہے .... میں نے اپنے جاسوس بڑی دُور دُور تک بھیج رکھے ہیں۔ آج ایک جاسوس آیا ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بڑی تیزی سے اِدھر آ رہا ہے۔ اگر لشکر کی رفتار یہی رہی تو پرسوں شام تک یہاں پہنچ جائے گا"۔

"پھر تیاری کرو" — لیلیٰ نے کہا — "قبیلوں کو اکٹھا کرو"۔

"کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا" — مالک نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا — "میں نے وکیع اور سجاح کے ساتھ مل کر اپنے قبیلوں کا جو خون بہایا ہے وہ کوئی نہیں بخشے گا۔ ان سے مصالحت تو کر لی تھی لیکن دل پھٹے ہوئے ہیں۔ میرے قبیلے کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا"۔

"پھر آگے بڑھو اور مسلمانوں کے سپہ سالار سے کہو کہ تم نے اسلام ترک نہیں کیا" — لیلیٰ نے کہا — "شاید وہ تمہیں بخش دیں"۔

"نہیں بخشیں گے" — مالک نے کہا — "نہیں بخشیں گے۔ اُنہوں نے کسی کو نہیں بخشا"۔

مالک بن نویرہ پر خوف طاری ہوتا چلا گیا۔ اُسے خبریں مل رہی تھیں کہ خالدؓ کا لشکر قریب آ رہا ہے۔ اُس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا۔

"اے بنو یربوع!" — اُس نے قبیلے سے کہا — "ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے مدینہ کی حکمرانی کو تسلیم کیا اور اُن سے منحرف ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنا مذہب دیا جو ہم نے قبول کیا پھر نافرمان ہو گئے۔ وہ آ رہے ہیں۔ سب اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور دروازے بند کر لو۔ یہ نشانی

ہے کہ تم اُن کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے۔ اُن کے بلانے پر اُن کے سامنے نہتے جاؤ۔ کچھ فائدہ نہ ہوگا مقابلے میں .... جاؤ، اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔"

لوگ سر جھکاتے ہوتے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

☆

نومبر ۶۶۳۲ء (شعبان ۱۱ ہجری) کے پہلے ہفتے میں خالدؓ بطاح پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو محاصرے کی ترتیب میں کیا مگر ایسے لگتا تھا جیسے بطاح اُجڑ گیا ہو۔ شہر کا دفاع کرنے والے تو نظر ہی نہیں آتے تھے، کوئی دوسرا بھی دکھائی نہ دیا۔ کسی مکان کی چھت پر ایک بھی سر نظر نہیں آتا تھا۔

"کیا مالک بن نویرہ اپنے آپ کو اتنا چالاک سمجھتا ہے کہ مجھے گھیرے میں لے لے گا؟" — خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں سے کہا — "محاصرے کی ترتیب بدل دو اور اپنے عقب کا خیال رکھو۔ میں اس بستی کو آگ لگادوں گا۔ وہ یہاں سے نکل گئے ہیں۔ عقب سے حملہ کریں گے۔"

خالدؓ بن ولید زندہ دل، بے خوف اور مہم جُو تھے۔ ان کے احکام بڑے سخت ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دستوں کو اس ترتیب میں کر دیا کہ عقب سے حملہ ہو تو روک لیں اور اگر اس کے ساتھ ہی شہر سے بھی حملہ ہو جاتے تو دونوں طرف لڑا جا سکے۔ مسلمانوں کو اس دشواری کا سامنا تھا کہ اُن کی نفری تھوڑی تھی اور وہ اپنے مستقر (مدینہ) سے بہت دُور تھے۔ انہوں نے جن قبیلوں کو مطیع کیا تھا، اُن کی بستیوں کو اڈے بنالیا تھا لیکن ابھی وہاں کے لوگوں پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ خالدؓ کی پُرجوش اور ماہرانہ قیادت تھی جو مجاہدین کی قلیل تعداد میں بجلیوں جیسا قہر پیدا کئے رکھتی تھی۔

خالدؓ نے بستی میں ایک دستہ داخل کیا تو اُس پر ایک بھی تیر نہ آیا۔ ہر مکان کا دروازہ بند تھا۔ خالدؓ نے یہ خاموشی دیکھی تو وہ خود بستی میں داخل ہوتے۔

"مالک بن نویرہ!" — خالدؓ نے کئی بار مالک کو پکارا اور کہا — "باہر آجاؤ۔ نہیں آؤ گے تو ہم بستی کو آگ لگا دیں گے۔"

"تجھ پر خدا کی سلامتی ہو" — ایک چھت سے ایک آدمی کی آواز آئی — "مت جلا ہمارے گھروں کو۔ وہ جسے تو بلا رہا ہے، یہاں نہیں ہے۔ یہاں کوئی نہیں لڑے گا۔"

"الولید کے بیٹے!" — ایک اور چھت سے آواز آئی — "کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ہم اپنے مکانوں کے بند دروازوں کے پیچھے بیٹھے ہیں؟ کیا مدینہ میں یہ رواج نہیں کہ بند دروازہ ایک اشارہ ہے کہ آجاؤ، ہم تمہارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے؟"

"بے شک میں یہ اشارہ سمجھتا ہوں" — خالدؓ نے کہا — "مکانوں کے دروازے کھول دو اور باہر آجاؤ۔ عورتوں اور بچوں پر جبر نہیں۔ اُن کی مرضی ہے، باہر آئیں یا نہ آئیں۔"

لوگوں کو رسم و رواج معلوم تھا۔ وہ ہتھیاروں کے بغیر باہر آگئے۔ عورتیں اور بچے بھی نکل آئے۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو حکم دیا کہ ہر گھر کے اندر جاکر دیکھیں۔ کوئی آدمی اندر نہ رہے۔ خالدؓ نے

خاص طور پر حکم دیا کہ کسی گھر میں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے نہ کسی پر ہلکا سا بھی تشدد کیا جائے۔
مالک بن نویرہ کے قلعہ نما مکان میں خالدؓ خود گئے۔ وہاں سامان پڑا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کے رہنے والے کچھ ہی دیر پہلے یہاں سے نکلے ہوں۔ بستی سے خالدؓ کو اتنا ہی پتہ چلا کہ مالک بن نویرہ اپنے قبیلے کو یہ کہہ کر کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں، لیلیٰ کو ساتھ لے کر بستی سے نکل گیا تھا جنہوں نے اُسے جاتے دیکھا تھا، انہوں نے سمت بتائی جدھر وہ گیا تھا۔ مالک گھوڑے پر اور لیلیٰ اونٹ پر سوار تھی۔

خالدؓ نے اردگرد کی بستیوں کو اپنے آدمی بھیج دیئے اور کچھ آدمی اُس سمت روانہ کئے جدھر بتایا گیا تھا کہ مالک گیا ہے۔ وہ صحرا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے کے قدموں کے نشان بڑے صاف تھے یہ خالدؓ کے آدمیوں کو ایک بستی میں لے گئے۔ یہ بنو تمیم کی ایک بستی تھی۔
"اے بنو تمیم!" — خالدؓ کے آدمیوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا۔ "مالک بن نویرہ کو اور بطاح کا کوئی اور آدمی جو یہاں چھپا ہوا ہو، اُسے ہمارے حوالے کردیں۔ اگر وہ ہماری تلاشی پر پر ملے تو اس بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"
ذرا ہی دیر بعد مالک بن نویرہ لیلیٰ کے ساتھ باہر آیا اور اپنے آپ کو خالدؓ کے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ بنو یربوع کے چند اور سرکردہ آدمی بھی جو یہاں آکر چھپ گئے تھے، باہر آ گئے۔ ان سب کو مالک بن نویرہ کے ساتھ بطاح لے آئے۔ لیلیٰ بھی ساتھ تھی۔

☆

"مالک بن نویرہ!" — خالدؓ نے مالک کو اپنے سامنے بلا کر پوچھا — "کیا یہ غلط ہے کہ تم نے زکوٰۃ اور محصول مدینہ کو بھیجنے کی بجائے لوگوں کو واپس کر دیئے تھے؟"
"میں اپنے قبیلے کو یہ کہہ کر نکلا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا" — مالک بن نویرہ نے جواب دیا — "میں نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو۔"
"اور تم خود اس لیے رُوپوش ہو گئے تھے کہ تم اسلام سے منحرف ہو گئے تھے" — خالدؓ نے کہا۔ "اور تم منحرف ہی رہنا چاہتے ہو.... تم نے اپنے شعروں میں لوگوں سے کہا تھا کہ وہ زکوٰۃ اور محصول ادا نہ کریں اور تم نے انہیں کہا تھا کہ اسلامی حکومت کے احکام کی تم خلاف ورزی کرو گے جو تم نے کی۔"
"ہاں ولید کے بیٹے!" — مالک نے کہا — "میں نے خلاف ورزی کی لیکن میں اپنے قبیلے سے کہہ رہا ہوں کہ اب وہ خلاف ورزی نہ کریں۔"
"اور تم نے سجاح کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کیا" — خالدؓ نے کہا — "اور اُس کے ساتھ مل کر لوگوں کو قتل کیا اور انہیں لوٹا اور تم نے اُن لوگوں کا قتل عام کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"
مالک نے سر ہلا کر اس جُرم کا اقرار کیا۔
"کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ میں تمہیں قتل کیوں نہ کروں؟" — خالدؓ نے کہا۔
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے خلیفہ نے تمہیں میرے قتل کا حکم نہیں دیا" — مالک بن نویرہ

نے کہا۔

"خدا کی قسم!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔"

خالدؓ نے وہ اُجڑی ہوئی بستیاں دیکھی تھیں جو مالک بن نویرہ اور سجّاح نے اُجاڑی تھیں۔ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بستی بطاح پر بلا وجہ چڑھائی نہیں کی تھی۔ انہیں تمام رپورٹیں ملتی رہی تھیں کہ اس شخص نے اس علاقے میں مسلمانوں کو کس طرح تباہ و برباد کیا تھا۔

"لے جاؤ اسے اور اس کے ساتھیوں کو جو اس کے ساتھ روپوش تھے اور انہیں قتل کر دو" ــــ خالدؓ بن ولید نے حکم دیا۔

انہیں جب لے گئے تو خالدؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک بڑی ہی حسین عورت جس کا نام لیلیٰ ہے اور جو مالک بن نویرہ کی بیوی ہے، اپنے خاوند کی زندگی کی التجا لے کے آئی ہے۔ خالدؓ نے کہا کہ اُسے آنے دو۔

خالدؓ ایک سردار کے فرزند تھے۔ انہوں نے امیرانہ گھرانے میں پرورش پائی تھی اس لیے ان کے دل و دماغ میں وسعت تھی۔ وہ خوش ذوق، خوش طبع اور زندہ مزاج تھے۔ لیلیٰ جب اُن کے سامنے آئی تو خالدؓ کچھ دیر اُسے دیکھتے ہی رہے۔ وہ ابھی جوان تھی۔

"کیا تو اپنے خاوند کو موت سے بچانے آئی ہے؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"اس کے سوا میرا اور مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے؟" ــــ لیلیٰ نے کہا۔

"اگر تو اُس وقت اُسے ان جرائم سے روک دیتی جب وہ سمجھتا تھا کہ ہر بستی پر اُس کی حکمرانی ہے تو آج تو بیوہ نہ ہوتی" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا اس نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ اُس کی تلوار نے کتنی عورتوں کو بیوہ کیا ہے؟ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں ایک دن انصاف کا بھی آئے گا۔"

"میں اُس کا ہاتھ نہیں روک سکی" ــــ لیلیٰ نے کہا۔

"اور تو میرا ہاتھ بھی نہیں روک سکتی" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "یہ میرا نہیں میرے اللہ کا حکم ہے۔"

خالدؓ نے لیلیٰ کی التجا قبول نہ کی۔ لیلیٰ ابھی خالدؓ کے پاس ہی تھی کہ اطلاع آئی کہ مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔

☆

پھر ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے خالدؓ کے دستوں میں اور مدینہ میں ہلچل مچا دی ــــ ہُوا یوں کہ بطاح میں ہی خالدؓ نے لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لی۔

انصارِ مدینہ اس شادی پر بہت برہم ہوئے۔ ابو قتادہؓ انصاری نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ خالدؓ کی قیادت میں کبھی کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ اعتراض کرنے والے کہتے تھے کہ خالدؓ نے لیلیٰ کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اُس کے خاوند مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ لیلیٰ کے ساتھ خود شادی کر لیں۔

اس سلسلے میں جو روایات مشہور ہوئیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ لیلیٰ اپنے خاوند کی جان بخشی کے لیے خالدؓ کے پاس آئی اور اُس نے بیٹھ کر خالدؓ کے پاؤں پکڑ لیے۔ لیلیٰ سر سے ننگی رہتی اور

بال کُھلے رکھتی تھی۔ خالدؓ کے پاؤں پر وہ جھکی تو اُس کے بال اُس کے کندھوں پر بکھر گئے۔ خالدؓ کو یہ بال اتنے اچھے لگے کہ انہوں نے کہا — "اب تو میں تیرے خاوند کو ضرور قتل کروں گا"۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالدؓ جو خوش ذوق اور زندہ مزاج تھے، لیلیٰ کے حُسن سے متاثر ہوئے ہوں گے لیکن خالدؓ وہ شخصیت تھی جس نے بسترِ مرگ پر کہا تھا کہ میرے جسم پر کوئی جگہ ایسی ہے جس پر جہاد کا زخم نہ آیا ہو؟ ان کا کردار اتنا کمزور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایک عورت کی خاطر اپنے رُتبے کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے۔

خالدؓ کے حق میں بات کرنے والوں نے کہا ہے کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قید میں ڈال دیا تھا اور انہیں مدینہ بھیجنا تھا۔ رات بہت سرد تھی۔ خالدؓ کو خیال آیا کہ قیدی سردی سے ٹھٹھر رہے ہوں گے۔ اُنہوں نے حکم دیا — دافئوا اسراکم — اس کا ترجمہ ہے — "قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ" — کنانہ کی زبان میں مدافاۃ کا لفظ قتل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ قیدی جن آدمیوں کے پہرے میں تھے وہ کنانہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کے جرائم کتنے سنگین ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے "گرمی پہنچاؤ" کو قتل کے معنوں میں لیا اور مالک اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ خالدؓ کو پتہ چلا تو اُنہوں نے کہا — "اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہو کے رہتا ہے"۔

ان دو کے علاوہ اور بھی روایات مختلف تاریخوں میں آئی ہیں جو ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں بعض خالدؓ کے حق میں جاتی ہیں بعض خلاف۔ مخالفانہ روایات کے مصنفوں کے مذہبی فرقوں کو دیکھو تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ایک ایک لفظ میں تعصّب بھرا ہوا ہے اور وہ خالدؓ بن ولید کو رُسوا کر رہے ہیں۔

تاریخ میں متضاد کہانیاں ملتی ہیں لیکن کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس شادی پر لیلیٰ کا ردِّعمل کیا تھا۔ کیا لیلیٰ نے خالدؓ کو مجبور ہو کر قبول کیا تھا یا وہ خوش تھی کہ ایک عظیم سپہ سالار کی بیوی بن گئی ہے جس کی فتوحات کے چرچے سرزمینِ عرب کے گوشے گوشے تک پہنچ گئے ہیں۔

اُس وقت کے جنگی رواج کے مطابق لیلیٰ مالِ غنیمت تھی۔ خالدؓ اُسے لونڈی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ تاریخ میں ایک اشارہ ایسا ملتا ہے جو خالدؓ کے حق میں جاتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ خالدؓ نے اُسے کسی کی یا اپنی لونڈی بننے سے بچا لیا تھا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ شہزادی لگتی تھی۔ خالدؓ جانتے تھے کہ لونڈیوں کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ خالدؓ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ لیلیٰ جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی ذہین اور دانا ہے۔ انہوں نے اس عورت کی صلاحیتوں کو تباہی سے بچا لیا تھا

☆

یہ خبر مدینہ بھی پہنچ گئی کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُس کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ خبر پہنچی بھی سیدھی خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے پاس، اور خبر پہنچانے والے ابو قتادہ انصاری تھے جو اس شادی پر ناراض ہو کر مدینہ چلے گئے تھے۔ ابوبکرؓ نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ انہوں نے کہا کہ خالدؓ کو رسولِ کریمؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ ان کے خلاف وہ کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ خالدؓ نے کسی زندہ آدمی کی بیوی کو ورغلا کر اپنی بیوی نہیں بنایا۔

ابو قتادہ انصاری خلیفہ ابوبکرؓ کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ وہ عمرؓ کے پاس چلے گئے اور انہیں ایسے انداز سے لیلیٰ کی خالدؓ کے ساتھ شادی کی خبر سنائی جیسے خالدؓ عیاش انسان ہوں اور اُن کی عیش پرستی اُن کے فرائض پر اثر انداز ہو رہی ہو۔ عمرؓ غصے میں آ گئے اور ابو قتادہ کو ساتھ لے کر ابوبکرؓ کے پاس گئے۔

"خلیفۃ المسلمین!" — عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا — "خالدؓ کا جرم معمولی نہیں۔ وہ کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ بنو یربوع کے سردار مالک بن نویرہ کا قتل جائز تھا؟"

"مگر تم چاہتے کیا ہو عمرؓ؟" — ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"خالدؓ کی معزولی!" — عمرؓ نے کہا — "صرف معزولی نہیں۔ خالدؓ کو گرفتار کر کے یہاں لایا جائے اور اُسے سزا دی جائے۔"

"عمرؓ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "میں اتنا مان لیتا ہوں کہ خالدؓ سے غلطی ہوئی ہے لیکن یہ غلطی اتنی سنگین نہیں کہ اُسے معزول بھی کیا جائے اور سزا بھی دی جائے۔"

عمرؓ ابوبکرؓ کے پیچھے پڑے رہے۔ دراصل عمرؓ انتہا درجے کے انصاف پسند اور ڈسپلن کی پابندی میں بہت سخت تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سالاروں میں کوئی غلط حرکت رواج پا جائے۔

"نہیں عمرؓ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلّط کیا ہو۔"

عمرؓ مطمئن نہ ہوئے۔ ابوبکرؓ عمرؓ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خالدؓ کو مدینہ بلوا لیا۔

خالدؓ بڑی مسافت طے کر کے بہت دنوں بعد مدینہ پہنچے اور سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ میں گئے۔ اُنہوں نے اپنے عمامے میں ایک تیر اُڑس رکھا تھا۔ عمرؓ مسجد میں موجود تھے۔ خالدؓ کو دیکھ کر عمرؓ طیش میں آ گئے۔ وہ اٹھے۔ خالدؓ کے عمامے سے تیر کھینچ کر نکالا اور اسے توڑ کر پھینک دیا۔

"تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے" — عمرؓ نے غصے سے کہا — "اور اُس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ تم سنگسار کر دینے کے قابل ہو۔"

خالدؓ ڈسپلن کے پابند تھے۔ وہ چپ رہے۔ انہوں نے عمرؓ کے غصے کو قبول کر لیا۔ وہ خاموشی سے مسجد سے نکل آئے اور خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے ہاں چلے گئے۔ انہیں ابوبکرؓ نے ہی جواب طلبی کے لیے بلایا تھا۔ ابوبکرؓ کے کہنے پر خالدؓ نے مالک بن نویرہ کے تمام جرائم سنائے اور ثابت کیا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔

ابوبکرؓ خالدؓ سے بہت خفا ہوئے اور انہیں تنبیہہ کی کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو دوسرے سالاروں میں غلط رواج کا باعث بنے۔ ابوبکرؓ نے (طبری اور ہیکل کے مطابق) فیصلہ سنایا کہ مفتوحہ قبیلے کی کسی عورت کے ساتھ شادی کر لینا اور عدّت کا عرصہ پورا نہ کرنا عربوں کے رواج کے عین مطابق ہے۔ اس عورت کو آخر لونڈی بننا تھا۔ یہ اُس کے آقا کی مرضی ہے کہ اُسے لونڈی بنائے رکھے یا اُسے نکاح میں لے لے۔

ابوبکرؓ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اس وقت مسلمان ہر طرف سے خطروں میں گھرے ہوئے ہیں۔ قبیلے باغی ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے پاس نفری بہت تھوڑی ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی سالار دشمن کے کسی سردار کو غلطی سے قتل کرا دیتا ہے تو یہ سنگین جرم نہیں۔

عمرؓ کو خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ اسلام کا ایک بڑا دشمن مسیلمہ بن حنیفہ جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے، جنگی طاقت بن گیا ہے۔ اُس کے پاس کم و بیش چالیس ہزار نفری کا لشکر ہے اور عکرمہؓ بن ابوجہل اُس سے شکست کھا چکے ہیں۔ اب سب کی نظریں خالدؓ کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اگر مسیلمہ کو شکست نہ دی گئی تو اسلام مدینہ میں ہی رہ جائے گا۔ اس کامیابی کے لیے صرف خالدؓ موزوں ہیں۔

عمرؓ خاموش رہے۔ انہیں بھی ان خطروں کا احساس تھا۔ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ فوراً بطاح جائیں اور وہاں سے یمامہ پر چڑھائی کر کے اس فتنے کو ختم کریں۔

خالدؓ ایک بڑی ہی خطرناک جنگ لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

دسمبر ۶۳۲ء (شوال ۱۱ ہجری) کے تیسرے ہفتے میں خالدؓ بن ولید نے تیرہ ہزار مجاہدین سے مُرتدین کے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کے خلاف یمامہ کے مقام پر وہ جنگ لڑی جسے اسلام کی پہلی خونریز جنگ کہا جاتا ہے۔ اِس جنگ کا آخری معرکہ ایک وسیع باغ حدیقتہ الرحمٰن میں لڑا گیا تھا وہاں دونوں طرف اس قدر جانی نقصان ہُوا تھا کہ حدیقتہ الرحمٰن کو لوگ حدیقتہ الموت (موت کا باغ) کہنے لگے۔ آج تک اسے حدیقتہ الموت کہا جاتا ہے۔

اُس وقت خالدؓ مدینہ میں تھے۔ انہیں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے عمرؓ کی اس شکایت پر جواب طلبی کے لیے مدینہ بلایا تھا کہ اُنہوں نے مالک بن نویرا کو قتل کروا کے اُس کی بیوی لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ ابوبکرؓ نے اُن حالات کو دیکھتے ہُوتے جن میں اسلام گھر گیا تھا، خالدؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور خالدؓ کو واپس بطاح جانے اور یمامہ کے مسیلمہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔

مسیلمہ کذاب کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اُس کے پیروکاروں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ اُس کا لشکر مسلمانوں کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ اس وقت تک مسلمان ایک طاقت بن چکے تھے لیکن مسیلمہ کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ مدینہ کے لیے بھی خطرہ تھا اور اسلام کے لیے بھی۔ مدینہ سلطنت اسلامیہ کا مرکز تھا۔

خالدؓ کا لشکر بطاح میں تھا۔ وہیں انہوں نے مالک بن نویرا کو سزائے موت دی اور اُس کی انتہائی حسین بیوی لیلیٰ کے ساتھ شادی کی تھی۔ لیلیٰ وہیں تھی۔ خالدؓ بطاح کو روانہ ہو گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے پرانے ساتھی سالار عکرمہؓ اُسی علاقے میں اپنے لشکر کے ساتھ موجود ہیں اور مسیلمہ کے خلاف مدد کو پہنچیں گے۔

عکرمہؓ بن ابوجہل اُن گیارہ سالاروں میں سے تھے جنہیں خلیفۃ المسلمین نے مختلف علاقوں میں مُرتد اور باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ دوسرے قبیلے اتنے طاقتور نہیں تھے جتنا مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا، اس لیے اس علاقے میں عکرمہؓ کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور سالار شرجیل بن حسنہ کو بھیج دیا گیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے سالار شرجیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ عکرمہؓ کو مدد دیں گے۔

عکرمہؓ یمامہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ دو اڑھائی مہینے پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت خالدؓ طلیحہ سے نبرد آزما تھے۔ اُنہوں نے طلیحہ کو بہت بُری شکست دی تھی۔ یہ خبر عکرمہؓ تک پہنچی تو وہ جوش میں آ گئے۔ اُنہوں نے ابھی کسی قبیلے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کی تھی۔ کچھ دنوں بعد عکرمہؓ کو خبر ملی کہ خالدؓ نے سلمیٰ کے طاقتور لشکر کو شکست دی ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عکرمہؓ پر انسانی فطرت کی ایک کمزوری غالب آ گئی۔ اُنہوں نے اپنے ساتھی سالاروں سے کہا کہ خالدؓ فتح پہ فتح حاصل کرتے جا رہے ہیں اور انہیں ابھی لڑنے کا بھی موقع نہیں

ملا۔ خالدؓ اور عکرمہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ساتھی اور ایک جیسے جنگجو اور میدانِ جنگ کے ایک جیسے قائد تھے۔

"کیوں نہ ہم ایک ایسی فتح حاصل کریں جس کے سامنے خالدؓ کی تمام فتوحات کی اہمیت ختم ہو جائے"۔۔۔ عکرمہؓ نے اپنے ماتحت سالاروں سے کہا۔۔۔ "مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ شرجیل بن حسنہ ہماری مدد کو آ رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ کب پہنچے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ میں مسیلمہ پر حملہ کروں گا"۔

مسیلمہ معمولی عقل و ذہانت کا آدمی نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان اُس کی نبوّت کو برداشت نہیں کر رہے اور کسی بھی روز اسلامی لشکر اُس پر حملہ کر دے گا۔ اُس نے اپنے علاقے کے دفاع کا بندوبست کر رکھا تھا جس میں دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام بھی شامل تھا۔ عکرمہؓ سوچے سمجھے بغیر بڑھتے گئے اور یمامہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہ چونکہ جذبات سے مغلوب ہو کر جا رہے تھے اس لیے احتیاط نہ کر سکے کہ دشمن دیکھ رہا ہو گا۔ انہیں دشمن کے جاسوسوں نے دیکھ لیا اور مسیلمہ کو اطلاع دی۔

ایک علاقے میں جہاں اونچے ٹیلے اور ٹیکریاں تھیں، عکرمہؓ کو مسیلمہ کے کچھ آدمی دکھائی دیئے عکرمہؓ نے اُن پر حملہ کر دیا مگر یہ مسیلمہ کا بچھایا ہُوا جال تھا۔ مسیلمہ نے وہاں خاصا لشکر چھپا رکھا تھا جس نے دائیں بائیں سے عکرمہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ عکرمہؓ اس غیر متوقع صورتِ حال میں سنبھل نہ سکے۔ مسیلمہ کے لشکر نے انہیں سنبھلنے دیا ہی نہیں۔ عکرمہؓ کے ساتھ نامی گرامی اور تجربہ کار سالار اور کمانڈر تھے لیکن میدان دشمن کے ہاتھ تھا۔ اُس نے مسلمانوں کی کوئی چال کامیاب نہ ہونے دی۔ عکرمہؓ کو نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔

✪

عکرمہؓ اپنی اس شکست کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ چھپا لیتے تو لشکر میں سے کوئی مدینہ اطلاع بھیج دیتا۔ چنانچہ عکرمہؓ نے خلیفۃ المسلمین کو لکھ بھیجا کہ اُن پر کیا گزری ہے۔ خلیفہ ابوبکرؓ کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے عکرمہؓ کو واضح حکم دیا تھا کہ شرجیل کا انتظار کریں اور اکیلے مسیلمہ کے سامنے نہ جائیں مگر عکرمہؓ نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ ابوبکرؓ نے عکرمہؓ کو جو تحریری پیغام بھیجا، اس میں غصّے کا اظہار اس طرح کیا کہ عکرمہؓ کو ابنِ ابوجہل لکھنے کی بجائے ابنِ امِّ عکرمہؓ (عکرمہؓ کی ماں کے بیٹے) لکھا۔ یہ عربوں میں رواج تھا کہ کسی کی توہین مقصود ہوتی تو اُس کے باپ کے نام کے بجائے اُسے اُس کی ماں سے منسوب کرتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ تمہاری ولدیّت مشکوک ہے یا یہ کہ تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو۔ خلیفۃ المسلمین نے لکھا:

"اے ابنِ اُمِّ عکرمہ! میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ مدینہ آؤ۔ تم آئے تو یہاں کے لوگوں میں مایوسی پھیلاؤ گے۔ مدینہ سے دُور رہو۔ تم اب یمامہ کا علاقہ چھوڑ دو اور حذیفہ کے ساتھ جا ملو اور اہلِ عمان سے لڑو۔ وہاں سے فارغ ہو کر عرفجہ کی مدد کے لیے مہرہ چلے جانا۔ اس کے بعد یمن جا کر مہاجر بن ابی امیہ سے جا ملنا۔ جب تک تم سالاری کے معیار پر پورے نہیں اُترتے مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔ میں تم سے بات تک نہیں کروں گا"۔

خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے شرجیل کو پیغام بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور جب خالدؓ آئیں تو اپنا لشکر اُن کے ساتھ کر کے خود اُن کے ماتحت ہو جائیں۔

خالدؓ کو بتا دیا گیا تھا کہ شرجیل کا لشکر بھی انہیں مِل رہا ہے۔ وہ خوش ہوئے کہ اب وہ مسیلمہ کا مقابلہ بہتر طریقے سے کر سکیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ شرجیل کا لشکر تازہ دم ہوگا مگر یہ لشکر خالدؓ کو مِلا تو وہ تازہ دم نہیں تھا۔ اس میں کئی مجاہدین زخمی تھے۔

"کیا ہُوا شرجیل؟" —— خالدؓ نے پوچھا۔

"ندامت کے سوا میرے پاس کوئی جواب نہیں" —— شرجیل نے کہا —— "میں نے خلیفۃ المسلمین کی حکم عدولی کی ہے۔ میرے لیے حکم تھا کہ عکرمہؓ کو مدد دوں مگر میرے پہنچنے سے پہلے عکرمہؓ مسیلمہ کے لشکر سے ٹکرا کر پسپا ہو چکا تھا۔ یہ ایک خبط تھا جس نے مجھ پر بھی غلبہ پا لیا کہ ..."

"کہ ایک فتح تمہارے حساب میں لکھی جاتے" —— باریک بین اور دُور اندیش خالدؓ نے طنزیہ لہجے میں شرجیل کا جواب پورا کرتے ہُوئے کہا —— "اکیلے پتھر کی کوئی طاقت نہیں ہوتی شرجیل! پتھر مِل کر چٹان بنا کرتے ہیں، پھر اس چٹان سے جو ٹکراتا ہے وہ دوسری بار ٹکرانے کے لیے زندہ نہیں رہتا۔ خود غرضی اور ذاتی مفاد کا انجام دیکھ لیا تم نے؟ عکرمہؓ جیسا تجربہ کار سالار پٹ کر ذلیل ہو چکا ہے۔ میں تم پر کرم کرتا ہوں کہ خلیفہ کو تمہاری حماقت کی خبر نہیں ہونے دوں گا۔"

شرجیل بن حسنہ نے عکرمہؓ جیسی غلط حرکت کی تھی۔ اُس نے بھی خالدؓ سے بازی لے جانے کے لیے راستے میں مسیلمہ کے لشکر سے ٹکر لے لی اور پسپا ہونا پڑا تھا۔

✪

مسیلمہ کذاب دربار لگائے بیٹھا تھا۔ ٹھِنگنے قد والا یہ بدصورت انسان مکمل نبی بن چکا تھا۔ اُس کا قبیلہ بنو حنیفہ تو اُسے نبی مان ہی چکا تھا، دوسرے قبیلوں کے لوگ جوق در جوق اُس کی بیعت کے لیے آتے اور اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتے تھے۔ لوگوں نے اُس کی قوّت اور کرامات دیکھ لی تھیں۔ اب اُس کے پیروکاروں نے دو معجزے اور دیکھ لیے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دو نامور سالاروں کو ذرا ذرا سی دیر میں میدان سے بھگا دیا تھا۔

مذہبی اور نظریاتی لحاظ سے تو مسلمان ریشم کی طرح نرم تھے لیکن میدانِ جنگ میں وہ فولاد سے زیادہ سخت اور بجلیوں کی طرح قہر بن جاتے تھے جنگی لحاظ سے مسلمان دہشت بن گئے تھے۔ عکرمہؓ اور شرجیل نے اپنی غلطی اور کج فہمی سے شکست کھائی تھی لیکن بنو حنیفہ نے انہیں اپنے کذاب نبی کے معجزوں اور کرامات کے کھاتے میں لکھ دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو مسیلمہ کے سوا کون شکست دے سکتا ہے۔

"نہار الرجال!" — مسیلمہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دستِ راست نہار الرجال سے کہا —— "اب ہمیں مدینہ کی طرف کوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔ مسلمانوں میں اب وہ دم خم نہیں رہا۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نہار الرجال بن عنفوہ وہ شخص تھا جس نے رسولِ کریمؐ کے سائے میں بیٹھ کر قرآن پڑھا اور مذہب پر عبور حاصل کیا تھا اور اُسے مبلّغ بنا کر مسیلمہ کے علاقے میں بھیجا گیا تھا

مگر اُس پر مسیلمہ کا جادو چل گیا۔ اُس نے مسیلمہ کی نبوّت کا پرچار شروع کر دیا۔ آیاتِ قرآنی کو موڑ توڑ کر اُس نے اُن لوگوں کو بھی مسیلمہ کا پیروکار بنا دیا جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ مسیلمہ نے اُسے اپنا معتمدِ خاص بنا لیا تھا۔ یہ شراب اور نسوانی حُسن کا جادو تھا۔ خود مسیلمہ جس کی شکل و صورت مکروہ سی تھی اور قد مضحکہ خیز حد تک ٹھنگنا تھا، عورتوں میں زیادہ مقبول تھا۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ عورتوں کے لیے اُس میں ایک مخصوص کشش تھی۔ سجاحؔ جیسی عورت جو قلوپطرہ کی طرح جنگی قوت لے کر مسیلمہ کو تہہ تیغ کرنے آئی، صرف ایک ملاقات میں اُس کی بیوی بن گئی تھی۔

یہ مسیلمہ کی جسمانی طاقت اور مقناطیسیّت تھی۔ اب تو وہ بہت بڑی جنگی طاقت بن گیا تھا۔ عکرمہؓ اور شرجیل کو پسپا کر کے اُس کے اپنے اور اُس کے لشکر کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ وہ اب مدینہ پر چڑھائی کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ دربار میں بیٹھا نہارالرجال سے کہہ رہا تھا کہ مدینہ کی طرف کوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔ نہارالرجال کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مسیلمہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک جاسوس آیا ہے۔ مسیلمہ نے اُسے فوراً بلا لیا۔

"مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے"۔۔۔ جاسوس نے کہا۔۔۔ "تعداد دس اور پندرہ ہزار کے درمیان ہے"۔

"تم نے جب دیکھا، یہ لشکر کہاں تھا؟"۔۔۔ مسیلمہ نے پوچھا۔

"وادی حنیفہ سے کچھ دُور تھا"۔۔۔ جاسوس نے جواب دیا۔۔۔ "اب اور آگے آ چکا ہوگا"۔

"اُن بدبختوں کو موت وادیِ حنیفہ میں لے آئی ہے"۔۔۔ مسیلمہ نے رعونت سے کہا۔۔۔ "انہیں معلوم نہیں کہ ان کا دس پندرہ ہزار کا لشکر میرے چالیس ہزار شیروں کے ہاتھوں چیرا پھاڑا جائے گا"۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ تمام درباری احترام کے لیے اُٹھے۔ وہ نہارالرجال کو ساتھ لے کر دربار سے نکل گیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا تیار کرایا، نہارالرّجال کو ساتھ لیا اور دونوں کے گھوڑے انہیں یمامہ سے دُور لے گئے۔ وہ وادیِ حنیفہ کی طرف جا رہے تھے۔

"اِس وادی سے وہ زندہ نہیں نکل سکیں گے"۔۔۔ راستے میں مسیلمہ نے نہارالرجال سے کہا۔۔۔ "میرے اس پھندے سے وہ واقف نہیں"۔

نہارالرجال نے قہقہہ لگایا اور بولا۔۔۔ "آج محمدؐ کا اسلام وادیِ حنیفہ میں دفن ہو جائے گا"۔

وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے کہ آگے سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آ رہا تھا۔ مسیلمہ کو دیکھ کر وہ رُک گیا۔

"یا نبی!"۔۔۔ گھوڑ سوار نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "مجاعہ بن مرارہ کو مسلمانوں نے قید کر لیا ہے"۔

"مجاعہ کو؟"۔۔۔ مسیلمہ نے حیرت سے کہا۔

"مجاعہ کو مسلمانوں نے ...." نور الرجال نے ڈری ہوئی سی آواز میں کہا۔

"مجاعہ کی ٹکر کا ہمارے پاس اور کوئی سالار نہیں"۔ مسیلمہ نے کہا۔۔۔ "مجاعہ کا قید ہو جانا ہمارے لیے اچھا شگون نہیں"۔

✪

مجاعہ بن مرارہ مسیلمہ کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ وہ خالدؓ سے ملتا جُلتا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا

ہے کہ خالدؓ کے مقابلے میں لڑنے اور جنگی چالیں چلنے کی اہلیت صرف مجاعہ میں تھی۔ مجاعہ مسلمانوں کے ہاتھ اس طرح چڑھ گیا تھا کہ اُس کے کسی قریبی رشتہ دار کو بنی عامر اور بنی تمیم کے کچھ لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ مجاعہ نے مسیلمہ سے اجازت لی تھی کہ وہ لشکر کے چالیس سوار ساتھ لے جاکر اپنے رشتہ دار کے قتل کا انتقام لے لے مسیلمہ اپنے اتنے قابل سالار کو مایوس نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسے اجازت دے دی۔

مجاعہ اپنے دشمنوں کی بستی میں گیا اور انتقام لے کر واپس آرہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ جس علاقے کو وہ محفوظ سمجھتا تھا، وہ اب محفوظ نہیں۔ اُس نے اپنے سواروں کو ایک جگہ آرام کے لیے روک لیا۔ وہ سب اپنا فرض کامیابی سے پورا کر آئے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں اتار کر وہ لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔

خالدؓ کا لشکر اسی طرف آرہا تھا۔ علی الصبح اس لشکر کا ہراول دستہ وہاں پہنچا جہاں مجاعہ اپنے چالیس سواروں کے ساتھ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ ان سب کو مجاہدین نے جگایا۔ ان سے ہتھیار اور گھوڑے لے لئے اور انہیں حراست میں لے کر پیچھے خالدؓ کے پاس لے گئے۔ خالدؓ کو معلوم نہیں تھا کہ مجاعہ مسیلمہ کا بڑا قیمتی سالار ہے۔ خالدؓ اُسے بھی محض سوار یا سپاہی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے دراصل بڑا موٹا شکار پکڑا تھا۔

انہوں نے یہ تو بتا دیا کہ وہ مسیلمہ کی فوج کے آدمی ہیں لیکن مجاعہ کا رُتبہ ظاہر نہ ہونے دیا۔

"کیا تم ہمارے مقابلے کے لیے آئے تھے؟" —— خالدؓ نے ان سے پوچھا۔

"نہیں" —— ایک نے جواب دیا۔ "ہمیں تو معلوم ہی نہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے۔ ہم بنی عامر اور بنی تمیم سے اپنے ایک خون کا بدلہ لینے گئے تھے۔"

"میں نے مان لیا" —— خالدؓ نے کہا —— "میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں۔ اب میرے اس سوال کا جواب دو کہ تم کسے اللہ کا سچا رسول مانتے ہو اور کس پر ایمان رکھتے ہو؟"

"بے شک مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے" —— ایک سوار نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!" —— خالدؓ نے کہا —— "تم میری توہین کر دیتے تو میں تمہیں بخش دیتا، اپنے رسولؐ کی توہین کو میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں۔"

"تم اپنے رسولؐ کو مانو، ہم اپنے نبی کو مانتے ہیں" —— مجاعہ نے کہا۔ "اصل بات بھی یہی ہے کہ مسیلمہ رسالت میں محمدؐ کا برابر کا حصہ دار ہے۔"

"ہم سب کا عقیدہ یہی ہے" —— سواروں نے کہا —— "ایک نبی تم میں سے ہے ایک ہم میں سے ہے۔"

خالدؓ نے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار سے ایک سوار کا سر اُڑا دیا اور حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ خالدؓ کے آدمی آگے بڑھے اور مجاعہ کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹنے کے لیے جھکا دیا۔ اُسے قتل کرنے والے کی تلوار ہوا میں بلند ہوئی۔

"ہاتھ روک لو" —— قیدی سواروں میں سے ایک جس کا نام ساریہ بن عامر تھا، چلایا —— "اِس آدمی کو زندہ رہنے دو۔ یہ تمہارے کام آسکتا ہے!"

تب انکشاف ہوا کہ مجاعہ بنو حنیفہ کے سرداروں میں سے ہے لیکن یہ پھر بھی نہ بتایا گیا کہ یہ

سالار بھی ہے۔ خالدؓ دُور اندیش تھے۔ کسی قبیلے کا سردار بڑا قیمتی یرغمال ہوتا تھا۔ اُسے کسی نہ کسی موقع پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ خالدؓ مجاعہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر اُسے اپنے خیمے میں لے گئے اور اپنی بیوی لیلیٰ کے حوالے کر دیا۔ باقی سب کو قتل کرا دیا۔

✪

مسیلمہ کے لیے مجاعہ کی گرفتاری معمولی نقصان نہیں تھا لیکن وادیٔ حنیفہ وہ پھندا تھا جو اس نقصان کو پورا کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ مسیلمہ کے پاس گھوڑ سوار اور شتر سوار دستے زیادہ تھے۔ بعض مؤرخوں نے مسیلمہ کے لشکر کی تعداد ستّر ہزار لکھی ہے۔ بہر حال تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی، کم نہ تھی۔ خالدؓ کی ایک کمزوری تو یہ تھی کہ لشکر کی تعداد خطرناک حد تک کم تھی، دوسری کمزوری یہ کہ وہ اپنے مستقر سے بہت دُور تھے جہاں کمک اور رسد کا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ انہیں صرف ایک سہولت حاصل تھی۔ اُس علاقے میں پانی اور جانوروں کے لیے ہرے چارے کی کمی نہیں تھی۔ وہ زرخیز کھیتوں اور باغوں کا علاقہ تھا۔

مسیلمہ کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کا غم کھا رہا تھا۔ اُس نے نہار الرجال سے کہا کہ وہ ایسے انداز سے لڑنا چاہتا ہے کہ مدینہ کا لشکر بستیوں کو، کھیتیوں اور باغوں کو نہ اجاڑ سکے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کسی قسم کے تذبذب، اضطراب یا پریشانی میں مبتلا نہ تھا۔ وہ اِس طرح بات کرتا تھا جیسے اُسے اپنی فتح کا یقین ہو۔ وہ بڑی موزوں بنیادوں پر کھڑا بات کر رہا تھا۔ اُس کا چالیس ہزار کا لشکر برتر بھی تھا اور یہ سب مسیلمہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے لوگ تھے۔ مسیلمہ کی نبوت کا تحفظ اُن کے لیے جنون بن چکا تھا۔

خالدؓ پھندے میں آنے والے سالار نہیں تھے۔ مُوتہ میں وہ پھندے میں آ چکے تھے۔ یمامہ کے علاقوں سے وہ واقف نہیں تھے۔ اُنہوں نے دیکھ بھال اور آگے کی زمین کا جائزہ لینے کے لیے ایک پارٹی بھیج دی تھی۔ رات کو اِس پارٹی نے جو رپورٹ دی، اس کے مطابق خالدؓ نے اپنا راستہ بدل دیا تا کہ حنیفہ کی وادی کے اندر سے نہ گزرنا پڑے۔ وہ ذرا دُور کا چکر کاٹ کر آگے نکل گئے۔

مسیلمہ نے بھی دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ مدینہ والے آگے نکل گئے ہیں تو اُس نے اپنا لشکر بڑی تیزی سے عقربا کے میدان میں منتقل کر دیا۔ خالدؓ کی نظر اِسی میدان پر تھی لیکن دشمن پہلے پہنچ گیا تھا۔ خالدؓ نے ایک جگہ دیکھ لی جو میدان سے بلند تھی۔ اُنہوں نے وہیں اپنا لشکر روک لیا۔ وہاں سے وہ مسیلمہ کے پڑاؤ کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

مسیلمہ نے اسی میدان کو بہتر اور موزوں سمجھا تھا۔ ایک تو اُس نے اپنے لشکر کا تمام زرسازوسامان اور مال واسباب اپنی خیمہ گاہ سے پیچھے رکھا تھا، دوسرے یہ کہ کھیتیاں اور باغات بھی لشکر کے پیچھے تھے۔ ان سب کی وہ بڑی اچھی طرح حفاظت کر سکتا تھا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ خالدؓ یہاں سے آگے یمامہ کو بڑھے تو وہ اُن پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ خالدؓ بھی اس صورت کو بھانپ چکے تھے کہ وہ یہاں سے

آگے بڑھے تو مارے جائیں گے۔

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے دائیں حصے کی قیادت نہار الرجال کو دی۔ بائیں حصے کا سالار محکم بن طفیل تھا اور درمیان میں یعنی قلب میں خود رہا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو جس کا نام شرجیل تھا کہا کہ وہ لشکر سے خطاب کرے۔ ایک شرجیل بن حسنہ خالدؓ کے لشکر کا سالار تھا۔ مسیلمہ کے بیٹے کا نام بھی شرجیل تھا۔ شرجیل گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کے تینوں حصوں کے سامنے باری باری جاکر کہا:

"اے بنو حنیفہ! آج اپنی آن اور اپنی آبرو پر مر مٹنے کا وقت آگیا ہے۔ خدا نے تمہارے قبیلے کو نبوت دی ہے۔ آج اپنی آبرو اور نبوت کی خاطر اس طرح لڑو کہ مسلمانوں کو پھر کبھی تمہارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو دشمن تمہاری بیویوں، تمہاری بہنوں اور تمہاری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا لے گا اور اس زمین پر ہی جو تمہاری زمین ہے، اُن کی آبرو لوٹے گا۔ کیا تم یہ منظر برداشت کر لو گے؟"

مسیلمہ کے لشکر کو جیسے آگ لگ گئی ہو۔ وہ مسیلمہ کے نام کے نعرے لگانے لگے۔ گھوڑے کھُر مار مار کر ہنہنانے لگے۔ خالدؓ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے کہ مسیلمہ کا لشکر اُن پر فوراً حملہ کر دے گا۔ نفری کی افراط کے زور پر مسیلمہ کو حملہ کر دینا چاہئے تھا لیکن مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے فن میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے حملے میں پہل نہ کی۔ اُس کا خیال تھا کہ پہلے خالدؓ حملہ کرے اور دفاع میں لڑا جائے اور جب مسلمان تھک جائیں تو دائیں بائیں سے حملے کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔

اُس دور کی تحریریں بتاتی ہیں کہ خالدؓ مسیلمہ کی چال نہ سمجھ سکے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ تم دین سے آمنے سامنے کی جنگ اس طرح لڑی جائے کہ اُسے اپنے دستوں کو اِدھر اُدھر کرنے کی مہلت نہ ملے اور وہ دفاعی لڑائی لڑتا رہے۔ خالدؓ کو توقع تھی کہ تیرہ ہزار سے چالیس ہزار کو شکست اسی طریقے سے دی جا سکتی ہے کہ اُسے کوئی چال چلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اُس وقت کے رواج کے مطابق خالدؓ کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھائیں۔ خلیفۃ المسلمین نے خالدؓ کی مدد کے لیے جو دستے بھیجے تھے، ان میں قرآن کے حافظ اور خوش الحان قاری بھی خاصی تعداد میں تھے۔ اُس دور کے حافظِ قرآن اور قاری ماہر تیغ زن اور لڑنے والے بھی ہوتے تھے۔ وہ مسجدوں میں بیٹھے رہنے والے لوگ نہیں تھے۔

اس کے علاوہ خالدؓ کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ہر میدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کو شکستیں دی تھیں۔ خالدؓ کے لشکر میں عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب اور ان کے بیٹے عبداللہؓ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ابودجانہؓ بھی تھے جو جنگِ اُحد میں اُن تیروں کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے جو رسولِ کریمؐ پر آ رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے جسم کو آپؐ کی ڈھال بنا دیا تھا۔ خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی تھے اور ایک خاتون اُمِ عمارہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ گئی تھیں۔ اُمِ عمارہؓ جنگِ اُحد میں باقاعدہ لڑی تھیں۔

اِن کے علاوہ وحشی نام کا حبشی بھی خالدؓ کے ساتھ تھا جس کی پھینکی ہوئی برچھی نشانے سے بال

برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوتی تھی۔ قبولِ اسلام سے پہلے جنگِ اُحد میں اِسی وحشی نے حمزہؓ کو برچھی پھینک کر شہید کیا تھا۔

مجاہدین کا لشکر تعداد میں تو کم تھا لیکن جوشِ جہاد اور جذبے کے لحاظ سے کمتر نہ تھا۔ خالدؓ نے خود بھی اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھایا اور قرآن کے حافظوں اور قاریوں سے کہا کہ وہ مجاہدینِ مدینہ کو آیاتِ قرآنی سُنا کر بتائیں کہ وہ گھروں سے اتنی دُور کس مقصد کے لیے لڑنے آئے ہیں۔

قاری اپنی پُراثر آوازوں میں لشکر کو وہ آیات سنانے لگے جن میں مسلمانوں کے لیے جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ رات بھر چلتا رہا۔ اللہ کے سوا اور کون تھا جو اِن قلیل تعداد مجاہدینِ اسلام کی مدد کرتا۔ مؤرخین کے مطابق مجاہدین کے اس لشکر نے تمام رات عبادت اور دعاؤں میں گزار دی۔

دسمبر ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح طلوع ہوئی تو خالدؓ نے مسیلمہ کے لشکر پر حملے کا حکم دے دیا۔ خالدؓ نے بھی اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ قلب کی قیادت اُنہوں نے اپنے پاس رکھی تھی۔ ایک طرف ابوحذیفہؓ اور دوسری طرف زیدؓ بن خطاب تھے۔ مسلمان جس قہروغضب سے حملہ آور ہوئے اور جس بےجگری سے لڑے وہ دیکھ کر خالدؓ کو امید بندھ گئی کہ وہ مُرتدین کے لشکر کو اُکھاڑ پھینکیں گے۔ خود خالدؓ سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے لیکن خاصا وقت گزر جانے کے بعد بھی مسیلمہ کا لشکر جہاں تھا وہیں رہا۔ بہت سے مجاہدین پہلے ہلّے میں ہی شہید ہو گئے۔

دن گزرتا جا رہا تھا۔ میدانِ جنگ کا قہر بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک شور تھا، چیخ و پکار تھی، کربناک آہ و بُکا تھی جو زمین و آسمان کو ہلا رہی تھی۔ مسیلمہ کا لشکر گھوم پھر کر لڑ رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لے اور مسلمانوں کا عزم یہ تھا کہ مرتدین کے اس لشکر کے قدم اُکھاڑنے ہیں اور یمامہ پر قبضہ کرنا ہے۔ دونوں لشکر اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہو رہے تھے۔ اگر کامیاب تھا تو وہ مسیلمہ کا لشکر تھا۔

مسیلمہ بہت چالاک اور ہوشیار جنگی قائد تھا۔ وہ یہ جائزہ لیتا رہا کہ مسلمان کس وقت تھک کر چور ہوتے ہیں۔ آدھا دن گزر گیا۔ زمین خون سے لال ہوتی جا رہی تھی۔ زخمی انسان بھاگتے دوڑتے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ مسلمان اس قدر بےجگری سے لڑنے کی وجہ سے کچھ جلدی تھک گئے۔ مسیلمہ نے بھانپ لیا۔ اُس نے اپنے لشکر کے ایک تازہ دم حصّے کو مسلمانوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کے لشکر کا یہ حصّہ طوفانی مَوج کی طرح آیا۔ مسیلمہ نے سب کو یقین دلا رکھا تھا کہ جو اُس کی نبوّت کی خاطر لڑتا ہوا مرے گا وہ سیدھا جنّت میں جائے گا۔

خالدؓ نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ اُس کے لشکر پر دباؤ بہت تیز ہو گیا ہے۔ خالدؓ کوئی چال سوچ ہی رہے تھے کہ مسلمانوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ آگے والے دستے تیزی سے پیچھے ہٹے۔ پیچھے والے اُن سے زیادہ تیزی سے پسپا ہوئے۔ سالاروں نے بہت شور مچایا۔ لشکر کو پکارا۔ نعرے لگائے لیکن مرتدین کا دباؤ ایسے قہر کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے مسلمان برداشت نہ کر سکے اور اُن میں بدنظمی پھیل گئی۔ دیکھا دیکھی مسلمان ایسی بُری طرح بھاگے کہ اپنی خیمہ گاہ میں بھی نہ رُکے اور دُور پیچھے چلے گئے۔

مسیلمہ کے لشکر نے اُن کا تعاقب کیا۔ اُحد کے میدان میں بھی مسلمانوں نے اپنے لئے ایسی ہی صورتِ حال پیدا کر لی تھی اور ہزیمت اُٹھائی تھی۔ یہ اُن کی دوسری پسپائی تھی جو بھگدڑ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

مسیلمہ کا لشکر جب مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچا تو اُس نے وہاں لوٹ مار شروع کر دی۔ وہاں انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ خالدؓ اور اُن کے تمام سالار دوڑ دوڑ کر اپنے لشکر کو روکنے کے لیے چیخ چلا رہے تھے لیکن مسلمان اپنی خیمہ گاہ سے خاصی دُور جا رُکے۔ مسیلمہ کے لشکر کے کچھ آدمیوں کو خالدؓ کا خیمہ مل گیا۔ وہ اُس میں جا گھُسے۔ وہاں اُنہیں زیادہ مال و دولت ملنے کی توقع تھی لیکن اس خیمے میں انہیں دو اتنے قیمتی انسان مل گئے جن کی انہیں توقع نہیں تھی۔ ایک تو اُن کا اپنا سردار اور سالار مجاعہ تھا جو بیڑیوں میں جکڑا ہُوا تھا اور اُس کے ساتھ خالدؓ کی نئی بیوی لیلیٰ اُمِ تمیم تھی جس کے حُسن کے چرچے اُنہوں نے سُن رکھے تھے لیکن اُسے دیکھا کبھی نہیں تھا۔ مجاعہ کو تو اُنہوں نے پہچان لیا۔ لیلیٰ کے متعلق انہیں مجاعہ نے بتایا کہ یہ کون ہے۔ بیک وقت دو تین آدمی لیلیٰ کی طرف لپکے۔ وہ اُسے قتل کرنا یا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

"رُک جاؤ"— اُن کے قیدی سردار مجاعہ نے حکم دیا۔ "دشمن کے آدمیوں کے پیچھے جاؤ۔ ابھی عورتوں کے پیچھے پڑنے کا وقت نہیں۔ میں اب اس کا نہیں بلکہ یہ میری قیدی ہے۔"

اُن کے سردار کا حکم اتنا سخت تھا کہ وہ بڑی تیزی سے خیمے سے نکل گئے۔ اُنہیں اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ اپنے سردار کی بیڑیاں ہی توڑ جاتے۔

"تم نے مجھے ان آدمیوں سے کیوں بچایا ہے؟"— لیلیٰ نے مجاعہ سے پوچھا۔ "کیا تم مجھے اپنا مالِ غنیمت سمجھتے ہو؟ اگر تمہاری نیت یہی ہے تو کیا تمہیں یہ احساس نہیں کہ میں تمہیں قتل کر سکتی ہوں؟"

"تم نے میرے ساتھ جو اچھا سلوک قید کے دوران کیا ہے میں اس کے صلے میں اپنی جان دے سکتا ہوں"— مجاعہ نے کہا۔ "خدا کی قسم! میری بیڑیاں ٹوٹ کر تمہارے پاؤں میں پڑ جائیں تو بھی میں تمہیں مالِ غنیمت یا اپنی لونڈی نہیں سمجھوں گا۔ تم نے مجھے قیدی نہیں مہمان بنا کر رکھا ہے۔"

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا"— لیلیٰ نے کہا۔ "یہ مسلمانوں کی روایت ہے کہ دشمن اُن کے گھر چلا جائے تو اُسے وہ معزز مہمان سمجھتے ہیں۔ اگر تم میرے گھر میں ہوتے تو میں تمہیں اور زیادہ آرام پہنچا سکتی تھی۔"

"لیلیٰ"— مجاعہ نے کہا۔ "کیا تجھے ابھی احساس نہیں ہُوا کہ تمہارا خاوند شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور تم میرے قبیلے کے قبضے میں ہو؟"

"فتح اور شکست کا فیصلہ خُدا کرے گا"— لیلیٰ نے جواب دیا— "میرا خاوند اس سے زیادہ سخت چوٹیں برداشت کر سکتا ہے۔"

"کم فہم خاتون!"— مجاعہ نے فاتحانہ مُسکراہٹ سے کہا— "کیا تجھے ابھی تک احساس نہیں ہُوا کہ خُدا مسیلمہ کے ساتھ ہے جو اُس کا سچا نبی ہے؟ محمدؐ کی رسالت سچی ہوتی...."

"مجاعہ!"— لیلیٰ نے گرج کر اُس کی بات وہیں ختم کر دی اور بولی— "اگر تُو نے محمدؐ

کی رسالت کے خلاف کوئی بات کی تو مجھ پر تیرا قتل فرض ہو جاتے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ہمارا لشکر مجھے اس خیمہ گاہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے جہاں میرے دین کے دشمن لُوٹ مار کر رہے ہیں لیکن میرے دل پر ذرا سا بھی خوف نہیں۔ خوف اس لئے نہیں کہ مجھے محمدؐ کی روح مقدس پر پورا بھروسہ ہے۔"

مجاعہ خاموش رہا اور وہ کچھ دیر نظریں لیلیٰ کے چہرے پر گاڑے رہا۔ باہر فاتح لشکر کا فاتحانہ غل غپاڑہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے خیموں کو پھاڑ پھاڑ کر ان کے ٹکڑے بکھیر رہے تھے۔ مجاعہ اور لیلیٰ کو توقع تھی کہ ابھی مسیلمہ کے آدمی آئیں گے اور دونوں کو ساتھ لے جائیں گے لیکن اچانک باہر کا غل غپاڑہ ختم ہو گیا اور لوٹ مار کرنے والے تمام لوگ بھاگتے دوڑتے خیمہ گاہ سے نکل گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیلمہ کی طرف سے حکم آیا تھا کہ فوراً واپس میدان عقربا میں پہنچو کیونکہ مسیلمہ نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے اکٹھے ہو کر منظم ہو رہے تھے۔ مسیلمہ کوئی خطرہ مُول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی شجاعت اور اُن کے جذبے سے مرعوب تھا۔

مجاعہ اور لیلیٰ خیمے میں اکیلے رہ گئے۔ مجاعہ کے چہرے پر جو رونق آئی تھی وہ پھر بجھ گئی۔

✪

خالدؓ اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں تھے۔ ضائع کرنے کے لئے اُن کے پاس ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کیا اور انہیں اس پسپائی پر شرم دلائی، اتنے میں ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا اور سالاروں وغیرہ کے اس اجتماع میں آ رکا۔ وہ عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب تھے۔

"خدا کی قسم ابن ولید!" — زیدؓ بن خطاب نے گھوڑے سے کُود کر اُترتے ہُوتے جوشیلی آواز میں کہا — "میں نے مسیلمہ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے .... میں نے نہار الرجال کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔ یہ اللہ کا اشارہ ہے کہ فتح ہماری ہو گی۔"

نہار الرجال کا ہلاک ہو جانا مسیلمہ کے لئے معمولی نقصان نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ وہ مسیلمہ کا معتمد خاص، واحد مشیر اور صحیح معنوں میں دستِ راست تھا۔ خالدؓ اور ان کے سالاروں نے یہ خبر سُنی تو اُن کے چہروں پر تازہ حوصلوں کی سُرخی آگئی۔

"کیا تم جانتے ہو ہمیں کس جُرم کی سزا ملی ہے؟" — خالدؓ نے غصیلی آواز میں کہا — "مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے لشکر میں دل پھٹ گئے تھے۔ لڑائی سے پہلے ہی ہمارے لشکر کے مہاجر کہنے لگے تھے کہ بہادر ہیں انصار اور بدّو اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انصار کہتے تھے کہ مسلمانوں میں اُن جیسا بہادر کوئی نہیں اور بدوؤں نے کہا کہ مکّہ اور مدینہ کے لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ جنگ ہوئی کیا ہے .... تم جانتے ہو کہ ہم میں مکّہ کے مہاجر بھی ہیں، مدینہ کے انصار بھی ہیں اور اِرد گرد کے علاقوں سے آتے ہُوتے بدّو بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے پر طعنہ زنی شروع کر دی تھی۔"

"اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں"۔۔۔ایک سالار نے کہا۔

"میرے پاس اس کا علاج ہے"۔۔۔خالدؓ نے کہا۔۔۔"ہم نے لشکر میں ان سب کو اکٹھا رکھا ہُوا ہے۔ مزید وقت ضائع کئے بغیر تم سب جاؤ اور مہاجرین کو الگ، انصار کو الگ اور بدوؤں کو الگ کر لو۔"

تھوڑے سے وقت میں خالدؓ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ لشکر تین حصّوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک حصّہ مہاجروں کا، دوسرا انصار کا اور تیسرا بدّوؤں کا تھا۔ خالدؓ گھوڑے پر سوار اُن کے سامنے جا کھڑے ہُوئے۔

"اللہ کے سپاہیو!"۔۔۔خالدؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا۔۔۔"ہم نے میدان میں پیٹھ دکھا کر دشمن کے لئے ہنسی اور طعنہ زنی کا موقع پیدا کر دیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم میں سے کون بہادری سے لڑا اور کون سب سے پہلے بھاگ اُٹھا.... مہاجرین؟ انصار یا بدّو؟ ۔۔۔اب میں نے تمہیں اس لئے الگ الگ کر دیا ہے کہ دشمن پر فوراً جوابی حملہ کرنا ہے۔ اب دیکھیں گے کہ تم میں سے کون کتنا بہادر ہے۔ بہادری اور بُزدلی کا فیصلہ طعنہ زنی سے نہیں کیا جا سکتا۔ میدان میں کچھ کر کے دکھاؤ لیکن اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ رسول اللہؐ نے تمہیں جس باہمی پیار کا سبق دیا تھا وہ بھول نہ جانا۔ تم میں سے کوئی گروہ دشمن کے دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہُوئے پیچھے ہٹے تو دوسرے گروہ اُس کی مدد کو پہنچیں۔ ہمیں دشمن پر ثابت کرنا ہے کہ مسیلمہ جھوٹا نبی ہے۔ اگر ہم شکست کھا گئے تو یہ جھوٹی نبوّت ہم پر مسلّط ہو جائے گی اور ہم مسیلمہ کے غلام اور ہماری عورتیں مرتدین کی لونڈیاں بن جائیں گی۔"

خالدؓ کے یہ الفاظ اُن تیروں کی طرح کارگر ثابت ہُوئے جو اپنے نشانے سے اِدھر اُدھر نہیں جایا کرتے۔ لشکر میں نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اُدھر مرتدین مجاہدین کی خیمہ گاہ لُوٹ کر اور تباہ کر کے جا چکے تھے۔ اِدھر سے مسلمان اشارہ ملتے ہی مسیلمہ کے لشکر کی طرف چل پڑے۔

✪

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو پھر حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا تھا۔ جب مجاہدینِ اسلام کا لشکر مقابلے میں پہنچا تو انصار کے ایک سردار ثابت بن قیس گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر کے سامنے آ گئے۔

"اے اہلِ مدینہ!"۔۔۔اُنہوں نے بلند آواز سے کہا۔۔۔"تم ایک شرمناک مظاہرہ کر چکے ہو"۔۔۔ثابت بن قیس نے دشمن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔۔۔"اے میرے اللہ! جس کسی کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں میں اُس پر لعنت بھیجتا ہوں"۔۔۔اُنہوں نے مجاہدین کی طرف مُنہ کر کے کہا۔۔۔"اے اللہ! جو بُری مثال میرے اس لشکر نے قائم کی ہے میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر ثابت بن قیس نے نیام سے تلوار کھینچی اور گھوڑے کا رُخ دشمن کی طرف کر

کے ایڑ لگا دی۔ اُن کے آخری الفاظ یہ تھے ــــ "دیکھو، میری تلوار دشمن کو مزہ چکھاتے گی اور تمہیں ہمت اور استقلال کا نمونہ دکھاتے گی۔"

ثابت بن قیس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی تلوار ایسی شدت اور ایسی مہارت سے چل رہی تھی کہ جو اُن کے سامنے آیا وہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا نظر نہ آیا۔ اُن کے جسم کا شاید ہی کوئی حصہ رہ گیا ہوگا جہاں دشمن کی کوئی برچھی یا تلوار نہ لگی ہو۔ دشمن کی صفوں کے دُور اندر جا کر ثابت بن قیس گرے اور شہید ہو گئے۔ اپنے لشکر کے لئے وہ واقعی ہمت واستقلال کا بے مثال نمونہ پیش کر گئے۔

محمد حسین ہیکل نے بعض مؤرخوں کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ کے لشکر نے قسمیں کھائی تھیں کہ اب اُن کی لاشیں ہی اُٹھائی جائیں گی، وہ زندہ نہیں نکلیں گے۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ اُنہوں نے قسم کھائی کہ ہاتھ میں ہتھیار نہ رہا، ترکش میں تیر نہ رہا تو دانتوں سے لڑیں گے۔

خالدؓ نے یہ مثال قائم کی کہ چند ایک جانباز چُن کر اپنے ساتھ اس عزم سے کر لئے کہ جہاں لڑائی زیادہ خطرناک ہوگی وہاں وہ اِن جانبازوں کے ساتھ جا کُودیں گے۔ اُنہوں نے اپنے جانبازوں سے کہا ــــ "تم سب میرے پیچھے رہنا" ــــ آگے وہ خود رہنا چاہتے تھے۔

✪

دوبارہ لڑائی شروع ہُوئی تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ آندھی آ گئی جس کا رُخ مجاہدینِ اسلام کی طرف تھا۔ کچھ مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ صحرائی آندھی نہیں تھی بلکہ تیز ہوا تھی۔ میدانِ جنگ میں گھوڑوں اور پیادوں کی اُڑائی ہوئی گرد زمین سے اُٹھتے بادلوں کی مانند تھی۔ تیز وتُند ہوا کا رُخ مجاہدین کی طرف تھا اس لئے مٹی اور ریت مسلمانوں کی آنکھوں میں پڑتی تھی۔ بدر میں کفّار کے ساتھ ایسے ہی ہُوا تھا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ مجاہدین نے زیدؓ بن خطاب سے پوچھا کہ ایسی آندھی میں وہ کیا کریں۔

"خُدا کی قسم!" ــــ زیدؓ بن خطاب نے گرجدار آواز میں کہا ــــ "میں اپنے اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے دشمن کو شکست دینے تک زندہ رکھے .... اے اہلِ مکّہ و مدینہ! آندھی سے مت ڈرو۔ سروں کو ذرا جھکا کے رکھو۔ اس طرح ریت اور مٹی تمہاری آنکھوں میں نہیں پڑے گی۔ پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہمت سے کام لو۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ آندھی اور طوفان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

زیدؓ بن خطاب سالار تھے۔ انہوں نے مجاہدین کے لئے یہ مثال قائم کی کہ تلوار لہراتے ہُوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے دستے اُن کے پیچھے گئے۔ زیدؓ بن خطاب تلوار چلاتے دُور تک نکل گئے اور شہید ہو گئے۔

ایک اور سالار ابوحذیفہ نے بھی یہی مثال قائم کی۔ وہ یہ نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے ــــ "اے اہلِ قرآن! اپنے اعمال سے قرآنِ حکیم کی ناموس کو بچاؤ" ــــ وہ بھی مقابلے میں آنے والے ہر مُرتد کو کاٹتے گئے، زخم کھاتے گئے اور شہید ہو گئے۔

اِن سالاروں نے جانیں دے کر مجاہدین کے عزم میں جان ڈال دی اور وہ آسمانی بجلیوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑنے لگے۔ اس کے باوجود مسیلمہ کا لشکر قائم و دائم تھا۔

خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں چالیں چلنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔ یہ آمنے سامنے کی ٹکر تھی۔ اس میں صرف ذاتی شجاعت ہی کام آ سکتی تھی۔

خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھا کہ مسیلمہ کے محافظ اُس کی حفاظت کے لیے جانیں قربان کر رہے ہیں۔ خالدؓ کو فتح کا یہی ایک طریقہ نظر آیا کہ مسیلمہ کو مار دیا جائے۔ یہ کام اتنا سہل نہیں تھا جتنی آسانی سے دماغ میں آیا تھا، لیکن خالدؓ ناممکن کو ممکن کر دکھانے کے لیے اس طرح مسیلمہ کی طرف بڑھے کہ اُن کے جانبازوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جب قریب گئے تو مسیلمہ کے محافظوں نے اُن پر ہلّہ بول دیا۔ خالدؓ کے قریب جو آیا وہ زندہ نہ رہا مگر مسیلمہ تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

خالدؓ کے جانبازوں نے اپنی ترتیب بکھرنے نہ دی۔ ایک موزوں موقع دیکھ کر خالدؓ نے اپنے جانبازوں کو مِل کر ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ خالدؓ خود بھی ہلّے میں شریک ہو گئے۔ کچھ محافظ پہلے ہی مر چکے تھے یا زخمی ہو کر زمین پر تڑپ رہے تھے۔ خالدؓ کے جانبازوں کا ہلّہ اتنا شدید تھا کہ مسیلمہ کے محافظ بوکھلا گئے۔ میدانِ جنگ کی صورتِ حال یہ ہو گئی تھی کہ مجاہدین جو فتح یا موت کی قسمیں کھا چکے تھے وہ مُرتدین پر ایک خوف بن کر چھا رہے تھے۔ مسیلمہ کو اپنی حفاظت کے لیے کوئی اور محافظ نہیں مِل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ آندھی کی چیخیں میدانِ جنگ کی ہولناکی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ مسیلمہ کے بچے کھچے محافظ گھبرانے لگے۔ خالدؓ کے جانبازوں نے اُن کا حلقہ توڑ دیا۔

"یا نبی!" کسی محافظ نے کہا ۔۔۔ "اپنا معجزہ دکھا۔"

"اپنا وعدہ پورا کر ہمارے نبی!" ایک اور محافظ نے کہا ۔۔۔ "تیرا وعدہ فتح کا تھا۔"

مسیلمہ نے موت کو اپنی طرف تیزی سے بڑھتے دیکھا تو اُس نے بلند آواز سے اپنے محافظوں سے کہا ۔۔۔ "اپنے حسب و نسب اور اپنی ناموس کی خاطر لڑو" ۔۔۔ اور وہ بھاگ اُٹھا۔

✪

دشمن کا قلب ٹوٹ گیا۔ پرچم غائب ہو گیا تو مُرتدین میں شور اُٹھا ۔۔۔ "نبی میدان چھوڑ گیا ہے ..... رسول بھاگ گیا ہے" ۔۔۔ اس پکار نے مُرتدین کے حوصلے توڑ ڈالے اور وہ میدان سے نکلنے لگے۔

تھوڑی سی دیر میں مُرتدین میدان چھوڑ گئے، لیکن میدانِ جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ خُون ندی کی طرح ایک طرف کو بہنے لگا۔ جہاں یہ معرکہ لڑا گیا وہ تنگ سی گھاٹی تھی۔ اس کا کوئی نام نہ تھا۔ اس معرکے نے اسے ایک نام دے دیا۔ یہ تھا شعیب الدام جس کے معنی ہیں خونی گھاٹی۔ دونوں لشکروں کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہوا کہ میدان میں لاشوں کے اُوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مسیلمہ کے لشکر کا جانی نقصان اُس کی تعداد کی

زیادتی کی وجہ سے زیادہ تھا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ کئی زخمی گھوڑے بے لگام ہو کر لاشوں اور زخمیوں کو روند رہے تھے۔ انہوں نے کئی اچھے بھلے آدمیوں کو کچل ڈالا۔

مسیلمہ کا لشکر جب بددل ہو کر بھاگا تو مجاہدین اُن کے تعاقب میں گئے۔ مسیلمہ کا ایک سالار محکم بن طفیل اپنے لشکر کو پکار رہا تھا —— "بنو حنیفہ! باغ کے اندر چلے جاؤ۔"

انہیں اب باغ میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ اس باغ کا نام حدیقتہ الرحمٰن تھا جو وسیع و عریض تھا۔ اس کے اردگرد دیوار تھی۔ مسیلمہ اس باغ میں چلا گیا تھا۔ باغ میدانِ جنگ کے بالکل قریب تھا۔ مسیلمہ کے لشکر کے بچے کھچے آدمی بھی باغ میں داخل ہو گئے۔ جب مجاہدین باغ کے قریب پہنچے تو باغ کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ مؤرخین کے مطابق باغ میں پناہ لینے والے مُرتدین کی تعداد سات ہزار تھی۔

خالدؓ گھوڑا دوڑاتے باغ کے اردگرد گھوم گئے۔ انہیں اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اندر جانا ضروری تھا۔ مسیلمہ کو قتل کرنا تھا تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔

اللہ کے ایک مجاہد براءؓ بن مالک آگے بڑھے اور بولے —— "مجھے اُٹھا کر دیوار کے اندر پھینک دو۔ خُدا کی قسم، دروازہ کھول دوں گا۔"

براءؓ صحابہ کرام میں خصوصی درجہ رکھتے تھے۔ کسی نے بھی گوارا نہ کیا کہ انہیں باغ کے اندر پھینک دیا جاتے لیکن انہوں نے اتنا زیادہ اصرار کیا کہ دو تین مجاہدین نے انہیں اپنے کندھوں پر کھڑا کر دیا اور وہ دیوار پہ جا کر باغ میں کُود گئے۔ باغ میں دشمن کے سات ہزار آدمی تھے اور براءؓ اکیلے۔

سات ہزار کفّار میں ایک مسلمان کا کُود جانا ایسے ہی تھا جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے کے اندر کُود گیا ہو۔ براء بن مالک سراپا عشق تھے جو آتشِ نمرود میں کُود گئے تھے۔ اُنہوں نے باغ کا دروازہ اندر سے کھولنے کا بے حد خطرناک کام کسی کے حکم کے بغیر اپنے ذمّے لے لیا تھا۔ اُنہوں نے دروازے کے قریب سے دیوار پھاندی تھی۔ سات ہزار بنو حنیفہ جو باغ کے اندر چلے گئے اور جنہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا، ابھی افراتفری کے عالم میں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مُسلمان اُن کے تعاقب میں آ گئے ہیں اور اُنہوں نے باغ کو محاصرے میں لے لیا ہے لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی مسلمان اکیلا دیوار پھاند کر اندر آنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

"وہ کون ہے؟" — کسی نے بڑی بلند آواز میں کہا — "وہ دروازہ کھول رہا ہے۔"

براء بن مالک کو کسی نے دیکھ لیا اور ایک نے پہچان کر نعرہ لگایا — "مسلمان ہے۔"

"کاٹ دو اِسے" — کوئی مرتد للکارا۔

"گردن مار دو" — ایک اور للکارا۔

"پکڑ لو.... مار ڈالو" — ایک شور اُٹھا۔

بے شمار مُرتد تلواریں اور برچھیاں تانے براء بن مالک کی طرف دوڑے۔ براء ابھی دروازہ کھول نہیں سکے تھے۔ اُنہوں نے تلوار نکالی اور بنو حنیفہ کا جو آدمی سب سے پہلے اُن تک پہنچا تھا، اُسے براء کی تلوار کے بھرپور وار نے وہیں روک دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہُوا پیچھے ہٹا۔ براء نے ایک بار پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ بروقت پیچھے کو گھومے۔ بیک وقت دو آدمیوں نے اُن پر برچھیوں کے وار کئے تھے۔ براء پھرتی سے ایک طرف ہو گئے۔ دونوں برچھیوں کی انّیاں جو براء کے جسم میں اُترنے کے لیے آئی تھیں، دروازے میں اُتر گئیں۔ براء نے بڑی تیزی سے تلوار چلائی اور اِن دونوں آدمیوں کو اُس وقت گھائل کر دیا جب وہ دروازے میں سے برچھیاں نکال رہے تھے۔

کئی مُرتد براء بن مالک پر مِل مِل کر حملہ کرتے تھے اور براء دروازے کے ساتھ پیٹھ لگائے بڑی تیزی سے تلوار چلا رہے تھے۔ اُن کی زبان سے دو ہی نعرے گرجتے تھے — "اللہ اکبر.... محمد الرّسول اللہ"۔ وہ وار روکتے، وار کرتے اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے تھے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ براء بن مالک نے بنو حنیفہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کیا اور دروازہ کھول دیا۔ بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ براء بن مالک کے پیچھے چند ا ور مسلمان دیوار پھاند کر اندر چلے گئے تھے جنہوں نے تیروں سے مُرتدین کو دُور رکھا اور براء بن مالک نے دروازہ کھول دیا۔ اس پر تمام مؤرخ متّفق ہیں کہ سب سے پہلے براء بن مالک دیوار پھاند کر اندر گئے تھے۔

دروازے کھلتے ہی مسلمان اس طرح دروازے میں سے اندر جانے لگے جیسے نہر کا کنارا کہیں

سے ٹوٹ گیا ہو۔ بہت سے مسلمان خالدؓ کے کہنے پر دیوار پر چڑھ گئے۔ یہ سب تیرانداز تھے۔ اُنہوں نے بنوحنیفہ پر تیروں کا مینہ برسادیا۔ مسلمان جواندر چلے گئے تھے، وہ بنوحنیفہ پر قہر کی مانند ٹوٹے۔ مُرتدین کا قتلِ عام ہونے لگا۔ اُن کے بھاگ نکلنے کے راستے مسدود ہوچکے تھے۔ وہ اب زندہ رہنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ اُن کا نبی، خواہ جھوٹا ہی تھا، اُن کے ساتھ تھا۔ اُس کی للکار سنائی دے رہی تھی اور وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

مُرتدین کی تعداد بہت زیادہ تھی جو بڑی تیزی سے کم ہوتی جارہی تھی۔ باغ خون سے سیراب ہورہا تھا۔ خالدؓ کے ذہن میں یہی ایک ارادہ تھا کہ مسیلمہ کو قتل کیا جائے، ورنہ لڑائی ختم نہیں ہوگی لیکن مسیلمہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

مسیلمہ کذاب خالدؓ کو تو نظر نہیں آرہا تھا، ایک اور انسان تھا جس کی عقابی نگاہوں نے مسیلمہ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حبشی غلام وحشی بن حرب تھے۔ برچھی نشانے پر پھینکنے میں وحشی کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اُس نے ایک بار اپنی برچھی کا کمال سب کو دکھایا تھا۔ ایک رقاصہ کے سر پر ایک کڑا جو کانچ کے اوسط سائز کا تھا، اُس کے بالوں کے ساتھ اس طرح باندھ دیا گیا تھا کہ کڑا اُس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ ناچنے لگی اور وحشی برچھی لے کر چند قدم دُور کھڑا ہوگیا۔

اُس نے برچھی ہاتھ پر اُٹھا کر تولی۔ رقاصہ رقص کررہی تھی۔ جوں ہی رقاصہ موزوں زاویے پر آئی، وحشی نے تاک کر برچھی پھینکی۔ برچھی رقاصہ کے سر پر کھڑے کڑے میں سے گزر گئی۔

جنگِ اُحد میں وحشی بن حرب نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب کو اسی طرح برچھی پھینک کر شہید کیا اور ابوسفیان کی بیوی ہُند سے انعام وصول کیا تھا۔ اُس وقت وحشی مسلمان نہیں ہُوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد اُس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

اب مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں وحشی مسلمانوں کے لشکر میں تھا۔ باغ کے خونریز معرکے میں اُس نے مسیلمہ کو دیکھ لیا۔ اُس نے خالدؓ کی زبان سے سُن لیا تھا کہ مسیلمہ کو ختم کیے بغیر لڑائی ختم نہیں ہوگی۔ وحشی مسیلمہ کی تلاش میں دشمن کی تلواروں اور برچھیوں سے اور اپنے ساتھیوں کے تیروں سے بچتا، لاشوں اور تڑپتے ہوتے زخمیوں سے ٹھوکریں کھاتا سارے باغ میں گھوم گیا اور اُسے مسیلمہ نظر آگیا۔ مسیلمہ اپنے محافظوں کے نرغے میں تھا جو اس قدر جانبازی کا مظاہرہ کررہے تھے کہ کسی مسلمان کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

وحشی کو قریب جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مسلمان مسیلمہ کے محافظوں کے ساتھ لڑرہے تھے اور ان کے اردگرد وحشی گھوم رہا تھا کہ مسیلمہ پر برچھی پھینکنے کا موزوں موقع اور صحیح زاویہ مل جائے۔ اُسے ایک موقع مِل گیا لیکن اُس کے راستے میں ایک خاتون اُمِ عمارہؓ آگئیں۔ وہ بھی مسیلمہ تک پہنچنے کی سعی کررہی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تھیں۔ وہ مسیلمہ کے محافظوں کا حصار توڑنے کے لیے آگے بڑھیں تو ایک مُرتد کی تلوار نے انہیں روک لیا۔ اُمِ عمارہؓ نے اپنی تلوار سے اُسے گرانے کی بہت کوشش کی لیکن مُرتد کے ایک وار نے اُمِ عمارہؓ کا ایک ہاتھ صاف کاٹ دیا۔ اُن کے بیٹے نے تلوار کے ایک ہی وار سے اِس مرتد کو مار گرایا اور یہ مجاہد اپنی ماں کو ساتھ لے گیا۔

وحشی کو موقع اور زاویہ مِل گیا۔ اُس نے برچھی کو ہاتھ میں تولا اور تاک کر پوری طاقت سے برچھی

مسیلمہ پر پھینکی۔ برچھی مسیلمہ کے پیٹ میں اُتر گئی۔ اُس کے ہاتھوں نے برچھی کو پکڑ لیا لیکن برچھی اپنا کام کر چکی تھی۔ مسیلمہ کے ہاتھوں میں برچھی کو پیٹ سے نکالنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ مسیلمہ گرا۔ اُسے مرنا ہی تھا لیکن ابُودجانہؓ نے اُسے تڑپ تڑپ کر مرنے کی اذیت سے اِس طرح بچا لیا کہ اُس کا سر تلوار کے ایک زوردار وار سے اُس کے دھڑ سے الگ کر دیا۔

ابُودجانہؓ مسیلمہ کی سر کٹی لاش ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ مسیلمہ کے ایک محافظ نے پیچھے سے اتنا سخت وار کیا کہ ابُودجانہؓ گرے پھر اُٹھ نہ سکے اور شہید ہو گئے۔

"بنو حنیفہ!— ایک مرتد گلا پھاڑ کر چلّایا —"ہمارے نبی کو ایک سیاہ فام حبشی نے مار ڈالا ہے"۔

مشہور مؤرّخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ باغ کے اندر معرکے کی خونریزی میں یہ آوازیں سنائی دینے لگیں —"نبی مارا گیا..... مسیلمہ قتل ہو گیا ہے"۔

☆

مسیلمہ کذاب کے قتل کا سہرا بلاشک و شبہ وحشی بن حرب کے سر ہے۔ وحشی کی زندگی ... گزری ہے۔ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے بالکل اسی طرح جس طرح اُس نے مسیلمہ کو برچھی پھینک ... تھا حمزہؓ کو جنگِ اُحد میں شہید کیا تھا۔ جب مسلمانوں نے مکّہ فتح کر لیا تو رسولؐ اللہ نے مکّہ ... مجرم قرار دیا تھا۔ ان میں وحشی کا نام بھی تھا۔ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ اُسے مسلمان ز... ہ نہیں رہنے دیں گے۔ وہ مکّہ سے نکل گیا اور طائف میں قبیلہ ثقیف کے ہاں جا پناہ لی تھی۔ قبیلہ ثقیف کو مسلمانوں نے جس طرح شکست دی تھی، وہ بیان ہو چکا ہے۔ اس قبیلے نے اسلام قبول کیا تو وحشی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور بیعت کے لیے اور اپنی جان بخشی کے لیے رسولِ کریمؐ کے حضور گیا۔ آپؐ نے اُسے کئی برس پہلے دیکھا تھا۔ شاید حضورؐ اُسے اچھی طرح پہچان نہ سکے۔

"کیا تم وہ وحشی ہو؟"— رسولِ اکرمؐ نے اُس سے پوچھا۔

"وہی وحشی ہوں"— وحشی نے جواب دیا —"اور اب آپؐ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہوں"۔

"او وحشی!"— حضورؐ نے پوچھا —"بتا تو نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا؟"

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ وحشی نے ایسے لب و لہجے میں سارا واقعہ سنایا جیسے وہ سننے والوں پر اپنی بہادری اور عسکری مہارت کا رعب گانٹھ رہا ہو۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی جان بخشی کر دی لیکن (ابنِ ہشام کے مطابق) آپؐ نے اُسے کہا کہ وہ آپؐ کے سامنے نہ آیا کرے۔ حمزہؓ رسولؐ اللہ کے صرف چچا ہی نہیں تھے بلکہ اُمّتِ محمدیہ میں اُن کا مقام بہت بلند تھا اور اُس وقت کے اسلامی معاشرے میں انہیں خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ یہ رسولِ کریمؐ کی عظمت تھی کہ آپؐ نے حمزہؓ جیسی شخصیّت کا قتل ایک سیاہ فام غلام کو بخش دیا تھا لیکن آپؐ کے دل میں قلق موجود رہا۔

آنحضورؐ نے وحشی بن حرب کے لیے جس ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا ویسی ہی ناپسندیدگی کا اظہار انہوں نے ہند کے لیے بھی کیا تھا جس کے ایما پر وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ اس کے بعد سیّد الشہداء کی لاش کی جس طرح بے حرمتی کی گئی، اُس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضورؐ نے ان دونوں سے اس لیے اظہارِ ناپسندیدگی نہیں کیا کہ انہوں نے آپؐ کے چچا کو شہید کیا تھا بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ایک

جلیل القدر مسلمان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی ورنہ ذاتی دشمنی کو دل میں رکھنا آپؐ کی شان کے شایاں نہیں تھا۔ آپؐ نے ہُندا اور وحشی سے کہا تھا کہ جب تم میری نظروں کے سامنے آتے ہو تو مجھے حمزہؓ کی لاش یاد آجاتی ہے۔ بہرحال آپؐ نے وحشی اور ہُند کو معاف فرما دیا تھا۔

وحشی بن حرب رسولِ کریمؐ کا گرویدہ ہو چکا تھا مگر حضورِ اکرمؐ نے اُسے اچھا نہیں سمجھا تھا جس کا وحشی کو بہت دُکھ تھا۔ وہ مکّہ سے چلا گیا اور اُس نے دو سال طائف کے علاقے میں کبھی یہاں کبھی وہاں گزارے۔ اُس پر خاموشی طاری رہتی اور وہ سوچوں میں گم رہتا تھا۔ اُس نے اسلام کو دِل سے قبول کر لیا تھا۔ وہ سچّا مسلمان رہا۔

دو سال بعد اپنے بے چین ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا اور اُس ... ؓ کے دستوں میں رہنا پسند کیا۔ یمامہ کی جنگ میں اُسے پتہ چل گیا تھا کہ خالدؓ مسیلمہ کو ہلاک کر ... شش میں ہیں۔ یہ فرض اُس نے اپنے ذمّے لے لیا اور فرض پورا کر دیا۔

... کے بعد وحشی خالدؓ کے دستوں میں رہا اور کئی لڑائیوں میں اُس نے بہادری کے جوہر دکھائے ... کے بعد وہ اسلامی لشکر سے الگ ہو کر حمص میں گوشہ نشین ہو گیا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ... بیسے حمزہؓ کا قتل بہت بڑا گناہ بن کر اُس کے ضمیر پر سوار ہو گیا ہو۔ اُس نے شراب نوشی شرو... کر دی جو عیاشی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو فراموش کر کے الگ پڑا رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دو خلافت میں اُسے شراب نوشی کے جُرم میں اسّی کوڑوں کی سزا دی تھی جس کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ شراب پیا رہا۔

زندگی کے آخری دنوں میں اُسے ایسی شہرت ملی کہ لوگ اُسے عقیدت سے ملتے تھے مگر وہ ہوش میں کم ہی ہوتا تھا۔ جب کبھی ہوش میں ہوتا تو لوگوں کو حمزہؓ اور مسیلمہ کے قتل کے واقعات سناتا تھا۔ لوگ اس سے یہی واقعات سننے کے لیے جاتے تھے۔ اُس نے کئی بار اپنی برچھی ہاتھ میں لے کر کہا —— "میں جب مسلمان نہیں تھا تو اس برچھی سے میں نے ایک بڑے ہی اچھے آدمی کو قتل کیا تھا۔ اور میں مسلمان ہُوا تو اس برچھی سے ایک بہت ہی بُرے آدمی کو قتل کیا۔"

☆

اُمِّ عمارہؓ ایک عظیم خاتون تھیں۔ جنگِ اُحد میں وہ اُن مسلمان عورتوں کے ساتھ تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ گئی تھیں۔ اس لڑائی میں ایسی صُورت پیدا ہو گئی کہ میدان پر قریش چھا گئے۔ اُنہوں نے رسولِ کریمؐ پر ہلّے بولنے شروع کر دیئے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا مگر دشمن کے ہلّے اتنے شدید تھے کہ آپؐ کے محافظوں کا گھیرا ٹوٹ گیا۔ قریش کا ایک آدمی ابن قمئہ رسولِ کریمؐ تک پہنچ گیا۔

رسولِ کریمؐ کے دائیں مصعبؓ بن عمیر تھے اور اُس وقت اُمِّ عمارہؓ بھی قریب ہی تھیں۔ اُنہوں نے جب رسولِ کریمؐ کو خطرے میں دیکھا تو زخمیوں کو پانی پلانے اور انہیں اٹھانے کا کام چھوڑ کر رسولِ اکرمؐ کی طرف دوڑیں۔ اُنہوں نے ایک لاش یا شدید زخمی کی تلوار لے لی۔

ابن قمئہ حضورِ اکرمؐ پر حملہ کرنے کی بجائے آپؐ کے محافظ مصعبؓ کی طرف گیا۔ مصعبؓ نے اُس کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُمِّ عمارہؓ نے ابن قمئہ پر تلوار کا وار کیا جو اُس کے کندھے پر پڑا مگر ابن قمئہ نے زرہ بکتر

پہن رکھی تھی اس لیے تلوار اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ ابنِ قمئہ نے گھوم کر اُمّ عمارہؓ پر جوابی وار کیا جو اس خاتون کے کندھے پر پڑا اور اتنا گہرا زخم آیا کہ وہ گر پڑیں۔ ابنِ قمئہ نے دوسرا وار نہ کیا کیونکہ وہ رسولِ اکرمؐ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

اب جنگِ یمامہ میں اُمّ عمارہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں۔ یہاں اُن کی دلیری کا یہ عالم کہ مسیلمہ کو قتل کرنے کا خطرہ مول لے لیا مگر ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

☆

وہ دسمبر ۶۳۲ء کے آخری دنوں میں سے ایک دن تھا۔ حدلیقتہ الرحمٰن سرسبز اور ہرا بھرا باغ ہُوا کرتا تھا جو لوگوں کو پھل دیا کرتا تھا۔ وہاں تھکے ماندے مسافر آکر سستایا کرتے تھے۔ وہاں پھولوں کی مہک تھی مگر اب وہ حدلیقتہ الموت بن چکا تھا۔ اُس کا حُسن خون میں ڈوب گیا تھا۔ اُس کی رعنائیاں لاشوں کے نیچے دب گئی تھیں۔ جہاں پرندے چہچہاتے تھے وہاں زخمیوں کی چیخ و پکار تھی۔ زخمی گھوڑے بے لگام بھاگ دوڑ رہے تھے۔ اُن کے ٹاپ یوں سنائی دے رہے تھے جیسے موت بے ہنگم قہقہے لگا رہی ہو۔

جب شور اُٹھا کہ مسیلمہ مارا گیا ہے تو مرتدین نکل بھاگنے کا راستہ دیکھنے لگے۔ وہ تو پہلے ہی بھاگے ہُوئے اس باغ میں آئے تھے۔ ان پر پہلے ہی مسلمان دہشت بن کر طاری ہو چکے تھے۔ باغ میں وہ ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے تھے۔ وہ ایسی جنگ لڑ رہے تھے جو پہلے ہی ہار چکے تھے۔ اب ان کے کانوں میں یہ صدائیں پڑیں کہ اُن کا نبی مارا گیا ہے تو اُن کی رہی سہی سکت بھی ختم ہو گئی۔ اُن میں جو ابھی تک لڑ رہے تھے، وہ باغ سے نکل بھاگنے کی کوشش میں تھے۔ شکست ان کے ذہنوں پر مسلط ہو چکی تھی۔

وہاں سے کچھ دُور مسلمانوں کی لٹی ہُوئی اور تباہ حال خیمہ گاہ میں صرف ایک خیمہ صحیح سلامت کھڑا تھا۔ یہ خالدؓ کا خیمہ تھا۔ بنو حنیفہ باقی تمام خیمے پھاڑ کر پرزے پرزے کر گئے تھے۔ وہ خالدؓ کے خیمے میں بھی گئے تھے لیکن وہاں اُن کا اپنا سردار مجاعہ بن مرارہ زنجیروں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ وہ لیلیٰ کو قتل کرنا یا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن مجاعہ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ پہلے مردوں کی طرف جاؤ۔ ابھی عورتوں کو پکڑنے کا وقت نہیں۔ وہ سب اپنے سردار کے حکم سے چلے گئے تھے۔ اس طرح خالدؓ کا خیمہ محفوظ رہا تھا۔

خالدؓ کی بیوی لیلیٰ خیمے سے باہر ایک اونٹ پر بیٹھی تھی۔ اُسے کہیں جانا نہیں تھا۔ وہ اُونچی ہو کر میدانِ جنگ کو دیکھ رہی تھی۔ میدان خالی ہو چکا تھا۔ اُسے باغ کی دیوار اور درختوں کے بالائی حصے نظر آ رہے تھے لیکن یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہ اونٹ سے کود آئی اور خیمے میں چلی گئی۔

"ابنِ مرارہ!"—لیلیٰ نے مجاعہ سے کہا—"تمہارا نبی میدان خالی کر گیا ہے۔ خدا کی قسم، بنو حنیفہ بھاگ گئے ہیں۔"

"میں نے کبھی نہیں سنا کہ تیرہ ہزار نے چالیس ہزار کو شکست دی ہے"—مجاعہ نے کہا—"میدان چھوڑ جانا مسیلمہ کی چال ہو سکتی ہے پسپائی نہیں۔"

"سب باغ کے اندر ہیں" ـــــ لیلیٰ نے کہا۔
"اگر سب باغ میں ہیں تو وہاں سے زندہ صرف بنو حنیفہ نکلیں گے" ـــــ مجاعہ بن مرارہ نے کہا ـــــ "اگر مسلمان باغ میں میرے قبیلے کے پیچھے چلے گئے ہیں تو سمجھ لو کہ انہیں موت باغ میں لے گئی ہے۔ بنو حنیفہ ناقابلِ تسخیر ہیں"۔

"آج فیصلہ ہو جائے گا" ـــــ لیلیٰ نے کہا ـــــ "ٹھہرو.... مجھے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دے رہے ہیں۔ میرے خاوند کا قاصد ہو گا" ـــــ وہ خیمے سے نکل کر کھڑی ہو گئی اور بولی ـــــ "وہ فتح کی خبر لایا ہو گا.... وہ آرہا ہے"۔

☆

گھوڑا جو سرپٹ دوڑتا آرہا تھا، لیلیٰ کے قریب آرکا اور سوار گھوڑے سے کود آیا ـــــ وہ خالدؓ تھے لیلیٰ انہیں اکیلا دیکھ کر گھبرائی۔ سالار کے اکیلے آنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس کی سپاہ تتر بتر ہو گئی ہے۔

"میدانِ جنگ کی کیا خبر ہے؟" ـــــ لیلیٰ نے پوچھا ـــــ "آپ اکیلے کیوں آئے ہیں؟"

"خدا کی قسم میں نے بنو حنیفہ کو کاٹ دیا ہے" ـــــ خالدؓ نے جوشیلی آواز میں کہا ـــــ "مسیلمہ کذاب مارا گیا ہے.... اور وہ قیدی کہاں ہے؟"

لیلیٰ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور سکون کی آہ بھر کر بولی ـــــ "مجاعہ کہتا ہے کہ بنو حنیفہ ناقابلِ تسخیر ہیں"۔

"میں پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے؟" ـــــ خالدؓ نے ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا ـــــ "کیا وہ اسے چھڑا کر لے گئے ہیں؟"

"میں یہیں ہوں ولید کے بیٹے!" ـــــ خیمے کے اندر سے مجاعہ کی آواز آئی ـــــ "میں تیری اس بات کو سچ نہیں مانوں گا کہ مسیلمہ مارا گیا ہے"۔

"میرے ساتھ چل مجاعہ!" ـــــ خالدؓ نے خیمے کے اندر جا کر کہا ـــــ "ہو سکتا ہے تیری بات سچ ہو۔ میں مسیلمہ کو نہیں پہچانتا۔ تیرا قبیلہ یہ شور مچاتا بھاگ گیا ہے کہ مسیلمہ مارا گیا ہے۔ میرے ساتھ آ اور لاشوں میں اس کی لاش دیکھ کر بتا کہ یہ ہے اس کی لاش"۔

"پھر کیا ہو گا؟" ـــــ مجاعہ نے پوچھا ـــــ "مجھے آزاد کر دو گے؟"

"خدا کی قسم!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "میں اس قبیلے کے ایک سردار کو آزاد نہیں کروں گا جو میرے دین کا دشمن ہے۔ رسالتؐ میں شرکت کا دعویٰ کرنے والے اور اس دعوے کو ماننے والوں کو میں کیسے بخش دوں؟ اللہ کے سوا تجھے کوئی نہیں بخش سکتا"۔

"او ولید کے بیٹے!" ـــــ مجاعہ بن مرارہ نے کہا ـــــ "میں نے اسے کب نبی مانا تھا وہ چرب زبانی اور شعبدہ بازیوں سے نبی بن گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا ہے کہ کتنا بڑا لشکر اس کا مرید ہو گیا تھا۔ اگر میں اسے نبی نہ مانتا تو وہ میرے سارے خاندان کو زندہ جلا دیتا، اور یہ وجہ بھی تھی کہ میں اپنے قبیلے سے اپنے آپ کو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ اگر تو میرے قتل کا حکم دے گا تو یہ ایک بے گناہ کا قتل ہو گا"۔

"اس نے مجھے اپنے ان لوگوں سے بچایا ہے جو ہماری خیمہ گاہ کو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے آئے تھے" ـــــ لیلیٰ نے خالدؓ سے کہا ـــــ "اس نے انہیں کہا تھا کہ عورتوں کے پیچھے مت پڑو۔ پہلے

آدمیوں کے پیچھے جاؤ.... وہ چلے گئے۔ اِس نے انہیں یہ بھی نہ کہا کہ وہ اِس کی بیڑیاں کھول دیں۔"

"تُو نے اس عورت پر رحم کیوں کیا ہے مجاعہ؟" ــ خالدؓ نے پوچھا۔

"کیونکہ اس نے مجھے قید میں بھی وہی عزّت دی ہے جو مجھے اپنے قبیلے میں ملا کرتی ہے" ــ مجاعہ نے کہا ــ "میں نے اسے اس سلوک کا صلہ دیا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا.... کیا میں ایسا نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے آدمیوں سے کہتا کہ میری بیڑیاں کاٹ دیں، پھر میں تیری اتنی حسین بیوی کو اپنی لونڈی بنا لیتا؟"

"بے شک تُو عزت کے لائق ہے مجاعہ!" ــ خالدؓ نے کہا ــ "میں تیری بیڑیاں اپنے ہاتھوں کاٹتا ہوں، پھر میرے ساتھ چلنا اور بتانا کہ مسیلمہ کی لاش کون سی ہے۔"

☆

مجاعہ بن مرارہ خالدؓ کے ساتھ خیمے سے نکلا تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں تھیں۔ باہر خالدؓ کے دو محافظ کھڑے تھے۔ خالدؓ اکیلے اِدھر آتے تھے۔ ان کے محافظ دستے کو پتہ چلا کہ سپہ سالار کسی اور طرف نکل گئے ہیں تو دو محافظ ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اُن کے خیمے تک جا پہنچے۔ وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

مجاعہ نے اپنی آنکھوں میدانِ جنگ کی حالت دیکھی۔ اسے اپنے قبیلے کی لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا" ــ مجاعہ نے کہا ــ "دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا.... کیا اتنے تھوڑے مسلمان اتنے بڑے لشکر کو شکست دے سکتے ہیں؟"

"یہ فتح انسانوں نے نہیں پائی" ــ خالدؓ نے کہا ــ "یہ سچے عقیدے اور اللہ کے سچے رسولؐ کی فتح ہے۔ بنو حنیفہ باطل عقیدے کے لیے میدان میں اُترے تھے۔ ہماری تلواروں نے اس عقیدے کو کاٹ دیا اور اتنا بڑا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

وہ لاشوں اور تڑپتے زخمیوں میں سے گزرتے باغ تک چلے گئے۔ اندر گئے تو وہاں لاشوں پر لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمان لاشوں کے ہتھیار اکٹھے کر رہے تھے۔ بنو حنیفہ میں سے جو زندہ تھے، وہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔

خالدؓ نے وحشی بن حرب کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ اُس شخص کی لاش کہاں ہے جسے اُس نے مسیلمہ سمجھ کر ہلاک کیا ہے۔ وحشی خالدؓ کو وہاں لے گیا جہاں مسیلمہ کی لاش پڑی تھی۔ اُس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں" ــ خالدؓ نے کہا ــ "یہ ٹھِنگنا اور بدصورت آدمی مسیلمہ نہیں ہو سکتا۔ اِس کے چہرے پر کراہیت ہے۔"

"یہی ہے" ــ مجاعہ نے کہا ــ "یہ مسیلمہ کی لاش ہے۔"

"یہ اُس شخص کی لاش ہے جس نے ہزاروں لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا" ــ خالدؓ نے کہا ــ "یہ شخص ایک فتنہ تھا۔"

"ابنِ ولید!" ــ مجاعہ نے خالدؓ سے کہا ــ "فتح پر خوش نہ ہو۔ تیرے لیے اصل مقابلہ تو

ابھی باقی ہے۔"

"کس کے ساتھ؟"

"بنو حنیفہ کے ساتھ"۔۔۔ مجاعہ نے جواب دیا۔۔۔ "یہ تو وہ لشکر تھا جو میدان میں آکر لڑا تھا۔ یہ تو چھوٹا سا ایک حصّہ تھا۔ اس سے بھی بڑا لشکر یمامہ میں قلعے کے اندر تیار کھڑا ہے۔ اپنے جانی نقصان کو دیکھ اور سوچ کہ تیری یہ سپاہ جو بہت کم ہو گئی ہے، اتنے بڑے تازہ دم لشکر کا مقابلہ کر سکے گی؟ تیرے سپاہی تھک کر چُور ہو چکے ہیں۔"

خالدؓ نے لاشوں سے اَٹے ہوئے باغ میں نگاہ دوڑائی۔ اُن کا لشکر واقعی لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جانی نقصان برداشت کے قابل نہیں تھا۔ زخمیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ باقی لشکر کی جسمانی کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ اللہ کے سپاہی اتنے تھک گئے تھے کہ جہاں جگہ دیکھتے وہاں لیٹ جاتے اور سو جاتے تھے۔ وہ اپنے سے تین گنا زیادہ لشکر سے لڑے تھے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔

"اگر تو میری ایک تجویز مان لے تو میں قلعے میں جا کر صلح کی بات کرتا ہوں"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔۔۔ "میرا قبیلہ میری بات مان لے گا۔"

خالدؓ بڑے قابل سپہ سالار تھے۔ جنگی قیادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ رسولؐ اللہ کے سچے عاشق تھے لیکن خود سر تھے اور زندہ دل بھی۔ وہ دشمن کو صرف شکست دے کر اسے فتح نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی فتح کو اُس وقت مکمل سمجھتے تھے جب بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر کے اُس کی بستیوں کو اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ اُن کا اصول تھا کہ دشمن کو سانپ سمجھو اور اُس کا سر کچل کر بھی دیکھو کہ اس میں ذرا سی بھی حرکت باقی نہ رہ جائے۔

خود سری کو خالدؓ خوبی سمجھتے تھے۔ اُن میں ڈسپلن بڑا ہی سخت تھا۔ اس کے باوجود جہاں صُورتِ حال پیچیدہ ہو جاتی، خالدؓ اپنے نائب سالاروں سے مشورے اور تجاویز لیتے تھے۔ اب مجاعہ بن مرارہ نے صلح کی بات کی تو خالدؓ نے یہ جانتے ہوتے کہ دشمن پسپا ہو چکا ہے، اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا کہ ان کے مجاہدین لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بنو حنیفہ کا ایک سردار مجاعہ بن مرارہ صلح کی پیش کش کر رہا ہے۔

"اصل فتنہ تو ختم ہو چکا ہے"۔۔۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔۔۔ "مسیلمہ کذاب کے مر جانے سے بنو حنیفہ کا دم خم ٹوٹ چکا ہے۔ میں تو یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ یمامہ کا محاصرہ فوراً کر لیا جائے اور دشمن کو سستانے کی مہلت نہ دی جائے۔"

"صرف یمامہ نہیں"۔۔۔ عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے کہا۔۔۔ "بنو حنیفہ میدان جنگ سے بھاگ کر ایسی جگہوں میں چھپ گئے ہیں جو چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں۔ پہلے انہیں پکڑنا ضروری ہے۔ اس کے بعد صلح کی بات ہو سکتی ہے۔"

"صلح کی شرائط ہماری ہوں گی"۔۔۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔

"کیا تمہاری نظر اپنے لشکر کی جسمانی حالت پر پڑی ہے؟"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "ابھی شہیدوں اور زخمیوں کی گنتی ہو رہی ہے۔ خدا کی قسم، کسی جنگ نے ہمارا اتنا خون نہیں پیا جتنا یہ جنگ پی گئی ہے اور شاید ہمیں اور

بھی خون دینا پڑے گا.... کیا تم بہتر سمجھو گے کہ دشمن کے جو آدمی اِدھر اُدھر چھپ گئے ہیں انہیں پکڑا جائے تاکہ یہ یمامہ کے قلعے میں جا کر ہمارے مقابلے میں نہ آسکیں؟"

"ہم یقیناً اسی کو بہتر سمجھتے ہیں" ـــــ عبدالرحمٰنؓ نے کہا ـــــ "اگر ہم انہیں پکڑ لیں تو صلح کی کیا ضرورت رہ جائے گی؟"

"مجاعہ نے بتایا ہے کہ ان کے جس لشکر سے ہم لڑ چکے ہیں اس سے کچھ زیادہ لشکر یمامہ کے اندر موجود ہے" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "تم میری اس رائے کو صحیح مانو گے کہ ہماری سپاہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مجاہدین تھکن سے بے حال ہو کر جہاں بیٹھتے ہیں وہاں سو جاتے ہیں۔ ہمارے لیے کمک بھی نہیں رہی۔ اگر کمک منگوائی بھی جاتے تو بہت دن لگ جائیں گے اتنے دنوں میں دشمن منظم ہو جائے گا اور اُس پر ہماری جو دہشت غالب آئی ہوتی ہے وہ اُتر جائے گی۔"

"ابنِ ولید!" ـــــ عبداللہؓ نے کہا ـــــ "تم نے خود بھی تو کچھ سوچا ہو گا۔"

"ہاں ابنِ عمرؓ!" ـــــ خالدؓ نے جواب دیا ـــــ "میں نے سوچا ہے کہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے دشمن کو پکڑا جائے، پھر یمامہ کا محاصرہ کر لیا جاتے اور اس دوران مجاعہ یمامہ میں جا کر اپنے سرداروں کے ساتھ صلح کی بات کرے۔ صلح کے لیے ہم یہ شرط ضرور رکھیں گے کہ بنو حنیفہ شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دیں۔"

"یہی بہتر ہے" ـــــ عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔

"میں بھی اسی کو بہتر سمجھتا ہوں" ـــــ عبداللہؓ نے کہا۔

"پھر یہ کام ابھی شروع کر دو" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "دستوں کو مختلف سمتوں کو روانہ کر دو اور انہیں کہو کہ بنو حنیفہ کا کوئی آدمی، عورت یا بچہ کہیں نظر آجاتے اُسے پکڑ کر لے آؤ۔"

☆

دستوں کو روانہ کر دیا گیا اور خالدؓ نے مجاعہ کو اپنے پاس بٹھالیا۔

"ابنِ مرارہ!" ـــــ خالدؓ نے مجاعہ سے کہا ـــــ "مجھے تجھ پر اعتماد ہے اور میں تجھے اس اعتماد کے قابل سمجھتا ہوں۔ جا اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ ہم صلح کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہو گی کہ تمھارے ہتھیار ہمارے سامنے زمین پر پڑے ہوئے ہوں گے۔"

"میں اسی شرط پر صلح کرانے کی کوشش کروں گا" ـــــ مجاعہ نے کہا ـــــ "لیکن ابنِ ولید! اپنی فوج کی حالت دیکھ لے۔"

"میں مزید خون خرابے سے ہاتھ روکنا چاہتا ہوں" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "کیا تو نہیں چاہے گا کہ تمھارے اور ہمارے جو آدمی زندہ ہیں وہ زندہ ہی رہیں؟ اپنے قبیلے میں جا کر دیکھ۔ آج کتنے ہزار عورتیں بیوہ اور کتنے ہزار بچے یتیم ہو چکے ہیں، اور یہ بھی سوچ کہ بنو حنیفہ کی کتنی ہی عورتیں ہماری لونڈیاں بن جائیں گی۔"

اُس وقت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کی یہ بات سن کر مجاعہ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آگئی جس میں تمسخر یا طنز کی جھلک تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں جاتا ہوں" ـــــ مجاعہ نے کہا ـــــ "ابن ولید! تیری خواہش پوری کرنے کی میں پوری کوشش کروں گا۔"

خالدؓ اپنے خیمے کی طرف چل پڑے۔ وہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے۔
لیلیٰ نے خالدؓ کو دُور سے دیکھا اور دوڑی آئی۔

"کیا تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے؟" ——— لیلیٰ نے خالدؓ سے پوچھا۔

خالدؓ نے اُسے بتایا کہ انہوں نے مجاعہ کو کس مقصد کے لیے چھوڑا ہے۔

"ابنِ ولید!" ——— لیلیٰ نے کہا ——— "اتنے انسانوں کا خون کس کی گردن پر ہوگا؟ میں نے اتنی زیادہ لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔"

"جب تک انسانوں میں انسانوں کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے کی ذہنیت موجود رہے گی، انسانوں کا خون بہتا رہے گا" ——— خالدؓ نے کہا ——— "میں نے بھی اتنی لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ آنے والا زمانہ اس سے زیادہ لاشیں دیکھے گا۔ حق اور باطل آپس میں ٹکراتے رہیں گے.... میں اسی لیے صلح کی کوشش کر رہا ہوں کہ اور خون نہ بہے.... اس سے آگے نہ جانا۔ تم جو دیکھو گی اِسے تم برداشت نہیں کر سکو گی۔"

آسمان سے گِدھ اُترنے لگے تھے اور انہوں نے لاشوں کو نوچنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ مسلمان لاشوں کے درمیان اپنے زخمی ساتھیوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں اُٹھا اُٹھا کر خیمہ گاہ کی طرف لا رہے تھے۔ باقی سپاہ بنو حنیفہ کے چھپے ہوئے آدمیوں کو پکڑنے کے لیے چلی گئی تھی۔

☆

رات کو خالدؓ کو اطلاعیں ملنے لگیں کہ بنو حنیفہ کے آدمیوں کو لا رہے ہیں۔ بعض کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو سردی اور بھوک سے بچایا جائے لیکن خیمہ گاہ لُٹ چکی تھی۔ خوراک کی قلّت تھی۔ خالدؓ نے کہا کہ خود بھوکے رہو، قیدی عورتوں اور بچوں کے پیٹ بھرو۔

اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مسلمان مجاہدین لاشوں سے کھجوروں وغیرہ کی تھیلیاں کھول کر لے آئے۔ ہر سپاہی اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ سامان رکھتا تھا۔ یہ عورتوں اور بچوں کو دیا گیا۔

علیٰ الصبح مجاعہ یمامہ سے واپس آیا اور خالدؓ کے خیمے میں گیا۔

"کیا خبر لائے ہو ابنِ مرارہ؟" ——— خالدؓ نے پوچھا۔

"خبر بُری نہیں" ——— مجاعہ نے جواب دیا ——— "لیکن تم اسے اچھا نہیں سمجھو گے.... بنو حنیفہ تمہاری شرط پر صلح کرنے کو تیار نہیں۔ وہ تمہاری غلامی قبول نہیں کریں گے۔"

"خدا کی قسم! میں انہیں اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا" ——— خالدؓ نے کہا ——— "ہم سب اللہ کے رسولؐ کے غلام ہیں۔ میں انہیں اس سچے رسولؐ کے عقیدے کا غلام بناؤں گا۔"

"وہ اس شرط کو بھی نہیں مانیں گے" ——— مجاعہ نے کہا ——— "اور یہ بھی دیکھ کہ تیرے پاس رہ کیا گیا ہے ابنِ ولید! میں نے یمامہ کے اندر جا کر دیکھا ہے۔ ایک لشکر ہے جو زرہ پہنے تیری اس چھوٹی سی فوج کو لہولہان کر دینے کے لیے تیار ہے۔ کبھی یہ حماقت نہ کر بیٹھنا کہ یمامہ کو آ کے محاصرے میں لے لے۔ تو کچلا جائے گا ابنِ ولید! جوش کو چھوڑ اور ہوش کی بات کر۔ اپنی شرط کو نرم کر۔ میں نے بنو حنیفہ کو ٹھنڈا کر لیا ہے۔ اس لشکر کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے۔"

خالدؓ گہری سوچ میں کھو گئے۔ مجاعہ نے انہیں کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ یہ تو خالدؓ دیکھ ہی چکے تھے کہ اُن کے پاس جو سپاہ رہ گئی ہے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ اس سپاہ کو آرام کی ضرورت تھی لیکن وہ رات بھر دشمن کے چھپے ہوئے آدمیوں کو تلاش اور گرفتار کرتی رہی تھی۔ اب تو اِن مجاہدین کے سر ڈول رہے تھے۔

"ابنِ مرارہ!"— خالدؓ نے گہری سوچ سے نکل کر کہا — "تجھے شاید معلوم نہ ہو، اپنے ان سرداروں سے پُوچھ لینا جو اس جنگ میں شریک تھے کہ ہمارے پاس بنو حنیفہ کا کتنا مال اور ساز و سامان ہے اور کتنے باغ اور کتنے قیدی ہمارے قبضے میں ہیں۔ واپس جا اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ مسلمان آدھا مالِ غنیمت آدھے باغ اور آدھے قیدی واپس کر دیں گے۔ اُنہیں سمجھا کہ یمامہ اور اس کی آبادی کو تباہی میں نہ ڈالیں۔"

ابنِ مرارہ چلا گیا۔ اِس دوران مزید قیدی لائے گئے۔

مجاعہ شام سے کچھ پہلے واپس آیا اور اُس نے بتایا کہ بنو حنیفہ کا کوئی سردار اس شرط کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ مجاعہ نے یہ بھی کہا کہ بنو حنیفہ اپنی شکست اور اپنے ہزاروں مقتولین کے خون کا انتقام لیں گے۔"

"میری بات کان کھول کر سن ابنِ مرارہ!"— خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا — "اگر بنو حنیفہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم قلیل تعداد ہونے کی وجہ سے ڈر جائیں گے تو انہیں جا کر کہہ دے کہ مسلمان کٹ مریں گے تمہیں انتقام کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"غصے میں نہ آ ولید کے بیٹے!"— مجاعہ نے مُسکرا کر کہا — "ہمارا جو مالِ غنیمت، باغ اور قیدی تمہارے پاس ہیں اُن کا چوتھائی حصہ اپنے پاس رکھ لے باقی ہمیں دے دے اور آ صلح کر لیں۔ صلح نامہ تحریر ہو گا۔"

خالدؓ ایک بار پھر سوچ میں کھو گئے۔

"میں تجھے ایک بار پھر خبردار کرتا ہوں ولید کے بیٹے!"— مجاعہ نے کہا — "یہ میرا کمال ہے کہ میں نے بنو حنیفہ کو صلح پر راضی کر لیا ہے۔ میں نے اُن کی لعنت ملامت برداشت کی ہے۔ اُنہوں نے مجھے غدّار بھی کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں سے انعام لے کر ہمیں اُن کا غلام بنانا چاہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری تعداد اگر کم بھی ہوتی تو بھی ہم صلح نہ کرتے۔ ہمارے پاس نہ ساز و سامان کی کمی ہے نہ خوراک کی۔ ان چیزوں کی کمی ہے تو مسلمانوں کو ہو گی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتنی سخت سردی میں مسلمان کب تک محاصرے میں بیٹھے رہیں گے۔ راتوں کی سردی کو وہ کھلے آسمان تلے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تیری اس چھوٹی سی فوج کے پاس خیمے بھی نہیں رہے..... سوچ لے ابنِ ولید! اچھی طرح سوچ لے۔ اگر تجھے شک ہے تو ذرا آگے جا کر یمامہ کی دیواروں پر ایک نظر ڈال اور دیکھ کہ ایک دیوار تو قلعے کی ہے اور اس کے اوپر ایک دیوار انسانی جسموں کی ہے۔"

خالدؓ بے شک اپنی کمزوریوں سے آگاہ تھے لیکن وہ دشمن کی ہر شرط ماننے کو تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکل گئے۔ ان کے نائب سالار باہر کھڑے تھے۔ سالاروں نے بے تابی سے خالدؓ سے پوچھا کہ صلح کی بات کہاں تک پہنچی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ"— خالدؓ نے اُن سے کہا۔

نائب سالار خالدؓ کے ساتھ چل پڑے۔ خالدؓ انہیں بتانے لگے کہ مجاعہ صلح نامے کی کیا شرط لایا ہے وہ چلتے گئے اور ایسی جگہ جار کے جہاں سے یمامہ شہر کی دیوار نظر آتی تھی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ دیوار پر آدمی ہی آدمی تھے۔ مجاعہ نے ٹھیک کہا تھا کہ شہر کی دیوار کے اوپر انسانی جسموں کی دیوار کھڑی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ شہر میں بہت بڑا لشکر موجود ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نے محاصرہ کیا تو ہم نقصان اٹھائیں گے" — خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں سے کہا — "دیوار پر جو مخلوق کھڑی ہے اس کے تیر ہمیں دیوار کے قریب نہیں جانے دیں گے۔ ہمارے پاس مروانے کے لیے اتنے زیادہ آدمی نہیں"

"میں تو صلح کی رائے دوں گا" — ایک نائب سالار نے کہا۔

"جس فتنے کو ہم ختم کرنا چاہتے تھے وہ ختم ہو چکا ہے" — ایک اور نائب سالار نے کہا — "اب ہم صلح کر لیں تو ہم پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے؟"

خالدؓ واپس اپنے خیمے میں آ گئے اور مجاعہ کو بتایا کہ وہ صلح کے لیے تیار ہیں۔ اُسی وقت صلح نامہ تحریر ہوا جس پر خالدؓ نے خلافت کی طرف سے اور مجاعہ بن مرارہ نے بنو حنیفہ کی طرف سے دستخط کیے۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان یمامہ کے کسی آدمی کو جنگی مجرم قرار دے کر قتل نہیں کریں گے۔

مجاعہ واپس چلا گیا۔ اُسی روز اُس نے یمامہ کے دروازے کھول دیئے اور خالدؓ کو شہر میں مدعو کیا۔

☆

خالدؓ اپنے سالاروں اور کمانداروں کے ساتھ یمامہ شہر کے دروازے تک پہنچے۔ اُنہوں نے اُوپر دیکھا۔ دیواروں پر اب ایک بھی آدمی نہیں کھڑا تھا۔ بُرج بھی خالی تھے۔ خالدؓ کو توقع تھی کہ قلعے کے اندر انہیں بنو حنیفہ کا وہ لشکر نظر آئے گا جس کے متعلق مجاعہ نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمانوں کو کچل ڈالے گا مگر وہاں کسی لشکر کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں عورتیں تھیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ جوان آدمی ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے کھڑی تھیں بعض منڈیروں پر بیٹھی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عورتیں رو رہی تھیں۔ ان کے خاوند، باپ، بھائی یا بیٹے جنگ میں مارے گئے تھے۔

"ابن مرارہ!" — خالدؓ نے مجاعہ سے پوچھا — "وہ لشکر کہاں ہے؟"

"دیکھ نہیں رہے ہو ابنِ ولید!" — مجاعہ نے دروازوں کے سامنے اور چھتوں پر کھڑی عورتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا — "یہ ہے وہ لشکر جو شہر کی دیوار پر تیر و کمان اور برچھیاں اُٹھائے کھڑا تھا۔"

"یہ عورتیں؟" — خالدؓ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں ولید کے بیٹے!" — مجاعہ نے کہا — "شہر میں کوئی لشکر نہیں۔ یہاں صرف بُوڑھے آدمی ہیں جو لڑنے کے قابل نہیں۔ عورتیں ہیں اور بچے ہیں"

"کیا یہ ہمارے حملے کو روک سکتے تھے؟" — خالدؓ نے پوچھا — "کیا عورتیں مقابلے میں آتی تھیں؟"

"نہیں ابنِ ولید!" — مجاعہ نے کہا — "یہ میری ایک چال تھی۔ شہر سے تمام آدمی لڑنے کے لیے چلے گئے ہیں۔ شہر میں کوئی جوان آدمی نہیں رہا تھا۔ میں اپنے قبیلے کو تباہی سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے تمام عورتوں، بوڑھوں اور کمسن لڑکوں کو زرہ اور سروں پر خودیں پہنائیں اور ان کے ہاتھوں میں تیر و کمان اور برچھیاں دے کر دیوار پر کھڑا کر دیا۔ میں نے خود باہر جا کر دیکھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ عورتیں

بوڑھے آدمی اور کمسن لڑکے ہیں۔ میں نے تجھے موقع دیا کہ دیوار پر ایک نظر ڈال لے تاکہ تو اس جھانسے میں آجاتے کہ یمامہ میں بہت بڑا لشکر موجود ہے ..... اور تو میرے جھانسے میں آ گیا۔"

خالدؓ خشمگیں ہوئے۔ وہ مجاعہ کو اس دھوکے کی سزا دے سکتے تھے لیکن اُس عہد نامے کی خلاف ورزی انہیں گوارا نہیں تھی جس پر وہ دستخط کر چکے تھے۔

"خدا کی قسم!" ــــ خالدؓ نے مجاعہ سے کہا ــــ "تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔"

"میں تجھے دھوکہ دے سکتا ہوں" ــــ مجاعہ نے کہا ــــ "اپنے قبیلے کی عورتوں اور بچوں سے غداری نہیں کر سکتا۔ میں انہیں تیری تلواروں سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں بچا لیا ہے۔"

"تو خوش قسمت ہے کہ میں مسلمان ہوں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اسلام معاہدہ توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں صلح نامے پر دستخط کر چکا ہوں، ورنہ میں تمہاری ان تمام عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتا۔"

"مجھے معلوم تھا تو ایسے نہیں کرے گا" ــــ مجاعہ نے کہا۔

"لیکن ایک بات سن لے ابن مرارہ!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں نے معاہدہ صرف یمامہ شہر کے لیے کیا ہے۔ اس میں ارد گرد کے علاقے شامل نہیں۔ میں پابند ہوں کہ یمامہ کے اندر کسی جنگی مجرم کو قتل نہ کروں۔ یمامہ کے باہر میں جسے سمجھوں گا کہ اسے قتل ہونا چاہیئے، اُس کے قتل سے میں گریز نہیں کروں گا۔"

☆

ارتداد کا سب سے بڑا مرکز یمامہ تھا جو خالدؓ نے اکھاڑ پھینکا اور جھوٹے نبی کو ہلاک کر کے اُس کی لاش کی نمائش کی گئی۔ اِس کے پیروکاروں سے کہا گیا کہ مسلیمہ کے پاس معجزوں کی طاقت ہوتی تو تمہارے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کا یہ حشر تیرہ ہزار آدمیوں کے ہاتھوں نہ ہوتا۔

"بنو حنیفہ!" ــــ مسلمان یمامہ کی گلیوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے ــــ "عورتیں مت ڈریں۔ کسی کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا۔ شہر کے اندر کسی مرد، بچے یا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ مسلیمہ فریب کار تھا۔ اُس نے تم سب کو دھوکہ دے کر تمہارے گھر اُجاڑ دیئے ہیں۔"

یمامہ پر خوف و ہراس اور موت کی ویرانی طاری تھی۔ عورتیں شہر سے باہر نکلنے سے ڈرتی تھیں۔ انہیں مسلمانوں سے کوئی ڈر اور خدشہ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھنے سے ڈرتی تھیں۔ وہ شہر کی دیوار پر جا کر باہر کا منظر دیکھتی تھیں۔ انہیں گدھوں، گیدڑوں اور بھیڑیوں کی خوفناک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ سب لاشیں کھا رہے تھے۔

یمامہ اور گرد و نواح کے لوگوں نے اتنی قتل و غارت کبھی دیکھی نہ سنی تھی۔ یہ تو قہر نازل ہوا تھا۔ گھر گھر ماتم ہو رہا تھا۔ اس بھیانک صورتِ حال میں لوگ اس غیبی قوت کے آگے سجدے کرنا چاہتے تھے جس نے ان پر قہر نازل کیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج میں قرآن کے حافظ اور قاری بھی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو آیاتِ قرآنی سنا کر بتانا شروع کر دیا کہ انہیں تباہ کرنے والی غیبی طاقت کیا ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ بنو حنیفہ کے جو آدمی بھاگ گئے تھے، ان کی تعداد کم و بیش بیس ہزار تھی۔ وہ یوں لاپتہ ہوتے کہ اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے۔ وہ بھی خوفزدہ تھے۔

وہ نادم بھی تھے کہ انہوں نے ایک جھوٹے نبی کے ہاتھ پر بیعت کی جس نے انہیں کہا تھا کہ اُسے خدا نے ایسی طاقت دی ہے کہ فتح بنو حنیفہ کی ہی ہو گی اور مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ انہیں تبلیغ کی اور اسلام کے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ ان میں بیشتر نے از خود اسلام قبول کر لیا۔

مجاعہ بن مرارہ بنو حنیفہ کی سرداری میں مسیلمہ کذاب کا جانشین تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا قبیلہ دھڑا دھڑ اسلام قبول کرتا جا رہا ہے تو اس سے اُسے یہ اطمینان ہُوا کہ خالدؓ کے دل میں اُس کے خلاف جو خفگی تھی وہ نکل گئی ہے۔

بنو حنیفہ کے لوگ جوق در جوق خالدؓ کے پاس بیعت کے لیے آ رہے تھے۔ خالدؓ نے ان میں سے چند ایک سرکردہ افراد کا ایک وفد تیار کیا اور انہیں خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت کے لیے مدینہ بھیج دیا۔

☆

خالدؓ کو یہ جنگ بہت مہنگی پڑی تھی۔ قدیم تحریروں اور دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کو اتنے بڑے لشکر پر فتح حاصل کرنے کی توقع کم ہی تھی۔ اُنہوں نے یہ اللہ کے بھروسے اور اپنی جنگی قابلیت کے بل بوتے پر لڑی تھی۔ اُن کے اعصاب تھک کر چُور ہو چکے تھے۔

اس جنگ کی خونریزی کا اندازہ یہ ہے کہ بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد الگ ہے۔ اس کے مقابلے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار دو سو تھی۔ ان میں تین سو شہید قرآن کے حافظ تھے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب خلیفہ ابوبکرؓ کو اطلاع ملی کہ شہیدوں میں تین سو حافظ قرآن تھے تو اُنہوں نے یہ سوچ کر کہ جنگوں میں قرآن کے تمام حافظ شہید ہو سکتے ہیں، حکم دیا کہ قرآن ایک جگہ تحریر میں جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلی بار قرآن کو اِس شکل میں مرتّب کیا گیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔

جنگِ یمامہ کے بعد خالدؓ کی کیفیت یہ تھی کہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے شل ہو چکے تھے۔ لیلیٰ ان کے تھکے ماندے اعصاب سہلاتی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کسی بھی جنگ میں مسلمانوں کا اتنا جانی نقصان نہیں ہُوا تھا۔ اب ایک ہی بار ایک ہزار دو سو مجاہدین شہید ہو گئے تو باقی مجاہدین پر جیسے غم کے پہاڑ آ پڑے ہوں۔ خالدؓ دکھ اور غم کو قبول کرنے والے نہیں تھے۔ اگر وہ مرنے والوں کا ماتم کرنے بیٹھ جاتے یا دل پر غم طاری کر لیتے تو سپہ سالاری نہ کر سکتے۔ انہیں آگے چل عراق اور شام فتح کرنا تھا۔ انہیں ارتداد کو کچل کر اسلام کو دُور دُور تک پھیلانا تھا اس لیے وہ اپنے آپ کو رنج و الم سے آزاد رکھتے تھے۔

"ولید کے بیٹے!" — لیلیٰ نے خالدؓ سے کہا — "میں تمہیں اس عظیم فتح پر ایک تحفہ دینا چاہتی ہُوں۔"

"کیا اللہ کی خوشنودی کافی نہیں" — خالدؓ نے کہا۔

"وہ تو تمہیں مل ہی گئی ہے" — لیلیٰ نے کہا — "تم اللہ کی تلوار ہو۔ میں اس دنیا کی بات کر رہی ہُوں۔ تم بہت تھک گئے ہو۔"

"تحفہ کیا ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"مجاعہ بن مرارہ کی بیٹی" — لیلیٰ نے کہا — "تم نے اُسے نہیں دیکھا۔ میں اُس کے گھر گئی تھی بہت

خوبصورت لڑکی ہے۔ یمامہ کا ہیرا ہے۔ وہ تمہیں چاہتی بھی ہے۔ کہتی ہے کہ خالدؓ عظیم انسان ہے جس نے ہم پر فتح پاکر بھی اعلان کیا ہے کہ کسی عورت کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا، حالانکہ اُسے یمامہ کی عورتوں نے دھوکہ دیا تھا۔"

اُس دور میں عربوں کے ہاں سوکن کا تصوّر نہیں تھا۔ خالدؓ نے مجاعہ بن مرارہ سے کہا کہ وہ اُس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مجاعہ اتنا حیران ہُوا جیسے اُس نے غلط سُنا ہو۔

"کیا کہا تُو نے ولید کے بیٹے؟"۔۔۔ مجاعہ نے پوچھا۔

"میں تمہاری بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہُوں"۔۔۔ خالدؓ نے اپنی بات دہرائی۔

"کیا خلیفہ ابوبکرؓ ہم دونوں سے خفا نہ ہوں گے؟"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔ (مجاعہ کے صحیح الفاظ یہ تھے۔۔۔"کیا خلیفہ ہم دونوں کی کمر نہ توڑ ڈالیں گے؟")

خالدؓ اسی پر اصرار کرتے رہے کہ وہ مجاعہ کی بیٹی کے ساتھ شادی کریں گے۔ آخر اُنہوں نے اس حسین اور جوان لڑکی کو اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ خبر مدینہ پہنچی تو خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو خط لکھا:

"او ولید کے بیٹے! تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ شادیاں کرتے پھرتے ہو۔ تمہارے خیمے کے باہر بارہ سو مسلمانوں کا خُون بہہ گیا ہے۔ تم نے شہیدوں کا خُون بھی خشک نہیں ہونے دیا۔"

"یہ عمرؓ بن خطاب کی کارستانی ہے"۔۔۔ خالدؓ نے خط پڑھ کر زیرِ لب کہا۔

یہ معاملہ سرزنش کے خط پر ہی ختم ہو گیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ وہ یمامہ کے علاقے میں رہیں اور اگلے حکم کا انتظار کریں۔ خالدؓ مجاعہ کی بیٹی اور لیلیٰ کو ساتھ لے کر یمامہ کے قریب وادیٔ وبر میں جا خیمہ زن ہُو گئے۔ دو ماہ بعد انہیں اگلا حکم ملا۔

فروری ۶۳۴ء کے پہلے ہفتے (ذیقعد ۱۱ ہجری کے آخری ہفتے) کے ایک دن خلیفہ ابوبکرؓ سے ملنے ایک شخص آیا جس نے اپنا نام مثنیٰ بن حارثہ شیبانی بتایا۔ خلیفہ کے لئے اور اہلِ مدینہ کے لئے وہ ایک غیر اہم بلکہ گمنام آدمی تھا۔ اگر ایسا شخص کسی بادشاہ کے دربار میں جاتا تو اُسے وہاں سے نکال دیا جاتا لیکن ابوبکرؓ کسی اقلیم کے بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہِ دوجہاں کے خلیفہ تھے جن کے دروازے ہر کسی کے لئے کھلے رہتے تھے۔

یہ شخص جب خلیفہ ابوبکرؓ کے پاس آیا، اُس وقت اُس کے چہرے پر تھکن اور شب بیداری کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ کپڑوں پر گرد تھی اور وہ قدرتی روانی سے بول بھی نہیں سکتا تھا۔

"کیا مجھے کوئی بتا سکتا ہے یہ اجنبی مہمان کون ہے؟" —— امیرالمومنین ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"یہ شخص جس نے اپنا نام مثنیٰ بن حارثہ بتایا ہے، یہ معمولی آدمی نہیں" —— قیس بن عاصم المنقری نے جواب دیا —"امیرالمومنین! اس کے یہاں آنے میں کوئی فریب نہیں۔ شہرت اور عزت جو اس نے پائی ہے وہ اللہ ہر کسی کو عطا کرے۔ ہرمز جو عراق میں فارس کا سالار ہے اور جس کی فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے، مثنیٰ بن حارثہ کا نام سُن کر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔"

"امیرالمومنین!" —کسی اور نے کہا —"آپ کا اجنبی مہمان بحرین کے قبیلہ بکر بن وائل کا معزز فرد ہے۔ یہ اسلام قبول کرنے والے اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کفر اور ارتداد کی آندھیوں میں اسلام کی شمع روشن رکھی ہے اور اس نے ہمارے سالار علاء بن حضرمی کے ساتھ مل کر عراق کی سرحد کے علاقوں میں مُرتدین کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں۔"

امیرالمومنین ابوبکرؓ کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اب اُنہوں نے مثنیٰ بن حارثہ کو بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ اُن کے ذہن میں عربی مسلمانوں کے وہ قبائل آ گئے جو ایرانیوں کے محکوم تھے۔ یہ عراق کے علاقے میں آباد تھے۔ یہ تھے بنولخم، تغلب، ایاد، نمبر اور بنوشیبان۔ ایک روایت کے مطابق یہ وہ عربی باشندے تھے جنہیں پہلی جنگوں میں ایرانی جنگی قیدی بنا کر لے گئے اور انہیں دجلہ اور فرات کے ڈیلٹا کے دلدلی علاقے میں آباد کر دیا تھا۔

اِن قبائل نے ایرانیوں کا غلام ہوتے ہوئے بھی اپنے عقیدوں کو اپنے وطن کے ساتھ وابستہ رکھا۔ عرب میں اسلام کو فروغ ملا تو اُنہوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ عراق سے سجاح جیسے چند افراد نے نبوّت کے دعوے کئے تو ان محکوم عربوں نے اس ارتداد کے خلاف محاذ بنا لیا۔

اِدھر مسلمان ایک ایسی جنگی طاقت بن چکے تھے جن کے سامنے مُرتدین اور کفّار کے متحدہ لشکر بھی نہ جم سکے۔ میدانِ جنگ سے ہٹ کر مسلمان جو عقیدہ پیش کرتے تھے وہ دلوں میں اُتر

جاتا تھا۔ اس طرح مسلمان عسکری اور نظریاتی لحاظ سے چھاتے چلے جارہے تھے لیکن ابھی وہ آتش پرست ایرانیوں کے خلاف ٹکر لینے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔ ایران اُس وقت کی بڑی طاقتور بادشاہی تھی جس کے طول و عرض کا حساب نہ تھا۔ اس بادشاہی کی فوج تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بہت طاقتور تھی۔ صرف رُومی تھے جنہوں نے اِن سے جنگیں لڑیں اور انہیں کچھ کمزور کر دیا تھا۔

اس کے باوجود خلیفہ ابوبکرؓ ایران کی بادشاہی میں رسول اللہؐ کا پیغام پہنچانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ ایرانی نہ صرف یہ کہ اسلام کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے بلکہ وہ اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی ایلچی اُن کے کسی علاقے کے امیر کے دربار میں چلا جاتا تو وہ اُس کی بے عزتی کرتے اور بعض کو قید میں بھی ڈال دیا کرتے تھے۔

حکومتوں اور حکمرانوں کے انداز اور خیالات اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے سوچنے کے انداز بھی مصلحت اور حالات کے تابع ہوتے ہیں لیکن عوام کی سوچیں ان کے جذبوں کے زیر اثر ہوتی ہیں اور ملک و ملت کی خاطر عوام آگ اُگلتے پہاڑوں کے خلاف بھی سینہ سُپر ہو جاتے ہیں۔

۲

اُس دَور میں عراق ایران کی بادشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا امیر یا حاکم ہرمز تھا جو اُس دَور میں مانا ہُوا جنگجو اور نڈر جنگی قائد تھا۔ ظالم اور بدطینت اتنا کہ اُس کے علاقے کے لوگ کسی کے خلاف بات کرتے تو کہتے تھے ـــــ "وہ تو ہرمز سے بڑھ کر کمینہ اور بدفطرت ہے"۔

اُس کے ظلم و ستم کا زیادہ تر شکار مسلمان تھے جو دجلہ اور فرات کے سنگھم کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان کے خلاف ہرمز کو یہی ایک دُشمنی تھی کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ کسی ایرانی کے ہاتھوں کسی مسلمان کا قتل ہو جانا اور کسی مسلمان عورت کا اغوا کوئی جُرم نہیں تھا۔ ہندوؤں کی طرح ایرانی مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر، کسی بہانے اُن کے گھروں کو لوٹ کر اور جلا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ مسلمان خوف و ہراس میں زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمان جس علاقے میں آباد تھے، اُس کی زمین سونا اگلتی تھی۔ اناج اور پھلوں کی پیداوار کے لئے یہ علاقہ بڑا ہی زرخیز تھا۔ یہ علاقہ جو کم و بیش تین سَو میل لمبا تھا، زرخیزی اور شادابی کے علاوہ قدرتی مناظر کی وجہ سے حسین خطہ تھا۔ حاکم عیش و عشرت کے لئے اسی علاقے میں آتے اور کچھ دن گزار جاتے تھے۔ اس زرخیز اور شاداب علاقے میں مسلمانوں کو آباد کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ کھیتی باڑی کریں اور خوشحال رہیں، بلکہ انہیں یہاں مزارعوں کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر شبانہ روز محنت اور مشقت سے اناج اور پھل اگاتے مگر اس میں سے اُنہیں اتنا ہی حصہ ملتا جو اُنہیں محض زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ زمین کی اُگلی ہوئی تمام دولت حاکموں کے گھروں میں اور ایرانی فوج کے پاس چلی جاتی تھی۔ مسلمان مزارعوں کے لئے غربت اور ایرانیوں کی نفرت رہ جاتی تھی۔

مسلمان اپنی جوان بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ کسی ایرانی فوجی کو کوئی مسلمان لڑکی اچھی لگتی تو وہ کسی نہ کسی بہانے یا اُس کے گھر والوں پر کوئی الزام عائد کر کے اُسے اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ ایرانی فوجی کسی بہانے کے بغیر بھی مسلمان لڑکیوں کو اپنے ساتھ زبردستی لے جا سکتے تھے لیکن غلامی اور

مظلومیت کے باوجود مسلمانوں میں غیرت کا جذبہ موجود تھا۔ پہلے پہل زبردستی اغوا کی وارداتیں ہوئیں تو مسلمانوں نے وہ تین فوجیوں کو قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو اس کی سزا تو بڑی ظالمانہ ملی تھی اور انہیں اپنی لڑکیوں کو بچانے کی قیمت بھی بہت دینی پڑی تھی لیکن زبردستی اغوا کا سلسلہ رُک گیا تھا۔

آتش پرست ایرانی اپنے فوجیوں کو سانڈوں کی طرح پالتے تھے۔ ہر سپاہی اس قسم کی زرہ پہنتا تھا کہ سر پہ آہنی زنجیروں کی خود اور بازوؤں پر دھات کے خول اس طرح چڑھے ہوتے تھے کہ بازوؤں کی حرکت میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان کی ٹانگوں کو بھی بڑے سخت چمڑے یا کسی دھات سے محفوظ کیا ہوتا تھا۔

اسلحہ اتنا کہ ہر سپاہی کے پاس ایک تلوار، ایک برچھی اور ایک گُرز ہوتا تھا۔ گُرز پر ایرانی سپاہی خاص طور پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ ہر سپاہی کے پاس ایک کمان اور ترکش میں تیس تیر ہوتے تھے۔ انہیں عیش و عشرت، کھانے پینے اور لوٹ مار کی کھلی اجازت تھی۔ وہ جرأت اور عسکری مہارت میں قابلِ تعریف تھے۔ اُن کی کمزوری صرف یہ تھی کہ وہ صرف آمنے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے تھے اور لڑتے بھی بے جگری سے تھے لیکن اتنا اسلحہ اُٹھا کر وہ پھُرتی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ کسی دستے یا جیش کو فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا تو وہ مطلوبہ وقت میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اتنے زیادہ ہتھیاروں کا بوجھ انہیں جلدی تھکا دیتا تھا۔ البتہ اُن کی تعداد اتنی زیادہ تھی جو اُن کی سُست رفتاری کی کمزوری کو چھپا لیتی تھی۔

۷

دجلہ اور فرات کے سنگھم کے علاقے کے جنوب میں اُبلہ ایک مقام تھا جو عراق اور عرب کی سرحد پر تھا۔ اُس زمانے میں اُبلہ ایک شہر تھا۔ اس کے ارد گرد علاقہ شاداب اور سرسبز تھا۔ وہاں بڑے خوبصورت جنگل اور ہری بھری پہاڑیاں تھیں۔ یہ تاریخی اہمیت کا علاقہ تھا۔ آج بھی وہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں جو بزبانِ خاموشی تاریخی کہانیاں سُناتے ہیں۔ ہر کہانی عبرت ناک ہے۔

اِس خطے میں اُن قوموں کی تباہی اور بربادی کے آثار بھی موجود ہیں جنہوں نے عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد بنا لیا تھا اور رعایا کو وہ انسانیت کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ خدا نے اُنہیں راہِ مستقیم دکھانے کے لئے پیغمبر بھیجے تو ان لوگوں نے پیغمبروں کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ تم تو ہم میں سے ہو اور دُنیا میں تمہاری حیثیت اور تمہارا رُتبہ بھی کوئی نہیں، پھر تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہو؟

آخر خدا نے اُنہیں ایسا تباہ و برباد کیا کہ اُن کے محلات اور اُن کی بستیوں کو کھنڈر بنا دیا۔ خدا نے اُن کا تفصیلی ذکر قرآن میں کیا اور فرمایا ہے ”کیا تم نے زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھا کہ جو اپنی بادشاہی پر اتراتے اور خدا کی سرکشی کرتے تھے اور جو اونچے پہاڑوں پر اپنی یادگاریں بناتے تھے کہ اُن کے نام ہمیشہ زندہ رہیں، وہ اب کہاں ہیں؟“ ــــ اب زمین کے نیچے سے اُن کے محلات اور اُن کی یادگاروں کے کھنڈرات نکل رہے ہیں۔

ان کے بعد بھی پُرشکوہ شہنشاہ آئے اور ایک کے بعد ایک اپنے کھنڈرات چھوڑتا گیا۔ بابل کے کھنڈر بھی آج تک موجود ہیں۔ اس خطے میں اشوری آئے، ساسانی آئے اور اب جب مدینہ میں ابوبکرؓ صدیق امیر المومنین تھے، دجلہ اور فرات کے اس حسین اور عبرت انگیز خطے میں ایرانیوں کا طوطی بول رہا

تھا اور یہ آتش پرست قوم پہلی قوموں کی طرح یہی سمجھتی رہی کہ اسے تو زوال آ ہی نہیں سکتا۔ وہ محکوموں کے خدا بنے ہوئے تھے۔

۷

"بنتِ سعود!" ـــــ ایک نوجوان مسلمان لڑکی اپنی سہیلی سے پوچھ رہی تھی ـــــ "خدام نہیں آیا؟"
زہرہ بنتِ سعود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے آہ بھر کر منہ پھیر لیا۔

"تم کہتی تھیں وہ تمہیں دھوکہ نہیں دے گا" ـــــ سہیلی نے زہرہ سے کہا ـــــ "خدا نہ کرے، وہ اُس بدبخت ایرانی کے ہاتھ چڑھ گیا ہو۔"

"خدا نہ کرے" ـــــ زہرہ بنتِ سعود نے کہا ـــــ "وہ آئے گا... چار دن گزر گئے ہیں.... میں اس ایرانی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ موت قبول کر لوں گی، اُسے قبول نہیں کروں گی۔ خدام مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔"

"زہرہ!" ـــــ سہیلی نے اُسے کہا ـــــ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم اُس ایرانی کماندار کو قبول کر لو؟ تمہارے خاندان کے لئے بھی یہی بہتر ہوگا۔ یہی ہے نا کہ تمہیں اپنا عقیدہ بدلنا پڑے گا۔ ساری عمر عیش تو کرو گی نا!"

"میں نے جس خدا کو دیکھ لیا ہے اُسی کی عبادت کروں گی" ـــــ زہرہ نے کہا ـــــ "آگ خدا نے پیدا کی ہے، آگ خدا نہیں ہو سکتی۔ میں خدا کی موجودگی میں کسی اور کی پرستش کیوں کروں؟"

"سوچ لو زہرہ!" ـــــ سہیلی نے کہا ـــــ "تم اُسے قبول نہیں کرو گی تو وہ تمہیں زبردستی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ اُسے کون روک سکتا ہے؟ وہ شاہی فوج کا کماندار ہے۔ وہ تمہارے گھر کے بچے بچے کو قید خانے میں بند کرا سکتا ہے۔ ہوں تو میں بھی مسلمان کی بیٹی۔ میں اللہ کی عبادت کرتی اور اللہ کی ہی قسم کھاتی ہوں لیکن اللہ نے ہماری کیا مدد کی ہے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ اللہ تمہاری مدد کرے گا؟"

"اگر اللہ نے میری مدد نہ کی تو اپنی جان لے لوں گی" ـــــ زہرہ نے کہا ـــــ "اور اللہ سے کہوں گی کہ یہ لے، اگر میرے وجود میں جان تو نے ڈالی تھی تو واپس لے لے" ـــــ اور اُس کے آنسو بہنے لگے۔

زہرہ اپنے جیسے ایک خوبصورت جوان خدام بن اسد کو چاہتی تھی اور خدام اُس پر جان نثار کرتا تھا۔ اُن کی شادی ہو سکتی تھی لیکن شمر ایرانی فوج کا ایک کماندار تھا جس کی نظر زہرہ بنتِ سعود پر پڑ گئی تھی۔ اُس نے اس لڑکی کے باپ سے کہا تھا کہ وہ اُس کی بیٹی کو بڑی آسانی سے گھر سے لے جا سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرے گا۔

"میں تمہاری بیٹی کو مالِ غنیمت سمجھ کر نہیں لے جاؤں گا" ـــــ شمر نے کہا تھا ـــــ "اسے دو گھوڑوں والی اُس بگھی پر لے جاؤں گا جس پر دولہے اپنی دلہنوں کو لے جایا کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو فخر سے بتایا کرو گے کہ تمہاری بیٹی ایک ایرانی کماندار کی بیوی ہے۔"

"لیکن ایرانی کماندار!" ـــــ زہرہ کے باپ نے کہا تھا ـــــ "تمہارا احترام ہم پر لازم ہے۔ اگر لڑکی تمہاری دلہن بننا چاہے گی تو ہم اُسے نہیں روکیں گے۔"

"تم غلیظ عربی!" ـــــ ایرانی کماندار نے اُس نفرت سے جس سے وہ ہر مسلمان سے بات کیا کرتا تھا، کہا ـــــ "تو بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے والی قوم میں سے ہے اور کہتا ہے کہ اپنی شادی کا فیصلہ تیری بیٹی خود کرے گی۔ زرتشت کی قسم، اگر تیری بیٹی نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ دیا تو تجھے اور تیری بیٹی کو اُن کو ٹھڑیوں

میں بند کروں گا جن میں کوڑھی بند ہیں ..... بہت تھوڑی مُہلت دوں گا بُوڑھے!"

اُس کے ساتھ اُس کے تین گھوڑ سوار سپاہی تھے۔ اُنہوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا تھا۔

"مدینہ بہت دُور ہے بدبخت بُوڑھے!" — ایک سپاہی نے اُسے دھکّہ دے کر کہا تھا۔ "تیرا امیرالمومنین تیری مدد کو نہیں آ سکے گا"۔

زہرہ کے باپ کو اور اُس کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ وہ ایران کے ایک سپاہی کی بھی حکم عدولی نہیں کر سکتے، یہ تو کماندار تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شمر ان کی بیٹی کو اُٹھوا بھی سکتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن اس خطّے کے مسلمانوں کے دلوں میں آگ کے پُجاریوں کی جو نفرت تھی، وہ انہیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ اِن کے غلام ہوتے ہوئے بھی اِن کی غلامی قبول نہ کریں اور اس کا انجام کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو، اسے برداشت کریں۔ انہیں اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔

زہرہ اور خدام کو ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ پھلوں کے باغات میں کام کرتے تھے۔ جس روز شمر زہرہ کے گھر آیا تھا اُس سے اگلے روز زہرہ، خدام سے ملی اور خوفزدہ لہجے میں اُس نے خدام کو بتایا کہ ایرانی کماندار کیا دھمکی دے گیا ہے۔

"ہم یہاں سے بھاگ نہ چلیں؟" — زہرہ نے پُوچھا۔

"نہیں" — خدام نے جواب دیا۔ "اگر ہم بھاگ گئے تو یہ بدبخت تمہارے اور میرے خاندان کے بچّے بچّے کو قتل کر دیں گے"۔

"پھر کیا ہو گا؟" — زہرہ نے پُوچھا۔

"جو خدا کو منظور ہو گا" — خدام نے کہا۔

"خدا، خدا، خدا" — زہرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جو خدا ہماری مدد نہیں کر سکتا..."

"زہرہ!" — خدام نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "خدا اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالا کرتا ہے۔ بندے خدا کا امتحان نہیں لے سکتے" — خدام گہری سوچ میں کھو گیا۔

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تم اس آتش پرست شمر کا مقابلہ کرو گے" — زہرہ نے کہا۔

خدام گہری سوچ میں کھویا رہا۔

"سوچتے کیا ہو؟" — زہرہ نے کہا۔ "تم اس شخص کو قتل تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے"۔

"خدا نجات کا راستہ بھی دکھا دے گا" — خدام نے کہا۔

"تمہیں ایک اور راستہ میں دکھا سکتی ہوں" — زہرہ نے کہا۔ "مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دو اور تم زندہ رہو"۔

"تھوڑی سی قربانی دو" — خدام نے کہا۔ "میں اُس نفرت کا اندازہ کر سکتا ہوں جو شمر کے خلاف تمہارے دل میں بھری ہوئی ہے لیکن اُس پر یہ ظاہر کرو کہ تم اُسے پسند کرتی ہو۔ اُسے دھوکے میں رکھو۔ میں کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جاؤں گا"۔

"کہاں جاؤ گے؟" — زہرہ نے پُوچھا۔ "کیا کرنے جاؤ گے؟"

"مجھ سے ہر بات نہ پُوچھو زہرہ!" — خدام نے کہا — "میں خدائی مدد حاصل کرنے جا رہا ہوں"۔

" خدا کی قسم، خدّام!"۔۔۔ زہرہ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔" اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو میری بدرُوح تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ میں ایک دن کے لئے بھی اُس کافر کی بیوی بن کے نہیں رہ سکوں گی۔ اُس کی بیوی بننے کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے نہ صرف تم ہی نہیں میرا مذہب بھی چھن جائے گا۔"

" اگر تم مذہب کی اتنی پکی ہو تو خدا ہماری مدد کو آئے گا"۔۔۔ خدّام نے کہا۔

" خدّام!"۔۔۔ زہرہ نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔۔۔" میں مذہب کی تو پکّی ہوں لیکن خدا پر میرا عقیدہ متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔"

۷

خدّام کچھ اور کہنے ہی لگا تھا کہ باغ میں کام کرتے ہوئے لوگوں میں بھگڈر سی مچ گئی۔ تین چار آدمیوں نے خدّام کو پکارا۔ زہرہ اُٹھی اور وہیں سے پودوں میں غائب ہو گئی۔ خدّام نے اُٹھ کر دیکھا۔ کچھ دُور پرے ایرانی کماندار شمر اپنے گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ اُس نے دُور سے ہی کہا تھا کہ خدّام کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔ خدّام آہستہ آہستہ چلتا شمر کی طرف گیا۔

" تیز چلو!"۔۔۔ شمر نے گھوڑا روک کر دُور سے کہا۔

خدّام نے اپنی چال نہ بدلی۔ شمر نے ایک بار پھر گرج کر اُسے تیز چلنے کو کہا۔ خدّام اپنی ہی رفتار چلتا رہا۔ شمر گھوڑے سے کُود کر اُترا اور کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ باغ میں کام کرتے ہوئے مسلمان دم بخود دیکھتے رہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ شمر خدّام کی ہڈی پسلی ایک کر دے گا لیکن خدّام جب اس کے سامنے جا رُکا تو شمر نے ہاتھ بھی نہ اُٹھایا۔

" دیکھ کمینے انسان!"۔۔۔ شمر نے خدّام سے حقارت کے لہجے میں کہا۔۔۔" میں تمہارے باپ پر اور تمہاری جوانی پر رحم کر رہا ہوں۔ آج کے بعد میں تمہیں اس لڑکی کے ساتھ نہ دیکھوں۔"

" اگر تم نے مجھے اس لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟"۔۔۔ خدّام نے پوچھا۔

" پھر میں تمہارے منہ پر ایک دو تھپڑ نہیں ماروں گا"۔۔۔ شمر نے پُوچھا۔۔۔" تمہیں درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دوں گا۔ جاؤ میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔"

شمر گھوڑے پر سوار ہُوا اور چلا گیا۔ خدّام وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

" خدّام!"۔۔۔ اُسے کسی نے بلایا اور کہا۔۔۔" اِدھر آ جاؤ"۔۔۔ پھر اُسے تین چار آدمیوں کی آوازیں سُنائی دیں۔۔۔" آ جاؤ خدّام، آ جاؤ۔"

وہ پیچھے مُڑا اور لوگوں کے پاس جا رُکا۔ سب اُس سے پوچھنے لگے کہ شمر نے کیا کہا تھا۔ خدّام نے اُنہیں بتایا۔ سب جانتے تھے کہ خدّام کا جُرم کیا ہے۔ اگر یہ مسلمان آزاد ہوتے۔ اُن کی اپنی حکومت ہوتی اور یہ معاشرہ اُن کا اپنا ہوتا تو وہ خدّام کو بُرا بھلا کہتے کہ وہ کسی کی نوجوان بیٹی کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے تھا لیکن وہاں صورت مختلف تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ خدّام بُرے چال چلن کا نوجوان نہیں۔ اس مظلومیت میں بھی مسلمان متحد تھے، لیکن باغ میں کام کرنے والوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ آتش پرست ادھر کیا لینے آیا تھا۔

"اُسے اِدھر لایا گیا تھا" — ایک نے کہا — "اور لانے والا کوئی ہم میں سے ہی تھا"۔

"معلوم کرو وہ کون ہو سکتا ہے" — ایک بوڑھے نے کہا — "یہاں سوال ایک لڑکی اور لڑکے کا نہیں، یہ ظالم اور مظلوم کا معاملہ ہے۔ یہ ہماری آزادی اور خودداری کا معاملہ ہے۔ آج اگر اس شخص نے اس ذراسی بات پر مخبری کی ہے تو کل وہ بہت بڑی غداری کر سکتا ہے"۔

سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت نے جوان آدمیوں کے پیچھے کھڑی تھی بول پڑی۔

"میں بتاتی ہوں وہ کون ہے" — اس عورت نے کہا اور ان آدمیوں میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھنے لگی۔ عورت نے ہاتھ لمبا کر کے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا — "ابونصر! تم وہاں اُس ٹیکری کے پیچھے کھڑے کیا کر رہے تھے؟"

ابونصر کے ہونٹ ہلے لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اسی سے سب سمجھ گئے کہ یہ شخص آتش پرستوں کا مُخبر ہے۔ اُس نے آخر اس الزام کو تسلیم نہ کیا۔

"میں تمہیں دیکھ رہی تھی" — اس عورت نے کہا — "تم ٹیکری کے پیچھے غائب ہو گئے اور وہاں سے شمر نکلا"۔

"دیکھو ابونصر!" — ایک بوڑھے نے کہا — "ہمیں کوئی ڈر نہیں کہ اب تم شمر کو یہ بھی جا کر بتاؤ گے کہ ہم نے تمہیں مُخبر اور غدار کہا ہے۔ یہ سوچ لو کہ آتش پرست تمہیں گلے نہیں لگائیں گے۔ وہ کہتے ہوں گے تم اُن کے غلام ہو اور اپنی قوم کے خلاف مُخبری اور غداری تمہارا فرض ہے"۔

ابونصر نے سر جھکا لیا۔ اُس پر طعنوں اور گالیوں کے تیر برسنے لگے جس کے منہ میں جو آیا اُس نے کہا۔ آخر ابونصر نے سر اُٹھایا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے دُھلا ہوا تھا اور آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ ندامت کے یہ آنسو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔

"تمہیں آخر کتنا انعام ملتا ہو گا؟" — ان کے ایک بزرگ نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں" — ابونصر نے سسکی لینے کے انداز میں کہا — "میں نے یہ پہلی مُخبری کی ہے۔ اگر تم لوگ مجھے موت کی سزا دینا چاہو تو مجھے قبول ہے"۔

"ہم پوچھتے ہیں کیوں؟" — ایک نے کہا — "آخر تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"میری مجبوری" — ابونصر نے جواب دیا — "پرستوں کی بات ہے۔ اس کماندار نے مجھے راستے میں روک کر کہا تھا کہ میں زہرہ کے گھر پر نظر رکھوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں دیکھتا رہوں کہ زہرہ گھر سے بھاگ نہ جائے اور اُسے کسی جوان آدمی کے ساتھ الگ تھلگ کھڑا دیکھوں تو اُسے اطلاع دوں ...... میں نے اُسے کہا کہ میں اس لڑکی پر نظر رکھوں گا، لیکن میری دو بیٹیوں پر کون نظر رکھے گا۔ میں نے کہا کہ شاہی فوج کے کماندار اور سپاہی ہماری بیٹیوں کو بُری نظر سے دیکھتے رہتے ہیں ....

"شمر میری بات سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری بیٹیوں کو کوئی شاہی فوجی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اُس نے میرے ساتھ پکا وعدہ کیا کہ وہ میری بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کا پکا انتظام کرے گا .... یہ میرے لیے بہت بڑا انعام تھا"۔

"خدا کی قسم!" — بوڑھے نے کہا — "تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں مسلمان کہا جائے۔ تم نے

اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی کی عزت کا خیال نہ کیا۔"

"تجھ پر خدا کی لعنت ہو اُبو نصر!" ___ ایک اور بولا۔ "تو جانتا ہے کہ ان آتش پرستوں کے وعدے کتنے جھوٹے ہوتے ہیں۔ ان میں تمہیں ایک بھی نہیں ملے گا جو کسی مسلمان سے وفا کرے گا۔"

"اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کے لیے ہم خود موجود ہیں" ___ ایک اور نے کہا ___ "تمہاری بیٹیاں ہماری بیٹیاں ہیں۔"

"میں اسے معاف کرتا ہوں" ___ زہرہ کے باپ سعود نے کہا۔

"اور میں بھی اسے معاف کرتا ہوں" ___ خدّام بولا ___ "خدا کی قسم! میں شمر سے انتقام لوں گا۔"

"جوش میں مت آلڑکے" ___ بزرگ عرب نے کہا ___ "کچھ کرنا ہے تو کرکے دکھا، اور یہ بھی یاد رکھ کہ جوش میں آکر مت بول۔ دماغ کو ٹھنڈا کرکے سوچ۔"

دوسری صبح جب یہ مسلمان کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گئے تو ان میں خدّام نہیں تھا۔ ہر کسی نے خدّام کے باپ سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ باپ پریشان تھا۔ اُسے صبح پتہ چلا تھا کہ خدّام غائب ہے۔

"زرتشت کے یہ پجاری میرے بیٹے کو کھا گئے ہیں" ___ خدّام کے باپ نے روتے ہوئے کہا۔ "اُسے انہوں نے کسی طرح دھوکے سے بلایا ہوگا اور قتل کرکے لاش دریا میں بہادی ہوگی۔"

سب کا یہی خیال تھا۔ صرف زہرہ تھی جسے امید تھی کہ خدّام خود کہیں چلا گیا ہوگا۔ اُس نے زہرہ کو بتایا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے غائب ہوجائے گا۔ زہرہ نے یہ بات کسی کو نہ بتائی بلکہ اُس نے بھی یہی کہا کہ خدّام کو ایرانیوں نے غائب کردیا ہے۔ زہرہ نے اپنی سہیلیوں سے کہا کہ وہ دو تین روز ہی خدّام کا انتظار کرے گی۔ وہ نہ آیا تو وہ دریا میں ڈوب مرے گی۔

۲

تین چار روز بعد رات کو شمر فوج کی ایک چوکی میں بیٹھا دو نو عمر لڑکوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔ ایران کے شاہی درباروں میں ایسے لڑکوں کا رقص مقبول تھا جن کے جسم لڑکیوں کی طرح دل کش، گداز اور لچکدار ہوتے تھے۔ انہیں ایسا لباس پہنایا جاتا تھا جس میں وہ نیم عُریاں رہتے تھے۔

شمر شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اُس رات یہ دو لڑکے اُس نے اپنے سپاہیوں کے لیے بلوائے تھے۔ شراب کا دَور چل رہا تھا۔ سپاہی چیخ چیخ کر داد دے رہے تھے۔ شراب میں بدمست ہوکر دو تین سپاہیوں نے بھی لڑکوں کے ساتھ ناچنا شروع کردیا۔ شمر کے حکم پر ان سپاہیوں کو دوسرے سپاہی اُٹھا کر چوکی سے باہر پھینک آئے۔

یہ چوکی چھوٹا سا ایک قلعہ تھا لیکن اس کے دروازے رات کو بھی کھُلے رہتے تھے۔ ایرانیوں کو کسی دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ رقص جب عروج کو پہنچا اور شراب کا نشہ شمر اور اُس کے سپاہیوں کے دماغوں کو ماؤف کرنے لگا تو سنسناتا ہُوا ایک تیر آیا جو شمر کی گردن میں ایک طرف سے لگا اور اُس کی نوک دوسری طرف سے باہر نکل گئی۔ شمر دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ کر اٹھا۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سب شمر کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔ تین چار اور تیر آئے۔ تین چار چیخیں سنائی دیں۔ پھر ان ایرانیوں پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ انہیں سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملا اور وہ کٹنے لگے۔ ان میں سے

جو بھاگ کر دروازوں کی طرف گئے وہ دروازوں میں کٹ گئے۔
چوکی والوں کو کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ کسی بھی دروازے سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ انہیں ہتھیار اٹھانے کی تو مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ اس حملے میں جو بچ گئے وہ زمین پر لیٹ گئے۔
یہ ایک طوفان تھا یا بگولہ جو غیر متوقع طور پر آیا اور جب گزر گیا تو اپنے ساتھ وہ تمام مال اور دولت جو اس چوکی میں تھا، لے گیا۔ پیچھے لاشیں رہ گئیں یا تڑپتے ہوئے زخمی یا وہ اچھے بھلے ایرانی سپاہی جو جان بچانے کے لیے لاشوں اور زخمیوں میں لیٹ گئے تھے۔

۷

صبح ہوئی۔ مسلمان کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گھروں سے نکل رہے تھے کہ گھوڑ سوار ایرانی فوج نے ان کی بستی کو گھیرے میں لے لیا۔ دوسری چوکی کو اُس وقت اس چوکی پر حملے کی اطلاع ملی تھی جب حملہ آور اپنا کام کر کے بہت دور نکل گئے تھے۔ مسلمانوں کو کام پر جانے سے روک لیا گیا۔ ایرانی فوجیوں نے مردوں کو الگ اکٹھا کر کے کھڑا کر دیا اور ان کے گھروں سے عورتوں کو باہر نکال کر مردوں سے دُور کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ فوجی اُن کے گھروں میں گھس گئے اور اس طرح تلاشی لی جیسے اُن کے مکانوں کے فرش بھی کھود کر دیکھے ہوں۔
انہیں کسی گھر سے کوئی ایسی چیز نہ ملی جو شک پیدا کرتی۔ البتہ سپاہیوں کو اپنے کام کی جو چیزیں نظر آئیں وہ انہوں نے اُٹھا لیں۔ پھر انہوں نے عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کھڑا کر کے انہیں دھمکیاں دیں۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک اُن کے لیے نیا نہیں تھا۔ کسی نہ کسی بہانے اُن کے گھروں کی تلاشی ہوتی ہی رہتی تھی۔ اس کے بعد انہیں اسی طرح دھمکیاں ملتی تھیں لیکن اب ایرانیوں کو معقول بہانہ ملا تھا۔
"رات اُبلہ کی ایک مضافاتی فوجی چوکی پر بہت سے آدمیوں نے شب خون مارا ہے" ــــ ایک ایرانی کماندار نے مسلمانوں سے کہا ــــ "ہمارا ایک کماندار اور ساٹھ سپاہی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے ہیں۔ اگر تم میں کوئی مرد یا عورت اس گروہ کے کسی ایک آدمی کو بھی پکڑوا دے گا۔ اُسے انعام ملے گا۔ نقد انعام کے علاوہ اُسے اس فصل کا آدھا حصہ ملے گا" ــــ اس نے سب پر نگاہ دوڑائی اور پوچھا ــــ "ایک دوسرے کو دیکھ کر بتاؤ کہ تم میں کون غیر حاضر ہے"۔
سب نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ کون غیر حاضر ہے۔ اُن کی نگاہیں خدام کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ تین چار دنوں سے بستی سے غائب تھا ــــ سب نے دیکھا خدام وہاں موجود تھا۔ سب نے سکون کی سانس لی۔ پھر بہت سی آوازیں اُٹھیں کہ کوئی بھی غیر حاضر نہیں۔
ایرانی فوجیوں کے جانے کے بعد جنہیں معلوم تھا کہ خدام تین چار روز غائب رہا ہے، وہ باری باری اُس سے پوچھنے لگے کہ وہ کہاں چلا گیا تھا۔
"میں شمر کے ڈر سے بھاگ گیا تھا" ــــ خدام نے ہر کسی کو یہی ایک جواب دیا۔
اُس کے باپ نے سب کو بتایا کہ خدام گذشتہ رات کے پچھلے پہر آیا تھا۔
اُس روز باغ میں کام کرتے ہوئے زہرہ اور خدام کام سے کھسک گئے اور اُس جگہ جا بیٹھے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ زہرہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی اور وہ رہ رہ کر خدام کی بلائیں لیتی تھی۔

"یہ کیسے ہُوا خدام!"— اُس نے خوشی سے لڑکھڑاتی ہُوئی زبان سے پوچھا —"یہ ہُوا کیسے؟"

"اسے اللہ کی مدد کہتے ہیں زہرہ!"— خدّام نے کہا —"اب نہ کہنا کہ خدا مدد نہیں کرتا"

"خدّام!"— زہرہ سنجیدہ ہوگئی جیسے اُس کے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ آئی ہی نہ ہو۔ خدّام کے چہرے پر نظریں گاڑھ کر قدرے پریشان سے لہجے میں بولی —"سچ کہو خدّام! شمر کے قاتل تم ہی تو نہیں؟.... کہتے ہیں رات صحرائی ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ نے شمر کی چوکی پر اُس وقت شب خون مارا تھا جب وہ شراب اور رقص میں بدمست تھے۔ ایسا تو نہیں کہ تم ان ڈاکوؤں سے جا....."

خدّام کے اچانک قہقہے نے بنتِ سعود کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ ہنستا ہی رہا اور اُس نے اپنا بازو زہرہ کی کمر میں ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ زہرہ پر جذبات کا ایسا آسیب طاری ہُوا کہ وہ بھول ہی گئی کہ وہ خدّام سے کیا کہہ رہی تھی۔

۷

خدّام نے قہقہے میں ایک راز چھپا لیا تھا اور زہرہ پر جذبات کا آسیب طاری کر کے یہ راز اُس کی آنکھوں کے آگے سے ہٹا لیا تھا۔ زہرہ کو یہ خطرہ نظر آیا تھا کہ خدّام غیر معمولی طور پر دلیر، غیرت مند اور جسمانی لحاظ سے طاقتور اور پھرتیلا ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہُوا کہ وہ شمر کو قتل کرانے کے لیے ڈاکوؤں کے گروہ سے جا ملا ہو۔ اُس زمانے میں صحرائی ڈاکوؤں کے گروہ فوجی دستوں کی طرح اپنی کارروائیاں کرتے تھے۔ وہ مسافروں کے قافلوں کو لوٹتے اور اگر فوج کے مقابلے میں آجاتے تو جم کر مقابلہ کرتے اور لڑتے لڑتے یوں غائب ہوجاتے تھے جیسے انہیں صحرا کی ریت اور ریتلے ٹیلوں نے نگل لیا ہو۔

زہرہ نے کئی بار دیکھا تھا کہ دو تین اجنبی مسافر آتے اور یہ بتا کر کہ وہ بہت دور جا رہے ہیں، کسی مسلمان کے گھر ٹھہرے اور صبح ہوتے ہی چلے گئے۔ وہ جب بھی آتے تھے، خدّام اور اُس جیسے تین چار نوجوان زیادہ وقت اُن کے ساتھ گزارتے اور اُن کے جانے کے بعد یہ نوجوان پُراسرار سی سرگرمیوں میں مصروف ہوجاتے تھے۔

زہرہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اجنبی مسافروں کے جانے کے بعد مسلمان قبیلوں کے بزرگ سر جوڑ کے بیٹھ جاتے اور سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ پھر جب مسلمان کھیتی باڑی، باغبانی اور دیگر کاموں میں مصروف ہوتے تو یہ بزرگ ان کے درمیان گھومتے پھرتے اور ان کے ساتھ ایسی باتیں کرتے تھے جیسے وعظ کر رہے ہوں۔

"اپنے مذہب کو نہ چھوڑنا"— بزرگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے —"جس خدا کے بھیجے ہُوئے رسولؐ کو مانتے ہو، اُس خدا کی مدد آرہی ہے.... آتش پرست طاقتور ہیں، بہت طاقتور ہیں لیکن وہ اللہ سے زیادہ طاقتور نہیں.... ثابت قدم رہو.... ظالم کا ہاتھ کٹنے والا ہے.... اللہ مظلومین کے ساتھ ہے"

"کب؟.... آخر کب؟"— ایک روز ایک آدمی نے جھنجھلا کر ان بزرگوں سے پوچھا —"خدا کی قسم، تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم ظلم و ستم سہتے چلے جائیں اور چپ رہیں اور تمہارے وعظ سنتے رہیں۔ اگر آج ہم کہہ دیں کہ ہم مسلمان نہیں اور اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں تو غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں.... خدا کی مدد آرہی ہے.... کب آرہی ہے؟"

"اسے بتاؤ" — ایک بزرگ نے اس آدمی کے ساتھ کام کرنے والے آدمی سے کہا — "اسے اچھی طرح سمجھاؤ..... اسے بتاؤ کہ اس علاقے میں یہ صدیوں پرانے جو کھنڈر کھڑے ہیں، خدا کا ہاتھ ان میں سے اُٹھے گا اور ظالم کا ہاتھ کٹ جائے گا"

۷

ان بزرگوں کے سینے میں بھی وہی راز تھا جو خدام نے زہرہ بنتِ سعود سے چھپا لیا تھا۔

ایرانی کماندار شمر کی چوکی پر جو اتنا زبردست شب خُون مارا گیا تھا، وہ پہلا شب خُون نہیں تھا۔ اُبلہ کے علاقے میں یہ پہلا تھا۔ یہ چوکی چونکہ آبادی کے قریب تھی اس لیے اِن مسلمانوں کو پتہ چل گیا تھا۔ اگر ان کے گھروں کی تلاشی نہ لینی ہوتی تو شاید انہیں نہ ہی پتہ چلتا۔ عراق کے سرحدی علاقے میں دوسری تیسری رات ایرانیوں کی کسی نہ کسی چوکی پر ایسا ہی شب خُون پڑتا اور شب خُون مارنے والے چوکی میں قتل و غارت کر کے وہاں سے جو مال اور سامان ہاتھ لگتا لے کر غائب ہو جاتے۔

دو بار ایرانی فوج نے یہ جوابی کارروائی کی کہ کثیر تعداد گھوڑ سوار دستہ شب خُون مارنے والوں کی تلاش میں گیا۔ اس سرسبز اور شاداب علاقے سے نکلتے ہی صحرا شروع ہو جاتا تھا جو ہموار صحرا نہیں تھا۔ وہاں ریت کی گول گول اور اونچی اونچی ٹیکریاں تھیں۔ آگے وسیع نشیب تھے جن میں عجیب و غریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔ ریت کی پہاڑیاں تھیں جن سے شعلے سے نکلتے محسوس ہوتے تھے۔ اس خوفناک علاقے میں جو میل ہا میل پھیلا ہُوا تھا، صحرا کے بھیدی ہی جا سکتے تھے۔ کسی اجنبی کا وہاں جانا ہی محال تھا اور وہاں جا کر زندہ نکل آنا تو ناممکن تھا۔

دونوں بار ایرانی فوج کے گھوڑ سوار دستے کا یہ انجام ہُوا کہ اُسے گھوڑوں اور انسانوں کے نقوشِ پا ملتے رہے جو صاف بتاتے تھے کہ یہ ایک گروہ ہے اور شب خُون مارنے والا یہی گروہ ہو سکتا ہے مگر یہ نقوش انہیں سیدھے موت کے منہ میں لے گئے۔ ایرانی جوں ہی پہلے نشیب میں داخل ہوئے اور پورا دستہ نشیب میں اُتر گیا تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ پہلی بوچھاڑ میں کئی سوار اور گھوڑے گھائل ہو گئے۔ زخمی گھوڑے بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ سارے دستے میں بھگدڑ مچ گئی۔ اُن پر تیر برستے رہے مگر بکھر جانے کی وجہ سے تیر خطا ہونے لگے۔

بھول بھلیوں جیسے اس نشیب میں سے چند ایک گھوڑ سوار نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ اُن کے کُرتے بڑے لمبے اور سروں پر سیاہ کپڑے اس طرح لپٹے ہوتے تھے کہ اُن کے چہرے اور گردنیں بھی ڈھکی ہوتی تھیں۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان گھوڑوں کے قدموں میں اور ان کے سواروں کے بازوؤں میں ایسی پھُرتی تھی کہ ایرانی سوار جو پہلے ہی ہراساں تھے، برچھیوں سے زخمی ہو کر گرنے لگے۔ ان میں سے کئی بھاگ نکلے۔ وہ ٹیلوں اور گھاٹیوں والے نشیب سے تو نکل گئے لیکن ریت کی گول گول ٹیکریوں میں داخل ہوتے تو وہ گھومنے لگے۔ ان سینکڑوں ٹیکریوں میں جو ایک دوسری کے ساتھ ساتھ کھڑی تین چار میل کی وسعت میں پھیلی ہوئی تھیں، یہی خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی اجنبی ان کے اندر چلا جاتے تو وہ اندر ہی اندر چلتا رہتا ہے نکل نہیں سکتا۔ آخر تھک کر بیٹھ جاتا ہے، پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگتے ہیں اور ریگستان کے یہ گول گول بھوت اُسے بڑی اذیت ناک موت مارتے ہیں۔

دوسری بار ایرانیوں کے سوار دستے پر کسی اور جگہ ایسا ہی حملہ ہُوا تھا اور سوار بکھر کر بھاگ رہے تھے تو انہیں ایک للکار سنائی دینے لگی — "زرتشت کے پجاریو! میں مثنیٰ بن حارثہ ہوں ..... زرتشت کو ساتھ لاؤ

...مثنیٰ بن حارثہ .... سرمز کو یہ نام بتا دینا ...مثنیٰ بن حارثہ" —— اِس ایرانی دستے کے جو سوار زندہ واپس گئے وہ نیم مُردہ تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو بتایا کہ انہیں صحرا میں یہ للکار سنائی دی تھی۔

اس کے بعد ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر چھاپے پڑتے رہے لیکن انہوں نے چھاپہ ماروں کے تعاقب کی اور اُن کو تلاش کرنے کی جرأت نہ کی بعض چھاپوں کے بعد بھی یہ للکار سنائی دیتی —"مثنیٰ بن حارثہ .... آتش پرستو! میں مثنیٰ بن حارثہ ہوں"۔

پھر مثنیٰ بن حارثہ دہشت کا، کسی جن کا، بھوت کا، کسی بدرُوح کا ایک نام بن گیا۔ ایرانی فوجی اس نام سے ڈرنے لگے۔ انہوں نے مثنیٰ بن حارثہ یا اُس کے گروہ کے کسی ایک آدمی کو پکڑنے کے بہت اہتمام کیے لیکن جب کہیں شب خون پڑتا تھا تو ایرانی فوجی جن کی جرأت اور بے جگری مشہور تھی، دہشت سے دبک جاتے تھے۔

۲

یہ تھا وہ مثنیٰ بن حارثہ جو فروری ۶۳۴ء کے ایک روز مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے سامنے ایک گمنام اجنبی کی حیثیت سے بیٹھا تھا۔ وہ جنوبی عراق کا رہنے والا اور اپنے قبیلے بنو بکر کا سردار تھا۔ تاریخ میں ایسا اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ اُس نے کب اور کس طرح اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اُسی کی کاوش کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف اُس کے اپنے قبیلے نے بلکہ اُن علاقوں میں رہنے والے کئی اور قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جب جنگِ یمامہ ختم ہوئی اور ارتداد کے فتنے کا سر کچل دیا گیا تو مثنیٰ بن حارثہ نے عراق کے جنوبی علاقے میں ایرانیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ انہوں نے اُن مسلمانوں میں سے جو ایرانی بادشاہی کی رعایا تھے، ایک گروہ بنا لیا اور ایرانی فوج کی سرحدی چوکیوں پر شبخون مارنے شروع کر دیئے۔ اُن کے شبخون اس قدر اچانک اور تیز ہوتے تھے کہ چوکی والوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور مثنیٰ کا گروہ صفایا کر کے غائب ہو جاتا تھا۔

انہوں نے بڑے ہی دشوار گذار صحرا میں اپنا اڈہ بنا لیا تھا جسے انہوں نے مالِ غنیمت سے بھر دیا تھا۔ پھر انہوں نے اُن بستیوں پر بھی شبخون مارنے شروع کر دیئے جہاں صرف ایرانی رہتے تھے مثنیٰ نے سرحد پر ایرانی فوج کو بے بس اور مجبور کر دیا۔ ایرانی فوج کے کئی سینئر کمانڈر مثنیٰ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ عراق کے جنوبی علاقے میں جو مسلمان ظلم و ستم میں زندگی گذار رہے تھے، انہیں اس نے اپنے زمین دوز اثر میں لے کر متحد رکھا ہوا تھا۔ ان کا ایک گروہ تو شبخون مارنے کا کام کرتا تھا اور ایک گروہ بستیوں میں رہ کر مسلمانوں کو اتحاد کی لڑی میں پروتے رکھتا اور انہیں بتاتا رہتا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ مسلمان اپنے چھاپہ ماروں کی کامیابیاں دیکھ رہے تھے اور وہ مطمئن تھے —— یہ تھی وہ خدائی مدد جس کے انتظار میں وہ ایرانیوں کا ظلم و ستم سہہ رہے تھے اور اپنا مذہب نہیں چھوڑ رہے تھے، ورنہ مظالم سے بچنے کا اُن کے سامنے بڑا سہل طریقہ تھا کہ اسلام سے منحرف ہو کر آتش پرست ہو جاتے۔

خدام نے زہرہ سے کہا تھا کہ وہ تین چار دنوں کے لیے غائب ہو جائے گا۔ وہ غائب ہو کر چھاپہ ماروں کے اڈے پر چلا گیا تھا اور انہیں ایرانی کماندار شمر کے متعلق بتایا تھا۔ اُس کی چوکی تک چھاپہ ماروں کی راہنمائی اُسی نے کی تھی۔ چوکی پر حملہ پوری طرح کامیاب رہا۔ اُس کے فوراً بعد خدام اپنے گھر آ گیا تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ نے امیر المومنین ابوبکرؓ کو تفصیل سے بتایا کہ اُنہوں نے خلیج فارس کے ساحل کے ساتھ ساتھ اور عراق کے جنوبی علاقے میں کس طرح عربی مسلمانوں کے قبیلوں کو اپنے اثر میں لیا اور انہیں اسلام پر قائم رکھ کر انہیں زمیں دوز محاذ پر جمع کیا ہے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ابن حارثہ!" ــــ خلیفہ نے کہا۔ "تو اگر یہ مشورہ دینے آیا ہے کہ میں ایرانیوں پر فوج کشی کروں تو مجھے سوچنا پڑے گا۔ کیا تُو نے دیکھا نہیں کہ ایرانیوں کی فوج کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور اُن کے وسائل اور ذرائع کتنے وسیع اور لامحدود ہیں؟ ہم اپنے مستقر سے اتنی دُور قلیل تعداد اور بغیر وسائل کثیر تعداد اور طاقتور فوج کے مقابلے کے قابل نہیں ہوتے لیکن میں نے سلطنتِ فارس کو نظر انداز بھی نہیں کیا۔"

"امیر المومنین!" ــ مثنیٰ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ــ "اگر ایک آدمی اتنے بڑے ملک کی فوج کے ساتھ ٹکر لے سکتا ہے اور اُن پر مسلمانوں کے عسکری جذبے کی دھاک بٹھا سکتا ہے تو میں اپنے اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ ایک منظم فوج بہت کچھ کر سکتی ہے۔ میں اُس آتش پرست سلطنت کی اندرونی کیفیت دیکھ آیا ہوں۔ شاہی خاندان تخت و تاج کی خاطر آپس میں دست و گریباں ہو رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شہنشاہ ہرقل فارسیوں کو نینوا اور دستجرد میں بہت بُری شکست دے چکا ہے۔ اُس کی فوجیں آتش پرست فارسیوں کے دارالحکومت مدائن کے دروازوں تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کے بعد فارسی (ایرانی) سنبھل نہیں سکے۔ اگر اُن کی عیش پرستی کو دیکھا جاتے تو وہ سنبھلے ہوتے لگتے ہیں لیکن اُن میں اب بادشاہی کے تاج پر رسہ کشی ہو رہی ہے۔ یمن اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور وہاں کے حاکم بازان نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اُن کی رعایا اُن کی زنجیریں توڑنا چاہتی ہے۔ اُن کی محکومی میں اُن کے جنوبی علاقوں کے مسلمان میرے اشارے کے اور مدینہ کی فوج کے منتظر ہیں۔"

"تجھ پر رحمت ہی رحمت ہو مثنیٰ!" ــــ امیر المومنین نے کہا ــ "لاریب تیری باتیں میرے دل میں اُتر رہی ہیں۔ میرا اگلا قدم وہیں پڑے گا جہاں تُو کہتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں سالاروں کی مجلس سے بات کر لوں؟"

"یا امیر المومنین!" ــ مثنیٰ نے کہا ــ "فیصلہ وہی بہتر ہوتا ہے جو صلاح مشورے کے بعد کیا جاتا ہے لیکن میں امیر المومنین سے اجازت چاہوں گا کہ میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ لوں اور آپ میری باتیں سالاروں کے سامنے ضرور رکھیں .... دجلہ اور فرات جہاں ملتے ہیں، وہاں کے بڑے وسیع علاقے میں عربی قبیلے آباد ہیں جو سب کے سب مسلمان ہیں۔ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے وہ آگ کے پجاری بادشاہوں کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ مسجدوں پر بھی اُن کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ فارسیوں کے ہاتھوں اُن کی جان محفوظ نہیں، اُن کی عزت محفوظ نہیں ....

"وہ مسلمان فصل اُگاتے ہیں جو پک جاتی ہے تو آتش پرست زمیندار اور فوجی اٹھا کر لے جاتے ہیں وہاں مسلمان مزارعے ہیں اور انہیں دھتکاری ہوئی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ وہ مسلسل خوف و ہراس میں رہتے ہیں۔ اُن کے خلاف الزام صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور کفر کے طوفانوں میں بھی وہ اسلام کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مدینہ کو روشنی کا مینار سمجھتے ہیں ....

"امیرالمومنین! اگر آپ بیٹھے یہ سوچتے رہیں کہ دشمن بہت طاقتور ہے تو وہ روز بروز طاقتور ہوتا جائے گا اور مسلمان مایوس ہو کر اپنی بھلائی کا کوئی ایسا طریقہ سوچ لیں گے جو اسلام کے منافی ہوگا میرے چھاپہ ماروں نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اور آپ کی فوج کے لیے جو زمین ہموار کی ہے، وہ دشمن کے حق میں چلی جائے گی .... کیا رسول اللہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کو نہیں پہنچا کرتے تھے؟"

"خدا کی قسم، میں اُن کی مدد کو پہنچوں گا" —— خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک سالار سے پوچھا "ولید کا بیٹا خالدؓ کہاں ہے؟"

"یمامہ میں آپ کے اگلے حکم کا انتظار کر رہا ہے امیرالمومنین!" —— انہیں جواب ملا۔

"کوئی تیز رفتار قاصد بھیجو اور اُسے پیغام بھیجو کہ جلدی مدینہ پہنچے" —— خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا —— "فارس کی بادشاہی سے ہم اللہ کی تلوار کے بغیر ٹکر نہیں لے سکتے" —— خلیفہ مثنیٰ سے مخاطب ہوئے —— "اور تم مثنیٰ! واپس جاؤ اور عرب قبیلوں کے جس قدر لڑنے والے آدمی اکٹھے کر سکتے ہو کر لو۔ اب تمہیں کھلی جنگ لڑنی پڑے گی جو تم شبخون اور چھاپوں کے انداز سے بھی لڑ سکتے ہو لیکن اپنے فیصلوں میں تم آزاد نہیں ہو گے۔ خالدؓ سالارِ اعلیٰ ہوگا۔ تم اُس کے فیصلوں کے پابند ہو گے۔"

"تسلیم امیرالمومنین!" —— مثنیٰ ابن حارثہ نے کہا۔ "ایک عرض اور ہے .... اُس علاقے میں جو عرب قبیلے ہیں، وہ سب کے سب مسلمان نہیں۔ ان میں عیسائی بھی ہیں اور دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی۔ وہ سب آتش پرستوں کے خلاف ہیں۔ فارس کے آتش پرست اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی تو غیر مسلم عربوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہئے جیسا وہاں کے عرب مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔"

"ایسے ہی ہوگا" —— امیرالمومنین نے کہا۔ "جنہوں نے اسلام کے خلاف کچھ نہیں کیا، اسلام اُن کی پریشانی کا باعث نہیں بنے گا .... تم آج ہی روانہ ہو جاؤ۔"

★

خالدؓ اُس وقت یمامہ میں تھے۔ اُن کی دونوں نئی بیویاں لیلیٰ اُمِ تمیم اور بنتِ مجاعہ اُن کے ساتھ تھیں امیرالمومنین کا پیغام ملتے ہی خالدؓ یمامہ سے روانہ ہوتے اور مدینہ پہنچ گئے۔

"کیا مثنیٰ بن حارثہ کا نام تم نے کبھی سنا ہے؟" —— خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ سے پوچھا۔

"سنا ہے" —— خالدؓ نے جواب دیا —— "اور یہ بھی سنا ہے کہ فارسیوں کے خلاف اُس نے ذاتی قسم کی جنگ شروع کر رکھی ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ اُس کی ذاتی جنگ ذاتی مفاد کے لیے ہے یا وہ اسلام کی خاطر لڑ رہا ہے۔"

"وہ یہاں آیا تھا" —— امیرالمومنین نے کہا۔ "جہاد جو اُس نے شروع کر رکھا ہے اس میں اُس کا کوئی

ذاتی مفاد نہیں۔ میں نے اس لیے تمہیں بلایا ہے کہ تم سے مشورہ کروں کہ مثنیٰ ہم سے جو مدد مانگتا ہے وہ اُسے دی جائے یا اُس وقت کا انتظار کیا جائے جب ہم فارسیوں کی اتنی بڑی قوت کے خلاف لڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"وہ کس قسم کی جنگ لڑ رہا ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو پوری تفصیل سے بتایا کہ مثنیٰ شبخون کی نوعیت کی جنگ لڑ رہا ہے اور اس وقت تک وہ کتنی کامیابی حاصل کر چکا ہے۔

"اُس کی سب سے بڑی کامیابی تو یہ ہے خالدؓ!" — خلیفہ نے کہا۔ "کہ اُس نے زرتشتوں کے محکوم مسلمانوں کو متحد رکھا ہوا ہے اور اُن میں ایسا جذبہ پیدا کیا ہے کہ اُنہوں نے زرتشتوں کے ظلم و ستم میں اپنے سینوں میں اسلام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ ابلہ اور عراق کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہ فارسیوں کے غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اپنے عقیدوں کو سینے سے لگائے رکھنا بے معنی سا بن جاتا ہے۔ وہ مسلمان صرف اتنا کہہ دیں کہ اسلام اور مدینہ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں تو اُن کے سارے مصائب ختم ہو جائیں گے۔ یہ مثنیٰ اور اُس کے چند ایک ساتھیوں کا کمال ہے کہ اُنہوں نے ان حالات میں بھی وہاں کے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف نہیں ہونے دیا۔ اس کے علاوہ اُنہیں اپنے عقیدے کا اتنا پکا بنا رکھا ہے کہ وہ زرتشتوں کے خلاف زمین دوز کارروائیوں میں مصروف رہتے ہیں۔"

"امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا۔ "مثنیٰ نے کچھ کیا ہے یا نہیں کیا، مسلمان کی حیثیت سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جو مسلمان غیر مسلموں کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہوں اُن کی مدد کو پہنچیں۔"

"کیا تم یہ مشورہ دیتے ہو کہ ہمیں ایرانیوں سے ٹکر لینی چاہیے؟" — خلیفہ نے پوچھا۔

"ہاں امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا۔ "ٹکر کیوں نہ لی جائے؟ .... یہاں تو صورتِ حال کچھ اور ہے۔ جیسا کہ آپ نے بتایا ہے کہ مثنیٰ نے وہاں کچھ کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اور اُس نے ہمارے حملے کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ شبخون اور چھاپے مارنے والے اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا مثنیٰ نے کیا ہے۔ وہ کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ کرنا منظم لشکر کا کام ہے۔ یہ کام ہمیں ہر قیمت پر کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے مثنیٰ کی کامیابیوں کو آگے نہ بڑھایا تو اُس کے دو نقصان ہوں گے۔ ایک یہ کہ یہ کامیابیاں ضائع ہو جائیں گی اور دوسرا یہ کہ زرتشت مثنیٰ اور تمام مسلمانوں سے بہت بُرا انتقام لیں گے۔ اس کے علاوہ فارسی دلیر ہو جائیں گے ....

"جیسا کہ مثنیٰ نے آپ کو بتایا ہے کہ اُس نے ایرانیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے کہ اُن کے حوصلے مجروح ہو گئے ہیں۔ اگر اُنہیں دم لینے کا موقع دے دیا گیا تو وہ اپنے محکوم مسلمانوں کو قتل کریں گے اور اس خطرے کو ختم کر کے وہ اس سرحدی علاقے کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر لیں گے۔ اپنے علاقوں کو محفوظ کرنے کے لیے وہ اپنی سرحد کے باہر کے علاقوں پر بھی قابض ہو سکتے ہیں۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم مثنیٰ کی مدد کو پہنچیں اور پیشتر اس کے کہ زرتشت ہماری طرف بڑھیں ہم انہیں اُن کے اپنے علاقے سے بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں۔"

خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو یہ ہدایت دے کر رخصت کر دیا کہ وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر عراق کی طرف پیش قدمی کریں۔

"خالدؓ!"۔۔۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا۔۔۔ "تمہارے لشکر میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو بڑے لمبے عرصے سے گھروں سے دُور لڑ رہے ہیں۔ اُنہیں فارسیوں جیسے طاقتور دشمن کے خلاف لڑانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ فارسیوں کے خلاف وہی لوگ جم کر لڑ سکیں گے جنہیں احساس ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ میں کسی کو مجبور نہیں کروں گا۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ تم رضاکاروں کی ایک فوج بناؤ۔ اس میں ایسے آدمیوں کو رکھو جو مرتدین کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ تمہارے ساتھ کچھ ایسے آدمی بھی ہوں گے جو مرتدین کے ساتھ تھے شکست کھا کر اُنہوں نے اپنی خیریت اس میں سمجھی کہ وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو جائیں۔ ایسے کسی آدمی کو اپنے لشکر میں نہ رکھنا۔ ہم بڑے طاقتور دشمن کو للکارنے جا رہے ہیں اس لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

"امیرالمومنین!"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔۔۔ "کیا آپ مجھے یہ اجازت دے رہے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے لشکر سے نکال دوں؟"

"نکال دینا اور بات ہے ولید کے بیٹے!"۔۔۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا۔۔۔ "تم اپنے لشکر سے یہ کہنا کہ جو آدمی اپنے گھر کو جانا چاہتا ہے اُسے جانے کی اجازت ہے۔ پھر دیکھنا تمہارے ساتھ کون رہتا ہے۔ اگر تمہارا لشکر بہت کم رہ گیا تو خلافت اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرے گی۔۔۔۔ جاؤ ولید کے بیٹے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

خلیفہ ابوبکرؓ عزم اور ایمان کے پکے تھے۔ اُنہوں نے عراق پر حملے کا جو فیصلہ کر لیا تھا اس پر وہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر پُورا عمل کرنا چاہتے تھے۔ خالدؓ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ انہیں لڑنے کا موقع ملتا رہے اُنہوں نے خلیفہ کے ارادے کو اور زیادہ پختہ کر دیا۔

★

عراق کے اُس علاقے میں جہاں دجلہ اور فرات ملتے ہیں، مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ یہ مسلمان مظلومیت اور مجبوری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب وہاں کی صورتِ حال یہ ہوگئی کہ وہ پہلے کی طرح مظلوم اور مقہور رہے جیسے وہ چلتی پھرتی لاشیں ہوں لیکن اُن کے گھروں میں ایسی سرگرمی شروع ہوگئی کہ وہ چھپ چھپ کر برچھیاں اور تیر و کمان بنانے لگے۔ اُنہیں مثنیٰ بن حارثہ کی طرف سے جو حکم ملتا تھا وہ سرگوشیوں میں گھر گھر پہنچ جاتا تھا۔ مثنیٰ کے چھاپہ ماروں نے عراق کی سرحد سے دُور ایک دشوار گزار علاقے میں اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ برچھیاں اور تیر کمان جو گھروں میں چوری چھپے تیار ہوتے تھے، وہ رات کی تاریکی میں اُس اڈے تک پہنچ جاتے تھے۔ بستیوں سے جوان آدمی بھی غائب ہونے لگے۔ ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر اور اُن کے فوجی قافلوں پر مسلمانوں کے شب خون پہلے سے زیادہ ہوگئے۔۔۔ یہ مسلمان درپردہ ایک فوج کی صورت میں منظم ہو رہے تھے اور اس فوج کی نفری بڑھتی جا رہی تھی۔

یمامہ میں خالدؓ کی فوج میں صورتِ حال اس کے اُلٹ ہوگئی۔ خالدؓ نے جب اپنی فوج میں جا کر یہ اعلان کیا کہ جو کوئی اپنے گھر کو واپس جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے، تو اُس کے دس ہزار نفری کے لشکر میں صرف دو ہزار آدمی رہ گئے۔ آٹھ ہزار آدمی مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ نے خلیفہ کے نام پیغام لکھا جس میں اُنہوں نے لکھا کہ اُن کے پاس صرف دو ہزار نفری رہ گئی ہے۔ خالدؓ نے زور دے کر لکھا کہ اُنہیں فوری طور پر کمک کی ضرورت ہے۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے۔ خالدؓ کے قاصد نے انہیں خالدؓ کا تحریری پیغام دیا۔ خلیفہ نے یہ خط بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مجلس میں اُن کے جو مشیر اور دیگر افراد بیٹھے ہیں وہ سُن لیں تاکہ کوئی مشورہ دے سکیں۔

"امیرالمومنین!"— ایک مشیر نے کہا۔ "خالدؓ کے لیے کمک بہت جلد چلی جانی چاہیئے۔ دو ہزار نفری سے زرتشتوں کے خلاف لڑائی کی سوچی بھی نہیں جا سکتی"۔

"قعقاع بن عمرو کو بلاؤ"— امیرالمومنین نے حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد گٹھے ہوئے جسم کا ایک قدآور نوجوان خلیفہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"قعقاع!"— امیرالمومنین نے اِس نوجوان سے کہا۔ "خالدؓ کو کمک کی ضرورت ہے۔ تیاری کرو اور فوراً وہاں پہنچو اور اُسے کہو کہ میں ہوں تمہاری کمک"۔

"یا امیرالمومنین!"— ایک مشیر نے حیران ہو کر کہا۔ "خدا کی قسم، آپ مذاق نہیں کر رہے لیکن اُس سالار کو جس کی آٹھ ہزار فوج اُس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو، صرف ایک آدمی کی کمک دینا مذاق لگتا ہے"۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھے۔ اُنہوں نے قعقاع بن عمرو کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور سکون کی آہ لے کر بولے۔ "مجاہدین کے جس لشکر میں قعقاع جیسا جوان ہو گا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا"۔

قعقاع اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ سے نکل گیا۔ مشہور مؤرخ طبری، ابنِ اسحاق، واقدی اور سیف بن عمر نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسا واقعہ ہو چکا تھا۔ ایک سالار عیاض بن غنم نے محاذ سے مدینہ میں قاصد بھیجا تھا کہ کمک کی ضرورت ہے۔ خلیفہ اُبوبکرؓ نے صرف ایک آدمی عبد بن عوف الحمیری کو کمک کے طور پر بھیجا تھا۔ اُس وقت بھی اہلِ مجلس نے حیرت کا اظہار کیا اور امیرالمومنین نے یہی جواب دیا تھا جو قعقاع کو خالدؓ کے پاس بھیجنے پر دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ خلیفہ اُبوبکرؓ خالدؓ کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن مدینہ میں کمک نہیں تھی۔ صرف یہی ایک محاذ نہیں تھا، اُس وقت تمام کے تمام مشہور سالار مختلف محاذوں پر لڑ رہے تھے اور یہ ساری جنگ ارتداد کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ اسلام کے دشمن دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا بڑا مہنگا سودا ہے، چنانچہ اسلام کو کمزور کر کے ختم کرنے کا اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کئی افراد نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اپنے طریقوں سے پیروکار بنا لیے۔ متعدد ایسے قبیلے جو اسلام قبول کر چکے تھے، اسلام سے منحرف ہو گئے اور انحراف کا یہ سلسلہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ ارتداد کے فتنے کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

خلیفہ ابوبکرؓ کی خلافت اسی فتنے کے خلاف برسرِپیکار رہی۔ اِس فتنے کو وعظوں اور تبلیغی لیکچروں سے نہیں دبایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے مسلح جہاد کی ضرورت تھی۔ یہ جنگی پیمانے کی مہم تھی جسے سر کرنے کے لیے مدینہ فوج سے خالی ہو گیا تھا۔ کمزور محاذوں کو کمک دینے کے لیے دوسرے محاذوں سے فوج بھیجی جاتی تھی۔

امیرالمومنین نے خالدؓ کو صرف ایک آدمی دینے پر اکتفا نہ کی، اُنہوں نے دو طاقتور قبیلوں— مضر

اور ربیعہ کے سرداروں کو پیغام بھیجے کہ خالدؓ کو زیادہ سے زیادہ آدمی دیں۔

★

"صرف ایک آدمی؟" — قعقاع بن عمرو جب خالدؓ کے پاس پہنچا تو خالدؓ نے اپنے خیمے میں غصّے سے ٹہلتے ہوئے کہا — "صرف ایک آدمی؟... کیا میں نے امیرالمومنین کو بتایا نہیں کہ میرے پاس صرف دو ہزار لڑنے والے رہ گئے ہیں؟ اور خلافت مجھ سے توقع رکھتی ہے کہ میں فارس کی اُس فوج سے ٹکر لُوں جو زرہ میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

"میرے سالار!" — قعقاع نے کہا — "میں آٹھ ہزار کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، کوئی کمی رہنے بھی نہیں دوں گا۔ وقت آنے دیں جس رسولؐ کا کلمہ پڑھتا ہوں، اُس کی رُوحِ مقدس کے آگے تمہیں شرمسار نہیں ہونے دوں گا۔"

"آفرین عرب کے بیٹے!" — حسین و جمیل لیلیٰ اُمِّ تمیم نے قعقاع کے کندھے پر بڑی زور سے تھپکی دے کر کہا — "جس دین کے تم پرستار ہو، اُسے تم جیسے نوجوان قیامت تک زندہ رکھیں گے۔"

"خدا کی قسم!" — خالدؓ کی دوسری بیوی بنتِ مجاعہ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "یہ نوجوان آٹھ ہزار کی کمی پوری کر سکتا ہے۔"

"میں یمامہ میں بیٹھا نہیں رہوں گا" — خالدؓ نے ایسے کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہے ہوں — "مثنیٰ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ میں اُسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا، لیکن...!" خالدؓ خاموش ہو گئے۔ اُنہوں نے اُوپر دیکھا اور سرگوشی میں کہا — "خدائے عزوجل! میں نے تیرے نام کی قسم کھائی ہے، اپنے نام کی خاطر میری مدد کر، مجھے ہمّت اور استقلال عطا فرما کہ میں اس آگ میں کُود کر اسے ٹھنڈا کر دوں جس کی زرتشت عبادت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور محمدؐ تیرے رسول ہیں۔"

"کیا تو ہمّت ہار رہا ہے ولید کے بیٹے؟" — لیلیٰ نے کہا — "کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی مدد اللہ کرتا ہے؟"

"میں ہمّت نہیں ہاروں گا" — خالدؓ نے کہا — "لیکن میں شکست کا عادی نہیں.... اللہ مدد کرے گا۔ خدا کی قسم، میں جاہ و جلال کا طلبگار نہیں۔ مجھے فارس کے بادشاہ کا تخت نہیں چاہیے۔ مجھے وہ زمین چاہیے جو اللہ کی ہے اور اس پر بسنے والے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے نام لیوا ہوں گے۔"

★

وہ دو ہزار مجاہدین جو خالدؓ کے ساتھ رہ گئے تھے، یمامہ کے ایک میدان میں خالدؓ کے سامنے کھڑے تھے۔ خالدؓ گھوڑے پر سوار تھے۔

"مجاہدینِ اسلام!" — خالدؓ اپنی اس قلیل فوج سے بڑی بلند آواز میں مخاطب ہوئے — "اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کا نام دُور دُور تک پہنچانے کے لیے چُنا ہے۔ وہ جنہیں اپنے گھر اور اپنے مال و عیال عزیز تھے، وہ چلے گئے ہیں۔ ہمیں اُن سے گِلہ نہیں۔ اُنہوں نے خاک و خون کے راستوں پر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ بڑے لمبے عرصے تک وہ ہمارے ہمسفر رہے۔ اللہ انہیں جہاد کا صلہ عطا فرماتے.... تم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا،

اِس کا اُجر میں نہیں اللہ دے گا۔ ہم بہت ہی طاقتور دشمن پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ مت دیکھو ہماری تعداد کتنی ہے۔ بدر کے میدان میں تم کتنے اور قریش کتنے تھے! اُحد میں بھی مسلمان تھوڑے سے تھے۔ میں اُس وقت مسلمانوں کے دشمن قبیلے کا فرد تھا۔ تم میں بھی ایسے موجود ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے بدر کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے؟ کیا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو ہم گھوڑوں تلے کچل ڈالیں گے؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم جو تعداد میں بہت زیادہ تھے اُن کے ہاتھوں پسپا ہوتے تھے جو تعداد میں بہت تھوڑے سے تھے؟.... کیوں؟.... ایسا کیوں ہوا تھا؟.... اس لیے کہ مسلمان حق پر تھے اور اللہ حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آج تم حق پرست ہو۔"

خالدؓ کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو انہوں نے کھول کر اپنے سامنے کیا۔

"امیر المومنین نے ہمارے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ۔۔۔ "میں خالدؓ بن ولید کو فارسیوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ تم سب خالدؓ کی قیادت میں اُس وقت تک جنگ جاری رکھو گے جب تک تمہیں خلافت کی طرف سے حکم نہیں ملتا۔ خالدؓ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، بزدلی نہ دکھانا۔ تم اُن میں سے ہو جنہوں نے اس اجازت کے باوجود کہ جو گھروں کو جانا چاہتے ہیں جا سکتے ہیں، اللہ کی تلوار کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تم نے اپنے لیے وہ راستہ منتخب کیا ہے جو اللہ کی راہ کہلاتا ہے۔ تصور میں لاؤ اُس ثوابِ عظیم کو جو اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو ملتا ہے۔ اللہ تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ تمہاری کمی وہی پوری کرے گا۔ اُسی کی رضا اور خوشنودی کے طلبگار رہو۔"

ایک مؤرخ ازدی نے اس خط کا پورا متن اپنی تاریخ میں دیا ہے۔ معلوم نہیں ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر نے جن کی تحریریں مستند مانی جاتی ہیں، اس خط کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

ان دو ہزار مجاہدین کو کسی وعظ کی یا اشتعال انگیزی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو رضاکارانہ طور پر خالدؓ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ ان میں بیشتر ایسے تھے جنہوں نے رسولِ کریمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا اور آپؐ کی قیادت میں لڑائیاں لڑی تھیں۔ حضورِ اکرمؐ کے وصال کے بعد وہ یوں محسوس کرتے جیسے آپؐ کی روحِ مقدس اُن کی قیادت کر رہی ہو۔

رسولﷺ اللہ کے ان شیدائیوں نے خالدؓ کی اجازت سے ایک کام یہ بھی کیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر یمامہ کے گرد و نواح میں نکل گئے اور بستی بستی جا کر لوگوں کو گھوڑسواری کے مختلف کرتب دکھانے لگے۔ مثلاً دوڑتے گھوڑوں سے اُترنا اور سوار ہونا، سرپٹ دوڑتے گھوڑوں سے نشانے پر تیر چلانا، نیزہ بازی اور گھوڑوں کو دوڑاتے ہوتے تیغ زنی کے کمالات ۔۔۔ وہ جوانوں کو فوج میں بھرتی ہو جانے پر اُکساتے اور انہیں بتاتے تھے کہ جنگ میں جا کر انہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کو یہ بھی بتاتے تھے کہ وہ فوج میں بھرتی نہ ہوتے تو ایرانی آکر انہیں اپنا غلام بنا لیں گے جو اُن سے بیگار لیں گے، انہیں دیں گے کچھ بھی نہیں اور اُن کی جوان بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا کریں گے۔ اس خطے نے ایرانیوں کا دورِ حکومت دیکھا تھا، پھر انہوں نے جھوٹے پیغمبروں کی شعبدہ بازیاں دیکھی تھیں اور اب وہ مسلمانوں کی حکومت دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں غلام بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کے انداز، طور طریقے اور رہن سہن بادشاہوں جیسے یا حکمرانوں جیسے نہیں تھے۔ وہ عام لوگوں کی طرح رہتے، عام لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے اور اُن کی سنتے تھے۔ اُن کے

عورتوں کی عزّت محفوظ تھی۔

ان لوگوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مسیلمہ جیسے شعبدہ باز نے انہیں گمراہ کیا اور اسلام کے راستے سے ہٹا لیا تھا۔ اُنہوں نے مسیلمہ کی نبوّت کو مسلمانوں کے ہاتھوں بے نقاب ہوتے دیکھا اور مسیلمہ کی جنگی قوت کو مسلمانوں کی قلیل نفری کی بے جگری کے آگے ریزہ ریزہ ہوتے دیکھا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ سچّا عقیدہ اور نظریہ اسلام ہی ہے جو جھوٹ کی طاقتوں کو کچل دیتا ہے اور وہ غیبی طاقت جو سچّے کو جھوٹے پر، حق کو باطل پر فتح دیتی ہے وہ اسلام میں مضمر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ یہ خالدؓ کے مجاہدین کی کوششوں کا حاصل تھا۔

★

یمامہ میں شور اُٹھا۔ کچھ لوگ دوڑتے ہُوئے بستی سے باہر چلے گئے۔ عورتیں چھتوں پر جا چڑھیں۔ اُفق سے گرد کی گھٹائیں اُٹھ رہی تھیں اور یمامہ کی طرف بڑھی آ رہی تھیں۔

"آندھی آ رہی ہے۔"

"لشکر ہے..... کسی کا لشکر آ رہا ہے۔"

"ہوشیار..... خبردار..... تیار ہو جاؤ۔"

خالدؓ ایک قلعہ نما مکان پر جا چڑھے۔ یہ آندھی نہیں، کسی کی فوج تھی۔ مرتدین کے سوا اور کس کی فوج ہو سکتی تھی۔ خالدؓ کو افسوس ہونے لگا کہ کس بُرے وقت اُنہوں نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ جو گھروں کو جانا چاہتے ہیں چلے جائیں۔ گرد کے جو بادل اُٹھتے آ رہے تھے یہ بہت بڑے لشکر کی گرد تھی۔ خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار نفری تھی یا وہ نفری تھی جو ابھی ابھی فوج میں شامل ہُوئی تھی۔ اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ یمامہ کی آبادی تھی۔ اس میں لڑنے والے آدمی موجود تھے لیکن یہ خطرہ بھی تھا کہ یہ لوگ دشمن سے مل جائیں گے، اور یہ خطرہ بھی کہ یہ پیٹھ پر وار کریں گے۔

"مجاہدینِ اسلام!"— خالدؓ نے قلعہ نما مکان کی چھت سے للکار کر کہا۔ "بہت بڑے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں"— خالدؓ چپ ہو گئے کیونکہ اُنہیں دفوں اور ڈھولوں کی دھمک سنائی دینے لگی تھی۔

حملہ آور دف بجاتے نہیں آیا کرتے۔ دھمک بلند ہوتی جا رہی تھی۔ خالدؓ نے اُدھر دیکھا۔ گرد بہت قریب آ گئی تھی اور اس میں چھپے ہُوتے اونٹ اور گھوڑے نظر آنے لگے تھے۔ گرد کے دبیز پردے میں آنے والا لشکر نعرے لگانے لگا۔

"اسلام کے پاسبانو!"— خالدؓ نے اُوپر سے چلّا کر کہا۔ "اللہ کی مدد آ رہی ہے..... آگے بڑھو۔ استقبال کرو۔ دیکھو یہ کون ہیں۔"

خالدؓ دوڑتے نیچے اُترے۔ اپنے گھوڑے پر کود کر سوار ہُوتے اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر بستی سے نکل گئے۔ آنے والا لشکر بستی سے کچھ دُور رُک گیا اور دو گھوڑ سوار آگے بڑھے۔ خالدؓ اُن تک پہنچے اور گھوڑے سے اُترے۔ وہ دونوں سوار بھی اُتر آئے۔ وہ مضر اور ربیعہ قبیلوں کے سردار تھے۔

"مدینہ سے اطلاع آئی تھی کہ تمہیں مدد کی ضرورت ہے"— ایک سردار نے کہا۔ "میں چار ہزار آدمی ساتھ لایا ہُوں۔ ان میں شتر سوار ہیں، گھوڑ سوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔"

"اور چار ہزار کی تعداد میرے قبیلے کی ہے" ـــــ دوسرے سردار نے کہا۔
خالدؓ نے فرطِ مسرت سے دونوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولے ـــــ "اللہ کی قسم، اللہ نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔"

★

خالدؓ کے پاس اب دس ہزار نفری کا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ انہوں نے مضر اور ربیعہ کے سرداروں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کہاں جانا ہے اور دشمن کتنا طاقتور ہے۔
"ہم تمہاری مدد کو آتے ہیں ولید کے بیٹے!" ـــــ ایک سردار نے کہا ـــــ "ہماری منزل وہی ہے جو تمہاری ہے۔"
"مدینہ سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ میرِ لشکر تم ہو" ـــــ دوسرے سردار نے کہا ـــــ "جہاں کہو گے چلیں گے، دشمن جیسا بھی ہو گا لڑیں گے"
خالدؓ نے ایرانی سلطنت کے ایک حاکم ہرمز کے نام پیغام لکھوایا۔ اُس وقت عراق ایران کی شہنشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا حاکم یا امیر ہرمز تھا جس کی حیثیت آج کل کے گورنر جیسی تھی۔ اُس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ وہ بڑا ہی بدطینت، جھوٹا اور فریب کار تھا۔ کمینگی میں اُس کا نام ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔
خالدؓ نے اُس کے نام خط میں لکھوایا:

"تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہارے لئے امن ہو گا۔ اگر نہیں تو اپنا علاقہ سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر دو۔ اس کے حاکم تم ہی رہو گے اور مدینہ کی خلافت کو جزیہ ادا کرتے رہو گے۔ اس کے عوض تمہاری اور تمہارے لوگوں کی سلامتی اور دفاع کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔

اگر یہ بھی منظور نہیں تو اپنی سلامتی کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو گا۔ فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے لیکن میں تمہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہم وہ قوم ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنی تمہیں زندگی عزیز ہے.... میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔"

خالدؓ نے یہ خط ایک ایلچی کو دے کر کہا کہ وہ دو محافظ اپنے ساتھ لے جائے اور جس قدر تیز جا سکتا ہے، یہ پیغام ہرمز تک پہنچائے اور جواب لائے۔
"تمہاری واپسی تک میں یمامہ میں نہیں ہوں گا" ـــــ خالدؓ نے ایلچی سے کہا ـــــ "مجھے عراق کی سرحد پر کہیں ڈھونڈ لینا۔ اُبلہ کو یاد رکھنا۔ وہاں سے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کہاں ہوں۔"
ایلچی کی روانگی کے فوراً بعد خالدؓ نے دس ہزار کے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔

★

خالدؓ کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی ابھی اور مدد اُس کی منتظر ہے۔ امیر المومنین ابوبکرؓ نے تمام مشرقی عرب کے علاقوں میں آباد تین قبیلوں کے سرداروں ـــــ مذعور بن عدی، ہرملہ اور سلمہ ـــــ کو پیغام بھیجے تھے کہ اپنے اپنے قبیلے کے زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی مثنیٰ بن حارثہ کے پاس لے جائیں جنہیں جنگ کا تجربہ ہو اور جو پیٹھ دکھانے والے نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ خالدؓ اپنی فوج لے کر آ رہا ہے اور وہ اُن کا اور اپنے

لشکر کا سالارِ اعلیٰ ہوگا۔

ابلہ اور دیگر ایسے علاقوں میں جہاں عربی مسلمان ایرانیوں کے محکوم تھے، صورتِ حال کچھ اور ہی ہو چکی تھی۔ پہلے مثنیٰ بن حارثہ نے ان بستیوں کے چند ایک جوشیلے جوانوں کو ایرانیوں کی فوجی چوکیوں اور فوجی قافلوں پر شبخون مارنے کے لیے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا، لیکن اب اس محکوم آبادی میں سے ایک فوج تیار کر لی تھی۔ کچھ فوج تو اُس نے اپنے قبیلے بکر بن وائل سے تیار کر لی تھی جو مدینہ کے ایک سالار علاء بن حضرمی کے دوش بدوش عراق کی سرحد کے علاقوں میں مرتدین کے خلاف لڑی بھی تھی۔ مثنیٰ نے ایرانیوں کے محکوم مسلمانوں کو اطلاع بھیج دی تھی کہ جس قدر جوان آدمی وہاں سے نکل کر باہر آسکیں آجائیں۔

مسلمانوں کا وہاں سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ زرتشتوں کی فوج مسلمانوں کی بستیوں پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اُن پر شبخون مارنے والے یہی مسلمان ہیں۔ اب ایران کی فوج کو نئے احکام ملے تھے۔ یہ احکام جاری کرنے والا عراقی صوبے کا حاکم ہرمز تھا۔ چند ہی دن پہلے کا واقعہ تھا کہ خالدؓ کا ایلچی ہرمز کے دربار میں پہنچا۔ یہ شہنشاہوں کا دربار تھا۔ ہرمز کو جب اطلاع دی گئی کہ مدینہ کے سالار خالدؓ کا ایلچی آیا ہے تو ہرمز نے چہرے پر نفرت اور رعونت کے آثار پیدا کر لیے تھے۔

"میں کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا"۔۔۔ اُس نے کہا تھا۔۔۔ "لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں آیا ہے"۔

"زرتشت کی قسم!"۔۔۔ ایک درباری نے اُٹھ کر ہرمز سے کہا۔۔۔ "خالدؓ کا ایلچی کوئی پیغام لایا ہوگا جو اُس کی اپنی موت کا پیغام ثابت ہوگا"۔

"لے آؤ اُسے اندر"۔۔۔ ہرمز نے کہا۔

خالدؓ کا ایلچی دو محافظوں کے ساتھ بڑے تیز قدم اٹھاتا ہرمز کے دربار میں داخل ہوا اور سیدھا ہرمز کی طرف گیا۔ دو برچھی برداروں نے سامنے آکر اُسے روکا، لیکن وہ دونوں کے درمیان سے گذر کر ہرمز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم"۔۔۔ ایلچی نے کہا۔۔۔ "ہرمز آتش پرست کو خالدؓ بن ولید سالارِ مدینہ کا سلام پہنچے جن کا ایک پیغام لایا ہوں"۔

"ہم اُس سالار کا سلام قبول نہیں کریں گے جس کے ایلچی میں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ہمارے جاہ و جلال کو پہچان سکے"۔۔۔ ہرمز نے حقارت سے کہا۔۔۔ "کیا مدینہ میں جنگلی اور گنوار آباد ہیں؟ کیا تمہیں بتایا نہیں گیا کہ تم ایک شاہی دربار میں جا رہے ہو؟ تمہیں دربار کے آداب بھی نہیں سکھائے گئے"۔

"مسلمان صرف اللہ کے دربار کے آداب سے آگاہ ہوتا ہے"۔۔۔ ایلچی نے جرأت سے سر کچھ اور اونچا کر کے کہا۔۔۔ "اُس انسان کو اسلام کوئی حیثیت نہیں دیتا جو اللہ کے بندوں پر اپنے دربار کا رعب گانٹھتا ہے۔ میں تمہارا درباری نہیں، اُس سالار کا ایلچی ہوں جسے اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی تلوار کہا ہے"۔

"ہرمز کے سامنے وہ تلوار کند ہو جاتی ہے"۔۔۔ ہرمز نے فرعونوں کے سے لہجے میں کہا اور ہاتھ بڑھا کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔۔۔ "لاؤ تمہارے اللہ کی تلوار نے کیا پیغام بھیجا ہے"۔

ایلچی نے پیغام اُس کے ہاتھ میں دے دیا جو وہ اس طرح پڑھنے لگا جیسے ازراہِ مذاق اُس نے ایک کاغذ ہاتھ میں لے لیا ہو۔ پیغام پڑھ کر اُس نے اُسے مٹھی میں اس طرح مروڑ کر دیا جیسے یہ ایک ردی کا ٹکڑا ہو

جیسے وہ پھینک دے گا۔

"کیا کیڑے مکوڑے یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک چٹان سے ٹکرا سکیں گے؟" — ہرمز نے کہا "کیا مدینہ والوں کو کسی نے بتایا نہیں کہ ہرقل بھی اس چٹان سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ چکا ہے؟ کیا ہم تمہیں اپنی فوج کی ایک جھلک دکھائیں تاکہ تم اپنے سالار کو اور اپنے بوڑھے خلیفہ کو بتا سکو کہ عراق کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہ کریں؟"

"مجھے سالارِ اعلیٰ نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ یہ پیغام ہرمز تک پہنچا کر اس کا جواب لاؤں" — ایلچی نے کہا — "میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔"

"تم جیسے ایلچی کے ساتھ ہم یہ سلوک کیا کرتے ہیں کہ اُسے قید خانے میں پھینک دیتے ہیں" — ہرمز نے کہا — "اگر ہم رحم کریں تو اُسے قید خانے کی اذیت سے بچانے کے لیے جلاد کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"میری جان میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے" — ایلچی نے پہلے سے زیادہ جرأت سے کہا — "اگر تم مسلمان ہوتے تو تمہیں علم ہوتا کہ مہمان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے، لیکن اللہ کے منکر اور آگ کے پجاری سے اس سے بہتر سلوک کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے جلاد کے حوالے کر دو، لیکن یہ سوچ لو کہ مسلمان میرے اور میرے محافظوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لیں گے۔"

ہرمز بدک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ غصے سے اُس کی آنکھیں لال سُرخ ہو گئیں۔ ویسی ہی سرخی اُس کے چہرے پر آ گئی جیسے وہ خالدؓ کے اس ایلچی کو کچا چبا جائے گا۔

"نکال دو اسے ہمارے دربار سے" — ہرمز نے گرج کر کہا۔

چار پانچ درباری جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں، تیزی سے آگے بڑھے۔ ایلچی کے دونوں محافظوں نے تلواریں نکال لیں۔ پہلے وہ دونوں ایلچی کے پیچھے کھڑے تھے، اب وہ ایلچی کے پہلوؤں میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ اُن کی پیٹھیں ایلچی کی طرف تھیں۔

"ہرمز!" — ایلچی نے بارُعب آواز میں کہا — "جنگجو میدانِ جنگ میں لڑا کرتے ہیں۔ اپنی طاقت کا گھمنڈ اپنے دربار میں نہ دکھا۔ مجھے اپنے سالار کے پیغام کا جواب مل گیا ہے۔ تجھے ہماری کوئی شرط قبول نہیں.... کیا یہی ہے تیرا جواب؟"

"نکل جاؤ اس دربار سے" — ہرمز نے غصے سے کانپتی ہوئی بلند آواز میں کہا — "اپنے سالار سے کہنا کہ میری طاقت کو میدانِ جنگ میں آزمائے۔"

ہرمز کے برچھی بردار درباری اُس کے اشارے پر رُک گئے تھے۔ ایلچی کے محافظوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں۔ ایلچی پیچھے کو مڑا اور تیز قدم دربار سے نکل گیا۔ دونوں محافظ اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

ہرمز نے مٹھی کھولی جس میں خالد کا پیغام مُڑ تُڑ کیا ہوا تھا۔ چونکہ یہ پیغام باریک کھال پر لکھا ہوا تھا اس لیے یہ مٹھی کھولتے ہی سیدھا ہو گیا۔ ہرمز نے یہ پیغام فارس کے شہنشاہ اُردشیر کی طرف اس اطلاع کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے فوری طور پر سرحد کی طرف کوچ کر رہا ہے اور وہ مسلمانوں کو سرحد سے دُور ہی ختم کر دے گا۔

"ہرمز کا اقبال بلند ہو" — اُس کے ایک درباری نے کہا — "جس دشمن کو آپ سرحد سے دُور ختم کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے ہی سرحد کے اندر موجود ہے۔"

ہرمز نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"یہ وہ عربی مسلمان ہیں" —— اُس درباری نے کہا —— "جو دجلہ اور فرات کے اُس علاقے میں آباد ہیں جہاں یہ دونوں دریا ملتے ہیں۔ یہ علاقہ ابلہ تک چلا جاتا ہے۔ اُنہوں نے کبھی کی سلطنتِ ایران کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ مدینہ والوں نے ہم پر حملہ کیا تو یہ مسلمان اُن سے مل جائیں گے۔"

"میں ایک عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں" —— ایک فوجی مشیر نے کہا —— "کئی دنوں سے اطلاعیں مل رہی ہیں کہ مسلمان جو لڑنے کے قابل ہیں یعنی جوان ہیں وہ اپنی بستیوں سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ یقیناً مثنیٰ بن حارثہ تک پہنچ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فوج کی صورت میں منظم ہو رہے ہیں۔"

"کیا تم نے فرار کا یہ سلسلہ روکنے کے لئے کوئی کارروائی کی ہے؟" —— ہرمز نے پوچھا۔

"فوجی دستے باقاعدہ نگرانی کر رہے ہیں" —— فوجی مشیر نے جواب دیا۔

"اُس کے باوجود مسلمان غائب ہو رہے ہیں" —— ہرمز نے غصّے اور طنز سے کہا —— "سرحدی چوکیوں کو ابھی حکم بھیجو کہ مسلمانوں کی بستیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ ہر بستی کی تمام آبادی کو باہر نکال کر دیکھیں کہ کتنے آدمی غائب ہیں اور وہ کب سے غائب ہیں۔ جس گھر کا آدمی غائب ہو اُس گھر کو آگ لگا دو۔ کوئی مسلمان سرحد کی طرف جاتا نظر آتے تو اُسے پکڑ کر قتل کر دو یا دُور سے اُس پر تیر چلا دو۔"

★

اُس علاقے میں مسلمانوں کی ایک بستی تھی جو سرحد کے بالکل قریب تھی۔ ایرانی فوج کی تھوڑی سی نفری نے اس بستی میں جا کر اعلان کیا کہ بچے سے بوڑھے تک باہر نکل آئیں۔ سپاہیوں نے گھروں میں گُھس گُھس کر لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ عورتوں کو الگ اور مردوں کو الگ کھڑا کر لیا گیا۔ سپاہیوں کا انداز بڑا ہی ظالمانہ تھا۔ وہ گالیوں کی زبان میں بات کرتے اور ہر کسی کو دھکے دے دے کر اِدھر سے اُدھر کرتے تھے۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ اُن آدمیوں کے نام بتاتے جائیں اور اُن کے گھر دکھاتے جائیں جو بستی میں نہیں ہیں۔

تمام آبادی خاموش رہی۔

"جواب دو" —— ایرانی کمانڈر نے غصّے سے چلّاتے ہوتے کہا۔

اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ کمانڈر نے آگے بڑھ کر ایک بوڑھے آدمی کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور اُس سے پوچھا کہ اس ہجوم میں کون کون نہیں ہے۔

"مجھے معلوم نہیں" —— بوڑھے نے جواب دیا۔

کمانڈر نے نیام سے تلوار نکال کر بوڑھے کے پیٹ میں گھونپ دی اور تلوار زور سے باہر کو کھینچی۔ بوڑھا دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر گر پڑا۔ کمانڈر ایک بار پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اچانک ایک طرف سے آٹھ دس گھوڑے سرپٹ دوڑتے آتے۔ اُن کے سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ ایرانی فوجی دیکھنے بھی نہ پاتے تھے کہ یہ کون ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک کے جسموں میں برچھیاں اُتر چکی تھیں اور گھوڑے جس طرح آتے تھے، اُسی طرح سرپٹ دوڑتے بستی سے نکل گئے۔ ایرانی فوجیوں کی تعداد چالیس پچاس تھی۔ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ اُن میں سے آٹھ دس زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔

گھوڑوں کے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی جو دُور ہٹتی گئی اور اب پھر قریب آنے لگی تھی۔

اب فوجیوں نے بھی برچھیاں اور تلواریں تان لیں اور اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سے گھوڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پیچھے سے بستی کی آبادی اُن پر ٹوٹ پڑی۔ ان سپاہیوں میں سے وہی زندہ رہے جو کسی طرف بھاگ نکلے تھے۔ جب سوار بستی میں پہنچے تو اُنہیں گھوڑے روکنے پڑے کیونکہ اُن کے راستے میں بستی کے لوگ حائل تھے جو ایرانی فوجیوں کا کُشت و خون کر رہے تھے۔

اس سے پہلے مسلمانوں نے یوں کھُلے بندوں ایرانی فوج پر حملہ کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔ ایک ایرانی سپاہی پر ہاتھ اُٹھانے کی سزا یہ تھی کہ ہاتھ اُٹھانے والے کے پورے خاندان کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ اب یہاں کے مسلمان اس لئے دلیر ہو گئے تھے کہ اُنہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ کی فوج آ گئی ہے۔ جن سواروں نے ایرانی فوجیوں پر حملہ کیا تھا وہ کچھ اس بستی کے رہنے والے جوان تھے کچھ دوسری بستیوں کے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ کی طرف جاتے ہوئے اس بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے اس بستی کی آبادی کو باہر کھڑے دیکھا اور ایرانی فوجیوں کو بھی دیکھا۔ وہ چھُپ کر آگے نکل سکتے تھے لیکن ایرانی کمانڈر نے بوڑھے کے پیٹ میں تلوار گھونپی تو سب نے آپس میں صلاح مشورہ کئے بغیر گھوڑوں کے رُخ اس طرف کر لئے۔ ایرانی فوجیوں نے تو اُنہیں جاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ اللہ کی مدد تھی جو اس مظلوم بستی کو بر وقت مل گئی۔

یہ بستی تو خوش قسمت تھی کہ اسے مدد مل گئی اور ایرانیوں کی بھیانک سزا سے بچ گئی۔ مسلمانوں کی دوسری بستیوں پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہر بستی کے ہر گھر کی تلاشی ہو رہی تھی۔ یہ دیکھا جا رہا تھا کہ کتنے آدمی غائب ہو چکے تھے۔ ہر بستی میں ایرانی کئی آدمیوں کو قتل کر رہے تھے۔ بعض مکانوں کو اُنہوں نے نذرِ آتش بھی کر دیا۔

★

تین چار روز یہ سلسلہ چلا۔ اس کے بعد ایرانی فوج کو بستیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہ ملی۔ ہرمز اپنی فوج لے کر آ گیا۔ سرحدی فوج کو بھی اُس نے اپنے ساتھ لے لیا اور سرحد سے نکل گیا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ خالدؓ کو وہ سرحد سے دُور روک لے گا۔ ہرمز کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔

مارچ ۶۳۳ء کا تیسرا ہفتہ تھا جب خالدؓ نے یمامہ سے دس ہزار فوج لے کر کوچ کیا تھا۔ یہ محرم ۱۲ھ کا مہینہ تھا۔ اُن کی پیش قدمی بھی بہت تیز تھی۔

ہرمز اپنی فوج کے ساتھ اپنی سرحد سے بہت دُور کاظمہ کے مقام پر پہنچ گیا اور فوج کو وہیں خیمہ زن کر دیا۔ یہ مقام یمامہ اور اُبلہ کے راستے میں پڑتا تھا۔ ہرمز کو معلوم نہیں تھا کہ اُس کی پیش قدمی کو دیکھنے والے موجود ہیں۔ خالدؓ ابھی کاظمہ سے دُور تھے کہ اُنہیں عراق کی سمت سے آتے ہوئے دو شتر سوار ملے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو بتایا کہ زرتشتوں کی فوج کاظمہ میں خیمہ زن ہے۔ خالدؓ نے وہیں سے راستہ بدل دیا۔ یہ شتر سوار مثنیٰ کے بھیجے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو یہ بھی بتایا کہ وہ حفیر کے مقام تک اس طرح پہنچ جائیں کہ زرتشتوں کی فوج کے ساتھ اُس کی ٹکر نہ ہو۔ شتر سواروں نے خالدؓ کو ایک خوشخبری یہ سُنائی کہ اُن کے لیے آٹھ ہزار نفری کی فوج تیار ہے۔ یہ فوج اس طرح تیار ہوئی تھی کہ مثنیٰ بن حارثہ، مذعور بن عدی، ہرملہ اور سُلمہ نے دو دو ہزار لڑنے والے جوان اکٹھے کر لئے تھے۔ اس طرح خالدؓ کی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔

خالدؓ نے اپنی پیشقدمی کا راستہ اس طرح بدل دیا کہ کاظمہ کے دُور سے گزر کر حفیر تک پہنچ سکیں، لیکن ہرمز کے جاسوس بھی صحرا میں موجود تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ کے لشکر کو دُور کے راستے سے جاتے دیکھ لیا۔ آگے وہ راستہ تھا جو حفیر سے نبّاج کی طرف جاتا تھا۔ ہرمز نے اپنی فوج کو خیمے اُکھاڑنے اور بہت تھوڑے سے وقت میں حفیر کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حفیر کے اردگرد پانی کے کنوئیں موجود تھے۔ ہرمز نے وہاں خالدؓ سے پہلے پہنچ کر خیمے گاڑ دیئے۔ اس طرح پانی ایرانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

خالدؓ ابھی حفیر سے کچھ دُور تھے کہ ایک بار پھر دونوں شتر سوار اُن کے راستے میں آگئے اور خالدؓ کو اطلاع دی کہ دشمن حفیر کے مقام پر پانی کے کنوئیں پر قابض ہو چکا ہے۔ خالدؓ نے کچھ اور آگے جا کر ایسی جگہ پڑاؤ کا حکم دے دیا جہاں دُور دُور تک پانی کی ایک بُوند نہیں مل سکتی تھی۔ فوج نے وہاں پڑاؤ تو ڈال دیا لیکن خالدؓ کو بتایا گیا کہ فوج میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے کہ پڑاؤ ایسی جگہ کیا گیا ہے جہاں دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہیں۔

"میں نے کچھ سوچ کر یہاں پڑاؤ کیا ہے" ۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "تمام لشکر سے کہو کہ دشمن اگر پانی پر قابض ہے تو پریشان نہ ہوں۔ ہماری پہلی لڑائی پانی کے لیے ہو گی۔ پانی اُسی کو ملے گا جو جان کی بازی لگا کر لڑے گا۔ تم نے دشمن کو پانی سے محروم کر دیا تو سمجھو کہ تم نے جنگ جیت لی۔"

سالارِ اعلیٰ کا یہ پیغام سارے لشکر کو سُنا دیا گیا اور سب ایک خونریز جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اب لشکر کی نفری اٹھارہ ہزار ہو گئی تھی۔ مثنیٰ بن حارثہ، مذعور بن عدی، ہرملہ اور سُلمہ دو دو ہزار آدمی ساتھ لئے خالدؓ سے آملے تھے۔ خالدؓ نے جو ایلچی ہرمز کے پاس بھیجا تھا، وہ بھی اسی پڑاؤ میں خالدؓ کے پاس آیا اور بتایا کہ ہرمز نے اُس کے ساتھ کیسا توہین آمیز سلوک کیا ہے۔

"اُس کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نے اُس کا دماغ خراب کر رکھا ہے" ۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے جو پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، کہا ۔۔۔ "خدا یہ نہیں دیکھتا کہ کسی انسان کے سر پر کیا رکھا ہے، خدا تو دیکھتا ہے کہ اُس کے سر کے اندر کیا ہے۔ اُس کے عزائم کیا اور اُس کی نیّت کیا ہے اور وہ سوچتا کیا ہے۔"

"ایک لاکھ درہم کی ٹوپی؟" ۔۔۔ خالدؓ نے حیران ہو کر پوچھا ۔۔۔ "کیا ہرمز اتنی قیمتی ٹوپی پہنتا ہے؟"

"فارس کی شہنشاہی کا ایک دستور ہے" ۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا۔ "ان کے ہاں حسب و نسب اور حیثیت کو دیکھ کر اس کے مطابق ٹوپی پہنائی جاتی ہے جو ان کے شہنشاہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ زیادہ قیمتی ٹوپی صرف وہ افراد پہنتے ہیں جو اعلیٰ حسب و نسب کے ہوں اور جنہوں نے رعایا میں بھی اور شاہی دربار میں بھی توقیر اور وجاہت حاصل کر رکھی ہو۔ اس وقت ہرمز سب سے زیادہ قیمتی ٹوپی پہنتا ہے۔ کوئی اور ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نہیں پہن سکتا۔ اس ٹوپی میں بیش قیمت ہیرے لگے ہوئے ہیں اور اس کی کلغی بھی بہت قیمتی ہے۔"

"فرعونوں نے اپنے سروں پر خدائی ٹوپیاں سجا لی تھیں" ۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "کہاں ہیں وہ؟ کہاں ہیں اُن کی ٹوپیاں؟ ... مجھے کسی کی بیش قیمت ٹوپی مرعوب نہیں کر سکتی نہ کسی کی ٹوپی تلوار کے وار کو روک سکتی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آتش پرستوں کی فوج لڑنے میں کیسی ہے اور میدانِ جنگ میں کتنی تیزی سے نقل و حرکت

کرتی ہے۔"

"فارس کے سپاہی کی زرہ اور ہتھیار دیکھ کر خوف سا آتا ہے" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ کو بتایا ــــ "سر پر لوہے کی زنجیروں کی خود، بازوؤں پر کسی اور دھات کے خول اور ٹانگیں آگے کی طرف سے موٹے چمڑے یا دھات سے محفوظ کی ہوئیں۔ ہتھیار اتنے کہ ہر سپاہی کے پاس ایک برچھی، ایک تلوار، ایک وزنی گُرز، ایک کمان اور ایک ترکش ہوتی ہے جس میں ہر سپاہی تیس تیر رکھتا ہے۔"

"اور لڑنے میں کیسے ہیں؟"

"جرأت اور عقل سے لڑتے ہیں" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا ــــ "اِن کی دلیری مشہور ہے۔"

"مثنیٰ!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ آتش پرستوں کے سپاہی کتنے کمزور ہیں اور اُن کی جرأت کی حد کیا ہے؟ ... اُن کی جرأت کی حد آہنی خود اور بازوؤں اور ٹانگوں پر چڑھائے ہوئے خولوں تک ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ جذبہ لوہے کو کاٹ دیا کرتا ہے۔ لوہے کی تلوار اور برچھی کی اَنی جذبے کو نہیں کاٹ سکتی۔ زرہ اور دھات یا چمڑے کے خول حفاظت کے جھوٹے ذریعے ہیں۔ ایک خول کٹ گیا تو سپاہی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے، پھر اُس میں اتنی سی جرأت رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کی اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کے سپاہی کی زرہ اس کا عقیدہ اور ایمان ہے .... میں تمہیں فارسیوں کی ایک اور کمزوری دکھاؤں؟" ــــ خالدؓ نے قاصد سے کہا ــــ "سالاروں اور کمانداروں کو فوراً بلاؤ۔"

★

"فوری طور پر کاظمہ کی طرف کوچ کرو" ــــ خالدؓ نے حکم دیا ــــ "اور کوچ بہت تیز ہو۔"

ہرمز حفیرہ کے علاقے میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ وہ کاظمہ سے اپنی فوج کو یہاں لایا تھا کیونکہ خالدؓ کا لشکر حفیرہ کی طرف آ گیا تھا۔ اب یہ لشکر پھر کاظمہ کی طرف جا رہا تھا۔ دونوں فوجوں کے چند ایک گھوڑ سوار ایک دوسرے کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ ہرمز کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر کاظمہ کی طرف کوچ کر گیا ہے تو ہرمز نے اپنی فوج کو کاظمہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

ہرمز کو اُبلہ کا بہت فکر تھا۔ یہ ایرانیوں کی بادشاہی کا بہت اہم شہر تھا۔ یہ تجارتی مرکز تھا۔ ہندوستان کو تاجروں کے قافلے یہیں سے جایا کرتے تھے اور ہندوستان خصوصاً سندھ کا مال اِسی مقام پر آیا کرتا تھا۔ یہ ایرانیوں کا فوجی مرکز بھی تھا۔ اس علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کو دبائے رکھنے کے لئے اُبلہ میں فوج رکھی گئی تھی۔ ہرمز کی کوشش یہ تھی کہ خالدؓ کا لشکر اُبلہ تک نہ پہنچ سکے۔ ہرمز کو اُبلہ پہلے سے زیادہ خطرے میں نظر آنے لگا کیونکہ مسلمان اُبلہ کے جنوب میں کاظمہ کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے کوچ اتنا مشکل نہ تھا جتنا ایرانیوں کے لئے دشوار تھا۔ مسلمانوں کے پاس اونٹ اور گھوڑے خاصے زیادہ تھے۔ سپاہی ہلکے پھلکے تھے۔ وہ آسانی سے تیز چل سکتے تھے۔ اِن کے مقابلے میں ایرانی سپاہی زرہ اور ہتھیاروں سے لدے ہوئے تھے اس لئے وہ تیز نہیں چل سکتے تھے۔ ایک دو دن ہی پہلے وہ کاظمہ سے حفیرہ آئے تھے۔ اس کوچ کی تھکن ابھی باقی تھی کہ اُنہیں ایک بار پھر کوچ کرنا پڑا اور وہ بھی بہت تیز تاکہ مسلمانوں سے پہلے کاظمہ کے علاقے میں پہنچ جائیں۔

اِس کُوچ نے راستے میں ہی انہیں تھکادیا۔
ہرمز کی فوج جب کاظمہ میں مسلمانوں کے بالمقابل پہنچی تو نڈھال ہو چکی تھی۔ مسلمان سپاہی صحرائی لڑائیوں اور صحرا میں نقل وحرکت کے عادی تھے۔ خالدؓ نے ہرمز کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ اپنے لشکر کو آرام نہیں کرنے دے گا، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ خود قلب میں رہے۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں کی کمان عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کے پاس تھی۔ عاصم بن عمرو قعقاع بن عمرو کے بھائی تھے اور عدی بن حاتم قبیلہ طے کے سردار تھے جو دراز قد، مضبوط جسم والے بڑے بہادر جنگجو تھے۔
خالدؓ کو اپنی فوج کو لڑائی کی ترتیب میں کرتے دیکھ کر ہرمز نے بھی اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب میں وہ خود رہا اور دونوں پہلوؤں کی کمان شاہی خاندان کے دو افراد، قباذ اور انوشجان، کو دی۔ ہرمز دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج پسینے میں نہا رہی ہے اور سپاہیوں کی سانسیں پھُولی ہوئی ہیں۔ اُنہیں آرام کی ضرورت تھی لیکن مسلمان جنگی ترتیب میں آ چکے تھے۔ ہرمز نے اپنی فوج کی ترتیب ایسی رکھی کہ کاظمہ شہر اُس کی فوج کے پیچھے آگیا۔ اُن کے سامنے ریگستانی میدان تھا اور ایک طرف بے آب وگیاہ ٹیلہ نما پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔
خالدؓ نے اپنی فوج کو اِس طرح آگے بڑھایا کہ یہ پہاڑی سلسلہ اُن کی پُشت کی طرف ہو گیا۔

★

اپریل ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے کا ایک دن تھا جب مسلمان پہلی بار آتش پرست ایرانیوں کے مقابل آئے۔
"اگر خالدؓ بن ولید مارا جائے تو یہ معرکہ بغیر لڑے ختم ہو سکتا ہے" —— ہرمز کے ایک سالار نے اُسے کہا ——"مسلمان جو اتنی دُور سے آئے ہیں، اپنے سالار کی موت کے بعد ہمارے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔"
"فوج سے کہو زنجیریں باندھ لیں" —— ہرمز نے سالار سے کہا ——"میں ان کے سالار کا بندوبست کرتا ہوں۔ سب سے پہلے یہی مرے گا" —— اُس نے سالار کو بھیج کر اپنے محافظوں کو بلایا اور اُنہیں کچھ بتایا۔
زنجیریں باندھ لینے کا مطلب یہ تھا کہ ایرانی فوج کے سپاہی اپنے آپ کو اس طرح زنجیروں سے باندھ لیتے تھے کہ پانچ سے دس سپاہی ایک لمبی زنجیر میں بندھ جاتے تھے۔ ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ وہ آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیریں باندھ کر لڑنے سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی سپاہی بھاگ نہیں سکتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اُن کے دشمن کے گھوڑ سوار جب اُن پر ہلّہ بولتے تھے تو سپاہی زنجیریں سیدھی کر دیتے۔ زنجیریں گھوڑوں کی ٹانگوں کے آگے آجاتیں اور گھوڑے گر پڑتے تھے، لیکن زنجیروں کا بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ ایک زنجیر میں بندھے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک دو زخمی یا ہلاک ہو جاتے تو باقی بے بس ہو جاتے اور دشمن کا آسان شکار بنتے تھے۔
اِس جنگ کو جو ہرمز اور خالدؓ کے درمیان لڑی گئی، جنگِ سلاسل یعنی زنجیروں کی جنگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایرانی اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رہے ہیں تو وہ حیران ہونے لگے۔ کسی نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "وہ دیکھو فارسی اپنے آپ کو ہمارے لئے باندھ رہے ہیں۔"

"فتح ہماری ہے"۔۔۔ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا۔ "اللہ نے ان کے دماغوں پر مہر لگا دی ہے۔"

خالدؓ نے جو کچھ سوچ کر کاظمہ سے حفیر اور حفیر سے کاظمہ کو کوچ کیا تھا، وہ فائدہ انہیں نظر آ گیا تھا۔ ہرمز کی فوج جو زرہ اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی تھی، لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی تھک گئی تھی۔ خالدؓ نے ایرانیوں کو آرام کی مہلت نہیں دی تھی۔ اب ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ خالدؓ نے سوچ لیا کہ وہ کیا چال چلیں گے اور ایرانیوں کو کس طرح لڑائیں گے۔

ہرمز نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں فوجوں کے درمیان ایسی جگہ آ کر رُک گیا جہاں زمین کٹی پھٹی اور کہیں کہیں ٹیلے تھے۔ اُس کے محافظ اُس سے کچھ دُور آ کر رُک گئے۔

★

"کہاں ہے خالدؓ!"۔۔۔ ہرمز نے للکار کر کہا ۔۔۔ "آ، پہلے میرا اور تیرا مقابلہ ہو جائے۔"

یہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے دونوں فوجوں کے سالار ذاتی مقابلوں کے لیے ایک دوسرے کو للکارتے تھے۔ دونوں فوجوں کے آدمی انفرادی طور پر آگے جا کر تلواروں سے بھی لڑتے تھے اور کُشتی بھی کرتے تھے۔ نتیجہ دونوں میں سے ایک کی موت ہوتا تھا۔ جنگِ سلاسل میں ہرمز نے خود آگے آ کر خالدؓ کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔ ہرمز مانا ہُوا جنگجو اور بہادر آدمی تھا۔ تیغ زنی کی مہارت کے علاوہ اُس کے جسم میں بہت طاقت تھی۔

خالدؓ کی عمر اڑتالیس سال ہو چکی تھی۔ وہ جنگی چالوں کے ماہر تھے۔ اُن کے جسم میں اچھی خاصی طاقت تھی لیکن ہرمز زیادہ طاقتور تھا۔ اُس کی للکار پر خالدؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرمز کے سامنے جا رُکے۔ ہرمز گھوڑے سے اُترا اور خالدؓ کو گھوڑے سے اُترنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔

دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے، پینترے بدلے، گھوم گھوم کر ایک دوسرے پر آئے مگر تلواریں آپس میں ہی ٹکراتی رہیں۔ پھر خالدؓ کے ہاتھوں اور پینتروں میں پھُرتی آ گئی۔ دونوں فوجیں شور و غل بپا کر رہی تھیں۔ ہرمز محسوس کرنے لگا کہ وہ خالدؓ کی تلوار سے بچ نہیں سکے گا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا اور اُس نے تلوار پھینک دی۔

"تلواریں فیصلہ نہیں کر سکیں گی"۔۔۔ ہرمز نے کہا ۔۔۔ "آ خالدؓ! ہتھیار کے بغیر آ اور کُشتی لڑ۔"

خالدؓ تلوار پھینک کر کُشتی کے لئے آگے بڑھے اور دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ کُشتی میں ہرمز کا پلّہ بھاری نظر آتا تھا مگر مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہرمز کی چال کچھ اور تھی۔ اُس نے اپنے محافظوں کو پہلے سے بتا رکھا تھا کہ وہ جب خالدؓ کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لے کہ خالدؓ ہلنے کے قابل نہ رہیں تو محافظ دونوں کو اس طرح گھیرے میں لے لیں کہ اُن کی نیت اور ارادے پر شک نہ ہو یعنی وہ تماشائی بنے رہیں اور ان میں سے ایک محافظ خنجر نکال کر خالدؓ کا پیٹ چاک کر دے۔ جنگجو اس طرح دھوکہ نہیں دیا کرتے تھے لیکن ہرمز کمینگی کی وجہ سے مشہور تھا۔

ہرمز کے محافظ آگے بڑھ آئے اور اپنی فوج کی طرح نعرے لگاتے نرغے کی ترتیب میں ہوتے گئے۔ وہ گھوڑوں پر سوار نہیں تھے۔ وہ گھیرا تنگ کرتے گئے، حتیٰ کہ دونوں کے قریب چلے گئے۔ خالدؓ کی توجہ

بٹ گئی۔ ہرمز نے پھرتی سے خالدؓ کے دونوں بازو اس طرح جکڑ لئے کہ اُس کے بازو خالدؓ کی بغلوں میں تھے۔ محافظ اور قریب آ گئے۔

ہرمز نے اپنی زبان میں محافظوں سے کچھ کہا۔ خالدؓ اُس کی زبان تو نہ سمجھ سکے، اشارہ سمجھ گئے۔ اُنہوں نے خطرے کو بھانپ لیا اور جسم کی تمام تر طاقت صرف کر کے اتنی زور سے گھومے کہ ہرمز کو بھی اپنے ساتھ گھما لیا، پھر خالدؓ ایک جگہ کھڑے گھومتے رہے۔ ہرمز کے پاؤں زمین سے اُٹھ گئے۔ خالدؓ نے ہرمز کے بازو اپنی بغلوں میں جکڑ لئے تھے اور اپنے ہاتھ ہرمز کی بغلوں میں لے جا کر اُسے گھمانے رہے۔ اس طرح محافظوں کا دائرہ کھلتا گیا اور اُن میں سے کسی کو آگے بڑھ کر خالدؓ پر وار کرنے کا موقع نہ ملا، لیکن خالدؓ کا یہ داؤ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔ وہ تھک چکے تھے۔

اچانک ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا جسے ہرمز کے محافظ نہ دیکھ سکے۔ گھوڑا محافظوں کے دائرے کو کاٹتا گزر گیا اور تین محافظ زمین پر تڑپنے لگے۔ ان میں سے ایک کو گھوڑے نے کچل ڈالا تھا اور دو کو گھوڑسوار کی تلوار نے کاٹ دیا تھا۔ گھوڑا آگے جا کر مُڑا اور پھر ہرمز کے محافظوں کی طرف آیا۔ محافظوں نے اب اُس سے بچنے کی کوشش کی پھر بھی تین محافظ گرے اور تڑپنے لگے۔ باقی بھاگ گئے اور سوار اپنی فوج سے جا ملا۔

یہ سوار نوجوان قعقاعؓ بن عمرو تھا جسے خلیفہ ابوبکرؓ نے کمک کے طور پر خالدؓ کی طرف بھیجا اور کہا تھا "جس لشکر میں قعقاعؓ جیسا جوان ہو گا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا۔"

اس سوار سے نظریں ہٹا کر سب نے ہرمز اور خالدؓ کو دیکھا۔ ہرمز پیٹھ کے بل زمین پر پڑا تھا اور خالدؓ اُس کے پیٹ پر بیٹھے اُس کے سینے سے اپنا خنجر نکال رہے تھے۔ خنجر سے ہرمز کا خون ٹپک رہا تھا۔ قعقاعؓ نے ہرمز کے محافظوں کی نیت بھانپ لی تھی اور کسی کے حکم کے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا کر محافظوں پر جا ہلّہ بولا اور خالدؓ کو بچا لیا تھا۔

★

خالدؓ ہرمز کی لاش سے اُٹھے۔ ہرمز کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی خالدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ ٹوپی اور اُس کے خون میں لتھڑا ہوا خنجر بلند کر کے خالدؓ نے اپنی فوج کو کھلے حملے کا حکم دے دیا۔ اُن کے پہلے سے دئیے ہوئے احکام کے مطابق مسلمان لشکر کے دونوں پہلو کھل گئے اور اس نے دائیں اور بائیں سے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ ایرانی اپنے ہرمز جیسے سالار کی موت سے بددل ہو گئے تھے لیکن اپنی روایتی شجاعت سے وہ دستبردار نہ ہوئے۔ اُن کی تعداد مسلمانوں کی نسبت خاصی زیادہ تھی۔ ہتھیاروں اور گھوڑوں کے لحاظ سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں جم گئے۔ نظر یہی آ رہا تھا کہ ایرانیوں کو شکست نہیں دی جا سکے گی یا یہ کہ اُنہیں شکست دینے کے لیے بے شمار جانیں قربان کرنی پڑیں گی۔

ایرانی سپاہی پانچ پانچ، سات سات، دس دس ایک ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے اور ہر طرف سے آنے والے حملے روک رہے تھے۔ خالدؓ نے اُنہیں تھکانے کے لئے گھوڑسواروں کو استعمال کیا۔ گھوڑسواروں نے پیادوں پر اس طرح حملے شروع کر دئیے کہ پیادوں کو دائیں بائیں دوڑنا پڑتا۔ اپنے پیادوں کو بھی خالدؓ نے اسی طرح استعمال کیا۔ ایرانی پیادوں کو بھاگنا دوڑنا پڑا۔ ان کے مقابلے میں

مسلمان تیزی سے حرکت کر سکتے تھے۔

آخر ایرانیوں میں سستی اور تھکن کے آثار نظر آنے لگے۔ اُنھوں نے اپنی روایت کے مطابق جو زنجیریں باندھ رکھی تھیں، وہ اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔ ہتھیاروں کی برتری وبالِ جان بن گئی۔ ایرانیوں کی تنظیم اور ترتیب بکھرنے لگی۔ ان کے قلب کی کمان تو ہرمز کے مرتے ہی ختم ہو گئی تھی۔ ان کے پہلوؤں کے سالاروں، قباذ اور انوشجان، نے شکست یقینی دیکھی تو پسپائی کا حکم دے دیا۔ پسپا وہی ہو سکے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ ان میں زیادہ گھوڑ سوار تھے۔ قباذ اور انوشجان پہلوؤں سے اپنی فوج کی بہت سی نفری بچا کر لے گئے لیکن قلب کے ہزاروں سپاہی مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے۔ یہ تو آتش پرستوں کا قتلِ عام تھا جو سورج غروب ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ شام تاریک ہو گئی تو یہ خونی سلسلہ رُکا۔

مسلمانوں نے ایک بڑے ہی طاقتور دشمن کو بہت بُری شکست دے کر ثابت کر دیا کہ نفری کی افراط اور ہتھیاروں کی برتری سے فتح حاصل نہیں کی جا سکتی، جذبہ لڑا کرتا ہے۔

اگلے روز مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا۔ خالدؓ نے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ چار حصے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور ایک حصہ مدینہ خلیفہ ابوبکرؓ کو بھیج دیا۔ ہرمز کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی بھی خالدؓ نے خلیفہ کو بھیج دی۔ خلیفہ نے یہ ٹوپی خالدؓ کو واپس بھیج دی کیونکہ ذاتی مقابلوں میں مارے جانے والے کا مالِ غنیمت جیتنے والے کا حق ہوتا ہے۔ یہ ٹوپی خالدؓ کی ملکیت تھی۔

"یہ دیکھو.... باہر آؤ.... دیکھو یہ کیا ہے!"

مدینہ کی گلیوں میں کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ دوڑتے گھروں سے باہر آنے لگے۔

"جانور ہے۔"

"نہیں.... خدا کی قسم، ہم نے ایسا جانور کبھی نہیں دیکھا۔"

"یہ جانور نہیں.... خدا کی عجیب مخلوق ہے۔"

عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے۔ سب کے چہروں پر حیرت تھی۔ بچے ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ جنہوں نے خدا کی اس عجیب مخلوق کو پکڑ رکھا تھا، وہ ہنس رہے تھے اور وہ آدمی بھی ہنس رہا تھا جو اس عجیب مخلوق کی گردن پر بیٹھا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ــــ لوگ پوچھ رہے تھے ــــ "اِسے کیا کہتے ہیں؟"

"اِسے ہاتھی کہتے ہیں" ــــ ہاتھی کے ساتھ ساتھ چلنے والے ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا ــــ "یہ جنگی جانور ہے۔ یہ ہم نے فارس والوں سے چھینا ہے۔"

جنگِ سلاسل میں جب ایرانی زرتشت بھاگے تھے تو یہ ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا تقریباً تمام مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ خالدؓ نے مالِ غنیمت کا جو پانچواں حصہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو بھیجا تھا، اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ مدینہ والوں نے ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ہاتھی کو مدینہ شہر میں گھمایا پھرایا گیا تو لوگ حیران ہو گئے اور بعض ڈر بھی گئے۔ وہ اِسے جانور نہیں، خدا کی عجیب مخلوق کہتے تھے۔ ہاتھی کے ساتھ اس کا ایرانی مہاوت بھی تھا۔

اس ہاتھی کو چند دن مدینہ میں رکھا گیا۔ کھانے کے سوا اس کا اور کوئی کام نہ تھا۔ مدینہ والے اِس سے کام لینا جانتے بھی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ صرف ایک ہاتھی سے وہ کرتے بھی کیا! امیرالمومنین نے اس کے مہاوت کو ہاتھی سمیت آزاد کر دیا۔ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ یہ ہاتھی مدینہ سے کہاں چلا گیا تھا۔

▼

دجلہ اور فرات آج بھی بہہ رہے ہیں۔ ایک ہزار تین سو باون سال پہلے بھی بہہ رہے تھے مگر اُس روانی میں اور آج کی روانی میں بہت فرق ہے۔ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے دجلہ اور فرات کی لہروں میں اسلام کے اوّلین مجاہدین کے جوشیلے اور پُرعزم نعروں کا ولولہ تھا۔ ان دریاؤں کے پانیوں میں شہیدوں کا خون شامل تھا۔ شمعِ رسالتؐ کے شیدائی اسلام کو دجلہ اور فرات کے کنارے کنارے دُور آگے لے جا رہے تھے۔ زرتشت کی آگ کے شعلے لپک لپک کر مسلمانوں کا راستہ روکتے تھے۔ مسلمان بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔

اُن کا بڑھنا سہل نہیں تھا۔ وہ فارسیوں کی شہنشاہی میں داخل ہو چکے تھے۔ اُن کی نفری اور جسموں کی تازگی کم ہوتی جا رہی تھی اور دشمن کی جنگی قوت ہیبت ناک تھی۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے آتش پرست فارسیوں کی جنگی طاقت مسلمانوں کے قلیل لشکر کو اپنے پیٹ میں کھینچ رہی ہو۔

اپریل ۶۳۳ عیسوی کا تیسرا اور صفر ۱۲ ہجری کا پہلا ہفتہ تھا۔ خالدؓ کاظمہ کے مقام پر آتش پرست ایرانیوں کو شکست دے کر آگے ایک مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے دو ہی ہفتے پہلے ایرانیوں کو شکست دی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اتنی بڑی شہنشاہی سے ٹکر لی تھی جس کی جنگی قوت سے زمین کانپتی تھی۔ امیر المومنین ابوبکرؓ نے کہا تھا کہ ابھی ہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے کے قابل نہیں لیکن اُنھوں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ٹکر لینا ناگزیر ہو گیا ہے، ورنہ زرتشت مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ اُن کے عزائم ایسے ہی تھے۔ وہ مسلمانوں سے نفرت کرنے والے لوگ تھے اور اپنی بادشاہی میں مسلمانوں پر بہت ظلم کرتے تھے۔ امیر المومنین نے خالدؓ کو یمامہ سے بلا کر زرتشتوں کے خلاف بھیجا تھا۔

خالدؓ کو رسول کریمؐ نے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اب خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے بھی کہا تھا — "اللہ کی تلوار کے بغیر ہم فارس کی بادشاہی سے ٹکر نہیں لے سکتے۔"

خالدؓ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اللہ کی تلوار ہیں۔

فارس کی شہنشاہی کی گدّی مدائن میں تھی۔ فارس کا شہنشاہ اُردشیر مدائن میں شہنشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کی گردن اُن شہنشاہوں کی طرح اکڑی ہوئی تھی جو اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ اُس کے تخت کے دائیں بائیں ایران کا حُسن مچل رہا تھا۔ وہ تخت سے اُٹھنے ہی لگا تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ اُبلہ کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔

"فوراً بلاؤ" — اُردشیر نے شاہانہ رعونت سے کہا — "اس کے سوا وہ اور کیا خبر لایا ہو گا کہ ہرمز نے مسلمانوں کو کچل ڈالا ہے.... کیا حیثیت ہے عرب کے ان بدوؤں کی جنہوں نے کھجور اور جَو کے سوا کھانے کی کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی!"

قاصد دربار میں داخل ہوا تو اُس کا چہرہ اور اُس کی چال بتا رہی تھی کہ وہ اچھی خبر نہیں لایا۔ اُس نے ایک بازو سیدھا اوپر کیا اور جھک گیا۔

"سیدھے ہو جاؤ" — اُردشیر نے فاتحانہ لہجے میں کہا — "ہم اچھی خبر سننے کے لیے اتنا انتظار نہیں کر سکتے.... کیا مسلمانوں کی عورتوں کو بھی پکڑا گیا ہے؟.... بولو.... تم خاموش کیوں ہو؟"

"زرتشت کی ہزار رحمت تختِ فارس پر" — قاصد نے دربار کے آداب کے عین مطابق کہا — "شہنشاہ اُردشیر کی شہنشاہی...."

"خبر کیا لائے ہو؟" — اُردشیر نے گرج کر پوچھا۔

"عالی مقام ہرمز نے کمک مانگی ہے" — قاصد نے کہا۔

"ہرمز نے؟" — اُردشیر چونک کر آگے کو جھکا اور اُس نے حیران ہو کر پوچھا — "کمک مانگی ہے؟.... کیا وہ مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا ہے؟ کیا وہ پسپا ہو رہا ہے؟.... ہم نے سُنا تھا کہ مسلمان لٹیروں کے ایک گروہ کی مانند ہیں۔ کیا ہو گیا ہے ہرمز کو؟ کیا اُس نے سپاہ کو زنجیروں سے نہیں باندھا تھا؟

.....بولو!

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہاں کوئی بھی نہ ہو اور در و دیوار چُپ چاپ ہوں۔

"شہنشاہِ فارس کی شہنشاہی افق تک پہنچے" — قاصد نے کہا — "زنجیریں باندھی تھیں مگر مسلمانوں نے ایسی چالیں چلیں کہ یہی زنجیریں ہماری سپاہ کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔"

"مدینہ والوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"بہت تھوڑی شہنشاہِ فارس!" — قاصد نے جواب دیا — "ہمارے مقابلے میں اُن کی تعداد کچھ بھی نہیں تھی لیکن....."

"دُور ہو جا ہماری نظروں سے" — شہنشاہ اُردشیر گرجا اور ذرا سوچ کر بولا — "قارن کو بلاؤ۔"

قارن بن قریانس ایرانی فوج کا بڑا ہی قابل اور دلیر سپہ سالار تھا۔ وہ بھی ہرمز کی طرح لاکھ درہم کا آدمی تھا اور ہرمز کی ٹوپی کی طرح ٹوپی پہنتا تھا۔ اطلاع ملتے ہی دوڑا آیا۔

"قارن!" — اُردشیر نے کہا — "کیا تم اس خبر کو سچ مان سکتے ہو کہ ہرمز نے مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے کمک مانگی ہے؟" — اُردشیر نے درباریوں پر نگاہ دوڑائی تو تمام درباری اُٹھ کھڑے ہوئے، سب تعظیم کو جھکے اور باہر نکل گئے۔ اُردشیر قارن کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا — "کیا یہ قاصد مسلمانوں کا آدمی تو نہیں جو ہمیں دھوکہ دینے آیا ہو؟"

"مسلمان اتنی جرأت نہیں کر سکتے" — قارن نے کہا — "میدانِ جنگ میں ذرا سی غلطی پانسہ پلٹ دیا کرتی ہے۔ اگر ہرمز نے کمک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے کمک کی ضرورت ہے اور اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"کیا مسلمانوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہماری فوج کو پسپا کر سکیں؟" — اُردشیر نے پوچھا۔

"ان میں ہمت ہی نہیں بے پناہ جرأت بھی ہے" — قارن نے کہا — "وہ اپنے عقیدے کی جنگ لڑتے ہیں۔ اُبلہ کے علاقے میں ہم نے مسلمانوں کو اس قدر ذلیل کر کے رکھا ہوا ہے کہ وہ کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اُنہوں نے زمین دوز حملے کر کے اور شب خُون مار مار کر اُس علاقے کی کئی چوکیاں صاف کر دی ہیں..... آج تک اُنہوں نے جتنی جنگیں لڑی ہیں اُن میں انہوں نے کسی ایک میں بھی شکست نہیں کھائی۔ ہر جنگ میں اُن کی سپاہ کی تعداد خاصی تھوڑی رہی ہے۔ ان کے پاس گھوڑوں کی بھی کمی تھی۔"

"وہ لڑنے والے ہی ایسے تھے" — شہنشاہ اُردشیر نے کہا — "ان میں کوئی بھی ہماری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"لیکن مسلمانوں نے مقابلہ کر لیا ہے" — قارن نے کہا — "اور ہمارا اتنا زبردست سالار ہرمز کمک مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے..... شہنشاہِ فارس! دشمن کو اتنا حقیر نہیں جاننا چاہیئے۔ ہمیں اپنے گریبان میں دیانت داری سے جھانکنا ہو گا۔ فارس کی شہنشاہی کا طوطی بولتا تھا لیکن ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ رُومی ہم پر غالب آ گئے تھے اور ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم رُومیوں کا سامنا کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس نئی صورتِ حال کا جائزہ دیانت داری سے لیں شہنشاہِ فارس! ہرمز نے اگر کمک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اُس کے لشکر پر غالب آ گئے ہیں۔"

"میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم ہی ہرمز کی مدد کو پہنچو۔"— اُردشیر نے کہا — "اگر ہرمز گھبرا گیا ہے تو اُس کی مدد کے لیے اگر اُس سے بہتر سالار نہ جائے تو اسی جیسے سالار کو جانا چاہیئے۔ تم ایسا لشکر تیار کرو جسے دیکھتے ہی مسلمان سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑیں یا مدینہ کو بھاگ جائیں.... فوراً قارن! فوراً۔"

قارن نے اُسے سلام کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چل پڑا۔

▼

ایرانیوں کا سالار قارن بن قریانس تازہ دم لشکر لے کر اُبلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ پوری امید لے کر جا رہا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے لوٹے گا۔ وہ اپنے لشکر کو دجلہ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نے مذار کے مقام پر لشکر کو دریائے دجلہ پار کرایا اور جنوب میں دریائے معقل تک پہنچ گیا۔ جب وہ دریائے معقل کے پار گیا تو اُسے ہرمز کے لشکر کی ٹولیاں آتی دکھائی دیں۔ سپاہی بڑی بُری حالت میں تھے۔

"تم پر زرتشت کی لعنت ہو"— قارن نے پہلی ٹولی کو روک کر اور اُن کی حالت دیکھ کر کہا — "کیا تم مسلمانوں کے ڈر سے بھاگے آ رہے ہو؟"

"سپہ سالار ہرمز مارا گیا ہے"— ٹولی میں سے ایک سپاہی نے کہا۔ "دونوں پہلوؤں کے سالار قباذ اور انوشجان بھی بھاگ آتے ہیں۔ وہ شاید پیچھے آ رہے ہوں۔"

قارن بن قریانس ہرمز کی موت کی خبر سن کر سُن ہو کے رہ گیا۔ اُس نے یہ پوچھنے کی بھی جرأت نہ کی کہ ہرمز کس طرح مارا گیا ہے۔ قارن کا سر جھک گیا تھا۔ اُس نے جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ فارس کے فوجیوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں۔ اپنے تازہ دم لشکر کو دیکھ کر بھاگے ہوئے یہ فوجی وہیں رُکنے لگے۔ اتنے میں ہرمز کی فوج کے دوسرے سالار قباذ اور انوشجان بھی آ پہنچے۔ اُنہیں دور سے آتا دیکھ کر قارن نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑا چل پڑا۔ قارن نے اپنے دونوں شکست خوردہ سالاروں کے سامنے جا گھوڑا روکا۔

"میں سن چکا ہوں ہرمز مارا گیا ہے"— قارن نے کہا — "لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ تم دونوں بھاگ آئے ہو۔ کیا تم گنوار اور اُجڈ عربوں سے شکست کھا کر آئے ہو؟ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ تم بزدل ہو اور تم اس رتبے اور عہدے کے اہل نہیں ہو.... کیا تم نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے؟"

"کیوں نہیں چاہتے!"— قباذ نے کہا — "ہم کہیں چھپنے کے لیے پیچھے نہیں آئے۔ ہمیں ہرمز کی شیخیوں نے مروایا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اسلامی فوج کے پاس بڑے ہی قابل اور جرأت والے سالار ہیں لیکن وہ اتنے قابل بھی نہیں کہ ہماری فوج کو یوں بھگا دیتے۔"

"قارن!"— انوشجان نے کہا — "ہماری فوجی قیادت میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے جس کا مظاہرہ تم نے بھی کیا ہے۔ تم نے عرب کے ان مسلمانوں کو گنوار اور اُجڈ کہا ہے۔ ہرمز بھی ایسے ہی کہتا تھا، لیکن ہم نے میدانِ جنگ میں اس کے اُلٹ دیکھا ہے۔"

"تم نے اُن میں کیا خوبی دیکھی ہے جو ہم میں نہیں ہے؟"— قارن نے پوچھا۔

"یہ پوچھو کہ ہم میں کیا خامی ہے جو اُن میں نہیں" — انوشجان نے کہا — "ہم اپنے دس دس بارہ بارہ سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر سے باندھ دیتے ہیں کہ وہ جم کر لڑیں اور بھاگیں نہیں، اسی لیے ہم آمنے سامنے کی جنگ لڑتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب ہماری سپاہ کو پابندِ سلاسل دیکھا تو اُنہوں نے دائیں بائیں کی چالیں چلنی شروع کر دیں۔ ہماری سپاہ گھوم پھر کر لڑنے سے قاصر تھی۔ یہ تھی وجہ کہ ہمارا اتنا طاقت ور لشکر شکست کھا گیا۔"

"ہمارے پاس باتوں کا وقت نہیں" — قباذ نے کہا — "مسلمان ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں۔"

◄

اُن کے تعاقب میں مثنیٰ بن حارثہ دو ہزار نفری کی فوج کے ساتھ آرہا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ اسلام کا وہ شیدائی تھا جس نے ایرانیوں کے خلاف زمین دوز جنگی کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ اُسی کی ترغیب پر امیرالمومنین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بلا کر ایرانیوں کے خلاف بھیجا تھا۔ ایرانیوں کے تعاقب میں جانا غیر معمولی طور پر دلیرانہ اقدام تھا۔ تعاقب کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے مستقر سے دور ہٹتے ہٹتے ایرانیوں کے قلب میں جا رہے تھے جہاں اُن کا گھیرے میں آجانا یقینی تھا لیکن یہ خالدؓ کا حکم تھا کہ ایرانیوں کا تعاقب کیا جائے۔ اس حکم کے پیچھے ایرانیوں کے خلاف وہ نفرت بھی تھی جو مثنیٰ بن حارثہ کے دل میں بھری ہوئی تھی۔

جنگ سلاسل ختم ہو گئی اور ایرانی بھاگ اُٹھے تو خالدؓ نے دیکھا کہ اُن کا لشکر تھک گیا ہے۔ اُنہوں نے مثنیٰ بن حارثہ کو بلایا۔

"ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے کہا — "اگر یہ بھاگتے ہوئے فارسی زندہ چلے جائیں تو کیا تم اپنی فتح کو مکمل سمجھو گے؟"

"خدا کی قسم ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ بن حارثہ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "مجھے صرف حکم کی ضرورت ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔"

"تو جاؤ" — خالدؓ نے کہا — "دو ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور زیادہ سے زیادہ ایرانیوں کو پکڑ لاؤ اور جو مقابلہ کرے اُسے قتل کر دو.... میں جانتا ہوں میرے جانباز تھک گئے ہیں لیکن میں شہنشاہِ فارس کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم زمین کے دوسرے سرے تک اُن کا تعاقب کریں گے۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے دو ہزار سوار لیے اور بھاگتے ہوئے ایرانیوں کے پیچھے چلا گیا۔ ایرانیوں نے دُور سے دیکھ لیا کہ اُن کا تعاقب ہو رہا ہے تو وہ بکھر گئے۔ اُنہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گُرز اور ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ مثنیٰ کے لیے تعاقب کا اور ایرانیوں کو پکڑنے کا کام دشوار ہو گیا تھا کیونکہ ایرانی ٹولی ٹولی ہو کر بکھرے پھر وہ اکیلے اکیلے ہو کر بھاگنے لگے۔ اس کے مطابق مثنیٰ کے سوار بھی بکھر گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ کو آگے جا کر اپنے سواروں کو اکٹھا کرنا پڑا کیونکہ آگے ایک قلعہ آگیا تھا۔ یہ قلعہ حصن المرأۃ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ایک عورت کا قلعہ تھا اسی لیے اس کا نام حصن المرأۃ مشہور ہو گیا تھا یعنی عورت کا قلعہ۔ مثنیٰ نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا کیونکہ خیال یہ تھا کہ ایرانی اس قلعے میں چلے گئے ہوں گے۔ قلعے سے مزاحمت کے آثار نظر آرہے تھے۔ دو دن محاصرے میں گزر گئے تو مثنیٰ

کو احساس ہُوا کہ وہ جس کام کے لیے آیا تھا وہ تو رہ گیا ہے۔ مثنیٰ کا ایک بھائی معنّٰی اُس کے ساتھ تھا۔

"معنّٰی!" — مثنیٰ بن حارثہ نے اُسے کہا — "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میں ایرانیوں کے تعاقب میں آیا تھا اور مجھے اس قلعے نے روک لیا ہے؟"

"مثنیٰ بھائی!" — معنّٰی نے کہا — "میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تم مجھے کہتے کہ اس قلعے کو تم محاصرے میں رکھو اور میں ایرانیوں کے پیچھے جاتا ہوں۔"

"ہاں معنّٰی!" — مثنیٰ نے کہا — "مجھے تم پر بھروسہ نہیں۔ یہ قلعہ ایک جوان عورت کا ہے اور تم جوان آدمی ہو۔ خُدا کی قسم، میں نے قلعے سر کرنے والوں کو ایک عورت کی تیکھی نظروں اور اداؤں سے سر ہوتے دیکھا ہے۔"

"میرے باپ کے بیٹے!" — معنّٰی نے کہا — "مجھ پر بھروسہ کر اور آگے نکل جا۔ مجھے تھوڑے سے سوار دے جا پھر دیکھ کون سَر ہوتا ہے..... قلعہ یا میں!..... اگر تُو یہیں بندھا رہا تو بھاگتے ہُوئے فارسی بہت دور نکل جائیں گے۔"

"اگر میرا دماغ ٹھیک کام کرتا ہے تو میں کچھ اور سوچ کر اِدھر آیا ہوں" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "میں اُس اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبُود نہیں اور محمد جس کے نبی ہیں کہ اُس نے ہمیں خالدؓ بن ولید جیسا سپہ سالار دیا ہے۔ مدینہ کی خلافت سے اُسے جو حکم مِلا تھا وہ اُس نے پورا کر دیا ہے لیکن وہ اس پر مطمئن نہیں۔ وہ فارس کی شہنشاہی کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے پر تلا ہُوا ہے۔ وہ مدائن کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا عزم کیے ہُوتے ہے۔"

"عزم اور چیز ہے میرے بھائی!" — معنّٰی نے کہا — "عزم کو پورا کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ولید کا بیٹا تیر کی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے؟..... میرے باپ کے بیٹے! تیر خطا بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا سی رکاوٹ اسے روک بھی سکتی ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خالدؓ کو وہیں رُک جانا چاہیئے جہاں اُس نے فارسیوں کو شکست دی ہے؟" — مثنیٰ نے کہا — "خُدا کی قسم! تم ایک بات بھول رہے ہو۔ شہنشاہِ فارس کو اپنی شہنشاہی کا غم ہے اور ہمیں اپنے اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ اُردشیر اپنے تخت و تاج کو بچانا چاہتا ہے لیکن ہم شاہِ دو جہاںؐ کی آن کی خاطر لڑ رہے ہیں..... سمجھنے کی کوشش کرو میرے بھائی! یہ بادشاہوں کی نہیں عقیدوں کی جنگ ہے۔ ہمارے لیے یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اُس کے رسُولؐ کا پیغام دنیا کے آخری کونے تک پہنچائیں۔ ہمارا بچھونا یہ ریت ہے اور یہ پتھر ہیں۔ ہم تخت کے طلبگار نہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں" — معنّٰی نے کہا۔

"نہیں" — مثنیٰ بولا — "تم ابھی پوری بات نہیں سمجھے۔ تم بھول رہے ہو کہ ہمیں اُن مسلمانوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے جو فارسیوں کے زیرِنگیں تھے اور جن پر فارسیوں نے ظلم و تشدد کیا تھا۔ خالدؓ فارسیوں کا یہ گناہ کبھی نہیں بخشے گا۔ وہ مظلوم مسلمان مدینہ کی طرف دیکھ رہے تھے.....

ین تمہیں کہہ رہا تھا کہ میں فارسیوں کے تعاقب میں نہیں آیا میں فارس کے اُس لشکر کی تلاش میں آیا ہوں جو ہرمز کی شکست خوردہ فوج کی مدد کے لیے آرہا ہوگا۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان کی کمک آرہی ہوگی میں اُسے راستے میں روکوں گا۔"

"پھر اتنی باتیں نہ کرو مثنیٰ!" ـــــ معنیٰؓ نے کہا۔"مجھے کچھ سوار دے دو اور تم آگے نکل جاؤ.... یہ خیال رکھنا کہ فارسی اگر آگئے تو اُن کی تعداد اور طاقت زیادہ ہوگی۔ آمنے سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ جا میرے بھائی میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

▼

کسی بھی مورخ نے سواروں کی صحیح تعداد نہیں لکھی جو مثنیٰ اپنے بھائی معنیٰؓ کو دے کر چلا گیا تھا۔ بعض مورخوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ سواروں کی تعداد تین سو سے کم اور چار سو سے زیادہ نہیں تھی معنیٰؓ نے اتنے سے سواروں سے ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعے کے دروازے کے اتنا قریب چلا گیا جہاں وہ تیروں کی بڑی آسان زد میں تھا۔ دروازے کے اوپر جو برج تھا اُس میں ایک خوبصورت عورت نمودار ہوئی۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا لینے آتے ہو؟" ـــــ عورت نے بلند آواز میں معنیٰؓ سے پوچھا۔

"ہم مسلمان ہیں" ـــــ معنیٰؓ نے اُس سے زیادہ بلند آواز میں جواب دیا۔" ہم میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے فارسیوں کے تعاقب میں آتے ہیں۔ اگر تم نے قلعے میں اُنہیں پناہ دی ہے تو انہیں ہمارے حوالے کر دو ہم چلے جائیں گے۔"

"یہ میرا قلعہ ہے" ـــــ عورت نے کہا ـــــ "بھاگے ہوتے فارسیوں کی پناہ گاہ نہیں۔ یہاں کوئی فارسی سپاہی نہیں۔"

"خاتون!" معنیٰؓ نے کہا۔" ہم پر تیرا احترام لازم ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا ہم پر حرام ہے خواہ وہ قلعہ دار ہی ہو۔ اگر تم فارس کی جنگی طاقت کے ڈر سے اُس کے سپاہی ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتیں تو سوچ لو کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے فارس کی اس ہیبت ناک جنگی طاقت کو شکست دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر ہمارے ہاتھوں زیادتی ہو جائے۔ ہم اسلام کے اُس لشکر کا ہراول ہیں جو پیچھے آرہا ہے۔"

"میں نے مسلمانوں کا کیا بگاڑا ہے؟" ـــــ عورت نے کہا۔" میرا قلعہ تمہارے لشکر کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔"

"تمہارا قلعہ محفوظ رہے گا" ـــــ معنیٰؓ نے کہا ـــــ " شرط یہ ہے کہ قلعے کا دروازہ کھول دو۔ ہم اندر آکر دیکھیں گے۔ تمہارے کسی آدمی اور کسی چیز کو میرے سوار ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنی تسلی کر کے چلے جائیں گے۔ اگر یہ شرط پوری نہیں کرو گی تو تمہاری اور تمہاری فوج کی لاشیں اس قلعے کے ملبے کے نیچے گل سڑ جائیں گی۔"

"قلعے کا دروازہ کھول دو" ـــــ عورت کی تحکمانہ آواز سنائی دی۔

اس آواز کے ساتھ ہی قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ معنیٰؓ نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا۔ تین چار سو گھوڑے سرپٹ دوڑتے آتے۔ معنیٰؓ نے انہیں صرف اتنا کہا کہ قلعے کی صرف تلاشی ہوگی، کسی چیز اور کسی انسان کو ہاتھ تک نہیں لگایا جائے گا۔ معنیٰؓ کا گھوڑا قلعے میں داخل ہو گیا۔ اُس کے تمام سوار اُس کے پیچھے پیچھے قلعے میں گئے۔ معنیٰؓ نے ایک جگہ رک کر قلعے کی دیواروں پر نظر دوڑائی۔ ہر طرف تیر انداز کھڑے تھے۔ تیچے اُسے کہیں بھی کوئی سپاہی نظر نہ آیا۔ معنیٰؓ کے سوار قلعے میں پھیل گئے تھے۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا"۔۔۔ عورت نے معنّیٰ سے کہا۔۔۔"میں فارسیوں سے ڈرتی ہوں۔ اس قلعے میں کوئی بھی طاقتور لشکر آئے گا تو میں اُس کے رحم وکرم پر رہوں گی ..... مسلمانوں کو میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں"۔

"اور تم اُنہیں ساری عمر یاد رکھو گی"۔۔۔ معنّیٰ نے کہا۔"خدا کی قسم، تم باقی عمر ان کے انتظار میں گذار دو گی۔ ...... مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ قلعوں کو نہیں دِلوں کو سَر کرو لیکن قلعوں والوں کے دل قلعے کی دیواروں جیسے سخت ہو جائیں تو پھر ہمارے لیے کچھ اور حکم ہے۔ ہم جب اِس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو فارس کی طاقت بھی ہمارے آگے نہیں ٹھہر سکتی۔ کیا تم نے اُنہیں بھاگتے دیکھا نہیں؟ کیا وہ اِدھر سے نہیں گذرے؟"

"گذرے تھے"۔۔۔ قلعہ دار عورت نے جواب دیا۔۔۔"ذرا سی دیر کے لیے یہاں رُکے بھی تھے۔ اُنہوں نے بتایا تھا کہ وہ مسلمانوں سے بھاگ کر آرہے ہیں۔ وہ دس بارہ آدمی تھے۔ میں حیران تھی کہ اتنے بڑے بڑے سپاہی خوف سے مرے جارہے ہیں۔ میں اس پر بھی حیران تھی کہ وہ کون ہیں جنہوں نے فارس کے لشکر کو اس قدر دہشت زدہ کر کے بھگا دیا ہے۔ تم نے جب کہا کہ تم وہ لوگ ہو جنہوں نے فارسیوں کو شکست دی ہے تو میری ہمّت جواب دے گئی۔ میں نے قلعے کا دروازہ خوف کے عالم میں کھولا تھا۔ میں تم سے اور تمہارے سواروں سے اچھے سلوک کی توقع رکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم اپنے متعلق جو کہہ رہے ہو وہ سچ کہہ رہے ہو"۔

یہ خاتون معنّیٰ کو اُس عمارت میں لے گئی جہاں وہ رہتی تھی۔ وہ تو شیش محل تھا۔ اُس کے اشارے پر دو غلاموں نے شراب اور بھُنا ہوا گوشت معنّیٰ کے سامنے لا رکھا۔ معنّیٰ نے ان چیزوں کو پرے کر دیا۔

"ہم شراب نہیں پیتے"۔۔۔ معنّیٰ نے کہا۔۔۔"اور میں یہ کھانا اس لیے نہیں کھاؤں گا کہ تم نے مجھے ایک طاقتور فوج کا آدمی سمجھ کر خوف سے مجھے کھانا پیش کیا ہے۔ میں اسے بھی حرام سمجھتا ہوں"۔

"کیا تم مجھے بھی حرام سمجھتے ہو؟"۔۔۔ اس خوبصورت اور جوان عورت نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جس میں دعوت کا تاثر تھا۔

"ہاں"۔۔۔ معنّیٰ نے جواب دیا۔"مفتوحہ عورت کو ہم شراب کی طرح حرام سمجھتے ہیں۔ وہ اُس وقت تک ہم پر حرام رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمارے عقد میں نہ آجائے"۔

معنّیٰ کو اطلاع دی گئی کہ اُس کے سوار قلعے کی تلاشی لے کر آگئے ہیں۔ معنّیٰ تیزی سے اُٹھا اور اُسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

▼

سواروں کے کمانداروں نے معنّیٰ کو تفصیل سے بتایا کہ اُنہوں نے تلاشی کس طرح لی ہے اور کیا کچھ دیکھا ہے۔ کہیں بھی اُنہیں کوئی ایرانی سپاہی نظر نہیں آیا تھا۔ اس عورت کا اپنا قبیلہ تھا جس کے آدمی برچھیوں، تلواروں اور برچھیوں وغیرہ سے مسلح تھے۔ ان میں معنّیٰ کے سواروں کے خلاف لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ قلعے کی مالکن نے اُنہیں لڑنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ اِس قلعے کو اپنی اطاعت میں لینا ضروری تھا کیونکہ یہ کسی بھی موقع پر ایرانیوں کے کام آسکتا تھا۔ معنّیٰ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ عورت اُسے نظر نہ آئی۔ معنّیٰ اندر چلا گیا۔

"کچھ ملا میرے قلعے سے؟"۔۔۔ عورت نے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ معنّیٰ نے جواب دیا۔۔۔"میرے لیے شک رفع کرنا ضروری تھا اور اب یہ پوچھنا ضروری

سمجھتا ہوں کہ میرے کسی سوار نے تمہارے کسی آدمی یا عورت کو یا میں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی ہے؟
"نہیں"۔۔۔ عورت نے کہا اور ذرا سوچ کر بولی ۔۔۔ "لیکن تم چلے جاؤ گے تو مجھے بہت تکلیف ہو گی"۔
"کیا تم ایرانیوں کا خطرہ محسوس کر رہی ہو؟"۔۔۔ معنیؓ نے پوچھا ۔۔۔ "یا تمہارے دل میں مسلمانوں کا ڈر ہے؟"
"دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں"۔۔۔ عورت نے جواب دیا ۔۔۔ "مجھے تنہائی کا ڈر ہے۔ تم چلے جاؤ گے تو مجھے تنہائی کا احساس ہو گا جو تمہارے آنے سے پہلے نہیں تھا"۔

معنیؓ نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم اپنے فرض میں اتنے اُلجھے ہوتے ہو کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں رہا کہ تم ایک جوان آدمی بھی ہو"۔۔۔ عورت نے کہا۔۔۔ "فاتح سب سے پہلے مجھ جیسی عورت کو اپنا کھلونا بناتے ہیں۔ میں نے تم جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اب دیکھا ہے تو دل چاہتا ہے کہ دیکھتی ہی رہوں .... کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگی؟"

معنیؓ نے اُسے غور سے دیکھا۔ سر سے پاؤں تک پھر پاؤں سے سر تک دیکھا۔ اُسے ایک آواز سنائی دی ۔۔۔ "خدا کی قسم، میں نے قلعے سر کرنے والوں کو ایک عورت کی تیکھی نظروں اور اداؤں سے سر ہوتے دیکھا ہے"۔

"کیا تم ہوش میں نہیں ہو؟" ۔۔۔ عورت نے پوچھا۔

"میں شاید ضرورت سے زیادہ ہوش میں ہوں"۔۔۔ معنیؓ نے کہا۔۔۔ "تم مجھے اچھی لگتی ہو یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے۔ اِس وقت مجھے تمہارا قلعہ اچھا لگ رہا ہے"۔

"کیا میرا یہ تحفہ قبول کرو گے؟"۔۔۔ عورت نے کہا۔۔۔ "طاقت سے قلعہ سر کرنے کی بجائے مجھ سے یہ قلعہ محبت کے تحفے کے طور پر لے لو تو کیا یہ اچھا نہیں رہے گا؟"

"محبت!"۔۔۔ معنیؓ نے زیرِ لب کہا پھر سر جھٹک کر جیسے بیدار ہو گیا ہو۔ کہنے لگا۔۔۔ "محبت کا وقت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ شادی کر سکتا ہوں۔ اگر تم رضامند ہو تو پہلے اپنے سارے کے سارے قبیلے سمیت اسلام قبول کرو"۔

"میں نے قبول کیا"۔۔۔ عورت نے کہا۔۔۔ "میں اُس مذہب پر جان بھی دے دوں گی جس کے تم پیروکار ہو"۔

دو مؤرخوں طبری اور ابنِ رُستہ نے اس خاتون کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے لیکن دونوں کی تحریروں میں اس خاتون کا نام نہیں ملتا۔

▼

شہنشاہِ فارس اُردشیر آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا۔ اُسے ہر مز پر غصہ آ رہا تھا جس نے کمک مانگی تھی۔ کمک بھیجنے کے بعد اُسے ابھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال کیا ہے۔ وہ دربار میں بیٹھتا تو مجسّم عتاب بنا ہوتا۔ محل میں وہ کہیں بھی ہوتا تو اُس کیفیت میں ہوتا کہ بیٹھے بیٹھے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ تیز تیز ٹہلنے لگتا اور بلاوجہ کسی نہ کسی پر غصہ جھاڑنے لگتا۔ اُس روز وہ باغ میں ٹہل رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ قارن کا قاصد آیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ قاصد کو بلاتا، وہ قاصد کی طرف بڑی تیزی سے چل پڑا۔

"کیا قارن نے اُن صحرائی گیدڑوں کو کچل ڈالا ہے؟"۔۔۔ اُردشیر نے پوچھا۔

"شہنشاہِ فارس!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "جان بخشی ہو۔ شہنشاہ کا غلام اچھی خبر نہیں لایا"۔

"کیا قارن نے بھی کمک مانگی ہے؟"۔۔۔ اُردشیر نے پوچھا۔

"نہیں شہنشاہِ فارس!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔ "سالار ہرمز مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"مارا گیا ہے؟"۔۔۔ اُردشیر نے حیرت سے کہا۔ "کیا ہرمز کو بھی مارا جا سکتا ہے!۔۔۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ جھوٹ ہے"۔۔۔ اُس نے گرج کر قاصد سے پُوچھا۔ "تمہیں یہ پیغام کس نے دیا ہے؟"

"سالار قارن بن قریانس نے"۔۔۔ قاصد نے کہا۔ "ہمارے دو سالار قباذ اور انوشجان پسپا ہو کر آ رہے تھے۔ باقی سپاہ بھی جو زندہ تھی، ایک ایک دو دو کر کے اُن کے پیچھے آ رہی تھی۔ دریائے معقل کے کنارے وہ ہمیں آتے ہوئے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ سالار ہرمز نے مسلمانوں کو انفرادی مقابلے کے لیے للکارا تو اُن کا سالار خالدؓ بن ولید ہمارے سالار کے مقابلے میں آیا۔ سالار ہرمز نے اپنے محافظوں کو ایک طرف چھپا دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے سالار کو گھیرے میں لے کر قتل کرنا تھا۔ انہوں نے اُسے گھیرے میں لے بھی لیا تھا لیکن کسی طرف سے ایک مسلمان سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں تلوار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے سالار ہرمز کے چھ سات محافظوں کو ختم کر دیا۔ عین اُس وقت مسلمانوں کے سالار نے سالار ہرمز کو گرا لیا اور خنجر سے انہیں ختم کر دیا۔"

اُردشیر کا سر جھک گیا اور وہ آہستہ آہستہ محل کی طرف چل پڑا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اُس نے یوں دیوار کا سہارا لے لیا جیسے اُسے ٹھوکر لگی ہو اور گرنے سے بچنے کے لیے اُس نے دیوار کا سہارا لے لیا ہو۔ وہ اپنے کمرے تک دیوار کے سہارے پہنچا۔ کچھ دیر بعد محل میں بھاگ دوڑ سی مچ گئی۔ طبیب دوڑے آئے۔ اُردشیر پر کسی مرض کا اچانک حملہ ہو گیا تھا۔ یہ صدمے کا اثر تھا۔ فارس کی شہنشاہی شکست سے ناآشنا رہی تھی۔ اسے پہلی ضرب رومیوں کے ہاتھوں پڑی تھی اور فارس کی شہنشاہی کچھ حصے سے محروم ہو گئی تھی۔ اب اس شہنشاہی کو اُس قوم کے ہاتھوں چوٹ پڑی تھی جسے اُردشیر قوم سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اُردشیر کے لئے یہ صدمہ معمولی نہیں تھا۔

▼

قارن بن قریانس ابھی دریائے معقل کے کنارے پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے وہاں اتنے دن اس لیے قیام کیا تھا کہ ہرمز کی فوج کے بھاگے ہوئے کمانڈر اور سپاہی ابھی تک چلے آ رہے تھے۔ قارن انہیں اپنے لشکر میں شامل کرتا جا رہا تھا۔ ہرمز کے دونوں سالار، قباذ اور انوشجان اُس کے ساتھ ہی تھے۔ وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کا عہد کئے ہوئے تھے۔ اُن کے کہنے پر قارن پیشقدمی میں محتاط ہو گیا تھا۔

قیام کے دوران اُس کے جاسوس اُسے اطلاعیں دیتے رہے تھے کہ مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔ ان اطلاعوں سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان واپس نہیں جائیں گے بلکہ آگے آ رہے ہیں۔

خالدؓ نے جنگِ سلاسل جیتنے کے بعد کاظمہ، اُبلہ اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ جب وہ اِن آبادیوں میں گیا تو وہاں کے مسلمانوں نے چلّا چلّا کر "خالدؓ زندہ باد۔۔۔۔۔ اسلام زندہ باد۔۔۔۔ خلافتِ مدینہ زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ وہ سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ عورتوں نے خالدؓ اور اُن کے محافظوں کے راستے میں پھول پھینکے۔

اس علاقے کے مسلمانوں کو بڑی لمبی مدت بعد ایرانی جور و استبداد سے نجات ملی تھی۔

"خالدؓ، کیا تو ہماری عصمتوں کا انتقام لے گا؟" — خالدؓ کو کئی عورتوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"ہمارے جوان بیٹوں کے خون کا انتقام.... انتقام.... خالدؓ انتقام" — یہ ایک شور تھا، للکار تھی اور خالدؓ اس شور سے گزرتے جا رہے تھے۔

"ہم واپس جانے کے لئے نہیں آئے" — خالدؓ نے وہاں کے مسلمانوں سے کہا — "ہم انتقام لینے آئے ہیں۔"

مسلمانوں کے ایک وفد نے خالدؓ کو بتایا کہ اس علاقے کے غیر مسلموں پر وہ بھروسہ نہ کرے۔

"یہ سب فارسیوں کے مددگار ہیں" — وفد نے خالدؓ کو بتایا — "مجوسیوں نے ہمیشہ ہمارے خلاف مخبری کی ہے۔ ہمارے بیٹے جب فارسی فوج کی کسی چوکی پر شب خون مارتے تھے تو مجوسی مخبری کر کے ہمارے بیٹوں کو گرفتار کرا دیتے تھے۔"

"تمام عیسائیوں اور یہودیوں کو گرفتار کر لو" — خالدؓ نے حکم دیا — "اور مسلمانوں میں سے جو اسلامی لشکر میں آنا چاہتے ہیں آ جائیں۔"

"وہ پہلے ہی مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ چلے گئے ہیں" — خالدؓ کو جواب ملا۔

فوراً ہی مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ ان میں سے صرف انہیں جنگی قیدی بنایا گیا جن کے متعلق مصدقہ شہادت مل گئی کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی کارروائیاں کی تھیں یا مخبری کی تھی۔

نظم و نسق کے لیے اپنے کچھ آدمی کاظمہ میں چھوڑ کر خالدؓ آگے بڑھ گئے۔ اب اُن کی پیش قدمی کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کسی بھی مقام پر ایرانیوں سے لڑائی کا امکان تھا۔ خالدؓ نے اپنے جاسوس جو اُس علاقے کے مسلمان تھے، آگے اور دائیں بائیں بھیج دیئے تھے۔

▼

مثنیٰ ابن حارثہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ دریائے معقل عبور کرنا چاہتا تھا لیکن دُور سے اُسے ایرانیوں کی خیمہ گاہ نظر آئی۔ وہ بہت بڑا لشکر تھا۔ مثنیٰ کے پاس ڈیڑھ ہزار سے کچھ زیادہ سوار تھے۔ اتنی تھوڑی تعداد سے مثنیٰ ایرانی لشکر سے ٹکر نہیں لے سکتا تھا۔

"ہمیں یہیں سے پیچھے ہٹ آنا چاہئے" — مثنیٰ کے ایک ساتھی نے کہا — "یہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے کر ختم کر سکتا ہے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو" — مثنیٰ نے کہا — "اگر ہم پیچھے ہٹے تو فارسیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ ہمارے سپہ سالار خالدؓ نے کہا تھا کہ پیشتر اس کے کہ فارسیوں کے دلوں سے ہماری دہشت ختم ہو جائے ہم اُن پر حملے کرتے رہیں گے۔ ہمیں اپنی دہشت برقرار رکھنی ہے۔ میں آگ کے ان پجاریوں کی فوج کو یہ تاثر دوں گا کہ ہم اپنے لشکر کا ہراول دستہ ہیں۔ ہم لڑنے کے لیے بھی تیار رہیں گے۔ اگر لڑنا پڑا تو ہم ان سے وہی جنگ لڑیں گے جو ایک مدت سے لڑ رہے ہیں.... ضرب لگاؤ اور بھاگو.... کیا تم ایسی جنگ نہیں لڑ سکتے؟" — مثنیٰ نے ایک سوار کو بلایا اور اُسے کہا — "گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ سپہ سالار

خالدؓ بن ولید کاظمہ یا اُبلہ میں ہوں گے۔ انہیں بتاؤ کہ مغفل کے کنارے فارس کا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ اُنہیں کہنا کہ میں اس لشکر کو آگے نہیں بڑھنے دوں گا اور آپ کا جلدی پہنچنا ضروری ہے۔"

خالدؓ پہلے ہی کاظمہ سے چل پڑے تھے۔ انہیں گھوڑوں اور باربردار اونٹوں کے لئے چارے اور لشکر کے پینے کھانے پینے کے سامان کی کمی نہیں تھی۔ اُس علاقے کے مسلمانوں نے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا۔ خالدؓ کا راستہ کوئی اور تھا۔ وہ اُبلہ سے کچھ دور کھنڈروں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ سامنے ایک گھوڑ سوار بڑی تیز رفتار سے آرہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ وہ آگے جا کر دیکھیں یہ کون ہے۔

محافظوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آنے والے سوار کو راستے میں جا لیا۔ اُس سوار نے گھوڑا روکا نہیں۔ دونوں محافظوں نے اپنے گھوڑے اُس کے پہلوؤں پر کر لئے اور اُس کے ساتھ آ گئے۔

"مثنیٰ بن حارثہ کا پیغام لایا ہے"۔۔۔ دُور سے ایک محافظ نے کہا۔

"فارس کا ایک تازہ دم لشکر دریائے مغفل کے کنارے پڑاؤ کیے ہوئے ہے"۔۔۔ مثنیٰ کے قاصد نے خالدؓ کے قریب آ کر رُکتے ہوئے کہا۔۔۔ "تعداد کا اندازہ نہیں۔ آپ کے اور مثنیٰ کے لشکر کی تعداد سے اُس لشکر کی تعداد سات آٹھ گنا ہے۔ فارس کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی اُس لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"مثنیٰ کہاں ہے؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"فارسیوں کے سامنے!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "مثنیٰ نے حکم دیا ہے کہ کوئی عسکری پیچھے نہیں ہٹے گا اور ہم فارسیوں کو یہ تاثر دیں گے کہ ہم اپنے لشکر کا ہراول ہیں۔۔۔ مثنیٰ نے پیغام دیا ہے کہ جلدی پہنچیں۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کی رفتار تیز کر دی اور رُخ اُدھر کا کر لیا جدھر مثنیٰ بن حارثہ تھا۔

▼

خالدؓ کی فوج مثنیٰ کے سواروں سے جا ملی۔ خالدؓ نے سب سے پہلے دشمن کا جائزہ لیا۔ وہ مثنیٰ کے ساتھ ایک اونچی جگہ کھڑے تھے۔ دشمن جنگ کی تیاری مکمل کر چکا تھا۔

"فارسی ہمیں آمنے سامنے کی لڑائی لڑانا چاہتے ہیں"۔۔۔ خالدؓ نے مثنیٰ سے کہا۔ "دیکھ رہے ہو ابنِ حارثہ؟۔۔۔ اُنہوں نے دریا کو اپنے پیچھے رکھا ہے۔"

"یہ فارسی صرف آمنے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے ہیں"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔۔۔ "مجھے ان کے ایک قیدی سے پتہ چلا ہے کہ ان کے دو سالار جن کے خلاف ہم لڑے ہیں، زندہ پیچھے آ گئے ہیں۔ ایک کا نام قباذ ہے اور دوسرے کا انوشجان۔ اُنہوں نے اپنے سپہ سالار کو بتایا ہو گا کہ ہمارے لڑنے کے انداز کیسے ہیں۔ اسی لیے اُنہوں نے اپنے عقب کو ہم سے اس طرح محفوظ کر لیا ہے کہ اپنے پیچھے دریا کو رکھا ہے۔۔۔۔ زیادہ نہ سوچ ولید کے بیٹے! میں ان کے خلاف زمین کے پینچے سے لڑتا رہا ہوں۔"

"اللہ تجھے اپنی رحمت میں رکھے ابنِ حارثہ!"۔۔۔ ولیدؓ نے کہا۔۔۔ "اللہ تمہارے ساتھ ہے۔۔۔۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم دریا پار نہیں کر سکتے۔"

"اللہ کا نام لے ابنِ ولید!"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔۔۔ "مجھے امید ہے ہم اِن کی صفیں اس طرح درہم برہم کر دیں گے کہ ہمیں اِن کے پہلوؤں سے آگے نکلنے اور پیچھے سے اِن پر آنے کا موقع مل جائے گا۔ میرے سوار ٹک کر لڑنے والے نہیں۔ یہ گھوم پھر کر لڑنے والے ہیں۔ انہیں آگے دھکیلنے کی ضرورت نہیں۔

مشکل یہ پیش آئے گی کہ انہیں پیچھے کس طرح لایا جائے ۔ فارسیوں کو دیکھ کر تو یہ شعلے بن جاتے ہیں۔ انہوں نے فارسیوں کے ہاتھوں بہت زخم کھائے ہیں۔ ابن ولید! تم جانتے ہو انہوں نے کس قسم کی غلامی دیکھی ہے۔ فارس کے اِن آتش پرستوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کو انسانوں کی طرح زندہ رہنے کے حق سے محروم کر رکھا تھا۔"

"ہم زرتشت کی اُس آگ کو سرد کر دیں گے ابنِ حارثہؓ جس کی یہ عبادت کرتے ہیں"۔ خالدؓ نے کہا۔"یہ خود مانیں گے کہ عبادت کے لائق ایک اللہ ہے جس کی راہ میں ہم اپنی جانیں قربان کرنے آئے ہیں.... آؤ، میں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ یہ جس طرح رُکے ہوئے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محتاط ہیں اور ان پر ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے.... تم اپنے سواروں کے ساتھ قلب میں رہو۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بہت سوچا کہ کسی طرح انہیں چالیں چلنے کا موقع مل جائے لیکن ایرانیوں کا سالار قارن بن قریانس دانشمند آدمی تھا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ خالدؓ کس طرح لڑتا ہے۔ قارن نے اپنے شکست خوردہ سالاروں، قباذ اور انوشجان کو پہلوؤں پر رکھا اور اپنے لشکر کو آگے لے آیا۔ اس لشکر کی اپنی ہی شان تھی۔ پتہ چلتا تھا کسی شہنشاہ کی فوج ہے۔ ان کے قدموں کے نیچے زمین ہلتی تھی۔

اِدھر یثرب کے سرفروش تھے۔ ظاہری طور پر اِن کی کوئی شان نہیں تھی۔ ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہتھیار بھی کمتر لگتے تھے۔ لباس بھی یونہی سے تھے اور ان کی تعداد ایرانیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تو ہزاروں قدموں کی دھمک اور گھوڑوں کے ٹاپوں کے ساتھ کلمہ طیبہ کا وِرد کوئی اور ہی تاثر پیدا کر رہا تھا۔ یہ فوج تھکی ہوئی تھی۔ زرتشت تازہ دم تھے۔

دونوں فوجوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو خالدؓ نے اپنی فوج کو روک لیا۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے سوار دستے کے ساتھ خالدؓ کے پیچھے تھا۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر خالدؓ کے مقرر کیے ہوئے دو سالار، عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم تھے۔

▼

اُس دور کی جنگوں کے دستور کے مطابق زرتشتوں کا سپہ سالار قارن آگے آیا اور اُس نے مسلمانوں کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔

"مدینہ کا کوئی شتربان میرے مقابلے میں آسکتا ہے؟"۔ اُس نے دونوں فوجوں کے درمیان آکر اور للکار کر کہا۔"میرے مقابلے میں آنے والا یہ سوچ کر آئے کہ میں شہنشاہِ فارس کا سپہ سالار ہوں۔"

"میں ہوں تیرے مقابلے میں آنے والا!"۔ خالدؓ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور للکارے۔"قارن.... آ اور اپنے سالار ہرمز کے قتل کا انتقام لے۔ میں ہوں اُس کا قاتل۔"

خالدؓ ابھی قارن سے کچھ دُور ہی تھے کہ خالدؓ کے عقب سے ایک گھوڑا تیزی سے آیا اور خالدؓ کے قریب سے گزر گیا۔

"پیچھے رہ ابنِ ولید!"۔ یہ گھوڑسوار للکارا۔"آتش پرستوں کا یہ سالار میرا شکار ہے۔"
خالدؓ نے دیکھا۔ وہ ایک مسلمان سوار معقل بن الاعشی تھا۔ وہ پہلوانی اور تیغ زنی میں مہارت اور شہرت

رکھنا تھا۔ یہ ڈسپلن کے خلاف تھا کہ کوئی سپاہی یا سوار اپنے سالار پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ وقت ایسا تھا کہ بندہ و صاحب اور محتاج و غنی ایک ہو گئے تھے۔ سپاہی اور سوار جنگ کا مقصد سمجھتے تھے۔ جو جذبہ سپاہیوں میں تھا وہی سالاروں میں تھا۔ معقل بن الاعشیٰ یہ برداشت نہ کر سکا کہ اُس کا سالار ایک آتش پرست کے ہاتھوں گھائل ہو۔

خالدؓ اپنی سپاہ کے جذبے کو سمجھتے تھے۔ وہ رک گئے۔ انہوں نے اپنے اس سوار کے جذبے کو مارنے کی کوشش نہ کی۔

معقل کے گھوڑے کی رفتار تیز تھی۔ گھوڑا ایرانیوں کے سالار قارن بن قریانس سے آگے نکل گیا۔ معقل نے آگے جا کر گھوڑے کو موڑا اور قارن کو للکارا۔ قارن نے پہلے ہی تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ اُس کے سر پر زنجیروں والا خود تھا اور اُس کا اوپر کا دھڑ زرہ میں تھا۔ اُس کی ٹانگوں پر موٹے چمڑے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ اُس کے چہرے پر انتقام کے تاثرات کی بجائے تکبر تھا جیسے لوہے اور موٹے چمڑے کا یہ لباس اُسے مسلمان کی تلوار سے بچا لے گا۔

قارن نے اپنے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا۔ دونوں کے گھوڑے ایک دوسرے کے ارد گرد ایک دو چکر لگا کر آمنے سامنے آ گئے۔

"اے آگ کے پوجنے والے!" — معقل نے بڑی بلند آواز سے کہا — "میں سپاہی ہوں، سالار نہیں ہوں۔"

قارن بن قریانس کے چہرے پر رعونت کے آثار اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ ان کے سواروں کی تلواریں بلند ہوئیں۔ پہلے وار میں تلواریں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور دونوں سوار پیچھے ہٹ گئے۔ گھوڑے ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ تلواریں ایک بار پھر ہوا میں ٹکرائیں۔ اس کے بعد گھوڑے پیچھے ہٹ ہٹ اور گھوم گھوم کر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ دونوں سوار ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخری بار قارن نے تلوار بلند کی۔ معقل نے وہ وار روکنے کی بجائے اُس کی بغل کو ننگا دیکھا تو تلوار برچھی کی طرح اُس کی بغل میں اتنی زور سے ماری کہ تلوار قارن کے جسم میں دُور تک اُتر گئی۔

قارن کے اسی ہاتھ میں تلوار تھی جو اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ قارن گھوڑے پر ایک طرف جھکا۔ معقل نے اب اُس کی گردن دیکھ لی جس سے قارن کے آہنی خود کی زنجیریں ہٹ کر نیچے کو لٹک آئی تھیں۔

معقل نے پوری طاقت سے گردن پر ایسا وار کیا کہ تکبر اور رعونت سے اکڑی ہوئی گردن صاف کٹ گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے داد و تحسین اور اللہ اکبر کے نعرے رعد کی طرح کڑکنے لگے۔

قارن بن قریانس کا سر زمین پر پڑا تھا۔ اُس کے زنجیروں والے خود کے نیچے اُس کی حیثیت کے مطابق ایک لاکھ درہم کے ہیروں والی ٹوپی تھی۔ ایسی ہی ٹوپی ہرمز کے سر پر بھی تھی۔ قارن کا باقی دھڑ گھوڑے سے لڑھک گیا لیکن اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ معقل نے قارن کے گھوڑے کو ٹھُڈ مارا۔ گھوڑا قارن کے جسم کو گھسیٹتا دونوں فوجوں کے درمیان بے لگام دوڑنے لگا۔ ایرانیوں کے لشکر پر موت کا سناٹا طاری تھا۔

▼

آتش پرستوں کی صفوں سے دو گھوڑے آگے آئے۔

"کون ہے ہمارے مقابلے میں آنے والا!" ـــــ اِن دو میں سے ایک گھوڑ سوار للکارا ـــــ "ہم اپنے سپہ سالار کے خون کا انتقام لیں گے۔"

"بس اکیلا دونوں کے لیے کافی ہوں" ـــ خالدؓ نے دشمن کی للکار کا جواب دیا اور ایڑ لگائی۔

انہیں للکارنے والے دونوں ایرانی سالار قبادا اور انوشجان تھے۔

اچانک خالد کے عقب سے دو گھوڑے آئے جو اُس کے دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ خالدؓ کو ایک کی للکار سُنائی دی ـ "پیچھے رہو ولید کے بیٹے! ان دونوں سالاروں نے ہمارے ہاتھ دیکھے ہوئے ہیں۔"

"اب ہم انہیں بھاگ نکلنے کی مہلت نہیں دیں گے"۔ خالدؓ کے لشکر کے دوسرے سوار نے کہا۔

خالدؓ نے دیکھا۔ یہ دونوں سوار جو اُس کے قریب سے گزر کر دشمن کے مقابلے میں چلے گئے تھے، اُس کے لشکر کے دائیں اور بائیں کے پہلوؤں کے سالار عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم تھے۔ ان دونوں نے کپڑوں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور وہ جن کے مقابلے میں گئے تھے وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مسلمان سالاروں کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا اور آتش پرست اُس زرہ پر یقین رکھتے تھے جو اُنہوں نے پہن رکھی تھی۔ اُنہیں معلوم نہ تھا کہ تلوار کے وار کو آہن نہیں عقیدہ رد کا کرتا ہے۔

دونوں طرف تجربہ کار سالار تھے جو تیغ زنی کی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی تلواریں ٹکرانے لگیں مسلمانوں کی تلواریں آتش پرستوں کی زرہ کو کاٹنے سے قاصر تھیں اس لیے وہ محتاط ہو کر وار کرتے تھے تاکہ تلواروں کی دھار کو نقصان نہ پہنچے۔ عاصم اور عدی اس تاک میں تھے کہ دشمن کا کوئی نازک اور غیر محفوظ جسم کا حصہ سامنے آئے تو وہ معثنّی کی طرح وار کریں۔ آخر ان دونوں نے باری باری معثنّی کی ہی طرح اپنے اپنے دشمن کے قریب جا کر انہیں موقع دیا کہ وہ اُوپر سے تلوار کا وار کریں۔ آتش پرستوں کے دونوں سالاروں نے وہی غلطی کی جو قارن نے کی تھی۔ اُنہوں نے بازو اوپر کیے اور تلواریں اُن کی بغلوں میں داخل ہو گئیں اور دونوں کی تلواریں گر پڑیں۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ زرتشتوں کا سپہ سالار مارا گیا اور اس کے بعد اُس کے وہ دونوں سالار بھی جنہیں اپنے لشکر کو منظم طریقے سے لڑانا تھا، مارے گئے ہیں تو خالدؓ نے اپنے لشکر کو حملے کا حکم دے دیا۔

ایرانیوں کے لشکر میں وہ سپاہی بھی شامل تھے جو اپنے دلوں پر مسلمانوں کی دہشت لیے ہوئے جنگِ سلاسل سے بھاگے تھے۔ اب اُنہوں نے اپنے تین سالاروں کو مرتے دیکھا تو اُن کی دہشت میں اضافہ ہو گیا۔ اُنہوں نے یہ دہشت اپنے سارے لشکر پر طاری کر دی۔ لشکر کا حوصلہ تو پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا۔ یہ لشکر مقابلے کے لیے بہرحال تیار ہو گیا۔ ایرانیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ اُن کے پیچھے دریا تھا جس نے اُن کے عقب کو محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس دریا کا دوسرا فائدہ اُنہیں یہ نظر آ رہا تھا کہ اُس میں بڑی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں جو لشکر کے ساتھ آئی تھیں۔ پسپا ہونے کے لیے ان کشتیوں نے اُن کے کام آنا تھا۔ اُنہیں یہ ڈر بھی نہ تھا کہ مسلمان تعاقب میں آسکیں گے۔

▼

خالدؓ کے حملے کا انداز اَتھ بولنے والا یا اندھا دُھند ٹوٹ پڑنے والا نہیں تھا۔ انہوں نے ایک ہی بار اپنے تمام دستے جنگ میں نہ جھونک دیئے۔ اُنہوں نے قلب کے دستوں کو باری باری آگے بھیجا اور انہیں ہدایت یہ دی کہ وہ دشمن کی صفوں کے اندر نہ جائیں بلکہ دشمن کو اپنے ساتھ آگے لانے کی کوشش کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ خالدؓ پہلوؤں کو اس طرح پھیلاتے چلے گئے کہ وہ دشمن پر پہلوؤں سے حملہ کر

سکیں۔ دشمن کے سپہ سالار اور دو سالاروں کی لاشیں گھوڑوں کے سُموں تلے کچلی مَسلی گئی تھیں۔ یہ فارس کی شہنشاہی کا غرور تھا جو مسلمانوں کے گھوڑوں تلے کچلا جا رہا تھا۔ اِس صورتِ حال میں آتش پرستوں کے حوصلے مر سکتے تھے، بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کے نعرے اور اُن کی للکار اُن کے پاؤں اُکھاڑ رہی تھی۔

"زرتشت کے پجاریو! اللہ کو مانو۔"

"ہم ہیں محمدؐ کے شیدائی۔"

اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کانپ رہی تھی۔

جوش و خروش تو مثنیٰ بن حارثہ کے سواروں کا تھا۔ اُن کی للکار الگ تھلگ تھی۔

"اپنے غلاموں کی ضرب دیکھو۔"

"آج ظالموں سے خون کا حساب لیں گے۔"

"بلاؤ اُردشیر کو۔"

"زرتشت کو آواز دو۔"

ایرانی سپاہ کے حوصلے جواب دینے لگے۔ اُن کی دوسری کمزوری نے اُن کے جسم توڑ دیئے۔ یہ کمزوری اُن کے ہتھیاروں کا اور زرہ کا بوجھ تھا۔ وہ تھکن محسوس کرنے لگے۔ خالدؓ نے جو اپنی سپاہ کے ساتھ سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے، بھانپ لیا کہ آتش پرست ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں۔ اُنہوں نے جس شدّت سے مقابلے اور ۱۰
جوابی حملوں کا آغاز کیا تھا، اس شدّت میں نمایاں کمی نظر آنے لگی۔ خالدؓ نے اپنے قاصد پہلوؤں کے سالاروں عاصم اور عدی کی طرف اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ اپنے اپنے پہلوؤں کو اور باہر لے جا کر بیک وقت دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے قلب کے پیچھے رکھے ہوئے محفوظہ کے دستے کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا۔ اُن دستوں کو جو پہلے موج در موج کے انداز سے حملے کر رہے تھے، خالدؓ نے پیچھے ہٹا لیا تاکہ وہ جوش و خروش میں ایسی تھکن محسوس نہ کرنے لگیں جو اُن کی برداشت سے باہر ہو جائے۔

ایرانی لشکر مسلمانوں کے نئے حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ اُن کا جانی نقصان بہت ہو چکا تھا۔ اب وہ بکھرنے لگے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ پیچھے جو ایرانی سپاہی تھے وہ دریا کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کو وہ کشتیاں دکھائی دیں جو سینکڑوں کی تعداد میں دریا کے کنارے بندھی تھیں۔

"کشتیاں توڑ دو" ——— ایک مسلمان کی للکار سنائی دی۔

"دشمن بھاگنے کے لیے کشتیاں ساتھ لایا ہے"۔ ——— ایک اور للکار سنائی دی۔

جب یہ للکار خالدؓ تک پہنچی تو اُنہوں نے دائیں بائیں قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ دشمن کے عقب میں جانے کی کوشش کرو اور اس کی کشتیاں توڑ دو یا ان پر قبضہ کر لو۔ قبضہ کر لینے کی صورت میں یہ کشتیاں خالدؓ کے لشکر کے کام آ سکتی تھیں۔ انہیں بھی دریا پار کرنا تھا۔

جب یہ حکم سالاروں تک اور سالاروں سے سپاہیوں تک پہنچا تو یہی ایک للکار بلند ہونے لگی ———

"کشتیوں تک پہنچو ... کشتیاں بیکار کر دو ... کشتیاں پکڑ لو۔"

اس للکار نے آتش پرستوں کا رہا سہا دم خم بھی توڑ دیا۔ زندہ بھاگ نکلنے کا ذریعہ یہی کشتیاں تھیں جو مسلمانوں نے دیکھ لی تھیں۔ ایرانیوں نے لڑائی سے منہ موڑ کر کشتیوں کا رُخ کیا۔ وہ ایک دوسرے سے پہلے کشتیوں میں سوار ہونے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے۔ اُن کی حالت ڈری ہوئی بھیڑوں کی مانند ہو گئی جو ایک دوسری کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کیا کرتی ہیں۔ ایرانی سپاہیوں نے کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے گھوڑے چھوڑ دیئے، حالانکہ کشتیاں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر گھوڑے بھی لے جائے جا سکتے تھے۔

یہ تھا وہ موقع جب مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں آتش پرستوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش میں کٹ رہے تھے۔ ان میں سے جو کشتیوں میں سوار ہو گئے اور رسّے کھول کر کشتیاں کنارے سے ہٹا لے گئے، ان میں زیادہ تر مسلمانوں کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔ پھر بھی کچھ خوش نصیب تھے جو بچ کر نکل گئے۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس معرکے میں تیس ہزار ایرانی فوجی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد کسی نے نہیں لکھی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اتنی اموات ہوئیں وہاں زخمیوں کی تعداد اموات کے ہی لگ بھگ ہو گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہنشاہِ فارس کی اُس جنگی قوت کا بُت ٹوٹ گیا تھا جسے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

اللہ کی تلوار نے کسریٰ کی طاقت اور غرور پر ضرب کاری لگائی تھی جس نے مدائن میں کسریٰ کے ایوانوں کو ہلا ڈالا تھا۔

دریائے معقل کے کنارے خون میں ڈوب گئے تھے۔ میدانِ جنگ کا منظر بڑا ہی بھیانک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں اور تڑپتے زخمی بکھرے نظر آتے تھے۔ زخمی گھوڑے دوڑتے پھرتے اور زخمیوں کو روندتے پھر رہے تھے۔ مجاہدینِ اسلام اپنے زخمی ساتھیوں کو اور شہیدوں کی لاشوں کو اٹھا رہے تھے۔ میدان خون سے لال ہو گیا تھا۔

خالدؓ ایک بلند جگہ پر کھڑے میدانِ جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف سے ایک گھوڑ سوار گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا آیا۔ اُس نے خالدؓ کے قریب آ کر گھوڑا روکا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ تھا۔ گھوڑا خالدؓ کے گھوڑے کے پہلو کے ساتھ کر کے مثنیٰ گھوڑے پر ہی خالدؓ سے بغلگیر ہو گیا۔

"ابنِ ولید!" ــــ مثنیٰ نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ــــ "میں نے آج مظلوم مسلمانوں کے خون کا انتقام لے لیا ہے۔"

"ابھی نہیں ابنِ حارثہ!" ــــ خالد نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا ــــ "ابھی تو ابتدا ہے۔ ہمارے لیے اصل خطرہ اب شروع ہوا ہے۔ کیا تم نے ان کشتیوں کی تعداد نہیں دیکھی؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہ کشتیاں کتنی بڑی اور کتنی مضبوط تھیں؟ اور تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ فارسیوں کے پاس ساز و سامان کس قدر زیادہ ہے۔ ان کے وسائل بڑے وسیع ہیں۔ ہم اپنے وطن سے بہت دُور آ گئے ہیں۔ ہمیں اب انہی سے ہتھیار اور رسد چھین کر اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ابنِ حارثہ! اور میرے لیے یہ بھی آسان نہیں کہ میں ان دشواریوں اور محرومیوں سے گھبرا کر یہیں سے واپس چلا جاؤں۔"

"ہم واپس نہیں جائیں گے ابنِ ولید!" ــــ مثنیٰ نے پُرعزم لہجے میں کہا ــــ "ہمیں کسریٰ کے ایوانوں کی

اینٹ سے اینٹ بجانی ہے۔ ہمیں ان آتش پرستوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ جھوٹے 'خدا' کسی کی دستگیری نہیں کر سکتے۔"

▼

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اس سے پہلے وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دے چکے تھے۔

"ہماری مشکلات اب شروع ہوئی ہیں" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "ہم اس وقت دشمن کی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ یہاں کے درخت اور یہاں کے پتھر اور اس مٹی کا ذرّہ ذرّہ ہمارا دشمن ہے۔ یہاں کے لوگ ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان لوگوں پر فارس کی شہنشاہی کی دہشت طاری ہے۔ یہ لوگ اُردشیر کو فرعون سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی مشکل سے مانیں گے کہ کوئی ایسی طاقت بھی ہے جس نے فارس کی شہنشاہی کا بُت توڑ ڈالا ہے....

"میرے رفیقو! یہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے بغیر ہم یہاں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ہم کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ ہم محبت سے ان کے دل موہ لینے کی کوشش کریں گے اور جس پر ہمیں ذرا سا بھی شک ہوگا کہ وہ ہمیں ظاہری طور پر یا درپردہ نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے اُسے ہم زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو غلام بنانے نہیں آئے۔ ہم انہیں غلامی سے اور باطل کے عقیدوں سے نجات دلانے آئے ہیں۔ جو علاقے ہم نے لے لیے ہیں ان کے انتظامی امور کی طرف فوری توجہ دینی ہے۔ یہاں مسلمان بھی آباد ہیں۔ وہ یقیناً ہمارا ساتھ دیں گے، لیکن میرے دوستو! کسی پر صرف اس لیے اعتماد نہ کر لینا کہ وہ مسلمان ہے۔ غلامی اتنی بُری چیز ہے کہ انسانوں کی فطرت بدل ڈالتی ہے....

"یہاں کے مسلمانوں کو اعتماد میں لے کر ان سے معلوم کرنا ہے کہ شہنشاہِ فارس کے حامی کون کون ہیں۔ ان کی چھان بین کر کے ان کے درجے مقرر کرنے ہیں جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے گرفتار کر لو اور جو غیر مسلم سچے دل سے ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہے اُسے اسلام کی دعوت دو.... میں مختلف شعبے قائم کر رہا ہوں۔"

خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ جو غیر مسلم باشندے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے اُن سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور مسلمان اُنہیں اپنی پناہ میں سمجھیں گے۔ اُن کی ضروریات اور ان کے جان و مال کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی بیشتر باشندے مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے۔ خالدؓ نے اس علاقے سے جزیہ اور محصولات وغیرہ جمع کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کر دیا جس کا نگران سوید بن مقرن کو مقرر کیا گیا۔ دوسرا شعبہ جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ جاسوسی کا شعبہ تھا۔ اب باقاعدہ اور ماہرانہ جاسوسی کی ضرورت تھی۔ خالد نے اُسی وقت اپنے جاسوس جو اُسی علاقے کے رہنے والے مسلمان تھے، دریائے فرات کے پار بھیج دیئے۔

جب مالِ غنیمت جمع ہو گیا تو دیکھا کہ یہ جنگِ سلاسل کی نسبت خاصا زیادہ تھا۔ خالدؓ نے اس کے پانچ حصے کیے۔ چار اپنی سپاہ میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ مدینہ بھیج دیا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے خالدؓ کو اتنا سنجیدہ اور اتنا متفکر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا جتنا وہ اب تھے۔

مئی ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے میں جو ماہ صفر ۱۲ ہجری کا تیسرا ہفتہ تھا، زرتشت کے پجاریوں کے لئے دریائے فرات کا سرسبز و شاداب خطہ جہنم بن گیا تھا۔

کس قدر ناز تھا انہیں اپنی جنگی طاقت پر، اپنی شان و شوکت پر، اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر۔ وہ تو فرعونوں کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تھے اور کسریٰ دہشت کی علامت بنتا جا رہا تھا۔ دجلہ اور فرات کے سنگم کے وسیع علاقے میں خالدؓ نے جنہیں رسولِ اکرم نے اللہ کی تلوار کا خطاب دیا تھا، فارس کے زرتشتوں کو بہت بُری شکستیں دی تھیں اور اُن کے ہرمز، قارن بن قریانس، انوشجان اور قباذ جیسے سالاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا لیکن کسریٰ اُردشیر نے ابھی شکست تسلیم نہیں کی تھی اُس کے پاس ابھی بے پناہ فوج موجود تھی اور مدینہ کے مجاہدین کو وہ اب بھی بدّو اور صحرائی لُٹیرے کہتا تھا۔

اُس نے شکست تسلیم تو نہیں کی تھی لیکن شکست اور اپنے نامور سالاروں کی مسلمانوں کے ہاتھوں موت کا جو اُسے صدمہ ہُوا تھا، اسے وہ چھپا نہیں سکا تھا۔ ہرمز کی موت کی اطلاع پر وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ اُس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن ایسے مرض کا آغاز ہو چکا تھا جس نے اُسے بستر پر گرا دیا تھا۔ مورخوں نے اِس مرض کو صدمے کا اثر لکھا ہے۔

"کیا میرے لیئے شکست اور پسپائی کے سوا اب کوئی خبر نہیں رہ گئی؟" ___ اُس نے بستر میں اُٹھ کر بیٹھتے ہُوئے گرج کر کہا۔ "کیا مدینہ کے مسلمان جنّات ہیں؟ کیا وہ کسی کو نظر نہیں آتے اور وار کر جاتے ہیں؟"

طبیب، اردشیر کی منظورِ نظر دوجواں سال بیویاں اور اُس کا وزیر حیران اور پریشان کھڑے اُس قاصد کو گھور رہے تھے جو ایرانیوں کی فوج کی ایک اور شکست اور پسپائی کی خبر لایا تھا۔ اُس کے آنے کی جب اطلاع اندر آئی تو طبیب نے باہر جا کر قاصد سے پوچھا تھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔ قاصد نے خبر سنائی تو طبیب نے اُسے کہا تھا کہ وہ کسریٰ کو ابھی ایسی بُری خبر نہ سنائے کیونکہ اُس کی طبیعت اس کی متحمل نہیں ہو سکے گی لیکن یہ قاصد کوئی معمولی سپاہی نہیں تھا کہ وہ طبیب کا کہا مان جاتا۔ وہ پرانا کماندار تھا۔ اس کا عہدہ سالاری سے دو ہی درجے کم تھا۔ اُسے کسی سالار نے نہیں بھیجا تھا۔ اُسے بھیجنے کے لیئے کوئی سالار زندہ نہیں رہا تھا۔

طبیب کے روکنے سے وہ نہ رکا۔ اُس نے کہا کہ اُسے کسریٰ کی صحت کا نہیں فارس کی شہنشاہی اور زرتشت کی عظمت کا غم ہے۔ اگر شہنشاہ اُردشیر کو اُس نے دجلہ اور فرات کی جنگی کیفیت کی پوری اطلاع نہ دی تو مسلمان مدائن کے دروازے پر آ دھمکیں گے۔ اُس نے طبیب کی اور کوئی بات نہ سُنی۔ اندر چلا گیا اور اُردشیر کو بتایا کہ مسلمانوں نے فارس کی فوج کو بہت بُری شکست دی ہے۔ اُردشیر لیٹا ہُوا تھا۔ اُٹھ بیٹھا۔ غصے سے اُس کے ہونٹ اور اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"شہنشاہِ فارس!" — کمانڈر نے کہا — "مدینہ والے جنّات نہیں۔ وہ سب کو نظر آتے ہیں لیکن ..."

"کیا قارن مر گیا تھا؟" — اُردشیر نے غصّے سے پُوچھا۔

"ہاں شہنشاہ!" — کمانڈر نے جواب دیا — "وہ ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اُس نے دونوں فوجوں کی لڑائی تو دیکھی ہی نہیں۔"

"مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ قباذ اور انوشجان بھی اُس کے ساتھ تھے۔"

"وہ بھی قارن کے انجام کو پہنچ گئے تھے" — کمانڈر نے کہا — "وہ قارن کے قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ دونوں نے اکٹھے آگے بڑھ کر مدینہ کے سالاروں کو للکارا اور دونوں مارے گئے ... شہنشاہِ فارس! کیا فارس کی اس عظیم شہنشاہی کو اس انجام تک پہنچنا ہے؟ ... نہیں ... نہیں ... گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ اگر کسریٰ نے صدمے سے اپنے آپ کو یوں روگ لگا لیا تو کیا ہم زرتشت کی عظمت کو مدینہ کے بدّوؤں سے بچا سکیں گے؟"

"تم کون ہو؟" — اُردشیر نے پوچھا۔

"میں کمانڈر ہوں" — کمانڈر نے جواب دیا — "میں کسی کا بھیجا ہُوا قاصد نہیں۔ میں زرتشت کا جاں نثار ہوں۔"

"دربان کو بلاؤ" — اُردشیر نے حکم دیا — "تم نے مجھے نیا حوصلہ دیا ہے ... مجھے یہ بتاؤ، کیا مسلمانوں کی نفری زیادہ ہے؟ کیا اُن کے پاس گھوڑے زیادہ ہیں؟ کیا ہے اُن کے پاس؟"

دربان اندر آیا اور حکم کے انتظار میں جھک کر دوہرا ہو گیا۔

"سالار اندرزغر کو فوراً بلاؤ" — اُردشیر نے دربان سے کہا اور کمانڈر سے پوچھا — "کیا ہے اُن کے پاس؟ ... بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ۔"

"ہمارے مقابلے میں اُن کے پاس کچھ بھی نہیں" — کمانڈر نے جواب دیا — "اُن میں لڑنے کا جذبہ ہے۔ میں نے اُن کے نعرے سُنے ہیں۔ وہ نعروں میں اپنے خُدا اور رسولؐ کو پکارتے ہیں۔ میں نے اُن میں اپنے مذہب کا جنون دیکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے بہت پکّے ہیں اور یہی اُن کی طاقت ہے۔ ہر میدان میں اُن کی تعداد تھوڑی ہے۔"

"ٹھہر جاؤ" — اُردشیر نے کہا — "اندرزغر آ رہا ہے۔ مجھے اپنے اس سالار پر بھروسہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ ہماری فوج میں کیا کمزوری ہے کہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوتے ہوئے بھاگ آتی ہے۔"

★

"اندرزغر!" — اُردشیر بستر پر نیم دراز تھا۔ اپنے ایک اور نامور سالار سے کہنے لگا — "کیا تم نے سنا نہیں کہ قارن بن قریانس بھی مارا گیا ہے؟ قباذ بھی مارا گیا اور انوشجان بھی مارا گیا ہے؟"

اندرزغر کی آنکھیں ٹھہر گئیں جیسے حیرت نے اُس پر سکتہ طاری کر دیا ہو۔

"اِسے بتاؤ کمانڈر!" — اُردشیر نے کمانڈر سے کہا — "کیا میں ان حالات میں زندہ رہ سکوں گا؟"

کمانڈر نے سالار اندرزغر کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں دریائے معقل کے کنارے کس طرح شکست دی ہے اور یہ بھی تفصیل سے بتایا کہ مدائن کی فوج کس طرح بھاگی ہے۔

"اندرزغر!" — اُردشیر نے کہا — "ہم اب ایک اور شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ مسلمانوں

سے شکست کا صرف انتقام نہیں لینا، ان کی لاشیں فرات میں بہا دینی ہیں۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ فوج لے کر جاؤ۔ تم اُس علاقے سے واقف ہو۔ تم بہتر سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کو کہاں گھسیٹ کر لڑانا چاہیئے۔"

"وہ ریگستان کے رہنے والے ہیں"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔"اور وہ ریگستان میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ میں انہیں سرسبز اور دلدلی علاقے میں آنے دوں گا اور ان پر حملہ کروں گا۔ میری نظر میں وجہ موزوں علاقہ ہے"۔۔۔ اُس نے کماندار سے پوچھا۔۔۔"ان کے گھوڑسوار کیسے ہیں؟"

"اُن کے سوار دستے ہی اُن کی اصل طاقت ہیں"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔"اُن کے سوار بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ دوڑتے گھوڑوں سے اُن کے چلائے ہوئے تیر خطا نہیں جاتے۔ اُن کے سواروں کا حملہ بہت ہی تیز ہوتا ہے۔ وہ جم کر نہیں لڑتے۔ ایک ہلّہ بول کر اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔"

"یہی وہ راز ہے جو ہمارے سالار نہیں سمجھ سکے"۔۔۔ اندرزغر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا۔۔۔"مسلمان آمنے سامنے کی جنگ لڑ ہی نہیں سکتے۔ ہم اُن سے کئی گنا زیادہ فوج لے جائیں گے۔ میں انہیں اپنی فوج کے نیم دائرے میں لے کر مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے آمنے سامنے کی لڑائی لڑیں۔"

"اندرزغر!"۔۔۔ اُردشیر نے کہا۔۔۔"یہاں بیٹھ کر منصوبہ بنا لینا آسان ہے لیکن دشمن کے سامنے جا کر اس منصوبے پر اس کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کماندار نے ایک بات بتائی ہے۔ اس پر غور کرو۔ یہ کہتا ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنے عقیدے کے وفادار ہیں اور وہ اپنے خدا اور اپنے رسولؐ کا نام لے کر لڑتے ہیں۔ کیا ہماری فوج میں اپنے مذہب کی وفاداری ہے؟ .....اتنی نہیں جتنی مسلمانوں میں ہے..... اور اس پر بھی غور کرو اندرزغر! مسلمان اپنے علاقے سے بہت دُور آ گئے ہیں۔ یہ اُن کی کمزوری ہے۔ یہاں کے لوگ اُن کے خلاف ہوں گے۔"

"نہیں شہنشاہ!"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔"فارس کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے، وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اُن کا سلوک ایسا ہے کہ لوگ انہیں پسند کرنے لگتے ہیں۔ وہ قتل صرف اُنہیں کرتے ہیں جن پر انہیں کچھ شک ہوتا ہے۔"

"یہاں کے وہ عربی لوگ اُن کے ساتھ نہیں ہو سکتے جو عیسائی ہیں"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔"میرے دل میں ان لوگوں کی جو محبت ہے اِسے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں انہیں اپنی فوج میں شامل کروں گا۔ ہم یہاں کے مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ یہ ہمیشہ باغی رہے ہیں۔ ان پر ہمیں کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔ ان کی وفاداریاں مدینہ والوں کے ساتھ ہیں۔"

"ان مسلمانوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ بُرا سلوک کرو"۔۔۔ اُردشیر نے کہا۔۔۔"انہیں اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑو۔"

"ہم نے انہیں مویشیوں کا درجہ دے رکھا ہے"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔"انہیں بھوکا رکھا ہے۔ ان کی کھیتیوں سے ہم فصل اٹھا کر لے آتے ہیں اور انہیں صرف اتنا دیتے ہیں جس پر وہ صرف زندہ رہ سکتے ہیں لیکن وہ اسلام کا نام لینے سے باز نہیں آتے۔ بھوکے مر جانا پسند کرتے ہیں

لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑتے"۔

"یہی ان کی قوت ہے"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔"ورنہ ایک آدمی دس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کپڑوں میں ملبوس آدمی زرہ پوش کو قتل نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے"۔

"میں اس قوت کو کچل ڈالوں گا"۔۔۔ اُردشیر نے بلند آواز سے کہا۔۔۔"اندرزغر! ابھی ان مسلمانوں کو نہ چھیڑنا جو ہماری رعایا ہیں۔ انہیں دھوکہ دو کہ ہم انہیں چاہتے ہیں۔ پہلے ان کا صفایا کرو جنہوں نے ہماری شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے بعد ہم ان کا صفایا کریں گے جو ہمارے سائے میں سانپوں کی طرح پل رہے ہیں"۔

★

اُسی روز اُردشیر نے اپنے وزیر، اندرزغر اور اس کے ماتحت سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ہم مدینہ پر حملہ کرتے اور اسلام کا وہیں خاتمہ کر دیتے لیکن حملہ انہوں نے کر دیا ہے اور ہماری فوج ان کے آگے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔

"صرف دو معرکوں میں ہمارے چار سالار مارے گئے ہیں"۔۔۔ اُردشیر نے کہا۔۔۔"ان چاروں کو میں اپنی جنگی طاقت کے ستون سمجھتا تھا، لیکن ان کے مرجانے سے کسریٰ کی طاقت نہیں مرگئی۔ سب کان کھول کر سُن لو۔ جو سالار یا نائب سالار شکست کھا کر واپس آئے گا، اُسے میں جلاد کے حوالے کر دوں گا۔ اُس کے لیے یہی بہتر ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو خود ہی ختم کر لے یا کسی اور طرف نکل جائے، فارس کی سرحد میں قدم نہ رکھے....

"اندرزغر! تم مدائن اور ارد گرد سے جس قدر فوج ساتھ لے جانا چاہو لے جاؤ۔ سالار بہمن کو میں نے پیغام بھیج دیا ہے کہ وہ اپنی تمام تر فوج کے ساتھ فرات کے کنارے ولجہ کے مقام پر پہنچ جائے۔ تم اُس سے جلدی ولجہ پہنچ جاؤ گے۔ وہاں خیمہ زن ہو کر بہمن کا انتظار کرنا۔ جوں ہی وہ آجائے دونوں مل کر مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرنا۔ اُن کا کوئی آدمی اور کوئی ایک جانور بھی زندہ نہ رہے۔ اُن کی تعداد تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں کوئی مسلمان قیدی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اُن کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھنے آؤں گا کہ اُن کے گھوڑوں اور اونٹوں کے مردار اُن کی لاشوں کے درمیان پڑے ہیں۔ تمہیں زرتشت کے نام پر حلف اُٹھانا ہو گا کہ فتح حاصل کرو گے یا موت....

"اندرزغر دونوں فوجوں کا سپہ سالار ہو گا.... اندرزغر! تمہارے ذہن میں کوئی شک اور وسوسہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ بھی سوچ لو کہ مسلمان اور آگے بڑھ آتے اور ہمیں ایک اور شکست ہوئی تو رعایا بھی ہم پر چڑھ دوڑیں گے"۔

"شہنشاہِ فارس اب شکست کی آواز نہیں سنیں گے"۔۔۔ سالار اندرزغر نے کہا۔۔۔"مجھے اجازت دیں کہ میں عیسائیوں کو اپنے ساتھ لے لوں۔ اس سے میری فوج میں بے شمار اضافہ ہو سکتا ہے"۔

"تم جو بہتر سمجھتے ہو وہ کرو"۔۔۔ اُردشیر نے کہا۔۔۔"لیکن میں وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر عیسائی تمہارے ساتھ وفا کرتے ہیں تو انہیں ساتھ لے لو"۔

★

یہ عراق کا علاقہ تھا جہاں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ بکر بن وائل آباد تھا۔ یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے۔ اسلام پھیلتا چلا گیا اور یہ عیسائی جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، عراق کے اس علاقے میں اکٹھے ہوتے رہے اور یہیں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو کسی وقت ایرانیوں کے خلاف لڑے اور جنگی قیدی ہو گئے تھے۔ ایرانیوں نے انہیں اس علاقے میں آباد ہونے کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں مثنیٰ بن حارثہ جیسا قائد مل گیا تھا جس نے انہیں پکا مسلمان بنا دیا تھا۔ مسلمانوں پر تو ایرانی بے پناہ ظلم و تشدد کرتے تھے لیکن عیسائیوں کے ساتھ ان کا رویہ کچھ بہتر تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے زرتشتی سالار اندرزغر ہرمز کی طرح ظالم نہیں تھا۔ مسلمانوں پر اگر وہ ظلم نہیں کرتا تھا تو انہیں اچھا بھی نہیں سمجھتا تھا، عیسائیوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اُسے اب عیسائیوں کی مدد کی ضرورت محسوس ہُوئی۔ اُس نے ان کے قبیلے بکر بن وائل کے بڑوں کو بلایا۔ وہ اطلاع ملتے ہی دوڑے آئے۔

"اگر تم میں سے کسی کو میرے خلاف شکایت ہے تو مجھے بتاؤ"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔ "میں اس کا ازالہ کروں گا"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سالار ہمیں فوراً بتا دے کہ ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟"۔۔۔ ایک بوڑھے نے کہا۔۔۔ "ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہمیں شکایت ہُوئی بھی تو نہیں کریں گے"

"ہمیں کوئی شکایت نہیں"۔۔۔ ایک اور نے کہا۔۔۔ "آپ نے جو کہنا ہے وہ کہیں"

"مسلمان بڑھے چلے آرہے ہیں"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔ "شہنشاہِ فارس کی فوج انہیں فرات میں ڈبو دے گی لیکن ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ ہمیں تمہارے جوان بیٹوں کی ضرورت ہے"

"اگر شہنشاہِ فارس کی فوج اسلامی فوج کو فرات میں ڈبو دے گی تو آپ کو ہمارے بیٹوں کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟"۔۔۔ وفد کے بڑوں میں سے ایک نے پوچھا۔۔۔ "ہم سن چکے ہیں کہ فارس کی فوج کے چار سالار مارے گئے ہیں۔ آپ ہم سے پوچھتے کیوں ہیں؟ ہم آپ کی رعایا ہیں ہمیں حکم دیں۔ ہم سرکشی کی جرأت نہیں کر سکتے"

"میں کسی کو اپنے حکم کا پابند کر کے میدانِ جنگ میں نہیں لے جانا چاہتا"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔ "میں تمہیں تمہارے مذہب کے نام پر فوج میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں زمین کے کسی خطے کے لیے نہیں اپنے مذہب اور اپنے عقیدوں کے تحفظ کے لیے لڑنا ہے۔ مسلمان صرف اس لیے فتح پہ فتح حاصل کرتے چلے آرہے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ وہ جس علاقے کو فتح کرتے ہیں، وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کو کہتے ہیں۔ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے، اُن سے مسلمان جزیہ وصول کرتے ہیں....

"کیا یہ غلط ہے کہ تم میں وہ بھی ہیں جو اس لیے اپنے گھروں سے بھاگے تھے کہ وہ اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمان آجائیں اور تمہاری عبادت گاہوں کے دروازے بند ہو جائیں؟ کیا تم برداشت کر لو گے کہ مسلمان تمہاری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ لے جائیں؟ .... ذرا غور کرو تو سمجھو گے کہ ہمیں تمہاری نہیں بلکہ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں ایک فوج دے رہے ہیں۔ اسے اور زیادہ طاقتور بناؤ اور اپنے مذہب کو ایک بے بنیاد مذہب سے بچاؤ"

اندرزغر نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسا مشتعل کیا کہ وہ اُسی وقت واپس گئے اور (مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق) اپنے قبیلے کی ہر بستی میں جاکر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر قتل و غارت اور لُوٹ مار کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ صرف اُسے بخشتے ہیں جو اُن کا مذہب قبول کر لیتا ہے۔ وہ جوان اور کمسن لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

"اپنی لڑکیوں کو چھپالو۔"

"مال دولت زمین میں دبادو۔"

"عورتیں بچّوں کو لے کر جنگلوں میں چلی جائیں۔"

"جوان آدمی ہتھیار، گھوڑے اور اونٹ لے کر ہمارے ساتھ آجائیں۔"

"شہنشاہِ فارس کی فوج ہمارے ساتھ ہے۔"

"یسوع مسیح کی قسم، ہم اپنی عزت پر کٹ مریں گے۔"

"اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔"

ایک شور تھا، للکار تھی جو آندھی کی طرح دشت و جبل کو، جنّ وانس کو لپیٹ میں لیتی آرہی تھی۔ کوئی بھی کسی سے نہیں پوچھتا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ کس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے؟ کدھر سے آرہا ہے؟ جوش و خروش تھا۔ عیسائی مائیں اپنے جوان بیٹوں کو رخصت کر رہی تھیں بیویاں خاوندوں کو، بہنیں بھائیوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ ایک فوج تیار ہوتی جارہی تھی جس کی نفری تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ کسریٰ کی فوج کے کماندار وغیرہ آگئے تھے۔ وہ ان لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتے جارہے تھے جو کسریٰ کی فوج میں شامل ہوکر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آرہے تھے۔

ایک بستی میں لڑنے والے عیسائی جمع ہورہے تھے۔ سورج کبھی کا غروب ہوچکا تھا بستی میں مشعلیں گھوم پھر رہی تھیں اور شور تھا۔ بستی دن کی طرح بیدار اور سرگرم تھی۔ دو آدمی جو اس بستی والوں کے لیے اجنبی تھے، بستی میں داخل ہُوئے اور لوگوں میں شامل ہوگئے۔

"ہم ایک للکار سن کر آتے ہیں"— ان میں سے ایک نے کہا— "ہم روزگار کی تلاش میں بڑی دُور سے آتے ہیں اور شاید مدائن تک چلے جائیں۔ یہ کیا ہورہا ہے؟"

"تم ہو کون؟"— کسی نے اُن سے پوچھا— "مذہب کیا ہے تمھارا؟"

دونوں نے اپنی اپنی شہادت کی انگلیاں باری باری اپنے دونوں کندھوں سے لگائیں پھر اپنے اپنے سینے پر انگلیاں اوپر نیچے کر کے صلیب کا نشان بنایا اور دونوں نے بیک زبان کہا کہ وہ عیسائی ہیں۔

"پھر تم مدائن جاکر کیا کروگے؟"— انہیں ایک بوڑھے نے کہا— "تم تنومند ہو۔ تمھارے جسموں میں طاقت ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو کنواری مریم کی آبرو پر قربان ہونے کے قابل نہیں سمجھتے؟ کیا تمھارے لیے تمھارا پیٹ مقدّس ہے؟"

"نہیں"— ان میں سے ایک نے کہا— "ہمیں کچھ بتاؤ اور تم میں سب سے زیادہ سیانا ہے ہمیں اُس سے ملاؤ، ہم کچھ بتانا چاہتے ہیں۔"

★

وہاں فارس کی فوج کا ایک پرانا کمانڈار موجود تھا۔ ان دونوں کو اُس کے پاس لے گئے۔

"سنا ہے تم کچھ بتانا چاہتے ہو" — کمانڈار نے کہا۔

"ہاں!" — ایک نے کہا — "ہم اپنا راستہ چھوڑ کر اِدھر آئے ہیں۔ سنا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک فوج تیار ہو رہی ہے۔"

"ہاں، ہو رہی ہے" — کمانڈار نے کہا — "کیا تم اس فوج میں شامل ہونے آئے ہو؟"

"عیسائی ہو کر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس فوج میں شامل نہیں ہوں گے!" — ان میں سے ایک نے کہا — "ہم کاظمہ سے تھوڑی دور کی ایک بستی کے رہنے والے عرب ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر اِدھر آئے ہیں۔ اب آگے نہیں جائیں گے، تمہارے ساتھ رہیں گے .... ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن سامنے وہ بہت تھوڑی تعداد کو لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری فوج اُن سے شکست کھا جاتی ہے۔"

"اِسے زمین پر لکیریں ڈال کر سمجھاؤ" — اُس کے دوسرے ساتھی نے اُسے کہا پھر ایرانی کمانڈار سے کہا — "ہمیں معمولی دماغ کے آدمی نہ سمجھنا۔ ہم تمہیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ مسلمانوں کے لڑنے کا طریقہ کیا ہے اور وہ اِس وقت کہاں ہیں اور تم لوگ اُنہیں کہاں لا کر لڑاؤ تو انہیں شکست دے سکتے ہو۔ ہم جو کچھ بتائیں یہ اپنے سالار کو بتا دینا۔"

ایک مشعل لا کر اس کا ڈنڈہ زمین میں گاڑ دیا گیا۔ یہ دونوں آدمی زمین پر بیٹھ کر انگلیوں سے لکیریں ڈالنے لگے۔ اُنہوں نے جنگی اصطلاحوں میں ایسا نقشہ پیش کیا کہ کمانڈار بہت متاثر ہُوا۔

"اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ مدائن کی فوج کس طرف سے آ رہی ہے تو ہم تمہیں بہتر مشورہ دے سکتے ہیں" — اِن میں سے ایک نے کہا — "اور کچھ خطروں سے بھی خبردار کر سکتے ہیں۔"

"دو فوجیں مسلمانوں کو کچلنے کے لیے آ رہی ہیں" — کمانڈار نے کہا — "مسلمان ان کے آگے نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"بشرطیکہ دونوں فوجیں مختلف سمتوں سے آئیں" — ایک اجنبی عیسائی نے کہا۔

"وہ مختلف سمتوں سے آ رہی ہیں" — کمانڈار نے کہا — "ایک فوج مدائن سے ہمارے بڑے ہی دلیر اور قابل سالار اندرزغر کی زیرِ کمان آ رہی ہے اور دوسری فوج ایسے ہی ایک اور نامور سالار بہمن جاذویہ لا رہا ہے۔ دونوں ولجہ کے مقام پر اکٹھی ہوں گی۔ اس کے ساتھ بکر بن وائل کا پورا قبیلہ ہوگا چند چھوٹے چھوٹے قبیلوں نے بھی اپنے آدمی دیئے ہیں۔"

"تو پھر تمہارے سالاروں کو جنگی چالیں چلنے کی ضرورت نہیں" — دوسرے نے کہا — "تمہاری فوج تو سیلاب کی مانند ہے مسلمان تنکوں کی طرح بہہ جائیں گے .... کیا تم ہم دونوں کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟

ہم نے تم میں خاص قسم کی ذہانت دیکھی ہے۔ تم سالار نہیں تو نائب سالاری کے عہدے کے قابل ضرور ہو۔

"تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو" — کمانڈار نے کہا۔

"ہم اپنے گھوڑے لے آئیں" — دونوں میں سے ایک نے کہا — "ہم تمہیں صبح یہیں ملیں گے۔"

"صبح کوچ ہو رہا ہے" — کمانڈار نے کہا — "اِن تمام لوگوں کو جو لڑنے کے لیے جا رہے ہیں

ایک جگہ جمع کیا جارہا ہے۔ تم اِن کے ساتھ آجانا، میں تمہیں مل جاؤں گا۔"

دونوں بستی سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے بستی سے کچھ دُور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیئے اور بستی میں پیدل گئے تھے بستی سے نکلتے ہی وہ دوڑ پڑے اور اپنے گھوڑوں پر جا سوار ہوئے۔

"کیا ہم صبح تک پہنچ سکیں گے بن آصف!" ــــ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

"خدا کی قسم، ہمیں پہنچنا پڑے گا، خواہ اُڑ کر پہنچیں" ــــ بن آصف نے کہا ــــ "یہ خبر ابن ولیدؓ تک بروقت نہ پہنچی تو ہماری شکست لازمی ہے۔ گھوڑے تھکے ہوئے نہیں۔ اللہ کا نام لو اور ایڑ لگاؤ۔"

دونوں نے ایڑ لگائی اور گھوڑے دوڑ پڑے۔

"اشعر!" ــــ بن آصف نے بلند آواز سے اپنے ساتھی سے کہا ــــ "یہ تو طوفان ہے۔ اب آتش پرستوں کو شکست دینا آسان نہیں ہوگا۔ صرف بکر بن وائل کی تعداد دیکھ لو۔ کتنی ہزار ہوگی۔"

"میں نے اپنے سالار ابن ولیدؓ کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تھا" ــــ اشعر نے کہا۔

"کیا تم اُس کی پریشانی کو نہیں سمجھے اشعر!" ــــ بن آصف نے کہا ــــ "ہم اتنے طاقتور دشمن کے پیٹ میں آ گئے ہیں۔"

"اللہ ہمارے ساتھ ہے" ــــ اشعر نے کہا ــــ "آتش پرست اِس زمین کے لیے لڑ رہے ہیں جو وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی ہے اور ہم اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں جس کی یہ زمین ہے۔"

یہ دونوں گھوڑ سوار خالدؓ کے اُس جاسوسی نظام کے بڑے ذہین آدمی تھے جو خالدؓ نے فارس کی سرحد کے اندر آکر قائم کیا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ وہ مدینہ سے بہت دُور اجنبی زمین پر آ گئے ہیں جہاں اللہ کے سوا اُن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ خالدؓ نے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے ہر طرف اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔

★

خالدؓ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اُن کے خیمے کے قریب دو گھوڑے آرکے۔ سوار کُود کر اُترے۔ خالدؓ نماز باجماعت پڑھ کر آ رہے تھے۔ ان سواروں کو دیکھ کر اُن کے قریب جا رُکے۔ گھوڑوں کا پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے دریا میں سے گذر کر آتے ہوں۔ اُن کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ سواروں کی حالت گھوڑوں سے بھی بُری تھی۔

"اشعر!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "بن آصف!.... کیا خبر لائے ہو؟.... اندر چلو۔ ذرا دم لے لو۔"

"دم لینے کا وقت نہیں سالار!" ــــ بن آصف نے خالدؓ کے پیچھے اُن کے خیمے میں داخل ہوتے ہوتے کہا ــــ "آتش پرستوں کا سیلاب آ رہا ہے۔ ہم نے یہ خبر عیسائیوں کی ایک بستی سے لی ہے بکر بن وائل کی الگ فوج تیار ہو گئی ہے۔ یہ مدائن کی فوج کے ساتھ اندر زغر نام کے ایک سالار کی زیر کمان آ رہی ہے۔ دوسری فوج بہمن جاذویہ کی زیرِ کمان دوسری طرف سے آ رہی ہے۔"

"کیا یہ فوجیں ہم پر مختلف سمتوں سے حملہ کریں گی؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"نہیں" ــــ اشعر نے جواب دیا ــــ "دونوں فوجیں ولجہ میں اکٹھی ہوں گی۔"

"اور تم کہتے ہو کہ سیلاب کی طرح آگے بڑھیں گی" ــــ خالدؓ نے کہا۔

"کماندار نے یہی بتایا ہے" ــــ بن آصف بولا۔

ان دونوں کی رپورٹ ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ ایک شتر سوار خیمے کے باہر آرکا اور اونٹ سے اُتر کر بلغیر اطلاع خیمے میں آگیا۔ اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ فلاں سمت سے ایرانیوں کی ایک فوج بہمن جاذویہ کی قیادت میں آرہی ہے۔ یہ بھی ایک جاسوس تھا جو کسی بھیس میں اُس طرف نکل گیا تھا جدھر سے بہمن کی فوج آرہی تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو اس طرح کوُچ کرنا تھا کہ دونوں کی فوجیں بیک وقت یا تھوڑے سے وقفے سے ولجہ پہنچتیں مگر ہُوا یوں کہ اندرزغر پہلے روانہ ہوگیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ کسریٰ اُردشیر کے قریب تھا اس لیے اُردشیر اُس کے سر پر سوار تھا۔ بہمن دُور تھا۔ اُسے کوُچ کا حکم قاصد کی زبانی پہنچا تھا۔ وہ دو دن بعد روانہ ہُوا۔

کسی بھی مؤرخ نے اُس فوج کی تعداد نہیں لکھی جو اندرزغر کے ساتھ تھی۔ بہمن کی فوج کی تعداد بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صرف یہ ایک بڑا واضح اشارہ ملتا ہے کہ آتش پرستوں کی فوج جو مسلمانوں کے خلاف آرہی تھی وہ واقعی سیلاب کی مانند تھی۔ اُردشیر نے کہا تھا کہ وہ ایک اور شکست کا خطرہ مول نہیں لے گا، چنانچہ اُس نے اتنی زیادہ فوج بھیجی تھی جتنی اکٹھی ہوسکتی تھی۔

اندرزغر کی فوج کا تو شمار ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی باقاعدہ فوج کے علاوہ اُس نے بکر بن وائل کے معلوم نہیں کتنے ہزار عیسائی اپنی فوج میں شامل کرلیے تھے۔ ان میں پیادہ تھے اور سوار بھی۔ اس فوج میں مزید اضافہ کوُچ کے دوران اس طرح ہُوا کہ جنگِ دریا میں آتش پرستوں کے جو فوجی مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، وہ ابھی تک قدم گھسیٹتے مدائن کو جارہے تھے۔ وہ صرف تھکن کے مارے ہوئے نہیں تھے، اُن پر مسلمانوں کی دہشت بھی طاری تھی۔ پسپائی کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں اُن کی فوج کا قتلِ عام ہُوا تھا۔ انہوں نے کشتیوں میں سوار ہوکر بھاگنے کی کوشش کی تھی اس لیے وہ خالدؓ کے مجاہدین کے لیے بڑا آسان شکار ہوئے تھے۔

اس بھگدڑ میں جو کشتیوں میں سوار ہوگئے تھے، اُن پر مجاہدین نے تیروں کا مینہ برسا دیا تھا۔ ایسی کشتیوں میں جو سپاہی زندہ رہے تھے اُن کی ذہنی حالت بہت بُری تھی۔ اُن کی کشتیوں میں اُن کے ساتھی جسموں میں تیر لیے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ اس طرح زندہ سپاہیوں نے لاشوں اور تڑپ تڑپ کر مرتے ساتھیوں کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کشتیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ زندہ سپاہیوں کو کشتیاں کھینے کی بھی ہوش نہیں تھی۔ کشتیاں دریا کے بہاؤ کے ساتھ خود ہی بہتی کہیں سے کہیں جا پہنچی تھیں اور دُور دُور کنارے سے لگی تھیں اور زرتشت کے یہ پجاری بہت بُری جسمانی اور ذہنی حالت میں مدائن کی طرف چل پڑے تھے۔

وہ دو دو چار چار اور اس سے بھی زیادہ کی ٹولیوں میں جارہے تھے۔ پُرانی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کئی ایک نے جب اندرزغر کی فوج کو آتے دیکھا تو بھاگ اُٹھے۔ وہ تیز دوڑ نہیں سکتے تھے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور فوج میں شامل کرلیا گیا۔ کچھ تعداد ایسے سپاہیوں کی ملی جو دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو بولتے ہی نہیں تھے۔ ان سے بات کرتے تھے تو وہ خالی خالی نگاہوں اور بے تاثر چہروں سے ہر کسی کو دیکھتے تھے۔ بعض بولنے کی بجائے چیخیں مارنے اور دوڑ پڑتے تھے۔

"پیشتر اس کے کہ یہ ساری فوج کے لیے خوف و ہراس کا سبب بن جائیں انہیں فوج سے دُور لے جا کر ختم کردو" ـــ اُن کے سالار اندرزغر نے حکم دیا۔

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

مدائن کی یہ فوج تازہ دم تھی۔ اُس نے ابھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں دیکھے تھے لیکن دریا کے معرکے سے بچے ہوئے سپاہی جب راستے میں اس تازہ دم فوج میں شامل ہوئے تو ہلکے سے خوف کی ایک لہر ساری فوج میں پھیل گئی۔ شکست خوردہ سپاہیوں نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بے جگری سے لڑے ہیں، مسلمانوں کے متعلق اپنی فوج کو ایسی باتیں سنائیں جیسے مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت طاقت ہو اور وہ جن بھوت ہوں۔

خالدؓ کی جنگی قیادت کی یہ خوبی تھی کہ وہ دشمن کو جسمانی شکست ایسی دیتے تھے کہ دشمن پر نفسیاتی اثر بھی پڑتا تھا جو ایک عرصے تک دشمن کے سپاہیوں پر باقی رہتا اور اسی دشمن کے ساتھ جب ایک اور معرکہ لڑا جاتا تو یہ نفسیاتی اثر خالدؓ کو بہت فائدہ دیتا تھا۔ یہ اثر پیدا کرنے کے لیے خالدؓ دشمن کو پسپا کرنے پر ہی مطمئن نہیں ہو جاتے تھے بلکہ دشمن کا تعاقب کرتے اور اُسے زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچاتے تھے۔

٭

خالدؓ کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی انہیں دی کہ پچھلے معرکے کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی مدائن سے آنے والی فوج میں شامل ہو رہے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"میرے عزیز ساتھیو!" ___ خالدؓ نے انہیں کہا ___ "ہم یہاں صرف اللہ کے بھروسے پر لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم فارس کی فوج سے ٹکر لینے کے قابل نہیں۔ اپنے وطن سے ہم بہت دُور نکل آئے ہیں۔ ہمیں کمک نہیں مل سکتی۔ ہم واپس بھی نہیں جائیں گے۔ ہم فارسیوں کو اور کسریٰ کو نہیں، آگ کے خداؤں کو شکست دینے کا عزم کئے ہوئے ہیں....

"میں تم سب کے چہروں پر تھکن کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری آنکھیں بھی تھکی تھکی سی ہیں اور تمہاری باتوں میں بھی تھکن ہے لیکن ربِّ کعبہ کی قسم، ہماری روحیں تھکی ہوئی نہیں۔ ہمیں اب رُوح کی طاقت سے لڑنا ہے۔"

"ایسی باتیں زبان پر نہ لا ابنِ ولیدؓ!" ___ ایک سالار عاصم بن عمرو نے کہا ___ "ہمارے چہروں پر تھکن کے کے آثار ہیں، مایوسی کے نہیں۔"

"ہمارے ارادوں میں کوئی تھکن نہیں ابنِ ولیدؓ!" ___ دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا ___ "ہم نے آرام کر لیا ہے۔ سپاہ نے بھی آرام کر لیا ہے۔"

"میں اسی لیے یہاں خیمہ زن ہو گیا تھا کہ اللہ کے سپاہی آرام کر لیں" ___ خالدؓ نے کہا ___ "تمہارے ارادے تھکے ہوئے نہیں تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں دوسری باتیں کرنا چاہتا ہوں جو زیادہ ضروری ہیں.... تم نے دیکھا ہے کہ ہم نے فارسیوں کو پہلے معرکے میں شکست دی تو وہ پھر ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کے ساتھ اُن کے وہ سپاہی بھی آ گئے جو پہلے معرکے سے بھاگے تھے۔ اب مجھے پھر اطلاع ملی ہے کہ دوسرے معرکے سے بھاگے ہوئے سپاہی مدائن سے آنے والی فوج کے ساتھ راستے میں ملتے آ رہے ہیں۔ اب تمہیں یہ کوشش کرنی ہے کہ اگلے معرکے میں آتش پرستوں کا کوئی سپاہی زندہ نہ جا سکے۔ ہلاک کر دو یا پکڑ لو۔ میں کسریٰ کی فوج کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا ہوں۔"

"ہمارا اللہ یوں ہی کرے گا" ___ تین چار آوازیں سنائی دیں۔

"سب اللہ کے اختیار میں ہے"۔ خالدؓ نے کہا۔ "ہم اُسی کی خوشنودی کے لیے گھروں سے اتنی دُور آ گئے ہیں۔۔۔۔ اب جو صورت ہمارے سامنے ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ یہ فیصلے جذبات سے نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ فارسیوں کی جنگی طاقت اور تعداد جو اب آ رہی ہے، ہم اس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں لیکن پسپائی کو دل سے نکال دو۔ تازہ اطلاعوں کے مطابق مدائن کی فوج دجلہ عبور کر آئی ہے۔ آج رات فرات کو بھی عبور کرے گی پھر وہ ولجہ پہنچ جائے گی۔ ان کی دوسری فوج بھی آ رہی ہے۔ ہمارے جاسوس اُس کا کوُچ دیکھ رہے ہیں اور مجھے اطلاعیں دے رہے ہیں۔۔۔۔

"خدائے ذوالجلال ہماری مدد کر رہا ہے۔ یہ اُسی کی ذاتِ باری کا کرم ہے کہ فارس کی یہ دوسری فوج جو ایک سالار بہمن جاذویہ کی زیر کمان آ رہی ہے، اُس کی رفتار تیز نہیں۔ وہ پڑاؤ زیادہ کر رہی ہے۔ ہم اپنی قلیل نفری سے اِن دونوں فوجوں سے ٹکر لے سکتے ہیں۔ میری عقل اگر صحیح کام کر رہی ہے تو میں یہی ایک طریقہ بہتر سمجھتا ہوں کہ مدائن کی فوج جو سالار اندرزغر کے ساتھ آ رہی ہے وہ ولجہ تک جلدی پہنچ جائے گی۔ پیشتر اس کے کہ بہمن کی فوج بھی اس سے آ ملے، ہم اندرزغر پر حملہ کر دیں گے۔ کیا میں نے بہتر سوچا ہے؟"

"اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا"۔ سالار عاصم نے کہا۔ "مجھے مدائن کی اس فوج میں ایک کمزوری نظر آ رہی ہے۔ اس فوج میں عیسائیوں کے قبیلوں کے لوگ بھی ہیں جو لڑنا تو جانتے ہوں گے لیکن انہیں جنگ اور باقاعدہ معرکے کا تجربہ نہیں۔ میں انہیں ایک مسلح ہجوم کہوں گا۔ دشمن کی دوسری کمزوری وہ سپاہی ہیں جو پچھلے معرکے سے بھاگے ہوئے مدائن کی فوج کو راستے میں ملے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈرے ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ہزاروں ساتھیوں کو تلواروں، تیروں اور برچھیوں کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ پسپائی کی صورت میں وہ سب سے پہلے بھاگیں گے۔"

"خدا کی قسم بن عمرو!"۔ خالدؓ نے پُر جوش آواز میں کہا۔ "تجھ میں وہ عقل ہے جو ہر بات سمجھ لیتی ہے"۔ خالدؓ نے ان سب پر نگاہ دوڑائی جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ "تم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس بات کو نہ سمجھ سکا ہو، لیکن دشمن کے اس پہلو کو نہ بھولنا کہ اُس کے پاس ساز و سامان، رسد اور کمک کی کمی نہیں۔ صرف اندرزغر کی فوج ہماری تعداد سے چھ گنا زیادہ ہے۔ میں نے جو طریقہ سوچا ہے یہ موزوں اور مؤثر ضرور ہو گا لیکن آسان نہیں۔ لڑنا سپاہ نے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں، پھر بھی انہیں اچھی طرح سمجھا دو کہ ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے اور ہم مدائن میں ہوں گے یا خدائے بزرگ و برتر کے حضور پہنچ جائیں گے۔"

★

دو مؤرخوں، طبری اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ فہم و فراست کی جنگ تھی۔ اگر تعداد اور ساز و سامان اور دیگر جنگی احوال و کوائف کو دیکھا جاتا تو آتش پرستوں اور مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ خالدؓ کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اُن کی راتیں گہری سوچ میں گذر رہی تھیں۔ خیمہ گاہ میں وہ چلتے چلتے رُک جاتے اور گہری سوچ میں کھو جاتے۔ انہیں زمین پر بیٹھ کر انگلی سے مٹی پر لکیریں ڈالتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ خالدؓ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ آتش پرستوں سے فیصلہ کن معرکہ لڑے بغیر واپس نہ آنے کا عہد کر چکے تھے۔

انہوں نے اپنی فوج کو حسبِ معمول تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح دائیں اور بائیں پہلوؤں پر سالار

عاصم بن عمرو اور سالار عدی بن حاتم کو رکھا۔ اپنے ساتھ انہوں نے صرف ڈیڑھ ہزار نفری رکھی جن میں پیادے تھے اور گھوڑ سوار بھی۔ اس تقسیم کے بعد انہوں نے کُوچ کا حکم دیا۔ یہ حکم انہوں نے جاسوسوں کی اِس اطلاع کے مطابق دیا کہ اندرزغر کی فوج دریائے فرات عبور کر رہی ہے۔ خالدؓ نے اپنی رفتار ایسی رکھی کہ آتش پرست ولجہ میں جونہی پہنچیں، وہ اُس کے سامنے ہوں۔ یہ جنگی فہم و فراست کا غیر معمولی مظاہرہ تھا۔

ایسے ہی ہُوا جیسے اُنہوں نے سوچا تھا۔ اندرزغر کی فوج ولجہ پہنچی تو اُسے خیمے گاڑنے کا حکم ملا کیونکہ اُسے بہمن کی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ فوج اتنے لمبے سفر کی تھکی ہوئی خیمے گاڑنے لگی اور اس کے ساتھ ہی شور بپا ہو گیا کہ بہمن جاذویہ کی فوج آرہی ہے۔ تمام سپاہ اُس کے استقبال میں خوشی کا شور و غل مچانے لگی لیکن یہ شور اچانک خاموش ہو گیا۔

"یہ مدینہ کی فوج ہے"۔۔۔ کسی نے بلند آواز سے کہا اور اس کے ساتھ کئی آوازیں سنائی دیں۔۔۔ "دشمن آگیا ہے..... تیار..... ہوشیار"

اندرزغر گھوڑے پر سوار آگے گیا اور اچھی طرح دیکھا۔ یہ خالدؓ کی فوج تھی اور جنگی ترتیب میں رہ کر پڑاؤ ڈال رہی تھی۔ یہ فوج خیمے نہیں گاڑ رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان لڑائی کے لیے تیار ہیں۔

"سالارِ اعلیٰ!"۔۔۔ اندرزغر کو ایک سالار نے کہا۔۔۔ "ہماری دوسری فوج نہیں پہنچی۔ معلوم ہُوا ہے کہ وہ ابھی دُور ہے ورنہ ہم ان مسلمانوں کو ابھی کچل ڈالتے۔ یہ تیار ہیں اور ہماری سپاہ تھکی ہوئی ہے"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ان کی تعداد کتنی تھوڑی ہے؟"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔ "بمشکل دس ہزار ہوں گے۔ میں انہیں چیونٹیوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا..... ان کے گھوڑ سوار دستے کہاں ہیں؟"

"کہاں ہو سکتے ہیں!"۔۔۔ اُس کے سالار نے کہا۔۔۔ "کھلا میدان ہے۔ جو کچھ ہے صاف نظر آرہا ہے"

"معلوم ہوتا ہے ہمارے سالاروں اور کمانداروں کو ایک ایک کے چھ چھ نظر آتے رہے ہیں"۔۔۔ اندرزغر نے کہا۔۔۔ "شکست کھا کر بھاگنے والوں نے مدائن میں بتایا تھا کہ مسلمانوں کا رسالہ بڑا زبردست ہے اور اس کے سوار لڑنے کے اتنے ماہر ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہیں آتے..... مجھے تو ان کا رسالہ کہیں نظر نہیں آرہا"

"ہمیں جھوٹی اطلاعیں دی گئی ہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "ہم بہمن کا انتظار نہیں کریں گے۔ اُس کے آنے تک ہم ان مسلمانوں کو ختم کر چکے ہوں گے"

★

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے گھوڑ سوار وہاں نہیں تھے۔ وہی تھوڑے سے سوار تھے جو پیادوں کے ساتھ تھے یا خالدؓ کے ساتھ کچھ گھوڑ سوار محافظ تھے۔ آتش پرستوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اندرزغر کے لیے یہ فتح بڑی آسان تھی۔ خالدؓ نے اتنی تھوڑی نفری کے ساتھ اتنے بڑے لشکر کے سامنے آکر غلطی کی تھی۔

جس میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں وہ ہموار میدان تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں دو بلند ٹیکریاں تھیں۔ ایک ٹیکری آگے جا کر مُڑ گئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک اور ٹیکری تھی۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کر رکھا تھا۔ اُدھر آتش پرست بھی جنگی ترتیب میں ہو گئے اور دونوں فوجوں کے سالار ایک دوسرے کا جائزہ لینے لگے۔

خالدؓ نے دیکھا کہ آتش پرستوں کے پیچھے دریا تھا لیکن اندرزغر نے اپنی فوج کو دریا سے تقریباً ایک میل دُور رکھا تھا۔ آتش پرستوں کے پہلے سالاروں نے اپنا عقب دریا کے بہت قریب رکھا تھا تاکہ عقب محفوظ رہے لیکن اندرزغر نے اپنے عقب کی اتنی احتیاط نہ کی۔ اُسے یقین تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمان اُس کے عقب میں آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

"زرتشت کے پجاریو!" — اندرزغر نے اپنی سپاہ سے خطاب کیا — "یہ ہیں وہ مسلمان جن سے ہمارے ساتھیوں نے شکست کھائی ہے۔ انہیں اپنی آنکھوں دیکھ لو۔ کیا ان سے شکست کھا کر تم ڈوب نہیں مروگے؟ کیا تمہیں انہیں فوج کہوگے؟ یہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا گروہ ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ جائے۔"

وہ دن یوں ہی گذر گیا۔ سالار ایک دوسرے کی فوج کو دیکھتے اور اپنی اپنی فوج کی ترتیب سیدھی کرتے رہے۔ اگلے روز خالدؓ نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ فارس کی فوج تہہ در تہہ کھڑی تھی۔ مسلمانوں کا حملہ تیز اور شدید تھا لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی مسلمانوں کو پیچھے ہٹ آنا پڑا۔ دشمن نے اپنی اگلی صف کو پیچھے کر کے تازہ دم سپاہیوں کو آگے کر دیا۔

★

خالدؓ نے ایک اور حملے کے لیے اپنے چند ایک دستوں کو آگے بھیجا۔ گھمسان کا معرکہ ہوا لیکن مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ آتش پرستوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ نیم زرہ پوش بھی تھے۔ مسلمانوں کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آ گئے ہوں۔

خالدؓ نے کچھ دیر اور حملے جاری رکھے مگر مجاہدین تھکن محسوس کرنے لگے۔ متعدد مجاہدین زخمی ہو کر بیکار ہو گئے۔ خالدؓ نے اس خیال سے کہ اُن کی فوج حوصلہ نہ ہار بیٹھے، خود حملے کے لیے سپاہیوں کے ساتھ جانے لگے۔ اس سے مسلمانوں کا جذبہ تو قائم رہا لیکن اُن کے جسم شل ہو گئے۔ آتش پرست اُن پر قہقہے لگا رہے تھے۔

اُس وقت تک مسلمانوں نے خالدؓ کی زیرِ کمان جتنی لڑائیاں لڑی تھیں اُن میں یہ پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمانوں نے اپنے سالار کے خلاف احتجاج کیا۔ احتجاج دبا دبا سا تھا لیکن فوج میں بے اطمینانی سی صاف نظر آنے لگی۔ خالدؓ جیسے عظیم سالار کے خلاف سپاہیوں کی بے اطمینانی عجیب سی بات تھی۔ وہ پوچھتے تھے کہ اپنا سوار دستہ کہاں ہے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ خالدؓ اپنے مخصوص انداز سے نہیں لڑ رہے۔ خالدؓ سپاہیوں کی طرح ہر حملے میں آگے جاتے تھے، پھر بھی اُن کے سپاہیوں کو کسی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ دشمن کی اتنی زیادہ نفری دیکھ کر بھی مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ انہیں شکست نظر آنے لگی تھی۔

آتش پرستوں نے ابھی ایک بھی حملہ نہیں بولا تھا۔ اندرزغر مسلمانوں کو تھکا کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مسلمان تھک چکے تھے۔ خالدؓ اپنی فوج کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے حملے روک دیئے تھے۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا چال چلیں کہ آتش پرستوں کی طرف سے ایک دیوہیکل آدمی آگے آیا اور اُس نے مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ جس میں میرے مقابلے کی ہمت ہے آگے آ جائے۔ یہ ہزار مرد پہلوان اور تیغ زن تھا۔ فارس میں "ہزار مرد" کا لقب اُس جنگجو پہلوان کو دیا جاتا تھا جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا تھا۔ "ہزار مرد" کا مطلب تھا کہ یہ ایک آدمی ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔

اندرزغر اس دیو کو آگے کر کے مسلمانوں کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں میں اُس کے مقابلے میں اترنے والا کوئی نہ تھا۔ خالدؓ گھوڑے سے کود کر اُترے، تلوار نکالی اور "ہزار مرد" کے سامنے جا پہنچے۔ کچھ دیر

دونوں کی تلواریں ٹکراتی رہیں اور دونوں پینترے بدلتے رہے۔ آتش پرست پہلوان مست بھینسا لگتا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت تھی کہ اُس کا ایک وار انسان کو دو حصوں میں کاٹ دیتا۔ خالدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وار کم کر دیئے اور اُسے وار کرنے کا موقع دیتے رہے تاکہ وہ تھک جائے۔ اُس پر انہوں نے یہ ظاہر کیا جیسے وہ خود تھک کر چُور ہو گئے ہوں۔

ایرانی پہلوان خالدؓ کو کمزور اور تھکا ہُوا آدمی سمجھ کر اُن کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کبھی تلوار گھما کر، کبھی اوپر سے نیچے کو وار کرتا اور کبھی وار کرتا اور ہاتھ روک لیتا۔ وہ طنزیہ کلامی بھی کر رہا تھا۔ وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں لاپرواہ سا ہو گیا۔ ایک بار اُس نے تلوار یوں گھمائی جیسے خالدؓ کی گردن کاٹ دے گا۔ خالدؓ یہ وار اپنی تلوار پر روکنے کی بجائے تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔ پہلوان کا وار خالی گیا تو وہ گھُوم گیا۔ اس کا پہلو خالدؓ کے آگے ہو گیا۔ خالدؓ اسی کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے نوک کی طرف سے پہلوان کے پہلو میں تلوار کا اس طرح وار کیا کہ برچھی کی طرح تلوار اُس کے پہلو میں اُتار دی۔ وہ گرنے لگا تو خالدؓ نے اُس کے پہلو سے تلوار کھینچ کر ایسا ہی ایک اور وار کیا اور تلوار اُس کے پہلو میں دُور اندر تک لے گئے۔

طبری اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ پہلوان گرا اور مر گیا۔ خالدؓ اُس کے سینے پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ انہیں کھانا دیا جائے۔ انہیں کھانا دیا گیا جو اُنہوں نے "ہزار مرد" کی لاش پر بیٹھ کر کھایا۔ اس انفرادی معرکے نے مسلمانوں کے حوصلے میں جان ڈال دی۔

★

آتش پرست سالار اندرزغر نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمان تھک گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے حملے کا حکم دے دیا۔ اسے بجا طور پر اپنی فتح کی پوری امید تھی۔ آتش پرست سمندر کی موجوں کی طرح آئے۔ مسلمانوں کو اب پچھلے جانا تھا۔ انہوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ایک ایک مسلمان کا مقابلہ دس دس بارہ بارہ آتش پرستوں سے تھا۔ اب ہر مسلمان ذاتی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کے باوجود اُنہوں نے ڈسپلن کا دامن نہ چھوڑا اور بھگدڑ نہ مچنے دی۔

اس موقع پر بھی سپاہیوں کو خیال آیا کہ خالدؓ اپنے پہلوؤں کو اُس طریقے سے کیوں استعمال نہیں کرتے جو اُن کا مخصوص طریقہ تھا۔ خالدؓ خود سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے اور اُن کے کپڑوں پر خون تھا جو اُن کے کسی زخم سے نکل رہا تھا۔

چونکہ ایرانیوں کی نفری زیادہ تھی اس لیے جانی نقصان اُنہی کا زیادہ ہو رہا تھا۔ اندرزغر نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور تازہ دم دستوں سے دوسرا حملہ کیا۔ یہ حملہ زیادہ نفری کا تھا۔ مسلمان اُن میں نظر ہی نہیں آتے تھے۔ اندرزغر کا یہ عہد پورا ہو رہا تھا کہ ایک بھی مسلمان کو زندہ نہیں جانے دیں گے۔ اندرزغر نے مسلمانوں کا کام جلدی تمام کرنے کے لیے مزید دستوں کو ہلہ بولنے کا حکم دے دیا۔ اب تو مسلمانوں کے لیے بھاگ نکلنا بھی ممکن نہ رہا۔ وہ اب زخمی شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔

خالدؓ اس معرکے سے نکل گئے تھے۔ اُن کا عَلم بردار اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے عَلم اپنے ہاتھ میں لے کر اُوپر کیا اور ایک بار دائیں اور ایک بار بائیں کیا پھر عَلم عَلم بردار کو دے دیا۔ یہ ایک اشارہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی میدانِ جنگ کے پہلوؤں میں جو ٹیکریاں تھیں، ان میں سے دو ہزار گھوڑ سوار

نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جو اُنہوں نے آگے کر لیں۔ گھوڑے سرپٹ دوڑے آرہے تھے۔ وہ ایک ترتیب میں ہو کر آتش پرستوں کے عقب میں آ گئے۔ جنگ کے شور و غل میں آتش پرستوں کو اُس وقت پتہ چلا کہ اُن پر عقب سے حملہ ہو گیا ہے جب مسلمانوں کے گھوڑسوار اُن کے سر پر آ گئے تھے۔

یہ تھے مسلمانوں کے وہ سوار دستے جنہیں اندرزغر ڈھونڈ رہا تھا۔ خود خالدؓ کی سپاہ پوچھ رہی تھی کہ اپنے سوار دستے کہاں ہیں۔ خالدؓ نے اپنی نفری کی کمی اور دشمن کی نفری کی افراط دیکھ کر یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ رات کو تمام گھوڑسواروں کو ٹیکری کے عقب میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اپنی فوج کو بھی پتہ نہ چل سکے۔ اُن کے لیے عَلَم کے دائیں بائیں ہلنے کا اشارہ مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کو ایسی جگہ چھپایا گیا تھا جو دشمن سے ڈیڑھ میل کے لگ بھگ دُور تھی۔ وہاں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رات کو گھوڑوں کے منہ باندھ دیئے گئے تھے۔ ان دو ہزار گھوڑسواروں کے کماندار بُسر بن ابی رہم اور سعید بن مرّہ تھے۔ جب صبح لڑائی شروع ہوئی تھی تو ان دونوں کمانداروں نے گھوڑسواروں کو پابرکاب کر دیا اور خود ایک ٹیکری پر کھڑے ہو کر اشارے کا انتظار کرتے رہے تھے۔

آتش پرستوں پر عقب سے قیامت ٹوٹی تو خالدؓ نے اگلی چال چلی جو پہلے سے طے کی ہوئی تھی۔ پہلوؤں کے سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم نے لڑتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھا ہوا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے۔ جب گھوڑسواروں نے عقب سے دشمن پر ہلّہ بولا تو پہلوؤں کے اِن دونوں سالاروں نے اپنے اپنے پہلو پھیلا کر آتش پرستوں کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے خالدؓ نے اپنا محفوظہ بھی معرکے میں پہلے ہی جھونک دیا تھا۔

آتش پرستوں کے فتح کے نعرے آہ و بکا میں تبدیل ہو گئے۔ مسلمان گھوڑسواروں کی برچھیاں انہیں کاٹتی اور گراتی جارہی تھیں۔ دشمن میں بھگدڑ تو اُن ہزاروں عیسائیوں نے مچائی جنہیں جنگ کا تجربہ نہیں تھا، اور اس بھگدڑ میں اضافہ دشمن کے اُن سپاہیوں نے کیا جو پہلے معرکوں سے بھاگے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اب مسلمانوں کے نعرے گرج رہے تھے۔ جنگ کا پانسہ ایسا پلٹا کہ زرتشت کی آگ سرد ہو گئی۔ بعض مؤرخوں نے ولجہ کے معرکے کو ولجہ کا جہنم لکھا ہے۔ آتش پرستوں کے لیے یہ معرکہ جہنم سے کم نہ تھا۔ اتنا بڑا لشکر ڈری ہوئی بھیڑ بکریوں کی صورت اختیار کر گیا۔ وہ بھاگ رہے تھے کٹ رہے تھے۔ گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اندرزغر زندہ بھاگ گیا لیکن مدائن کی طرف جانے کی بجائے اُس نے صحرا کا رُخ کر لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ واپس گیا تو اُردشیر اُسے جلاّد کے حوالے کر دے گا۔ وہ صحرا میں بھٹکتا رہا اور بھٹک بھٹک کر مر گیا۔

دوسرے آتش پرست سالار بہمن جاذویہ کی فوج ابھی تک ولجہ نہیں پہنچی تھی۔ مسلمانوں کو ایسا ہی ایک اور معرکہ لڑنا تھا۔

آتش پرستوں کے دوسرے سالار بہمن جاذویہ کو بھی وجہ پہنچنا تھا اور کسریٰ اُردشیر کے حکم کے مطابق اُس کے لشکر کو اپنے ساتھی سالار اندرزغر کے لشکر کے ساتھ مل کر خالدؓ کے لشکر پر حملہ کرنا تھا مگر وہ وجہ سے کئی میل دور تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ اور اندرزغر مسلمانوں کو تو کچل ہی دیں گے۔ جلدی کیا ہے۔ اُس کا لشکر آخری پڑاؤ سے چلنے لگا تو چار پانچ سپاہی پڑاؤ میں داخل ہُوئے۔ ان میں دو زخمی تھے اور جو زخمی نہیں تھے، اُن کی سانسیں پھولی ہُوئی تھیں۔ تھکن اتنی کہ وہ قدم گھسیٹ رہے تھے۔ چہروں پر خوف اور شب بیداری کے تاثرات تھے اور ان تاثرات پر دُھول کی تہہ چڑھی ہُوئی تھی۔

"کون ہو تم؟" — اُن سے پوچھا گیا۔ "کہاں سے آرہے ہو؟"

"ہم سالار اندرزغر کے لشکر کے سپاہی ہیں" — ان میں سے ایک نے تھکن اور خوف سے کانپتی ہُوئی آواز میں کہا۔

"سب مارے گئے ہیں" — دوسرے نے کہا۔

"وہ انسان نہیں ہیں" — ایک اور کراہتے ہُوئے بولا — "تم نہیں مانوگے.... تم یقین نہیں کروگے دوستو!"

"یہ جھوٹ بولتے ہیں" — جاذویہ کے لشکر کے ایک کماندار نے کہا — "یہ بھگوڑے ہیں اور سب کو ڈرا کر بے قصور بن رہے ہیں۔ انہیں سالار کے پاس لے چلو۔ ہم ان کے سر قلم کر دیں گے۔ یہ بُزدل ہیں۔"

انہیں سالار بہمن جاذویہ کے سامنے لے گئے۔

"تم کون سی لڑائی لڑ کر آرہے ہو؟" — جاذویہ نے کہا — "لڑائی تو ابھی شروع ہی نہیں ہُوئی۔ میرا لشکر تو ابھی...."

"محترم سالار!" — ایک نے کہا — "جس لڑائی میں آپ نے شامل ہونا تھا وہ ختم ہو چکی ہے۔ سالار اندرزغر لاپتہ ہیں۔ ہمارا تیغ زن پہلوان ہزار مرد مسلمانوں کے سالار کے ہاتھوں مارا گیا ہے.... ہم جیت رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس گھوڑسوار دستے تھے ہی نہیں۔ ہمیں حکم ملا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو کاٹ دو۔ اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ہم ان کے جسموں کی بوٹیاں بکھیرنے کے لیے نعرے لگاتے اور خوشی کی چیخیں بلند کرتے آگے بڑھتے۔ جب ہم اُن سے اُلجھ گئے تو ہمارے پیچھے سے نہ جانے کتنے ہزار گھوڑسوار ہم پر آپڑے۔ پھر ہم میں سے کسی کو اپنی ہوش نہ رہی۔"

"سالارِ عالی مقام!" — زخمی سپاہی نے ہانپتے ہُوئے کہا — "سب سے پہلے ہمارا جھنڈا گرا۔ کوئی حکم دینے والا نہ رہا۔ ہر طرف نفسا نفسی اور بھگدڑ تھی۔ مجھے اپنوں کی صرف لاشیں نظر آتی تھیں۔"

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ اتنے بڑے لشکر کو اتنے چھوٹے لشکر نے شکست دی ہے"۔ جاذویہ نے کہا۔ اتنے میں اُسے اطلاع دی گئی کہ چند اور سپاہی آ گئے ہیں۔ انہیں بھی اُس کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ یہ تیرہ چودہ سپاہی تھے۔ اُن کی حالت اتنی بُری تھی کہ تین چار گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گئے۔

"تم مجھے ان میں سب سے زیادہ پرانے سپاہی نظر آتے ہو"۔ جاذویہ نے ایک ادھیڑ عمر سپاہی سے جس کا جسم توانا تھا، کہا۔ "کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میں نے جو سُنا ہے یہ کہاں تک سچ ہے؟ ..... تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ بزدلی کی، میدانِ جنگ سے بھاگ آنے کی اور جھوٹ بولنے کی سزا کیا ہے"؟

"اگر آپ نے یہ سنا ہے کہ سالار اندرزغر کی فوج مدینہ کی فوج کے ہاتھوں کٹ گئی ہے تو ایسے ہی سچ ہے جیسے آپ سالار ہیں اور میں سپاہی ہوں"۔ اس پرانے سپاہی نے کہا۔ "اور یہ ایسے ہی سچ ہے جیسے وہ آسمان پر سورج ہے اور ہم سب زمین پر کھڑے ہیں..... میں نے مسلمانوں کے خلاف یہ تیسری لڑائی لڑی ہے۔ ان کی نفری تینوں لڑائیوں میں کم تھی..... بہت کم تھی..... زرتشت کی قسم! میں جھوٹ بولوں تو یہ آگ مجھے جلا دے جس کی میں پُوجا کرتا ہوں۔ اُن کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے جو نظر نہیں آتی۔ اُن کی یہ طاقت اُس وقت ہم پر حملہ کرتی ہے جب انہیں شکست ہونے لگتی ہے۔

"مجھے اس لڑائی کا بتاؤ"۔ سالار بہمن جاذویہ نے کہا۔ "تمہارے لشکر کو شکست کس طرح ہوئی"؟

اس سپاہی نے پُوری تفصیل سے سنایا کہ کس طرح مسلمان اچانک سامنے آ گئے اور اُنہوں نے حملہ کر دیا اور اس کے بعد یہ معرکہ کس طرح لڑا گیا۔

"اُن کی وہ جو طاقت ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے"۔ سپاہی نے کہا۔ "وہ گھوڑ سوار دستے کی صورت میں سامنے آئی۔ اس دستے میں ہزاروں گھوڑے تھے۔ ان کے حملے سے پہلے یہ گھوڑے کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ اتنے ہزار گھوڑوں کو کہیں چھپایا نہیں جا سکتا۔ ہمارے پیچھے دریا تھا گھوڑے دریا کی طرف سے آئے اور ہمیں اُس وقت پتہ چلا جب مسلمان سواروں نے ہمیں کاٹنا اور گھوڑوں تلے روندنا شروع کر دیا تھا..... عالی مقام! یہ ہے وہ طاقت جس کی میں بات کر رہا ہوں"۔

◀

"تم میں ایمان کی طاقت ہے"۔ خالدؓ اپنے لشکر سے خطاب کر رہے تھے۔ "یہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا فرمان ہے کہ تم میں صرف بیس ایمان والے ہُوئے تو وہ دو سو کفّار پر غالب آئیں گے"۔

آتش پرستوں کا لشکر اور اُن کے ساتھی عیسائی بھاگ کر دُور نکل گئے تھے۔ میدانِ جنگ میں لاشیں بکھری ہُوئی تھیں اور ایک طرف مالِ غنیمت کا انبار لگا ہُوا تھا۔ خالدؓ اس انبار کے قریب اپنے گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے خطاب کر رہے تھے۔

"خدا کی قسم!"۔ خالدؓ کہہ رہے تھے۔ "قرآن کا فرمان تم سب نے عملی صُورت میں دیکھ لیا ہے۔ کیا تم آتش پرستوں کے لشکر کو دیکھ کر گھبرا نہیں گئے تھے؟ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ یہ کمال خالدؓ بن ولید کا تھا کہ اُس نے اپنے سواروں کو چھپا کر رکھا ہُوا تھا اور انہیں اُس وقت استعمال کیا جب دشمن مسلمانوں کو کاٹنے اور کچلنے کے لیے آگے بڑھ آیا تھا..... لیکن میں کہتا ہُوں کہ یہ کرشمہ ایمان کی قوت کا

تھا۔ خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لاتے ہیں۔ میرے دوستو! ہمیں اور آگے جانا ہے۔ یہ آتش پرستوں کی نہیں، اللہ کی سرزمین ہے اور ہمیں زمین کے آخری سرے تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔"

میدانِ جنگ فتح ونصرت کے نعروں سے گونج رہا تھا۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنی سپاہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ معلوم ہُوا کہ اب کے مالِ غنیمت پہلی دونوں جنگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ خالدؓ نے حسبِ معمول مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے مدینہ بھجوا دیا۔

اُس وقت تک آتش پرستوں کے سالار بہمن جاذویہ کو پوری طرح یقین آ گیا تھا کہ اندرزغر کا لشکر مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گیا ہے اور اندرزغر ایسا بھاگا ہے کہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ بہمن جاذویہ نے اپنے ایک سالار جابان کو بلایا۔

"تم اندرزغر کا انجام سن چکے ہو" — جاذویہ نے کہا — "ہمارے لیے کسریٰ کا حکم یہ تھا کہ ہم ولجہ میں اندرزغر کے لشکر سے جا ملیں۔ اب وہ صورت ختم ہو گئی ہے۔ کیا تم نے سوچا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"ہم اور جو کچھ بھی کریں" — جابان نے کہا — "ہمیں بھاگنا نہیں چاہیے۔"

"لیکن جابان!" — جاذویہ نے کہا — "ہمیں اب کوئی کارروائی اندھا دھند بھی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان ہمیں تیسری بار شکست دے چکے ہیں۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ وہ وقت گزر گیا ہے جب ہم مدینہ کے لشکر کو صحرائی لٹیرے اور بدّو کہا کرتے تھے؟ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہو گا۔"

"ہماری ان تینوں شکستوں کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا جو بھی سالار مدینہ والوں سے ٹکر لینے گیا، وہ اس انداز سے گیا جیسے وہ چند ایک صحرائی قزاقوں کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہو" — جابان نے کہا — "جو بھی گیا وہ دشمن کو حقیر اور کمزور جان کر گیا۔ ہماری آنکھیں پہلی شکست میں ہی کھل جانی چاہئیں تھیں لیکن ایسا نہ ہُوا.... آپ نے بھی تو کچھ سوچا ہو گا۔"

"سب سے پہلی سوچ تو مجھے یہ پریشان کر رہی ہے" — جاذویہ نے کہا — "کہ کسریٰ اُردشیر بیمار پڑا ہے۔ میں جانتا ہوں اُسے پہلی دو شکستوں کے صدمے نے بستر پر ڈال دیا ہے۔ ایک اور شکست کی خبر اُسے لے ڈوبے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شکست کی خبر پہنچانے والے کو وہ قتل ہی کرا دے۔"

"لیکن جاذویہ!" — جابان نے کہا — "ہم کسریٰ کی خوشنودی کے لیے نہیں لڑ رہے ہمیں زرتشت کی عظمت اور آن کی خاطر لڑنا ہے۔"

"میں تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں جابان!" — جاذویہ نے کہا — "تم دیکھ رہے ہو کہ کسریٰ نے ہمیں جو حکم دیا تھا وہ بے مقصد ہو چکا ہے۔ میں مدائن چلا جاتا ہوں۔ کسریٰ سے نیا حکم لوں گا۔ میں اُس کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے بھی یہ کہنے کی عادت ہو گئی ہے کہ جاؤ اور مسلمانوں کو کچل ڈالو۔ اُسے ابھی تک کسی نے بتایا نہیں کہ جنگی طاقت صرف ہمارے پاس نہیں۔ میں نے مان لیا ہے کہ لڑنے کی جتنی اہلیت اور جتنا جذبہ مسلمانوں میں ہے وہ ہمارے ہاں ناپید ہے.... جابان! طاقت کے گھمنڈ سے کسی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔"

"میں بھی اسی کو بہتر سمجھوں گا"۔۔۔ جابان نے کہا۔۔۔"آپ کوچ کو روک دیں اور مدائن چلے جائیں۔"
"کوچ روک دو"۔۔۔ جاذویہ نے حکم کے لہجے میں کہا۔۔۔"لشکر کو یہیں خیمہ زن کر دو۔ میری واپسی تک تم لشکر کے سالار ہو گے۔"

"اگر آپ کی غیر حاضری میں مسلمان یہاں تک پہنچ گئے یا اُن سے آمنا سامنا ہو گیا تو میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟"۔۔۔ جابان نے پوچھا۔۔۔"کیا میں اُن سے لڑوں یا آپ کے آنے تک جنگ شروع نہ کروں؟"

"تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ میری واپسی تک تصادم نہ ہو"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔

آتش پرستوں کے لشکر کا کوچ روک کر اسے وہیں خیمہ زن کر دیا گیا اور بہمن جاذویہ اپنے محافظ دستے کے چند ایک گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر مدائن کو روانہ ہو گیا۔

▼

بکر بن وائل کی بستیوں میں ایک طرف گریہ وزاری تھی اور دوسری طرف جوش وخروش اور جذبۂ انتقام کی للکار۔ اس عیسائی قبیلے کے وہ ہزاروں آدمی جو للکارتے اور نعرے لگاتے ہوئے آتش پرست لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکالنے گئے تھے، وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنی بستیوں کو چلے گئے تھے۔ یہ وہ تھے جو زندہ نکل گئے تھے۔ ان کے کئی ساتھی مارے گئے تھے۔ ان میں بعض زخمی تھے جو اپنے آپ کو گھسیٹتے آ رہے تھے مگر راستے میں مر گئے تھے۔

یہ عیسائی جب سر جھکاتے ہوئے اپنی بستیوں میں پہنچنے لگے تو گھر گھر سے عورتیں، بچے اور بوڑھے نکل آئے۔ ان شکست خوردہ ٹولیوں میں عورتیں اپنے بیٹوں، بھائیوں اور خاوندوں کو ڈھونڈنے لگیں۔ بچے اپنے باپوں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہیں پہلا صدمہ تو یہ ہوا کہ وہ پٹ کر لوٹے تھے، پھر صدمہ انہیں ہوا جن کے عزیز واپس نہیں آئے تھے۔ بستیوں میں عورتوں کی آہ وفغاں سنائی دینے لگی۔ وہ اونچی آواز میں روتی تھیں۔

"پھر تم زندہ کیوں آ گئے ہو؟"۔۔۔ ایک عورت نے شکست کھا کر آنے والوں سے چلا چلا کر کہا۔۔۔"تم اُن کے خون کا بدلہ لینے کے لیے وہیں کیوں نہیں رہے؟"

یہ آواز کئی عورتوں کی آواز بن گئی، پھر عورتوں کی یہی للکار سنائی دینے لگی۔۔۔"تم نے بکر بن وائل کا نام ڈبو دیا ہے۔ تم نے اُن مسلمانوں سے شکست کھائی ہے جو اسی قبیلے کے ہیں۔۔۔۔ جاؤ اور شکست کا انتقام لو۔۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ کا سر کاٹ کر لاؤ جس نے ایک ہی قبیلے کو دو دھڑوں میں کاٹ دیا ہے۔"

مثنیٰ بن حارثہ اسی قبیلے کا ایک سردار تھا۔ اُس نے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُس کے زیرِ اثر اس قبیلے کے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان مسلمانوں میں سے کئی خالدؓ کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح ایک ہی قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔

طبری اور ابنِ قطیبہ نے لکھا ہے کہ شکست خوردہ عیسائی اپنی عورتوں کے طعنوں اور اُن کی للکار سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے کہ عیسائیوں

کو اس لیے بھی طیش آیا تھا کہ ان کے اپنے قبیلے کے کئی ایسے افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن وہی افراد اسلامی فوج میں جا کر ایسی طاقت بن گئے تھے کہ فارس جیسی طاقتور شہنشاہی کو نہ صرف للکار رہے تھے بلکہ اُسے تیسری شکست دے چکے تھے۔

"اب ان لوگوں کو اپنے مذہب میں واپس لانا بہت مشکل ہے"— بکر بن وائل کے ایک سردار عبدالاسود عجلی نے کہا۔"ان کا ایک ہی علاج ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے"۔

عبدالاسود بنو عجلان کا سردار تھا۔ یہ بھی بکر بن وائل کی شاخ تھی اس لیے وہ عجلی کہلاتا تھا۔ مانا ہُوا جنگجو عیسائی تھا۔

"کیا تم مسلمانوں کے قتل کو آسان سمجھتے ہو؟"— ایک بوڑھے عیسائی نے کہا۔"میدانِ جنگ میں تم اُنہیں پیٹھ دکھا آتے ہو"۔

"میں ایک مشورہ دیتا ہوں"— اس قبیلے کے ایک اور بڑے نے کہا۔"ہمارے ساتھ جو مسلمان رہتے ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے۔ پہلے انہیں کہا جائے کہ عیسائیت میں واپس آجائیں اگر انکار کریں تو انہیں خفیہ طریقوں سے قتل کیا جائے"۔

"نہیں"— عبدالاسود نے کہا۔"کیا تم بھول گئے ہو کہ ہمارے قبیلے کے ان مسلمانوں نے خفیہ کارروائیوں سے فارس کی شہنشاہی میں کیسی تباہی مچائی تھی۔ اُنہوں نے کتنی دلیری سے فارس کی فوجی چوکیوں پر حملے کیے تھے۔ انہوں نے کسریٰ کی رعایا ہو کر کسریٰ کی فوج کے کئی کمانداروں کو قتل کر دیا تھا۔ اگر تم نے یہاں کسی ایک مسلمان کو خفیہ طریقے سے قتل کیا تو مثنیٰ بن حارثہ کا گروہ خفیہ طریقوں سے تمہارے بچے بچے کو قتل کر جائے گا اور تمہارے گھروں کو آگ لگا دے گا۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئیگا"۔

"پھر ہم انتقام کس طرح لیں گے؟"— ایک نے پوچھا۔"تمہارے لیے تو انتقام بہت ہی ضروری ہے کیونکہ تمہارے دو جوان بیٹے ولجہ کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں"۔

"شہنشاہِ فارس اور مسلمانوں کی اپنی جنگ ہے"— عبدالاسود نے کہا۔"ہم اپنی جنگ لڑیں گے لیکن فارس کی فوج کی مدد کے بغیر شاید ہم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکیں گے۔ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں مدائن جا کر شہنشاہِ فارس سے ملوں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ ہمیں مدد دے گا۔ اگر اُس نے مدد نہ دی تو ہم اپنی فوج بنا کر لڑیں گے۔ تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے مسلمانوں سے اپنے دو بیٹوں کے خون کا حساب چکانا ہے"۔

عیسائیوں کے سرداروں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ جس قدر لوگ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو سکیں وہ دریائے فرات کے کنارے اُلّیس کے مقام پر اکٹھے ہو جائیں اور ان کا سردارِ اعلیٰ عبدالاسود عجلی ہو گا۔ قبیلہ بکر بن وائل اور اس کے ذیلی قبیلوں کے جذبات بھڑکے ہُوئے تھے۔ ان کے زخم تازہ تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کے گھروں میں ماتم ہو رہا تھا۔ ان حالات اور اس جذباتی کیفیت میں نوجوان بھی اور وہ بوڑھے بھی جو اپنے آپ کو لڑنے کے قابل سمجھتے تھے، لڑنے کے لیے نکل آئے۔ یہ لوگ اس قدر بھڑکے ہُوئے تھے کہ جوان لڑکیاں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

عراقی عیسائیوں کے عزائم جنگی تیاریاں اور الیّس کے مقام پر اُن کا ایک فوج کی صُورت میں اجتماع خالدؓ سے پوشیدہ نہیں تھا۔ خالدؓ کی فوج وہاں سے دُور تھی لیکن انہیں دشمن کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع مِل رہی تھی۔ اُن کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہُوئے تھے۔ عیسائیوں کے علاقے میں عرب کے مسلمان بھی رہتے تھے۔ اُن کی ہمدردیاں مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کو دیکھ کر انہیں آتش پرستوں سے آزادی اور دہشت گردی سے نجات بڑی صاف نظر آنے لگی تھی۔ وہ دل وجان سے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ وہ کسی کے حکم کے بغیر خالدؓ کے لیے جاسوسی کر رہے تھے۔

خالدؓ کے لشکر کے حوصلے بلند تھے۔ اتنی بڑی جنگی طاقت پر مسلسل تین فتوحات نے اور بیشمار مالِ غنیمت نے اور اسلامی جذبے نے اُن کے حوصلوں کو تروتازہ رکھا ہُوا تھا لیکن خالدؓ جانتے تھے کہ اُن کے مجاہدین کی جسمانی حالت ٹھیک نہیں۔ مجاہدین کے لشکر کو آرام مِلا ہی نہیں تھا۔ وہ کوچ اور پیش قدمی کی حالت میں رہے یا میدانِ جنگ میں لڑتے رہے تھے۔

"انہیں مکمل آرام کرنے دو"— خالدؓ اپنے سالاروں سے کہہ رہے تھے —"اِن کی ہڈیاں بھی دُکھ رہی ہوں گی۔ جتنے بھی دن ممکن ہو سکا میں انہیں آرام کی حالت میں رکھوں گا.... اور اُن دستوں کو بھی یہیں بلا لو جنہیں ہم دجلہ کے کنارے دشمن پر نظر رکھنے کے لیے چھوڑ آئے تھے.... تم میں مجھے مثنیٰ بن حارثہ نظر نہیں آرہا۔"

"وہ گذشتہ رات سے نظر نہیں آیا"— ایک سالار نے جواب دیا۔

ایک گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے جو قریب آرہے تھے۔ گھوڑا خالدؓ کے خیمے کے قریب آکر رکا۔

"مثنیٰ بن حارثہ آیا ہے"— کسی نے خالدؓ کو بتایا۔

مثنیٰ گھوڑے سے کود کر اُترا اور دوڑتا ہُوا خالدؓ کے خیمے میں داخل ہُوا۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ولید کے بیٹے!"— مثنیٰ نے پُرجوش آواز میں کہا اور بیٹھنے کی بجائے خیمے میں ٹہلنے لگا۔

"خدا کی قسم ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے مُسکراتے ہُوئے کہا —"تیری چال ڈھال اور تیرا جوش بتا رہا ہے کہ تجھے کہیں سے خزانہ مِل گیا ہے۔"

"خزانے سے زیادہ قیمتی خبر لایا ہوں ابنِ ولید!"— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا —"میرے قبیلے کے عیسائیوں کا ایک لشکر تیار ہو کر الیّس کے مقام پر جمع ہونے کے لیے چلا گیا ہے۔ ان کے سرداروں نے دروازے بند کر کے ہمارے خلاف جو منصوبہ بنایا ہے وہ مجھ تک پہنچ گیا۔"

"کیا یہی خبر لانے کے لیے تُو رات سے کسی کو نظر نہیں آیا؟"— خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں"— مثنیٰ نے جواب دیا —"وہ میرا قبیلہ ہے۔ میں جانتا تھا کہ میرے قبیلے کے لوگ انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ میں اپنا حُلیہ بدل کر اُن کے پیچھے چلا گیا تھا۔ جس مکان میں بیٹھ کر اُنہوں نے ہمارے خلاف لڑنے کا منصوبہ بنایا ہے، میں اُس کے ساتھ والے مکان میں بیٹھا ہُوا تھا۔ میں وہاں سے پوری خبر لے کر نکلا ہوں .... دوسری اطلاع یہ ہے کہ اُن کے سردار اس مقصد کے لیے مدائن چلے

گئے ہیں کہ وہ اُردشیر سے فوجی مدد لے کر ہم پر حملہ کریں گے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ میں اپنے لشکر کو آرام کی مہلت نہیں دے سکوں گا" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ جس طرح ہم نے ولجہ میں آتش پرستوں کو تیاری کی مہلت نہیں دی تھی اسی طرح ہم عیسائیوں اور آتش پرستوں کے اجتماع سے پہلے ہی اُن پر حملہ کر دیں؟"

"خدا تیری عمر دراز کرے ابنِ ولید!" ـــ مثنیٰ نے کہا ـــ "طریقہ یہی بہتر ہے کہ دشمن کا سر اُٹھنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔"

خالدؓ نے اپنے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا جیسے وہ اُن سے مشورہ مانگ رہا ہو۔

"ہونا تو ایسا ہی چاہیئے" ـــ سالار عاصم بن عمرو نے کہا ـــ "لیکن لشکر کی جسمانی حالت دیکھ لیں۔ کیا ہمارے لیے یہ فائدہ مند نہ ہوگا کہ کم از کم دو دِن لشکر کو آرام کرنے دیں؟"

"ہاں ابنِ ولید!" ـــ دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا ـــ "کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی تین فتوحات کے نشے میں ہمیں شکست کا مُنہ دیکھنا پڑے۔"

"ابنِ حاتم!" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "میں تیرے اتنے اچھے مشورے کی تعریف کرتا ہوں، لیکن یہ بھی سوچ کہ ہم نے دو دن عیسائیوں کو دے دیئے تو کیا ایسا نہیں ہوگا کہ فارس کا لشکر اُن سے آملے؟"

"ایسا ہو سکتا ہے" ـــ عدی بن حاتم نے کہا ـــ "لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آتش پرستوں کے لشکر کو آنے دیں۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بکر بن وائل کے عیسائیوں سے اُلجھے ہوئے ہوں اور آتش پرست عقب سے ہم پر آپڑیں۔ جس جس کو ہمارے خلاف لڑنا ہے اُسے اس میدان میں آنے دیں جہاں وہ لڑنا چاہتے ہیں۔"

"ابنِ ولید!" ـــ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ـــ "کیا تو مجھے اجازت نہیں دے گا کہ عیسائیوں پر حملے کی پہل میں کروں؟"

"تو نے ایسا کیوں سوچا ہے؟" ـــ خالدؓ نے پُوچھا۔

"اس لیے کہ جتنا انہیں میں جانتا ہُوں اور کوئی نہیں جانتا" ـــ مثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا ـــ "اور میں اس لیے بھی سب سے آگے ہو کر اُن پر حملہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے منصُوبے میں یہ بھی شامل ہے کہ اُن کے قبیلے کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے انہیں قتل کر دیا جائے۔ میں انہیں کہوں گا کہ دیکھو کون کِسے قتل کر رہا ہے۔"

"اِس وقت ہماری نفری کتنی ہے؟" ـــ خالدؓ نے پوچھا۔

"اٹھارہ ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہو گی" ـــ ایک سالار نے جواب دیا۔

"جب ہم فارس کی سرحد میں داخل ہُوئے تھے تو ہماری نفری اٹھارہ ہزار ہی تھی" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "اس علاقے کے مسلمانوں نے میری نفری کم نہیں ہونے دی۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ان تین جنگوں میں بہت سے مسلمان شہید اور شدید زخمی ہُوئے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ نفری تقریباً آدھی رہ گئی تھی، لیکن مثنیٰ بن حارثہ کے قبیلے نے نفری کی کمی پُوری کر دی تھی۔

آتش پرستوں کا سالار بہمن جاذویہ اُردشیر سے نیا حکم لینے کے لیے مدائن پہنچ چکا تھا لیکن شاہی طبیب نے اُسے روک لیا۔

"اگر کوئی اچھی خبر لائے ہو تو اندر چلے جاؤ"۔۔۔ طبیب نے کہا ۔۔۔ "اگر خبر اچھی نہیں تو میں تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

"خبر اچھی نہیں"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "ہماری فوج تیسری بار شکست کھا چکی ہے۔ اندرزغر ایسا بھاگا ہے کہ لاپتہ ہو گیا ہے"۔

"جاذویہ!"۔۔۔ طبیب نے کہا۔۔۔ "اُردشیر کے لیے اس سے زیادہ بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اندرزغر کو تو کسریٰ اُردشیر اپنی جنگی طاقت کا سب سے زیادہ مضبوط ستون سمجھتا تھا۔ جب سے یہ سالار گیا ہے شہنشاہ دن میں کئی بار پوچھتا رہا کہ اندرزغر مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال کر واپس آیا ہے یا نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے بھی اُس نے پوچھا تھا"۔

"محترم طبیب!"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "کیا ہم ایک حقیقت کو چھپا کر غلطی نہیں کر رہے ہیں؟ کسریٰ کو کسی نہ کسی دن تو پتہ چل ہی جائے گا"۔

"جاذویہ!"۔۔۔ طبیب نے کہا۔۔۔ "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم نے یہ خبر شہنشاہ کو سنائی تو اُس کا خون تمہاری گردن پر ہو گا"۔

جاذویہ وہیں سے لوٹ گیا لیکن اپنے لشکر کے پاس جانے کی بجائے اس خیال سے مدائن میں رُکا رہا کہ اُردشیر کی صحت ذرا بہتر ہو گی تو وہ اُسے خود شکست کی خبر سنائے گا اور اُس کے ساتھ وعدہ کرے گا کہ وہ مسلمانوں سے تینوں شکستوں کا انتقام لے گا۔

اُس روز یا ایک دو روز بعد عیسائیوں کا ایک وفد اردشیر کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کا طبیب اور شاہی خاندان کا کوئی بھی فرد قبل از وقت نہ جان سکا کہ یہ وفد کس مقصد کے لیے آیا ہے۔ اردشیر کو چونکہ معلوم تھا کہ عیسائیوں نے اُس کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی ہے اس لیے اُس نے بڑی خوشی سے ان عیسائیوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس وفد نے اردشیر کو پہلی خبر یہ سنائی کہ سالار اندرزغر شکست کھا گیا ہے۔

"اندرزغر شکست نہیں کھا سکتا"۔۔۔ اردشیر نے ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ "کیا تم لوگ مجھے یہ جھوٹی خبر سنانے آئے ہو؟ ۔۔۔ کہاں ہے اندرزغر؟ اگر اُس کی شکست کی خبر صحیح ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ جس روز وہ مدائن میں قدم رکھے گا، وہ اُس کی زندگی کا آخری روز ہو گا"۔

"ہم جھوٹی خبر سنانے نہیں آئے"۔۔۔ وفد کے سربراہ نے کہا۔۔۔ "ہم آپ کی اس تیسری شکست کو فتح میں بدلنے کا عہد لے کر آئے ہیں لیکن آپ کی مدد کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے"۔

اُردشیر کچھ دیر چپ چاپ خلاء میں گھورتا رہا۔ اُس کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بہت کمزور ہو چکا تھا۔ دوا دارو کا اُس پہ اُلٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اب تیسری شکست کی خبر نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اُس کا طبیب اُس کے پاس کھڑا تھا۔

"کسریٰ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے"۔۔۔ طبیب نے کہا۔۔۔ "معزز مہمان اِس وقت چلے جائیں تو کسریٰ کے لیے بہتر ہو گا"۔

عیسائیوں کا وفد اٹھ کھڑا ہُوا۔

"ٹھہرو!" — اُردشیر نے نحیف آواز میں کہا — "تم لوگوں نے شکست کو فتح میں بدلنے کی بات کی تھی۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"اپنے کچھ دستے جن میں سوار زیادہ ہوں، ہمیں دے دیں" — وفد کے سردار نے کہا — "ہمارا پُورا قبیلہ الیّس پہنچ گیا ہوگا۔"

"جو مانگو گے دوں گا" — اُردشیر نے کہا — "بہمن جاذویہ کے پاس چلے جاؤ اور اُس کا لشکر اپنے ساتھ لے لو۔ جاذویہ ولجہ کے قریب کہیں ہوگا۔"

"بہمن جاذویہ مدائن میں ہے" — کسی نے اُردشیر کو بتایا — "وہ شہنشاہ کے پاس آیا تھا لیکن طبیب نے اُسے آپ تک نہیں آنے دیا۔"

"اُسے بلاؤ" — اُردشیر نے حکم دیا — "مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

▼

جب جاذویہ اُردشیر کو بتا رہا تھا کہ اُسے میدانِ جنگ تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں ملا، اُس وقت الیّس میں صُورتِ حال کچھ اور ہو چکی تھی۔ جاذویہ اپنے دوسرے سالار جابان کو لشکر دے آیا تھا اور اُس نے جابان سے کہا تھا کہ وہ اُس کی واپسی تک مسلمانوں سے لڑائی سے گریز کرے۔

جابان الیّس کے کہیں قریب تھا۔ اُسے ایک اطلاع یہ ملی کہ عیسائیوں کا ایک لشکر الیّس کے گرد و نواح میں جمع ہے اور دوسری اطلاع یہ ملی کہ مسلمانوں کا لشکر الیّس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جابان کے لیے حکم تو کچھ اور تھا لیکن اس اطلاع پر کہ مسلمان پیش قدمی کر رہے ہیں، وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اُس نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دیا اور الیّس کا رُخ کر لیا۔

ابھی جاذویہ واپس نہیں آیا تھا۔ جابان تک اُردشیر کا بھی کوئی حکم نہیں پہنچا تھا چونکہ وہ وہاں موجود تھا اس لیے یہ اُس کی ذمّہ داری تھی کہ مسلمانوں کو روکے۔ تاریخ میں بکر بن وائل کے اُن عیسائیوں کی تعداد کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جو الیّس میں لڑنے کے لیے پہنچے تھے۔ اُن کا سردار اور سالارِ اعلیٰ عبدالاسود عجلی تھا۔ وہ مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

خالدؓ انتظار کرنے والے سالار نہیں تھے۔ اُنہوں نے اپنی فوج کو تھوڑا سا آرام دینا ضروری سمجھا تھا، پھر اُنہوں نے الیّس کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا۔ رفتار معمول سے کہیں زیادہ تیز رکھی۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے جانبازوں کا دستہ لیے باقی لشکر سے الگ تھلگ جا رہا تھا۔

"اللہ کے سپاہیو!" — مثنیٰ نے راستے میں اپنے دستے سے کہا — "یہ لڑائی تم اُس طرح لڑو گے جس طرح ہم کسریٰ کی سرحدی چوکیاں تباہ کرنے کے لیے لڑتے رہے ہیں.... چھاپہ مار لڑائی.... شب خون.... تم اُن لوگوں سے لڑنے جا رہے ہو جو تمہاری طرح لڑنا نہیں جانتے۔ انہیں تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے ہی قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہم انہیں بھگا بھگا کر لڑائیں گے اسی لیے میں نے تمہیں لشکر سے الگ کر لیا ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہم اسی لشکر کے سالار کے ماتحت ہیں اور یہ بھی خیال رکھنا کہ یہ مذاہب کی جنگ ہے۔ دو باطل عقیدے تمہارے مقابلے میں ہیں تمہیں ثابت کرنا ہے کہ خدا تمہارے

ساتھ ہے.... خدا کی قسم! یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف ہمیشہ مخبری کی اور آتش پرستوں کے ہاتھوں ہمارے گھروں کو نذرِ آتش کرایا ہے۔"

سواروں کا یہ دستہ پُرجوش نعرے لگانے لگا، لیکن مثنیٰ نے روک دیا اور کہا کہ خاموشی برقرار رکھنی ہے، دشمن کو اُس وقت پتہ چلے کہ ہم آ گئے ہیں جب ہماری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں۔

▼

عیسائیوں کا لشکر اُلیّس کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہوشیار! دشمن آ رہا ہے" ــــ عیسائی لشکر کے سنتریوں نے واویلا بپا کر دیا ــــ "خبردار! ہوشیار! تیار ہو جاؤ۔"

ہڑبونگ مچ گئی۔ اُن کے سرداروں نے درختوں پر چڑھ کر دیکھا۔ ایک لشکر چلا آ رہا تھا۔ سرداروں نے درختوں کے اُوپر سے ہی حکم دیا کہ تیر انداز اگلی صف میں آ جائیں۔ یہ لوگ چونکہ باقاعدہ فوجی نہیں تھے اس لیے ان میں نظم و ضبط اور صبر و تحمّل کی کمی تھی۔ وہ لوگ ہجوم کی صُورت میں لڑنا جانتے تھے، پھر بھی اُنہوں نے صف بندی کر لی۔

آنے والا لشکر قریب آ رہا تھا۔ جب یہ لشکر اور قریب آیا تو سرداروں کو کوئی شک ہونے لگا تب ایک سالار نے کہا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اُس طرف سے آ رہا ہے جدھر بہمن جاذویہ کا لشکر ہونا چاہیئے تھا۔ سالار نے دو گھوڑ سواروں کو یہ کہہ کر دوڑا دیا کہ جا کر دیکھو، یہ کس کا لشکر ہے۔

"یہ دوست ہیں" ــــ ایک سوار نے پیچھے مڑ کر بلند آواز میں کہا ــــ "یہ فارس کی فوج ہے۔"

"یسوع مسیحؑ کے پجاریو!" ــــ درخت سے سالارِ اعلیٰ نے چلاّ کر کہا ــــ "تمہاری مدد کے لیے مدائن سے فوج آ گئی ہے۔"

عیسائی نعرے لگانے لگے اور تھوڑی دیر بعد جابان کا لشکر عیسائیوں کے پڑاؤ میں آ گیا۔ جابان نے اس تمام لشکر کی کمان لے لی اور عیسائی سرداروں سے کہا کہ اب وہ اس کے حکم اور ہدایات کے پابند ہوں گے۔ جابان نے عیسائیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے پُرجوش تقریر کی جس میں اُس نے انہیں بتایا کہ اب انہیں پہلی تینوں شکستوں کا انتقام لینا ہے۔

".... اور تم اپنی جوان عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو" ــــ جابان نے کہا ــــ "اگر تم ہار گئے تو یہ عورتیں مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوں گی۔ انہیں وہ لونڈیاں بنا کر لے جائیں گے۔ انہی کی خاطر اپنی جانیں لڑا دو۔"

عیسائیوں کی صفوں میں جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ اب اپنے ساتھ فارس کا ایک منظم لشکر دیکھ کر وہ اور زیادہ دلیر ہو گئے۔

مدینہ کی فوج کی پیش قدمی خاصی تیز تھی۔ مثنیٰ اپنے دستے کے ساتھ دائیں طرف کہیں آگے نکل گیا تھا۔ وہ سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ درختوں کی بہتات تھی۔ سبز جھاڑیاں اور اونچی گھاس بھی تھی تھوڑی دُور جا کر آدمی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں فارس کے بڑے بڑے افسر سیر و تفریح اور شکار وغیرہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ اُلیّس سے آگے حیرہ ایک شہر تھا جس کی اہمیت تجارتی اور فوجی لحاظ سے خاصی زیادہ تھی۔ آبادی کے لحاظ سے یہ عیسائیوں کا شہر تھا جو ہر لحاظ سے

خوبصورت شہر تھا۔

"اور یہ بھی ذہن میں رکھو" ــــ جابان لشکر کے سالاروں سے کہہ رہا تھا "کہ آگے حیرہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ حیرہ ہماری بادشاہی کا ایک ہیرہ ہے۔ اگر مسلمان اس شہر تک پہنچ گئے تو نہ صرف یہ کہ کسریٰ کا دل ٹوٹ جائے گا بلکہ فارس کے پورے لشکر کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔ حیرہ مدائن سے زیادہ قیمتی ہے۔"

▼

سبزہ زار میں ایک گھوڑسوار جیسے تیرتا چلا آرہا ہو۔ خالدؓ اپنے لشکر کے وسط میں تھے۔ کسی اور کو اُس سوار کی طرف بھیجنے کی بجائے انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس سوار کو راستے میں جالیا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کے دستے کا ایک سوار تھا۔

"ابن حارثہ کا پیغام لایا ہوں" ــــ سوار نے خالدؓ سے کہا۔ "اُلیّس کے میدان میں آتش پرستوں کی فوج بھی آگئی ہے۔ ابن حارثہ نے کہا ہے کہ سنبھل کر آگے آئیں۔"

"فوراً واپس جاؤ" ــــ خالدؓ نے سوار سے کہا۔ "اور مثنیٰ سے کہو کہ اُڑ کر مجھ تک پہنچے۔"

مثنیٰ کا قاصد یوں غائب ہو گیا جیسے اُسے زمین نے نگل لیا ہو۔ اُس کے گھوڑے کے ٹاپ کچھ دیر تک سنائی دیتے رہے جو درختوں میں سے گزرتی ہوا کی شاں شاں میں تحلیل ہو گئے۔ خالدؓ واپس اپنے لشکر میں آئے اور اپنے سالاروں کو بلا کر انہیں بتایا کہ آگے صرف بکر بن وائل کے لوگ ہی نہیں بلکہ مدائن کا لشکر بھی اُن کے ساتھ آملا ہے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں کو یہ بھی بتایا کہ مثنیٰ بن حارثہ آرہا ہے۔ انہوں نے پہلے کی طرح سالار عاصمؓ بن عمرو اور سالار عدیٰ بن حاتم کو دائیں اور بائیں پہلو میں رکھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مثنیٰ یوں آن پہنچا جیسے وہ واقعی اُڑ کر آیا ہو۔

"ابن حارثہ!" ــــ خالدؓ نے کہا۔ "کیا تم نے اپنی آنکھوں سے فارس کے لشکر کو عیسائیوں کے ساتھ دیکھا ہے؟"

مثنیٰ بن حارثہ نے صرف دیکھا ہی نہیں تھا بلکہ اُس نے جانبازی کا مظاہرہ کر کے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اُس نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔ اُنہوں نے اُسے اطلاع دی تھی کہ مدائن کی فوج عیسائیوں سے آملی ہے۔ مثنیٰ نے پوری معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کو اُس نے اپنے ساتھ تین سوار لیے اور دشمن کے پڑاؤ کے قریب جا کر گھوڑوں سے اترے اور انہیں ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ وہاں سے وہ چھپ چھپ کر اور جہاں ضرورت پڑی وہاں پیٹ کے بل رینگ کر پڑاؤ کے قریب چلے گئے۔ آتش پرستوں کے سنتری پڑاؤ کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے۔ یہ صفر ۱۲ ہجری کے وسط کی راتیں تھیں۔ آدھے چاند کی چاندنی تھی جو فائدہ بھی دے سکتی تھی، نقصان بھی۔

دو سنتری ان کے سامنے سے گزر گئے۔ انہیں پیچھے سے جا کر پکڑا جا سکتا تھا لیکن ان کے پیچھے پیچھے ایک گھوڑسوار آرہا تھا۔ اُس نے اپنے سنتریوں کو آواز دے کر روک لیا اور ان کے پاس آکر انہیں بیدار اور ہوشیار رہنے کو کہنے لگا۔ وہ کوئی کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔

"مسلمان رات کو تو حملہ نہیں کر سکتے" ــــ ایک سنتری نے کہا۔ "پھر بھی ہم بیدار اور ہوشیار ہیں۔"

"تم سپاہی ہو"۔۔۔ گھوڑسوار نے حکم کے لہجے میں کہا۔"جو ہم کماندار جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے مسلمانوں کا کچھ پتہ نہیں وہ کس وقت کیا کر گزریں۔ انہیں عام قسم کا دشمن نہ سمجھو۔ کیا تم نے مثنیٰ بن حارثہ کا نام نہیں سنا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ کسریٰ نے مثنیٰ کے سر کی کتنی قیمت مقرر رکھی ہے؟ تم اگر اُسے زندہ یا مُردہ پکڑ لاؤ یا اُس کا صرف سر پیش کر دو تو تم مالا مال ہو جاؤ گے لیکن تم اُسے پکڑ نہیں سکو گے۔ وہ جِن ہے، کسی کو نظر نہیں آتا.... چلو آگے چلو۔ اپنے علاقے کی گشت کرو۔"

سنتری آگے نکل گئے اور گھوڑسوار وہیں کھڑا رہا۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے تین جانبازوں کے ساتھ ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپا ہُوا تھا۔ گھوڑسوار اُس طرف جانے کی بجائے جس طرف سنتری چلے گئے تھے دوسری طرف چلا گیا۔ گھوڑے پر اُسے پکڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مثنیٰ نے اپنے ایک جانباز کے کان میں کچھ کہا اور گھوڑسوار کماندار کو دیکھا جو آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

مثنیٰ قریب کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اُس کے جانباز نے ذرا اونچی آواز میں کچھ کہا۔ کماندار نے گھوڑا روک لیا۔ جانباز نے اُسے واپس آنے کو کہا۔ وہ اس آواز پر واپس آ رہا تھا۔ اچانک درخت سے مثنیٰ کُودا اور گھوڑسوار کے اُوپر گرا اور اُسے گھوڑے سے گرا دیا۔ مثنیٰ کے ایک آدمی نے دوڑ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور دو نے کماندار کو دبوچ لیا اور اُس کا مُنہ باندھ دیا۔ اُسے اور اُس کے گھوڑے کو وہاں سے دُور لے گئے۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑے کھولے اور وہاں سے اتنی دور نکل گئے جہاں وہ چیختا چلاتا تو بھی اُس کی آواز اُس کے پڑاؤ تک نہ پہنچتی۔

"زندہ رہنا چاہتے ہو تو بتاؤ کہ تمھاری فوج کہاں سے آتی ہے"۔۔۔ مثنیٰ نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر رکھ کر پُوچھا۔

وہ بہمن جاذویہ کے لشکر کا کماندار تھا۔ اُس نے جان بچانے کی خاطر سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی کہ جاذویہ مدائن چلا گیا ہے اور اُس کی جگہ جابان سالار ہے اور بکر بن وائل کا لشکر انہیں اتفاق سے مل گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اس قبیلے کے کچھ سردار مدائن سے فوج اپنے ساتھ لائیں گے۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ مدینہ کی فوج کہاں ہے؟"۔۔۔ مثنیٰ نے اُس سے پوچھا۔

"وہ بہت دور ہے"۔۔۔ کماندار نے جواب دیا۔"ہم اُس پر حملہ کرنے جا رہے ہیں..... شاید دو روز بعد۔"

جب اُس سے ہر ایک بات معلوم ہو گئی تو اُسے ہلاک کر کے لاش وہیں دفن کر دی گئی۔

سُورج طلوع ہو چکا تھا جب مثنیٰ بن حارثہ خالدؓ کو یہ روئیداد سنا رہا تھا۔

"تعداد کا اندازہ کیا ہے؟"۔۔۔ خالدؓ نے پُوچھا۔

"صحیح اندازہ مشکل ہے ابنِ ولید!"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔"ہماری اور ان کی تعداد کا تناسب وہی ہے جو پہلے تھا۔ وہ ہم سے چار گنا نہیں تو تین گنا سے یقیناً زیادہ ہیں۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کو رکا نہیں تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور دشمن کو بے خبری میں جا لیں۔ اُنہوں نے چلتے چلتے اپنے سالاروں سے مشورے لیے، خود سوچا اور احکام دیئے۔ ان عربوں کے متعلق

آتش پرستوں کے سب سے زیادہ جری اور تجربہ کار سالار ہرمز نے کہا تھا کہ یہ لوگ صحرا کے رہنے والے ہیں اور صحرا میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ ہرمز نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ انہیں دجلہ اور فرات کے اس علاقے میں لڑائے گا جس میں درخت، جھاڑیاں، گھاس اور کہیں کہیں دلدل ہے لیکن ہرمز کے خواب اسی سرسبز اور دلدلی علاقے میں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

"خدا کی قسم، تم اب دریاؤں اور جنگلوں میں بھی لڑ سکتے ہو"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "اس زمین پر تم نے اتنے طاقتور دشمن کو تین شکستیں دی ہیں۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہمارے دشمن کے لڑنے کا طور طریقہ کیا ہے۔ مثنیٰ نے بتایا ہے کہ دشمن اگر اسی میدان میں ہوا جہاں وہ پڑاؤ کئے ہوئے ہے تو یہ ذہن میں رکھ لو کہ یہ میدان دو دریاؤں (دریائے فرات اور دریائے خسیف) کے درمیان ہے۔ میدان ہموار ہے لیکن درختوں اور سبزے کی بہتات ہے۔ دوڑتے گھوڑوں پر تمہیں درختوں کا اور ان کے جھکے ہوئے ٹہنوں کا خیال رکھنا پڑے گا ورنہ ان ٹہنوں سے ٹکرا کر مارے جاؤ گے....

"میدان محدود بھی ہے۔ ہمیں دشمن کو کسی قسم کا دھوکہ دینے کا اور چالیں چلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ ہمیں آمنے سامنے کا معرکہ لڑنا پڑے گا۔ ابن عمرو اور ابن حاتم پہلوؤں کے سالار ہوں گے۔ انہیں جب بھی اور جیسا بھی موقع ملا، یہ اس کے مطابق نقل و حرکت کریں گے۔ اپنے کمانداروں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ آمنے سامنے کی لڑائی میں جذبے کی شدت اور جسمانی پھرتی اور مضبوط حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے....

"ابن حارثہ! تم ہمارے پابند ہو کر نہیں لڑو گے۔ تمہارے ساتھ پہلے طے ہو چکا ہے کہ تم اپنے انداز کا معرکہ لڑو گے لیکن تم یہ احتیاط کرو گے کہ تمہارے سوار ہمارے راستے میں نہ آئیں۔ تم نے اپنے سواروں کو یہی تربیت دے رکھی ہے۔ انہیں اسی طرح استعمال کرو لیکن اندھا دھند نہیں۔ نظم و ربط بہت ضروری ہے"۔

"ابن ولید!"۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا۔۔۔ "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تو نے جیسا کہا ہے تجھے ویسا ہی نظر آئے گا.... کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اپنے دستے میں چلا جاؤں؟"

"میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں حارثہ کے بیٹے!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "جا.... میدان جنگ میں ملیں گے یا میدان حشر میں"۔

مثنیٰ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس آتش پرست کماندار کا گھوڑا بھی تھا جسے اس نے قتل کر دیا تھا۔ وہ یہ گھوڑا خالدؓ کے لشکر کو دے گیا تھا۔

▼

اتنی تھوڑی تعداد میں اور اتنے محدود وسائل کے بھروسے مدینہ کے مجاہدین اس لشکر پر حملہ کرنے جا رہے تھے جس کی تعداد ان سے تین گنا سے بھی زیادہ تھی اور جس کے ہتھیار بھی بہتر تھے اور جن کے سر لوہے کے خودوں سے اور چہرے لوہے کی زنجیروں سے ڈھکے ہوتے تھے۔ ان کی ٹانگوں پر جانوروں کی موٹی اور خشک کھالوں کے خول چڑھے ہوتے تھے۔

مجاہدین کے دلوں میں کوئی خوف نہ تھا، ذہنوں میں کوئی وہم اور وسوسہ نہ تھا۔ اُن کے سامنے ایک پاک اور عظیم مقصد تھا۔ اُن کی نگاہوں میں اپنے اللہ، رسولؐ اور مذہب کی عظمت تھی، اپنی جانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ جان اللہ کی دی ہوئی ہے اور اسے اللہ کی راہ میں ہی قربان کرنا ہے۔ اپنی زندگی دے کر وہ اسلام کو زندہ رکھنے کا عہد کئے ہُوتے تھے۔ وہ گھروں سے، اپنی بیویوں سے، اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔ اُن کے شب و روز خاک و خون میں گذر رہے تھے۔ زمین اُن کا بچھونا تھی اور اوپر آسمان تھا۔ باطل کی چٹانوں سے ٹکرانا، کفر کے تلاطم کو چیرنا اور دشمنانِ دیں کے عزائم کو کچلنا اُن کی عبادت تھی۔ اُن کی زبانوں پر اللہ کا نام تھا۔ وہ تلوار کا وار کرتے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے اور تلواروں سے کٹ کر گرتے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے۔ زخمی ہوتے تو اللہ کو پکارتے تھے۔ لاریب ایمان کی پختگی اور جذبے کی دیوانگی اُن کے ہتھیار تھے اور یہی اُن کی ڈھال تھی۔

▼

وہ اُس وقت دشمن کے سامنے پہنچے جب دشمن کا دوپہر کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔ اُن کے سالار جابان کے حکم سے لشکر کے لیے خاص کھانا تیار کیا گیا تھا۔ مورخ طبری، ابن ہشام اور محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ فارس کی فوج کو سانڈوں کی طرح پالا جاتا تھا۔ سپاہیوں کو مرغن کھانے کھلاتے جاتے تھے۔ فارس کے شہنشاہوں کا اصول بلکہ عقیدہ تھا کہ مضبوط اور مطمئن فوج ہی سلطنت اور تخت و تاج کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے۔

فارسی سالار جابان نے اُس سے زیادہ مرغن اور پُرتکلف کھانا تیار کرایا تھا جو فوج کو عام طور پر ملا کرتا تھا۔ اُس کھانے کا ذکر تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ بے شمار جانور ذبح کر دیئے گئے تھے۔ گوشت کے علاوہ کئی چیزیں پکائی گئی تھیں۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ جابان اپنے لشکر کی خاطر تواضع کر رہا تھا کہ سپاہی خلوصِ دل سے لڑیں گے اور اچھے سے اچھا کھانا کھانے کے لیے زندہ رہیں گے۔

کھانا چونکہ خاص تھا اس لیے اس کی تیاری میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا۔ دن کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا جب کھانا تیار ہُوا۔ لشکر بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ جب لشکر کو اطلاع دی گئی کہ کھانا تیار ہو گیا ہے اور لشکر کھانے کے لیے بیٹھ جاتے، عین اُس وقت گشتی سنتریوں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی فوج سر پر آ گئی ہے۔

خالدؓ اپنے اِس مقصد میں کامیاب تھے کہ دشمن کو اُن کی آمد کی خبر قبل از وقت نہ ہو۔ اُنہوں نے دشمن کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں میں ہڑبونگ سی بپا ہو گئی۔ سالار اور کماندار چِلّا چِلّا کر دونوں لشکروں کو جنگ کی تیاری اور صف بندی کا حکم دے رہے تھے مگر لشکر کے سامنے جو رنگارنگ کھانے رکھے جا رہے تھے، اُنہیں لشکر چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ طبری کی تحریر شاہد ہے کہ لشکر سے بڑی بلند آواز اٹھی کہ مسلمانوں کے پہنچنے تک وہ کھانا کھالیں گے۔ بیشتر سپاہی کھانے میں مصروف ہو گئے۔

خالدؓ کی فوج جنگی ترتیب میں بالکل سامنے آ گئی۔ یہ فوج حملے کے لیے بالکل تیار تھی۔ آتش پرستوں

اور عیسائیوں میں وہ بھی تھے جو مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹتے دیکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر ہی ڈر گئے۔

"کھانا چھوڑ دو"۔۔۔ ان میں سے کسی ایک نے واویلا بپا کر دیا۔۔۔ "اِن مسلمانوں کو موقع نہ دو۔۔۔ کاٹ دیں گے۔ ماردیں گے۔۔۔ تیار ہو جاؤ"۔

وہ کھانا چھوڑ کر لڑنے کی تیاری کرنے لگے۔ باقی لشکر اپنے سالاروں اور کمانداروں کا بھی حکم نہیں مان رہا تھا۔ وہ سب بھوک سے مرے جا رہے تھے لیکن جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ دیکھے ہوتے تھے، اُن کی خوفزدہ ہڑبونگ دیکھ کر سارا لشکر کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

مدینہ کے مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ خالدؓ انہیں احکام دے رہے تھے۔

دشمن نے ابھی گھوڑوں پر زینیں کسی تھیں اور سارے لشکر نے زرہ پہنی تھی۔ جابان نے مہلت حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُس دور کے رواج کے مطابق عیسائیوں کے سردار عبدالاسود عجلی کو ذاتی مقابلے کے لیے آگے کر دیا۔

"کس میں ہمت ہے جو میرے مقابلے کے لیے آتے گا؟"۔۔۔ عبدالاسود نے اپنے لشکر سے آگے آکر مسلمانوں کو للکارا۔ "جسے میری تلوار سے کٹ کر مرنے کا شوق ہے وہ آگے آجاتے"۔

"میں ہوں ولید کا بیٹا!"۔۔۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکال کر بلند کی اور گھوڑے کو ایڑ لگاتی۔ "میں ہوں جس کی تلوار تجھ جیسوں کے خون کی پیاسی رہتی ہے۔۔۔ گھوڑے کی پیٹھ پر رہ اور اپنا نام پکار"۔

"میں ہُوں عبدالاسود عجلی"۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "نام عجلان کا بلند ہو گا"۔

خالدؓ کا گھوڑا اُس کے قریب سے گذر گیا، آگے جا کر مُڑا اور خالدؓ نے تلوار تان لی عبدالاسود نے بھی تلوار نکال لی تھی۔ خالدؓ نے دوڑتے گھوڑے سے اُس پر وار کیا لیکن یہ وار خطا گیا۔ عبدالاسود نے بھی خالدؓ کی طرح گھوڑا دوڑا دیا اور ایک بار پھر دونوں سوار آمنے سامنے آتے۔ اب کے عبدالاسود نے وار کیا۔ خالد نے وار اس طرح روکا کہ اُن کی تلوار عبدالاسود کی تلوار کے دستے پر لگی جہاں اس عیسائی سردار کا ہاتھ تھا۔ اُس کے اس ہاتھ کی دو انگلیوں کے اوپر کے حصے صاف کٹ گئے۔ تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

عبدالاسود نے بھاگ نکلنے کی بجاتے بلند آواز میں کہا کہ اُسے برچھی دی جاتے۔ اُس کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ وہ دوڑتا ہُوا اپنے سردار کی طرف آیا۔ خالدؓ نے اُس کا راستہ روکنے کے لیے گھوڑے کا رُخ اُس کی طرف کر دیا۔ وہ آدمی پیادہ تھا۔ اُس نے خالدؓ سے بچنے کے لیے برچھی اپنے سردار کی طرف پھینکی۔ خالدؓ پہنچ گئے تھے۔ برچھی آرہی تھی جسے خالدؓ کے سر کے اوپر سے گذرنا تھا۔ عبدالاسود نے برچھی پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ خالدؓ نے برچھی کو تلوار ماری۔ برچھی کٹ تو نہ سکی، لیکن اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ برچھی راستے میں رُک گئی اور گر پڑی۔

خالدؓ نے گھوڑے کا رُخ عبدالاسود کی طرف کر دیا۔ اب یہ شخص وار سے صرف بچ سکتا تھا۔ وار کو روکنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ خالد نے بغرضِ تماشہ اسے اِدھر اُدھر بھگایا۔

"اِبنِ ولید!"۔۔۔ خالد کے ایک سالار نے بلند آواز میں کہا۔۔۔ "اُسے ختم کرو۔ دشمن تیار ہو رہا ہے"۔

خالدؓ نے گھوڑے کی رفتار تیز کر کے اور اسود کے قریب سے گذرتے تلوار برچھی کی طرح ماری۔ عبدالاسود نے گھوڑے کے ایک پہلو پر جھک کر بچنے کی کوشش کی، لیکن خالدؓ کی تلوار اُس کے دُوسرے پہلو میں اُتر گئی۔ عبدالاسود سنبھل گیا، لیکن وہ بھاگا نہیں۔ خالدؓ نے اب پیچھے سے آ کر اُس پر ایسا وار کیا کہ اُس کی گردن اس طرح کٹی کہ سر ڈھلک کر ایک کندھے پر چلا گیا۔ گردن پوری نہیں کٹی تھی۔

▼

ادھر عیسائیوں کا سردار عبدالاسود گھوڑے سے گرا اُدھر دریائے فرات کی طرف سے بے شمار گھوڑوں کے دوڑنے کا شور سنائی دیا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آ رہے تھے۔ اُس پہلو پر عیسائیوں کا لشکر تھا۔ گھوڑسواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ گھوڑے عیسائیوں کے لشکر میں جا گھسے اور سواروں کی برچھیوں نے اُنہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کی توجہ سامنے مسلمانوں کی طرف تھی۔ وہ مقابلے کے لیے سنبھل نہ سکے۔

"میں ہوں حارثہ کا بیٹا مثنیٰ"—— اس شوروغوغا میں سے ایک للکار سنائی دے رہی تھی —— "ہم بھی تم میں سے ہیں..... میں ہوں مثنیٰ بن حارثہ"

یہ مثنیٰ کا سوار دستہ تھا جسے اُس نے خالدؓ کو بتا کر لشکر سے الگ رکھا تھا۔ وہ چھاپہ مار جنگ لڑنے کا ماہر تھا اور اس جنگ میں لڑائی کا یہ طریقہ بے حد ضروری تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ میدانِ جنگ بمشکل دو میل وسیع تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں دریا تھے۔ خالدؓ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا اس میدان میں وہ اپنی مخصوص جنگی چالیں نہیں چل سکیں گے۔ اپنے سالاروں سے اُنھوں نے کہا تھا کہ آمنے سامنے کی لڑائی میں وہ صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ دشمن پر بہت تیز اور شدید حملہ کیا جائے بلکہ حملہ موج در موج ہو یعنی ایک دستہ دشمن سے ٹکر لے کر پیچھے ہٹے اور دوسرا دستہ حملہ کرے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو اسی قسم کے حملوں کی تربیت دے رکھی تھی اور اکثر اُس کی مشق کراتے رہتے تھے۔

خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ اُنھوں نے پہلوؤں کے دستوں کو بھی اس حملے میں جھونک دیا۔ حملے کی پہلی فوج کی قیادت خالدؓ نے خود کی۔ پہلوؤں کے سالاروں عاصم اور عدیؓ نے بھی اپنے اپنے دستے کے ساتھ خود جا کر حملہ کیا۔ آتش پرستوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ وہ تازہ دم تھے۔ مجاہدین تھکے ہوتے تھے، لیکن مسلمانوں کو یہ فائدہ مل گیا کہ آتش پرست ابھی پوری طرح لڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یورپی مورخوں نے صاف لکھا ہے کہ فارس کی فوج ذہنی طور پر بھی لڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یہ فوج بھوکی تھی اور اُسے وہ کھانا چھوڑنا پڑا تھا جو اُس کے لیے خاص طور پر پکوایا گیا تھا۔ اس کھانے کے لیے تو اُنھوں نے مسلمانوں کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

مسلمانوں کو اس پہلے حملے میں خون کی خاصی قربانی دینی پڑی۔ آتش پرستوں نے تیار نہ ہوتے ہوتے بھی کئی مسلمانوں کو گھائل کر دیا۔ خالدؓ پیچھے ہٹے اور دوسرے دستوں کو آگے بڑھایا۔ آتش پرستوں کو تعداد کی افراط کا فائدہ حاصل تھا۔ ایک ایک مجاہد کا مقابلہ چار چار پانچ پانچ آتش پرستوں اور عیسائیوں سے تھا۔ دشمن کو اس فائدے سے محروم کرنے کے لیے مثنیٰ کا سوار دستہ سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوتے تھا۔ اُس نے سواروں کو متعدد ٹولیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ ٹولیاں باری باری گھوڑے

سرپٹ دوڑاتی بگولوں کی طرح کبھی پہلو سے کبھی عقب سے آتیں اور کفار کے کئی آدمیوں کو برچھیوں سے کاٹتی گذر جاتیں۔ اس طرح دشمن کی توجہ اپنے عقب پر بھی چلی گئی، لیکن مثنٰی کے سوار رک کر نہیں لڑتے تھے۔ ان سواروں نے دشمن کی ترتیب درہم برہم کئے رکھی۔ مثنٰی کی اس کارروائی سے خالدؓ نے پورا فائدہ اٹھایا۔

"بنو بکرا"۔۔۔ میدانِ جنگ میں ایک اعلان سنائی دینے لگا ۔۔۔ "اور زرتشت کے پجاریو! جم کر لڑو۔ مدائن سے بہمن جاذویہ کا لشکر آرہا ہے۔"

یہ اعلان بار بار سنائی دیتا تھا۔ خالدؓ کو یہ اعلان کچھ پریشان کر رہا تھا۔ انہوں نے پہلوؤں کے سالاروں کو پیغام بھیجے کہ ہر طرف دھیان رکھیں۔ خالدؓ نے اپنے محفوظہ کے دستوں کو بھی خبردار کر دیا کہ عقب سے حملے کا خطرہ ہے۔

تقریباً تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ بہمن جاذویہ مدائن سے کوئی لشکر نہیں لا رہا تھا۔ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ جابان کی مدد کے لیے کیوں نہیں پہنچ سکا تھا۔ ایک مؤرخ یاقوت نے لکھا ہے کہ بہمن جاذویہ اپنے لشکر میں شامل ہونے کے لیے واپس آرہا تھا۔ راستے میں اُسے اس لڑائی سے بھاگے ہوئے کچھ سپاہی مل گئے جنہوں نے اُسے الیس کی جنگ کا حال سنایا۔ جاذویہ آگے آنے کی بجائے وہیں رک گیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ شکست اُس کے کھاتے میں نہ لکھی جاتے۔ بہرحال اس اعلان نے کہ مدائن سے جاذویہ فوج لا رہا ہے مسلمانوں میں نئی روح پھونک ڈالی۔ خالدؓ نے اعلان کیا کہ مدائن کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا صفایا کر دو، لیکن آتش پرست اور عیسائی چٹانوں کی طرح ڈٹے ہوتے تھے۔

خالدؓ دعا تو کرتے ہی تھے، لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ خالد گھوڑے سے اُترے، زمین پر گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ بلند کر کے دُعا کی "خدائے ذوالجلال! ہمت عطا فرما کہ ہم اس لشکر کو نیچا دکھا سکیں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میں تیرے دین کے دشمنوں کے خون کا دریا بہا دوں گا۔"

اب کے خالدؓ نے نئے جوش و خروش سے حملے کرواتے۔ پہلوؤں کے دونوں سالاروں نے دشمن کو نیم دائرے میں لے لیا۔ عقب سے مثنٰی بن حارثہ کے سواروں نے اپنی چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں۔ دو تین گھنٹے بعد صاف نظر آنے لگا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ رہے ہیں۔ چونکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اُس کے مرنے اور زخمی ہونیوالوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر آتش پرستوں اور عیسائیوں کے وہ لوگ جو پہلی تین جنگوں سے زندہ بھاگ نکلے تھے، حوصلہ ہار بیٹھے اور جانیں بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے۔ پھر لشکر کے دوسرے لوگ بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔ پھر اچانک یوں ہوا کہ کفّار نے بھاگنا شروع کر دیا۔

▼

"تعاقب کرو"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے تمام لشکر میں قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیتے اور بلند آواز میں اعلان بھی کرایا ۔۔۔ "انہیں بھاگنے مت دو۔ انہیں قتل بھی نہ کرو۔ زندہ پکڑ کر لاؤ۔"

اس اعلان کا کفار پر ایک اثر تو یہ ہوا کہ انہوں نے بھاگنے کی بجائے ہتھیار ڈالنے شروع کر

دیتے بعض نے خوفزدہ ہو کر بھاگ اٹھنا بہتر سمجھا۔مثنی کے سواروں نے انہیں گھیر گھیر کر پیچھے لانا شروع کر دیا۔جنگ ختم ہو چکی تھی۔میدانِ جنگ لاشوں اور تڑپتے اور بے ہوش زخمیوں سے اٹا پڑا تھا۔ایک طرف وہ کھانا محفوظ پڑا تھا جو دشمن کے لشکر کے لیے تیار کیا گیا تھا۔خالدؓ کے حکم سے مجاہدین کھانے پر بیٹھ گئے۔جو سوار بھاگنے والوں کو پکڑ پکڑ کر لا رہے تھے،وہ بھی باری باری کھانا کھانے لگے۔

خالدؓ نے مجاہدین سے کہا — "اللہ نے یہ کھانا تمہارے لیے تیار کرایا تھا۔اطمینان سے کھاؤ"۔ مسلمان مختلف کھانے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔انہوں نے ایسے کھانے پہلے کبھی دیکھے ہی نہیں تھے۔وہ جَو کی روٹی،اونٹنی کا دودھ اور کھجوریں کھانے والے لوگ تھے۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ دشمن کے جن آدمیوں کو زندہ پکڑ کر لایا جا رہا تھا،انہیں خالدؓ کے حکم سے خسیف کے کنارے لے جاتے اور اُن کے سر اس طرح کاٹ دیتے جاتے کہ سر دریا میں گرتے تھے۔ان کے دھڑ اس طرح کنارے پر پھینکے جاتے کہ اِن کا خون دریا میں جاتا تھا۔اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں کے حساب سے تھی۔

غیر مسلم مورخوں اور مبصروں نے خالدؓ کے اس حکم کو ظالمانہ فعل کہا ہے لیکن خالدؓ کہتے تھے کہ انہوں نے خدا سے عہد کیا تھا وہ کفار کے خون کا دریا بہا دیں گے۔دریا کے اوپر بند بندھا ہوا تھا جس نے دریا کا پانی روکا ہوا تھا اس لیے خون دریا میں جمتا جا رہا تھا۔کسی نے خالدؓ کو مشورہ دیا کہ خون کا دریا صرف اس صورت میں بہے گا کہ بند کھول دیا جاتے۔چنانچہ بند کھول دیا گیا۔جب اتنا زیادہ خون پانی میں ملا تو پانی سُرخ ہو گیا اور خون کا دریا بہنے لگا۔اسی لیے تاریخ میں اِس دریا کو دریائے خون لکھا گیا ہے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بچ نکلنے والوں اور ہتھیار ڈالنے والوں کا قتلِ عام اس لیے کرایا تھا کہ یہ سپاہی ایک جنگ سے بھاگ کر اگلی جنگ میں پھر سامنے آ جاتے تھے۔اس کا علاج خالدؓ نے یہ سوچا کہ دشمن کے کسی ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ رہنے دیا جاتے۔کہتے ہیں تین دن آتش پرستوں اور عیسائیوں کو قتل کیا جاتا رہا۔اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ملا کر دریائے خون کی جنگ میں جو آتش پرست اور عیسائی مارے گئے،ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔

شہنشاہِ فارس اُردشیر جو نوشیرواں عادل کا پوتا تھا، ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو شاہی طبیبوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنا تو وہ جانتے تھے کہ یہ پے بہ پے تین شکستوں کا صدمہ ہے لیکن صدمہ آخر جسمانی مرض کی صُورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کا علاج دوائیوں سے ہونا چاہیئے تھا لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دوائیاں نہیں بلکہ دوائیاں اُسے کھا رہی ہوں۔

اُردشیر پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ جو اپنے وقت کا فرعون تھا، سحر کے دیئے کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ طبیب اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اُردشیر تک جنگ کی کوئی بُری خبر نہ پہنچے لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ وہ جب بولتا تھا تو یہی کہتا تھا کہ آگے کی کیا خبر ہے؟

"خبریں اچھی آ رہی ہیں" — طبیب جو ہر وقت حاضر رہتا تھا، اُسے جواب دیتا اور اُسے صدمے سے بچانے کے لیے کبھی کہتا — "مسلمان پچھتا رہے ہیں کہ وہ کس دیو کو چھیڑ بیٹھے ہیں" — کبھی کہتا — "فارس کی شہنشاہی ایک چٹان ہے۔ اس سے جو بھی ٹکرایا اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا" — اور کبھی اُس کی چہیتی ملکہ یہ کہہ کر اُس کا دل مضبوط کرتی — "عرب کے بدّو کسریٰ کے جاہ و جلال کی تاب نہیں لا سکتے"۔

ان تسلیوں اور ان حوصلہ افزا الفاظ کا کسریٰ اُردشیر پر دوائیوں کی طرح اُلٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اُس کی خاموشی نہ ٹوٹ سکی اور اُس کے چہرے پر اُداسیوں کی پرچھائیاں کم ہونے کی بجائے گہری ہوتی گئیں۔

اُس کی مَن پسند رقاصہ نے اُس کے سامنے حسین ناگن کی طرح اپنے جسم کو بہت بَل دیئے۔ اُس نے اپنا جسم نیم عریاں کیا، اُردشیر کے علیل چہرے پر اپنے عطر بیز ریشم جیسے ملائم بالوں کا سایہ کیا، پھر عریاں ہو کر رقص کی اداؤں سے کسریٰ کے روگی وجود کو سہلانے کے جتن کیے مگر ایسے لگتا تھا جیسے مورنی جنگل میں ناچ رہی ہو اور ناچ کا طلسم جنگل کی ہواؤں میں اُڑتا جا رہا ہو۔

اُس کی پسندیدہ مغنّیہ جو اُردشیر کو مسحور کر لیا کرتی تھی، اُس کا سحر بھی رائیگاں گیا۔ یہ رقّاصہ اور یہ مغنّیہ فارس کے حُسن کے شاہکار تھے۔ فارس کا حُسن تو کسریٰ کے حرم میں پھولوں کی طرح کھِلا ہُوا تھا۔ ان پھولوں میں ادھ کھلی کلیاں بھی تھیں۔ اُردشیر ان کے مخملیں جسموں کی بُو باس سے مدہوش رہا کرتا تھا مگر اب ایک ایک کو اُس کی تنہائی کا ساتھی بنایا گیا تو اُردشیر نے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔ اُس کے سرد جسم میں نوخیز جوانی کی تپش ذرا سی حرارت بھی پیدا نہ کر سکی۔

"بیکار ہے، سب بیکار ہے" — ملکہ نے باہر آ کر اُس بوڑھے شاہی طبیب سے کہا جس کے متعلق فارس کے کونے کونے تک مشہور تھا کہ اُسے دیکھ کر موت منہ موڑ جاتی ہے۔ ملکہ نے رندھی ہُوئی آواز میں اُسے کہا — "کیا آپ کا علم اور تجربہ بھی بیکار ہے؟ کیا یہ محض ڈھونگ ہے؟ کیا

آپ کسریٰ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں لا سکتے؟ کون کہتا ہے آپ موت کا منہ موڑ دیا کرتے ہیں؟"

"زرتشت کی رحمتیں ہوں تجھ پر ملکۂ فارس!" — بوڑھے طبیب نے کہا — "نہ کسی کی موت میرے ہاتھ میں ہے نہ کسی کی زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں زندگی اور موت کے درمیان کمزور سی ایک دیوار ہوں۔ موت کے ہاتھ اتنے مضبوط اور توانا ہیں کہ اس دیوار کو دروازے کے کواڑ کی طرح کھول لیتے ہیں اور مریض کو اٹھا لے جاتے ہیں اور میرا علم اور میرا تجربہ منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

"الفاظ، محض الفاظ" — ملکہ نے فرش پر بڑی زور سے پاؤں مار کر کہا — "کھوکھلے الفاظ.... کیا الفاظ کسی دکھیارے کا دکھ مٹا سکتے ہیں؟ کسی روگی کو روگ سے نجات دلا سکتے ہیں؟ کیا آپ کے الفاظ میں اتنی طاقت ہے کہ کسریٰ کے روگ کو چوس لیں؟"

"نہیں ملکۂ فارس!" — طبیب نے بڑے تحمل سے کہا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے ملکہ کے بازو کو پکڑا اور اسے بٹھا کر کہا — "الفاظ کسی کے دکھ اور کسی کے روگ کو مٹا نہیں سکتے، البتہ دکھ اور روگ کی اذیت کو ذرا کم کر دیا کرتے ہیں۔ حقیقت کے سامنے الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے اور حقیقت اگر تلخ ہو تو عالم کے منہ سے نکلتے ہوئے الفاظ یوں لگتے ہیں جیسے خزاں میں شجر کے زرد پتے گر رہے ہوں۔ سوکھے ہوئے ان پتوں کو پھر ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں۔"

"ہم کسریٰ کو حقیقت سے بے خبر رکھ رہے ہیں" — ملکہ نے کہا — "میں انہیں رقص و نغمہ سے بہلانے کی...."

"کب تک؟" — بوڑھے طبیب نے کہا — "ملکۂ کسریٰ! تم کسریٰ سے اس حقیقت کو کب تک چھپائے رکھو گی! یہ رقص اور یہ نغمے اور یہ مخمل جیسے نرم و ملائم اور نوخیز جسم کسریٰ اردشیر کا دل نہیں بہلا سکتے۔ اگر کسریٰ صرف شہنشاہ ہوتے تو وہ اپنے آپ کو بڑے حسین فریب دے سکتے تھے۔ فرار کے بڑے دلکش راستے اختیار کر سکتے تھے لیکن وہ جنگجو بھی ہیں۔ ان کے گھوڑے کے سُموں نے زمین کے تختے کو ہلا ڈالا تھا۔ فارس کی اتنی وسیع شہنشاہی کسریٰ کے زورِ بازو کا حاصل ہے اس شہنشاہی کو انہوں نے رومیوں کی طاقتور فوج سے بچایا ہے۔ کسریٰ نے لڑائیاں لڑی ہیں، بڑے خونریز معرکے لڑے ہیں۔ اب وہ جنگجو اردشیر بیدار ہو گیا ہے۔ اب رقص و نغمہ اور یہ طلسماتی جوانیاں ان پر الٹا اثر کر رہی ہیں۔ اب وہ کسی رقاصہ اور کسی مغنیہ کو نہیں، ہرمز کو بلاتے ہیں، اندرزغر کی پوچھتے ہیں، بہمن جاذویہ اور انوشجان کو پکارتے ہیں.... کہاں ہیں ان کے یہ سالار؟ تم انہیں کیا دھوکہ دو گی؟"

"کچھ نہیں" — ملکہ نے آہ بھر کر کہا — "کچھ بھی نہیں.... آپ ٹھیک کہتے ہیں.... لیکن کچھ تو بتائیں میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ کیا آپ ان مسلمانوں کو جانتے ہیں؟ یہاں چند عیسائی آتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی پُراسرار طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا.... اور میں نے دیکھا ہے کہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں ہم نے جن مسلمانوں کو آباد کر کے انہیں اپنا غلام بنا رکھا

تھا اور جنہیں ہم کیڑوں مکوڑوں سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھتے تھے، وہی مدینہ والوں کا بازو بن گئے ہیں اور ہمارا لشکر ان کے آگے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔"

"یہ عقیدے کی طاقت ہے ملکۂ فارس!" — طبیب نے کہا۔

"تو کیا ان کا عقیدہ سچا ہے؟"

"نہیں ملکۂ فارس!" — بوڑھے طبیب نے کہا — "ایک بات کہوں گا جو شاید تمہیں اچھی نہ لگے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بادشاہی صرف اللہ کی ہے اور بندے اُس کے حکم کے پابند ہیں.... اور وہ کہتے ہیں کہ اُس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں.... کیا تم اس راز کو سمجھی ہو ملکۂ کسریٰ؟"

"نہیں بزرگ طبیب!" — ملکہ نے جواب دیا — "میں نہیں سمجھ سکی۔ بادشاہی تو ایک خاندان اور اس کے ایک فرد کی ہوتی ہے۔"

"اِس کا انجام تم دیکھ رہی ہو ملکۂ کسریٰ!" — طبیب نے کہا — "آج وہ ایک انسان جو اپنے آپ کو انسانوں کا شہنشاہ سمجھتا ہے، بے بس اور مجبور اندر پڑا ہے اور اپنی بادشاہی کو بچا نہیں سکتا۔ اُس کا لشکر پسپا ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان سپاہیوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک خاندان اور ایک انسان کی شہنشاہی کی خاطر اپنی جانیں دیں؟ وہ جو ہزاروں کی تعداد میں مر رہے ہیں وہ بھاگتے ہوئے مر رہے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ مالِ غنیمت تو ہے ہی نہیں پھر لڑیں کیوں؟ وہ تمہارے خزانے سے ماہانہ وصول کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

"اور مسلمان؟"

"مسلمان!" — طبیب نے کہا — "مسلمان کسی ایک انسان کے آگے جوابدہ نہیں۔ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں اور اپنے امیر کا حکم مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اتنی کم تعداد میں بھی طوفان کی طرح بڑھے آ رہے ہیں.... ملکۂ فارس! عقیدہ اپنا اپنا اور مذہب اپنا اپنا ہوتا ہے۔ میں علم اور تجربے کی بات کرتا ہوں۔ جب ایک خاندان اور ایک انسان اپنے آپ کو شہنشاہ بنا لیتا اور انسانوں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیتا ہے تو ایک دن آتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنی فوج کو بھی اور اپنی رعایا کو بھی تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی" — ملکہ نے کہا — "میں سمجھنا نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کسریٰ صحت یاب ہو جائیں۔ کچھ کرو بزرگ طبیب! کچھ کرو۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا ملکۂ فارس!" — طبیب نے کہا — "کچھ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ خبر لے آؤ کہ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال دیا گیا ہے، یا خالدؓ بن ولید کو زنجیروں میں باندھ کر کسریٰ کے دربار میں لے آؤ تو کسریٰ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"ایسی خبر کہاں سے لاؤں!" — ملکہ نے رنجیدہ اور شکست خوردہ لہجے میں کہا — "مدینہ کے اس سالار کو کیسے زنجیروں میں باندھ کر لے آؤں.... اگر میرے سالار شکست کھا کر زندہ آ جاتے تو میں ان کی ٹانگیں زمین میں گاڑ کر ان پر کتے چھوڑ دیتی۔"

وہ سر جھکاتے ہوئے چل پڑی۔

★

ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا اور محل کے باہر رُکا۔ ملکہ دوڑتی باہر گئی۔ بوڑھا طبیب بھی اُس کے پیچھے گیا۔ وہ ایک کماندار تھا۔ گھوڑے سے کُود کر وہ ملکہ کے سامنے دوزانو ہو گیا۔ اُس کا منہ کھلا ہُوا تھا۔ آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ چہرے پر صرف تھکن ہی نہیں گھبراہٹ بھی تھی۔

"کوئی اچھی خبر لاتے ہو؟" ــــ ملکہ نے پوچھا اور شاہانہ جلال سے بولی ــــ "اٹھو اور فوراً بتاؤ۔"

"کوئی اچھی خبر نہیں" ــــ کماندار نے ہانپتی ہُوئی آواز سے کہا ــــ "مسلمانوں نے پورا لشکر کاٹ دیا ہے۔ اُنہوں نے ہمارے ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر دریائے خسیف کے کنارے اس طرح قتل کر دیا ہے کہ دریا میں خون چل پڑا۔ دریا خشک تھا۔ مسلمانوں کے سالار نے اُوپر سے دریا کا بند کھلوا دیا تو بادقلی خون کا دریا بن گیا۔"

"تم کیوں زندہ واپس آ گئے ہو؟" ــــ ملکہ نے غضبناک آواز میں پوچھا ــــ "کیا تم میرے ہاتھوں کٹنے کے لیے آتے ہو؟"

"میں اگلی جنگ لڑنے کے لیے زندہ آ گیا ہوں" ــــ کماندار نے جواب دیا ــــ "میں چھپ کر اپنے لشکر کے قیدیوں کے سر جسموں سے الگ ہوتے دیکھتا رہا ہُوں۔"

"خبردار!" ــــ ملکہ نے حکم دیا ــــ "یہ خبر یہیں سے واپس لے جاؤ۔ شہنشاہِ فارس کو...."

"شہنشاہ فارس یہی خبر سننے کے لیے زندہ ہے" ــــ اُردشیر کی آواز سنائی دی۔

ملکہ نے اور طبیب نے دیکھا۔ اُردشیر ایک ستون کے سہارے کھڑا تھا۔ دو بڑی حسین اور نوجوان لڑکیوں نے اُس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوتے تھے۔

"یہاں آؤ" ــــ اُس نے کماندار کو حکم دیا ــــ "میں نے محسوس کر لیا تھا کوئی آیا ہے.... کہو کیا خبر لاتے ہو؟"

کماندار نے ملکہ اور طبیب کی طرف دیکھا۔

"اِدھر دیکھو" ــــ اُردشیر نے گرج کر کہا ــــ "بولو۔"

کماندار نے وہی خبر سنا دی جو وہ ملکہ کو سنا چکا تھا۔ کسریٰ اردشیر آگے کو جھک گیا۔ دونوں لڑکیوں نے اُسے سہارا دیا۔ ملکہ نے لپک کر اُس کا سر اوپر اٹھایا۔ بوڑھے طبیب نے اُس کی نبض پر انگلیاں رکھیں۔ ملکہ نے طبیب کی طرف دیکھا۔ طبیب نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"فارس کسریٰ اُردشیر سے محروم ہو گیا ہے" ــــ طبیب نے کہا۔

محل میں ہڑبونگ مچ گئی۔ اُردشیر کی لاش اٹھا کر اس کے اُس کمرے میں لے گئے جہاں اُس نے کئی بار کہا تھا کہ عرب کے ان لٹیرے بدوؤں کو فارس کی سرحد میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہُوتی ہے۔ اُس نے اسی کمرے میں ولید کے بیٹے خالدؓ اور حارثہ کے بیٹے مثنیٰ کو زندہ یا مردہ لانے کا حکم دیا تھا۔ اپنے حکم کی تعمیل سے پہلے ہی اس کمرے میں اس کی لاش پڑی تھی۔ وہ شکستوں کے صدمے سے ہی مر گیا تھا۔

ملکہ نے حکم دیا کہ لڑنے والے لشکر تک کسریٰ کی موت کی خبر نہ پہنچنے دی جائے۔

★

مسلمانوں کے پڑاؤ میں ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا داخل ہُوا۔ اُس کا سوار چلّا رہا تھا۔

"کہاں ہے ولید کا بیٹا!" —— گھوڑسوار بازو بلند کر کے لہراتا آرہا تھا —— "باہر آ ابنِ ولید!"

خالدؓ بڑی تیزی سے سامنے آئے۔

"ابنِ ولید!" —— سوار کہتا آرہا تھا —— "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تیری دہشت نے اُردشیر کی جان لے لی ہے۔"

"کیا تو پاگل ہو گیا ہے ابنِ حارثہ!" —— خالدؓ نے آگے بڑھ کر کہا۔

سوار مثنیٰ بن حارثہ تھا۔ وہ گھوڑے سے کُودا اور اتنے پُرجوش طریقے سے خالدؓ سے بغلگیر ہُوا کہ خالدؓ گرتے گرتے بچے۔

"مدائن کے محل رو رہے ہیں" —— مثنیٰ نے خوشی سے بے قابو آواز میں کہا —— "اُردشیر کو مرے آج چار دن ہو گئے ہیں۔ میرے دو آدمی مدائن کے محل میں موجود تھے۔ وہاں حکم دیا گیا ہے کہ اُردشیر کی موت کی خبر اُس کے لشکر کو نہ دی جائے۔"

خالدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیئے۔

"میرے اللہ!" —— اُنہوں نے کہا —— "میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ مجھے فتح کے تکبّر اور غرور سے بچانا خدائے ذوالجلال! سب تعریفیں تیرے لیے اور صرف تیرے لیے ہیں۔"

خالدؓ نے ہاتھ نیچے کر کے اِدھر اُدھر دیکھا اور بلند آواز سے کہا —— "اپنے تمام لشکر کو یہ مژدہ سنا دو کہ فارس کی وسیع و عریض شہنشاہی کا ستون گر پڑا ہے اور یہ اللہ کی دین ہے۔ سب سے کہہ دو کہ کسریٰ کو تمہاری دہشت نے مارا ہے۔"

خالدؓ مثنیٰ بن حارثہ کو اپنے خیمے میں لے گئے اور اُس سے پُوچھا کہ آگے کیا ہے۔

"تھوڑی ہی دُور فارس کا ایک بڑا شہر امینشیا ہے" —— مثنیٰ نے بتایا —— "یہ شہر اس لیے بڑا ہے کہ وہاں فارس کی فوج رہتی ہے۔ اسے فوج کا بہت بڑا اڈہ سمجھ لو۔ یہ شہر تجارتی مرکز ہے۔ اس کے اردگرد زمین بہت زرخیز ہے۔ تجارت، اناج اور باغوں کے پھلوں کی وجہ سے امینشیا امیروں کا شہر کہلاتا ہے۔ شہر پناہ بہت مضبُوط ہے۔ شہر کے دروازے مضبُوط ہیں۔ قریب جاؤ گے تو دیوار کے اوپر سے تیروں کا مینہ برسے گا.... ولید کے بیٹے! اِس شہر کے لیے جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ اگر تُو نے یہ شہر لے لیا تو سمجھ لے کہ تُو نے دشمن کی ایک موٹی رگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔"

"کیا اب بھی وہاں فوج ہے؟" —— خالدؓ نے پُوچھا —— "اگر ہے تو کتنی ہو گی؟"

"اتنی نہیں ہو گی جتنی پہلے تھی" —— مثنیٰ نے جواب دیا —— "جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے، الیس کی لڑائی میں کچھ فوج وہاں سے بھی آئی تھی۔"

دریائے فرات میں ایک چھوٹا دریا آکر گرتا تھا۔ اسے دریائے بادقلی کہتے تھے۔ جہاں یہ دریا ملتے تھے وہاں شہر امینشیا آباد تھا۔ خالدؓ بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ اُن کا ہر اگلا قدم پچھلے قدم سے زیادہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم اُنہوں نے حکم دیا کہ فوراً امینشیا کی طرف

کوچ کیا جائے۔ فوراً کوچ سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ آتش پرستوں کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

★

وہ مئی ۶۳۳ء (ربیع الاوّل ۱۲ ہجری) کے تیسرے ہفتے کا ایک ابتدائی دن تھا جب خالدؓ نے الیّس سے کوچ کیا۔ مدینہ کے مجاہدین فتح ونصرت سے سرشار تھے۔ وہ علاقہ سرسبز اور زرخیز تھا۔ گھوڑوں اور انسانوں کے لیے خوراک کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن امینشیا کا دفاع خالدؓ کو پریشان کر رہا تھا۔

جب شہر کی دیوار اور برج نظر آنے لگے تو خالدؓ نے اپنے لشکر کو روک لیا۔ مثنیٰ بن حارثہ اُن سے الگ ہو گیا تھا۔ وہ چھاپہ مار جنگ لڑنے کا ماہر تھا۔ وہ اپنے جانباز دستے کو ساتھ لے گیا تھا۔ خالدؓ نے یہ کام اُسے سونپا تھا کہ اپنے دو چار آدمیوں کو کسی بھیس میں امینشیا تک بھیج کر معلوم کرے کہ وہاں آتش پرستوں کا کتنا لشکر ہے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مثنیٰ آ گیا۔

"ابنِ ولید!"— اُس نے خالدؓ سے کہا —"یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی قسم آتش پرست آمنے سامنے کی لڑائی سے منہ موڑ گئے ہیں اور اب وہ دھوکے اور فریب کی لڑائی لڑنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تو یہ نہیں بتائے گا کہ تو نے کیا دیکھا ہے؟"— خالدؓ نے پوچھا —"اور وہ کیسا دھوکہ ہے جو آتش پرست ہمیں دے رہے ہیں؟"

"شہر خالی ہے"— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا —"دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ برجوں میں اور دیواروں پر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔"

"کیا تیرے آدمی شہر کے اندر گئے تھے؟"

"نہیں ابنِ ولید!"— مثنیٰ نے جواب دیا —"وہ دروازوں تک گئے تھے۔ وہ تو قبرستان لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دروازوں میں سے انہیں نہ کوئی انسان نظر آیا نہ جانور.... کیا تو اسے دھوکہ یا جال نہیں سمجھتا ابنِ ولید؟"

"ہاں ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے کہا —"میں تیرے آدمیوں پر شک نہیں کروں گا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر انہوں نے خواب نہیں دیکھا تو ہمیں احتیاط سے آگے جانا ہو گا۔"

"خدا کی قسم وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں"— مثنیٰ نے کہا —"ان کا ایمان اتنا کمزور ہوتا تو وہ فارسیوں کے جوروستم سے بچنے کے لیے کبھی کے اپنا مذہب چھوڑ چکے ہوتے.... اور سن ولید کے بیٹے! سب سے پہلے میرے آدمی شہر میں داخل ہوں گے۔ اگر یہ دھوکہ ہے، پھندہ ہے، جال ہے، پہلے اس میں میرے آدمی جائیں گے تاکہ تیرا لشکر محفوظ رہے۔"

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ امینشیا خالی پڑا ہے اور یہ دھوکہ ہو گا۔

"دھوکہ یہی ہو گا کہ ہم اپنے لشکر کو شہر میں لے جائیں گے"— خالدؓ نے کہا —"وہاں کوئی نہیں ہو گا۔ اچانک دروازے بند ہو جائیں گے اور ہم محاصرے میں یا پھندے میں آ جائیں گے.... ہم فوراً شہر پر ہلّہ بول رہے ہیں.... ابنِ حارثہ!"— خالدؓ مثنیٰ سے مخاطب ہوتے — "تیرا دستہ لشکر سے دُور رہے گا اور تیری نظر لشکر پر ہو گی۔ اگر دشمن کہیں سے نکل آیا تو اُس پر تیرا دستہ اپنے انداز سے حملہ کرے گا اور چھاپہ مار قسم کے حملے کرتا رہے گا۔ تجھے اور کچھ

بتانے کی ضرورت نہیں۔

باقی فوج کو انہوں نے تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح دائیں اور بائیں سالار عاصم بن عمرو اور سالار عدی بن حاتم کو رکھا لیکن اب ان کے کام مختلف تھے۔ دروازے کھلے ہونے کی صورت میں خالدؓ کو شہر کے اندر جانا تھا۔ عاصم بن عمرو کو اُن کے پیچھے رہنا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت خالدؓ کی مدد کو پہنچ سکے۔ عدی بن حاتم کو اپنے دستے قلعے کے اردگرد پھیلا دینے تھے۔

تمام تر ہدایات اور احکام دے کر خالدؓ نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

★

لشکر کے تینوں حصّے شہر کے قریب جا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ آگے مثنیٰ بن حارثہ کے جانباز سوار شہر کے باہر کے علاقے میں گھوم پھر رہے تھے۔ قریب ایک جنگل تھا۔ کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ مثنیٰ نے اپنے چھاپہ مار دستے کو ٹولیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان ٹولیوں نے ہر وہ علاقہ دیکھ لیا تھا جہاں دشمن کے چھپنے کا امکان تھا لیکن دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا، پھر یہ ٹولیاں دُور دُور تک گشت کر رہی تھیں۔

لشکر کے تینوں حصّے شہر کی دیوار کے قریب پہنچ گئے تو سالار عدی بن حاتم نے اپنے دستوں کو شہر کے اردگرد پھیلا دیا۔ خالدؓ نے بڑے دروازے میں جا کر بلند آواز سے اعلان کرائے کہ شہر کے لوگ گھروں سے باہر آجائیں۔

"اگر لوگ باہر نہ آئے تو شہر کا کوئی مکان کھڑا نہیں رہنے دیا جائے گا۔"

"آتش پرستو! زندہ رہنا ہے تو باہر آجاؤ۔"

"اپنے سالاروں سے کہو بزدل نہ بنیں۔"

اس طرح کے اعلان ہوتے رہے مگر دروازے کے اندر سکوت طاری رہا۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکالی۔ بلند آواز سے کہا — "میرے پیچھے آؤ" — اور اُنہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ فوج کے جو دستے اُن کے ساتھ تھے، وہ اُن کے پیچھے شہر کے دروازے میں یوں داخل ہوئے جیسے کسی نہر یا دریا کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ سب سے آگے سوار دستے تھے۔

اندر جا کر گھوڑے پھیل گئے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ گھر گھر کی تلاشی لی جائے۔ خالدؓ خود ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے اور احکام دینے لگے۔ انہوں نے قاصد سے کہا کہ سالار عاصم بن عمرو کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ اپنے دستے اندر لے آؤ اور پیادہ تیر اندازوں کو شہر پناہ کی دیواروں پر پھیلا دو۔

دیکھتے ہی دیکھتے عاصم بن عمرو کے تیر انداز تمام دیوار پر پھیل گئے۔ وہ اندر بھی دیکھ رہے تھے باہر بھی۔ خالدؓ دیوار کے اوپر گئے اور سارے شہر کے گرد گھوم آئے۔ شہر میں انہیں اپنے دستوں کے سوا اور کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ باہر عدی بن حاتم کے دستے تھے۔ خالدؓ کی نظر جہاں تک کام کرتی تھی، انہیں دشمن کے لشکر کا کوئی کھرا کھوج نہیں مل رہا تھا۔ انہیں گھوڑسواروں کی دو تین ٹولیاں دکھائی دیں۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کے سوار تھے۔ خالدؓ نیچے آگئے۔ انہیں بتایا گیا کہ

ایک ضعیف العمر آدمی ایک مکان میں چارپائی پر پڑا اونگھ رہا ہے۔ خالدؓ اُس مکان میں گئے۔ ایک بوڑھا جس کی آنکھیں اُدھ کھلی تھیں اور منہ بھی کھلا ہوا تھا، چارپائی پر پڑا لاش لگ رہا تھا۔ اُس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ وہ اس کے منہ کے ساتھ کان لگا کر سُنے۔

"کیا تم وہی لوگ ہو جن کے ڈر سے شہر خالی ہو گیا ہے؟" — بوڑھے نے پوچھا۔

"ہم مسلمان ہیں" — محافظ نے کہا۔

"مدینہ کے مسلمان؟" — بوڑھے نے پوچھا اور جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا — "میں یہاں کا عیسائی ہوں۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ سب چلے گئے ہیں۔"

"کہاں چلے گئے ہیں؟"

"بھاگ گئے ہیں" — بوڑھے نے کہا — "سالار بھاگ جائیں، فوج بھاگ جائے تو لوگ کیوں نہیں بھاگیں گے؟ کیا خالدؓ بن ولید تمہارا سالار ہے؟.... یہاں سب اُسے جن اور دیو کہتے ہیں.... ہاں، ہاں.... جس نے کسریٰ کی اتنی طاقتور فوج کو بھگا دیا ہے وہ انسان نہیں ہوگا۔"

خالدؓ نے اُسے نہ بتایا کہ وہ جن اور دیو، اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ بوڑھے کے منہ میں دودھ ڈالا جائے۔

"فوج گئی کہاں ہے؟" — بوڑھے سے پوچھا گیا۔

"آگے شہر حیرہ ہے" — بوڑھے نے جواب دیا — "ازادبہ وہاں کا حاکم ہے۔ شاید اُس نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ حیرہ آجاؤ.... ہمارے اس شہر کے جوان آدمی مدینہ والوں کے خلاف لڑنے گئے تھے۔ بہت سارے مارے گئے ہیں۔ وہ جو بچ کر آگئے تھے، وہ حیرہ چلے گئے تھے۔ پیچھے بوڑھے، عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ یہاں کے سب لوگ خالدؓ بن ولید سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے بھاگ کر آنے والے جوانوں نے لوگوں کو اور زیادہ ڈرا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان خون کا دریا بہا دیتے ہیں، اور وہ اِدھر آ رہے ہیں.... سب بھاگ گئے ہیں۔ میں نہیں بھاگ سکا۔ میں تو اٹھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔"

اِس بوڑھے کو اونٹنی کا دودھ پلا کر اُس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امینشیا شہر اس حالت میں خالی تھا کہ لوگوں کے گھروں میں سامان اور قیمتی اشیاء ایسے پڑی تھیں جیسے ان مکانوں کے مکین ابھی ابھی کچھ دیر کے لیے باہر نکل گئے ہوں۔ لوگ اتنی عجلت میں بھاگے تھے کہ رقمیں اور سونا وغیرہ بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

خالدؓ کے حکم سے تمام فوج کو شہر میں بلا لیا گیا اور انہیں مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی چھٹی دے دی گئی۔ یہ امیروں کا شہر تھا۔ گھروں میں قیمتی اشیاء اور کپڑوں کی افراط تھی۔ مسلمان بعض چیزوں کو دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ یہ چیزیں وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

جب سامان ایک جگہ اکٹھا کیا گیا تو خالدؓ نے دیکھا۔

"آگ لگا دو اس سامان کو" — خالدؓ نے حکم دیا — "یہ عیش و عشرت کا وہ سامان ہے جس

نے اس قوم کو بزدل بنا دیا ہے۔ ان لوگوں کا انجام دیکھ لو۔ ان کے محل اور مکان دیکھ لو۔ خدا کی قسم خدا جسے تباہ کرنا چاہتا ہے اُسے عیش و عشرت میں ڈال دیتا ہے.... ہمیں آگے جانا ہے.... جلادو اسے اور سونا، ہیرے جواہرات اور رقمیں الگ جمع کر دو۔"

طبری نے خاص طور پر لکھا ہے کہ خالدؓ نے اس خیال سے قیمتی ظروف، ریشمی کپڑے اور امیر گھروں کا سامان جلا دینے کا حکم دیا تھا کہ مجاہدین جہاد سے منہ موڑ جائیں گے۔ طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ جو مالِ غنیمت اِس شہر سے ملا اتنا کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔ خالدؓ نے دستور کے مطابق اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابُوبکرؓ کو بھیج دیا۔

محمد حسین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو مدینہ کو بھیجا گیا اس کا میرِ کارواں بنی عجل کا ایک شخص جندل تھا۔ فارسیوں کے خلاف پہلی تینوں جنگوں کے جنگی قیدیوں کو اسی قافلے کے ساتھ مدینہ کو بھیجا گیا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے ان قیدیوں میں سے ایک خوبصورت لونڈی جندل کو بطور انعام دی۔

طبری نے لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے مدینہ کے مسلمانوں کو مسجد میں بلایا اور انہیں خالدؓ کی فتوحات کی تفصیلات سنائیں۔ اُنہوں نے کہا۔۔۔"اے قریش! تمھارا شیر ایک اور شیر پہ جھپٹ پڑا اور اُسے مار گرایا ہے۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا بیٹا پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔"

★

"ولید کے بیٹے!"۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ سے کہا۔۔۔"آگے فارس کی شہنشاہی کا ایک اور بڑا شہر حیرہ ہے۔ اسے تُو فارس کا ہیرا سمجھ لیکن اسے لینا آسان نہیں ہوگا۔"

"ہاں حارثہ کے بیٹے!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"اسینشیا کی تمام فوج اور تمام عیسائی جوان حیرہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سب ہمارے مقابلے میں آئیں گے۔ انہیں مقابلے میں آنا چاہیئے.... مدائن کی کیا خبر ہے؟"

"آج ہی میرا ایک جاسوس واپس آیا ہے"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔۔۔"وہ بتاتا ہے کہ مدائن میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ کسریٰ کے محل میں ماتم ہو رہا ہے.... اچھی خبر یہ ہے کہ وہاں سے اب فوج کا کوئی دستہ نہیں آئے گا۔"

"کیا یہ لوگ اب بھی نہیں سمجھے کہ تخت و تاج اور خزانے طاقت نہیں ہوتے کہ دشمن سے بچالیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ کے سچے رسولؐ کا پیغام دیں کہ طاقت اور ثروت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ ہی عبادت کے لائق ہے جس کا کوئی شریک نہیں؟"

"ہاں ابنِ ولید!"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔۔۔"یہ ہمارا فرض ہے کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔"

"اس کے ساتھ ہی مجھے ہر اُس خطرے کو کچلنا ہے جو اسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"کفر کا سر کچلنا ہے۔"

تاریخ اسلام کا یہ ابتدائی دَور بڑا ہی نازک تھا۔ اِسی دَور میں اسلام کی عسکری روایات کی بنیاد رکھنی تھی۔ اُمّتِ رسولؐ کے لیے جذبے کی شدت اور اہمیت کا تعیّن کرنا تھا۔ اِس روایت کی بنیاد اِس اصول پر رکھنی تھی کہ نفری اور طاقت کی کمی شکست کا باعث نہیں بن سکتی۔ جذبہ اور اسلام کی محبت اس کمی کو پورا کر دیا کرتی ہے۔

خالدؓ کو احساس تھا کہ وہ اس خیال سے پیچھے ہٹ آتے کہ لشکر مسلسل لڑ لڑ کر تھک گیا ہے اور نفری بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور اپنے مستقر یعنی مدینہ سے بھی دُور ہٹتے جا رہے ہیں تو آنے والی نسلوں کے لیے یہی روایت بن جائے گی جہاں رکاوٹ یا کوئی دشواری پیش آگئی، سالار اپنی فوج کو واپس لے آئیں گے۔ خالدؓ ایسی روایت قائم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

خالدؓ کو خلیفۃ المسلمین کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اُس وقت کی خلافت کی پالیسی میں کفّار کے ساتھ دوستی یا مذاکرات کا ذرا سا بھی دخل نہیں تھا۔ دشمن کو دشمن ہی سمجھا جاتا تھا۔ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ دشمن کتنی دُور ہے اور کتنا طاقتور ہے۔ اصول یہ تھا کہ دشمن کے سَر پر سوار رہو اور اُس کے لیے دہشت بن جاؤ۔

فارس کی شہنشاہی کوئی معمولی طاقت نہیں تھی۔ خالدؓ نے اتنی بڑی طاقت کے پیٹ میں جا کر بھی پیچھے ہٹنے کی نہ سوچی۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ لشکر کو کچھ آرام دیتے اور اس کی تنظیم میں اگر کچھ خامیاں رہ گئی تھیں تو وہ دُور کر لیتے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے انہیں بتایا کہ حیرہ میں مقابلہ بڑا سخت ہوگا تو بھی خالدؓ نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی نہ سوچی۔ انہوں نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بُلایا۔

"خدا کی قسم!"— خالدؓ نے سالاروں سے کہا— "مجھے یقین ہے کہ تم یہ نہیں سوچ رہے کہ ہم جتنا آگے بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے لیے خطرے بڑھتے جا رہے ہیں"۔

"نہیں ابنِ ولید!"— ایک سالار نے کہا— "ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ رہا"۔

"اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا"— دوسرے سالار نے کہا۔

"اور مجھے یہ بھی یقین ہے"— خالدؓ نے کہا— "کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں سوچے گا کہ دشمن کتنا طاقتور ہے"۔

"نہیں ابنِ ولید!"— سالار عاصم بن عمرو نے کہا— "ہمیں یہ بتا کہ تو آج یہ بات کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"تم پر اللہ کی رحمت ہو!"— خالدؓ نے کہا— "ہماری اگلی منزل بہت دشوار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ہم میں سے کون رہتا ہے اور کون دنیا سے اُٹھ جاتا ہے۔ اپنے دلوں پر نقش کر لو کہ اپنے فرض سے منہ موڑ کر اللہ کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا ٹھکانہ بہت بُرا ہوگا اور تم جانتے ہو وہ ٹھکانہ کیسا ہے۔ روایت جو تم آج قائم کرو گے وہ ایک ورثہ ہوگا جو تم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جاؤ گے اور یہ روایت اسلام کی بقا کا یا فنا کا باعث بنے گی۔ ہمیں اسلام کی بقا اور سربلندی کے لیے لڑنا ہے۔ قرآن کا حکم یاد کرو کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ موجود ہے اور دشمن کو معاف اُس وقت کرو جب وہ ہتھیار ڈال کر تمہارے آگے جھک جاتے، پھر اُس سے وہ شرطیں منواؤ کہ اُس کا ڈنک مارا جاتے اور اُس کا دل رسولؐ اللہ کے پیداتیوں کے خوف

سے کانپتا رہے۔"

اپنے سالاروں کے جذبے میں نئی روح پھونک کر خالدؓ نے انہیں بتایا کہ آگے آتش پرستوں کا بڑا مضبوط فوجی اڈہ حیرہ ہے جہاں کے حاکم ازادبہ نے بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آتش پرست پہلی لڑائیوں میں بے شمار کشتیاں لاتے تھے۔ وہ اب مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو کشتیوں میں حیرہ تک لے جانے کا فیصلہ کیا۔ دریائی راستہ آسان تھا اور چھوٹا بھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ریگزاروں میں لڑنے والے دریاؤں کے سینے پر سوار ہوتے۔

کشتیوں میں سوار لشکر کی حفاظت کے لیے خالدؓ نے یہ انتظام کیا کہ دریا کے دونوں کناروں پر سو ڈیڑھ سو گھوڑسواروں کو رکھا جنہیں کشتیوں کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ فتح ونصرت سے سرشار لشکر جذبے اور اسلام کی محبت کے جوش سے دریائے فرات کے سینے پر چلا جا رہا تھا۔ جنگی ترانے کی ایک گونج تھی جو فرات کے پانی پر وجد طاری کر رہی تھی۔ پھر یہ جنگی ترانہ کلمہ طیبہ میں بدل گیا۔ اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی آواز ایک، عزم ایک، جذبہ ایک تھا۔ اُن کے دلوں میں ایک اللہ اور ایک رسولؐ کا عشق تھا۔

★

دشمن سویا ہُوا نہیں تھا۔ حیرہ کا حاکم ازادبہ راتوں کو بھی نہیں سوتا تھا۔ حیرہ میں یہ خبر نہیں پہنچنے دی گئی تھی کہ شہنشاہ فارس اُردشیر مر چکا ہے۔ وہ ابھی تک ہر بات اور ہر حکم میں اُردشیر کا نام لیتا تھا۔

اُس روز وہ حیرہ کی شہر پناہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے شہر میں بے پناہ لشکر جمع کر لیا تھا۔ وہ جس دستے کے سامنے جاتا وہاں چلّا چلّا کر کہتا ۔۔۔" زرتشت کی رحمت ہوتم پر! وہ بزدل تھے جو کاظمہ، مذار اور الیسّ میں صحرا کے بدّوؤں کے ہاتھوں پٹ گئے تھے۔ اُن کے مُردہ جسموں کو زرتشت کے شعلے چاٹ رہے ہیں .... اے یسوع مسیح کے نام لیواؤ! تم ہمارے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے ہو۔ یاد کرو اپنی اُن بیٹیوں کو جو لونڈیاں بن کر مدینہ پہنچ گئی ہیں۔ یاد کرو اُن جوان بیٹوں کو جن کے مُردہ جسموں کا گوشت بھیڑیئے، گیدڑ اور گوشت خور پرندے کھا گئے ہیں اور اُنہیں بھی جو قیدی ہو کر مدینہ والوں کی غلامی میں جا پڑے ہیں .... مسلمان فتح کے نشے میں بے خطر بڑھے آ رہے ہیں۔ اُن کے لیے ایسا خطرہ بن جاؤ کہ زندہ واپس نہ جا سکیں۔ شہنشاہِ فارس اُردشیر تمہیں خود مبارک دینے آئیں گے۔ تمہیں انعام واکرام سے مالا مال کر دیں گے۔"

شہر پناہ اور بُرجوں کے معائنے کے دوران اُس نے دیکھا، دُور ایک گھوڑ سوار گھوڑے کو انتہائی رفتار پر دوڑاتا آ رہا تھا۔

"دروازہ کھول دو" ۔۔۔ ازادبہ چلّایا ۔۔۔" یہ سوار امینشیا کی طرف سے آ رہا ہے۔"

کئی آوازیں سنائی دیں ۔۔۔" دروازہ کھول دو۔ سوار کو آنے دو۔"

ازادبہ بڑی تیزی سے دیوار سے اُتر گیا۔ سوار کے پہنچنے تک دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ سوار رفتار کم کیے بغیر اندر آ گیا۔ ازادبہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آنے

والے سوار کی طرف گیا۔ دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو رک گئے۔

"کوئی خبر؟" ــــ ازادبہ نے پوچھا۔

"وہ آرہے ہیں" ــــ سوار نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا ــــ "سارا لشکر کشتیوں میں آرہا ہے"۔ وہ خالدؓ کے لشکر کی پیشقدمی کی خبر دے رہا تھا۔

"کشتیوں میں؟" ــــ ازادبہ نے پوچھا ــــ "بند سے کتنی دور ہیں؟"

"بہت دور" ــــ سوار نے جواب دیا ــــ "ابھی بہت دور ہیں"۔

ازادبہ کا بیٹا سالار تھا۔ ازادبہ نے اپنے بیٹے کو بلایا۔ (کسی بھی تاریخ میں اس کے بیٹے کا نام نہیں ملتا۔ اسے "ازادبہ کا بیٹا" ہی لکھا گیا ہے)

"آج تیری آزمائش کا وقت ہے میرے بیٹے!" ــــ ازادبہ نے کہا ــــ "ایک سوار دستہ ساتھ لے اور طوفان سے زیادہ تیز رفتار سے بند تک پہنچ اور فرات کا پانی اس طرح پی لے کہ فرات سوکھ جائے۔ مسلمانوں کا لشکر کشتیوں میں آرہا ہے۔ دیکھ، تو پہلے پہنچتا ہے یا مسلمان!"

اس کا بیٹا ایک سوار دستہ لے کر بہت تیز رفتار سے شہر سے نکل گیا۔

★

خالدؓ کا لشکر بڑی اچھی رفتار پر آرہا تھا۔ چونکہ وہ بارش کا موسم نہیں تھا اس لیے دریا میں پانی کم تھا لیکن کشتیوں کے لیے کافی تھا۔ اچانک پانی کم ہونے لگا، پھر پانی ختم ہوگیا اور تمام کشتیاں کیچڑ میں پھنس کے رہ گئیں۔ مدینہ کے مجاہدین پر خوف طاری ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دریا کا خشک ہو جانا خوف والی بات تھی۔ خود خالد پریشان ہو گئے۔

"مت گھبرا ولید کے بیٹے!" ــــ کنارے سے مثنیٰ بن حارثہ کی للکار سنائی دی ــــ "اور مت ڈرو اہلِ مدینہ! آگے دریا پر ایک بند ہے۔ ہمارے دشمن نے بند پر پانی روک لیا ہے"۔

بڑی تیزی سے سوار اپنے گھوڑے کشتیوں سے نکال لاتے اور یہ دستہ سرپٹ دوڑتا بند تک پہنچا۔ ازادبہ کا بیٹا ابھی اپنے سواروں کے ساتھ وہیں تھا۔ مسلمان سواروں نے ان پر ہلّہ بول دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ مسلمانوں نے بند کھول دیا۔ کشتیوں تک پانی پہنچا تو کشتیاں اٹھنے لگیں۔ ملاحوں نے چپّو تھام لیے اور کشتیاں تیرنے لگیں۔

ازادبہ اچھی خبر کے انتظار میں دیوار پر کھڑا بے تاب ہو رہا تھا۔ اس کا ایک سالار اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"بہت بری خبر آئی ہے" ــــ سالار نے کہا۔

"کہاں سے؟" ــــ ازادبہ نے گھبرا کر پوچھا ــــ "کیا میرا بیٹا...."

"مدائن سے!" ــــ سالار نے کہا ــــ "شہنشاہ اردشیر مر گئے ہیں لیکن یہ خبر خفیہ رکھنی ہے"۔

اتنے میں ایک سوار ان کے پاس آیا اور گھوڑے سے اتر کر آداب بجا لایا۔

"اگر یہ میرا فرض نہ ہوتا تو میں ایسی خبر زبان پر نہ لاتا" ــــ سوار نے کہا۔

"میں سن چکا ہوں" ــــ ازادبہ نے کہا ــــ "کسریٰ اردشیر...."

"نہیں" — سوار نے کہا — "آپ کا بیٹا بند پر مارا گیا ہے۔ اُس کے تمام سواروں کو مسلمانوں نے کاٹ ڈالا ہے۔"

"میرا بیٹا!" — ازادبہ کے مُنہ سے نکلا اور اُس کا رنگ لاش کی طرح سفید ہوگیا۔

مکتبہ داستان کی کتب

اسلامی کتب

قرآن کی کرنیں

پراثر وظائف اور روحانی عملیات

اسلامی تاریخی ناول

داستان ایمان فروشوں کی (پانچ حصے) — عنایت اللہ

اور ایک بت شکن پیدا ہوا (چار حصے) — عنایت اللہ

دمشق کے قید خانے میں — عنایت اللہ

جرم و سزا

کار، شلوار اور دوپٹہ — احمد یار خان

بال ایک چڑیل کے — احمد یار خان

جب مجھے اغوا کیا گیا — احمد یار خان

لاش لڑکی اور کف کے گناہگار — احمد یار خان

واردات اس رات کی — احمد یار خان

جب بہن کی چوڑیاں ٹوٹیں — احمد یار خان

سندری کا سودا — احمد یار خان

روح کے رشتے اور مقتول کی بدروح — احمد یار خان

ایک رات کی شادی — احمد یار خان

دام میں صیاد آ گیا — احمد یار خان

قاضی کی کوٹھڑی اور کنواری بیٹی — احمد یار خان

جب پیار نے کروٹ بدلی — احمد یار خان

جائیداد کا وارث — احمد یار خان

آشرم سے اس بازار تک — احمد یار خان

رتن کماری کی روپا — احمد یار خان

شیشہ اور شہہ رگ — وجیہ حسین رضوی

من بیاہی ماں — محبوب عالم

سہاگ کا خون — محبوب عالم

لاش پر لاش — محبوب عالم

پیار کا پاپی — محبوب عالم

چادر اور چوڑیاں — محبوب عالم

حوالات میں طلاق — محبوب عالم

بھائی اور بھیڑیا (احمد یار خان، صابر حسین راجپوت، طاہر الدین)

ناول

طاہرہ — عنایت اللہ

خاکی وردی لال لہو (دو حصے) — عنایت اللہ

الجھے راستے — عنایت اللہ

بھٹکے ہوؤں کی داستان — ابن صحرا، نذر صبوحی

ایک کہانی (دو حصے) — عنایت اللہ

دھندلی راہیں (چار حصے مکمل) — عنایت اللہ

تاریک اجالے — وقاص

اور نیل بہتا رہا (اول، دوئم) — عنایت اللہ

آپ بیتیاں، جگ بیتیاں

چار دیواری کی دنیا — عنایت اللہ

چمن چمن کے پاپی — عنایت اللہ

مرد تو میں ہوں۔ میرا تیسرا خاوند — ن۔م۔ر۔س

جوانی کے جنگل میں — غلام مہدی، عنایت اللہ

میں بزدل تھا وہ مر گیا تم زندہ رہو — رئیس الدین۔ علی اظہر

عزیز احمد۔ عنایت اللہ

جرم، جنگ اور جذبات — عنایت اللہ

میں گناہگار تو نہیں — عنایت اللہ

ناقابل فراموش — عنایت اللہ

سزا اس گناہ کی — عنایت اللہ

پاکستان۔ ایک پیاز دو روٹیاں — عنایت اللہ

رات کا راہی (دو حصے) — لاہوتی

پرچم اڑتا رہا — عنایت اللہ

۱۸۵۷ء کی داستان خونچکاں — عنایت اللہ

چار دیواری کے ریچھوں میں — عنایت اللہ

پانچویں لڑکی — عنایت اللہ

چھوٹی بہن کا پگلا بھائی — عنایت اللہ

پیاسے — عنایت اللہ

ستارہ جو ٹوٹ گیا — عنایت اللہ

ہماری شکست کی کہانی — عنایت اللہ

پیاسی روحیں — عنایت اللہ

آستین کے سانپ (اول، دوئم) — حسین ثاقب

شکاریات

لہو گرم رکھنے کا ہے ایک بہانہ — صابر حسین راجپوت

قبر کا بھید — صابر حسین راجپوت

سانپ، سادھو اور لوبے کی کہانی — صابر حسین راجپوت

بلی کا بچہ — صابر حسین راجپوت

بھیڑیا، بدروح اور بیوی — صابر حسین راجپوت

ایک لڑکی دو دستگیر — صابر حسین راجپوت

طب و نفسیات

زندہ رہو جوان رہو — ڈاکٹر نصیر اے شیخ

روحانی مسرت جسمانی قوت — ڈاکٹر شبیر حسین

نئی زندگی نئی توانائی (ماہرین طب و نفسیات کا ہدایت نامہ)

روح کا روگ — ڈاکٹر ممتاز حسین بھٹی

راشدہ تبسم

مقناطیسی شخصیت (دو حصے) — میم۔ الف

مایوسی کیوں؟ — میم۔ الف

طنز و مزاح

افسر، پنجر اور پھوپھی جمالو — عنایت اللہ

چاچا گام — عزیز ذوالفقار

ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم پاکستان میں — عنایت اللہ

ماما چپس — عزیز ذوالفقار

پاک بھارت جنگ

بدر سے باٹا پور تک (انعام یافتہ) — عنایت اللہ

پاک فضائیہ کی داستان شجاعت — عنایت اللہ

فتح گڑھ سے فرار — کیپٹن نور احمد

لاہور کی دہلیز پر — عنایت اللہ

دو ملکوں کی کہانی — عنایت اللہ

کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس

جہانگیر بک ڈپو

اردو بازار۔ لاہور فون: 042-7220879

اقبال روڈ۔ راولپنڈی۔ فون: 051-5539609

نزد یونیفارم سنٹر جامع مسجد صدر رسالہ روڈ۔ حیدرآباد

نسیم حجازی کی تصانیف

- آخری معرکہ
- اندھیری رات کے مسافر
- آخری چٹان
- پردیسی درخت
- انسان اور دیوتا
- گمشدہ قافلے
- شاہین
- داستان مجاہد
- معظم علی
- یوسف بن تاشفین
- خاک اور خون
- محمد بن قاسم
- قیصر و کسریٰ
- اور تلوار ٹوٹ گئی
- کلیسا اور آگ
- قافلہءِ حجاز
- ثقافت کی تلاش
- سو سال بعد
- سفید جزیرہ
- پورس کے ہاتھی
- پاکستان سے دیار حرم تک

جھانگیر بک ڈپو

اُردو بازار۔لاہور فون:042-7220879

اقبال روڈ۔راولپنڈی۔فون:051-5539609

نزد یونیفارم سنٹر جامع مسجد صدر رسالہ روڈ۔حیدر آباد